MEMBER APNS CPNE

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز

انٹرویو

ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

مستقل سلسلے

ستمبر 2016

جلد 39 شمارہ 6

قیمت 60 روپے

خط وکتابت کا پتہ

کرن

37- اردو بازار کراچی

خط وکتابت کا پتہ: ماہنامہ کرن، 37- اردو بازار، کراچی۔

پبلشر آزر ریاض نے ابنِ حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872

Email: kiran@khawateendigest.com Website: www.khawateendigest.com

مدیرہ

آداب

یہ ذی الحج کا مہینہ ہے۔ حج اور قربانی کا مہینہ۔ اسلام کا واضح پیغام اخوت، محبت اور یک جہتی ہے اور حج اسی پیغام کا مظہر ہے۔ حج کے موقع پر ہر سال لاکھوں مسلمان بلا امتیاز رنگ و نسل دنیا کے کونے کونے سے اس مقدس فریضے کی ادائیگی کے لیے اپنے خالق حقیقی کے حضور حاضر ہوتے ہیں۔ امت مسلمہ کا یہ اجتماع ایک عالمگیر مساوات، یگانگت اور اخوت کا شاندار مظاہرہ ہے۔ اور اس ابدی حقیقت کا ثبوت ہے کہ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ خواہ ان کا تعلق کسی نسل و قومیت سے ہو۔

عیدالاضحیٰ صرف اجتماعی خوشی کا تہوار ہی نہیں بلکہ اس میں جذبۂ قربانی کا احساس بھی شامل ہے۔ یہاں سوچنے کی بات یہ ہے کہ قربانی صرف جانور کے گلے پر چھری چلانے کا نام ہے؟ شاید نہیں، بلکہ قربانی کا اصل مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ہم اپنے نفس اور اپنی غلط خواہشات کو قربان کر دیں۔ قربانی کا اصل فلسفہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں سر تسلیم خم کرنا ہے۔

عید کی مسرتوں میں اپنے اردگرد کے لوگوں کو بھی یاد رکھیں۔ ان کو جو آپ کے رشتے دار اور احباب ہیں اور وہ بھی جن سے انسانیت کا رشتہ ہے۔ اپنی خوشیوں میں ان کو بھی شریک کریں، آپ کی خوشیاں دوبالا ہو جائیں گی۔

ہماری جانب سے تہہ دل سے عید کی مبارک باد قبول کیجیے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کی قربانیوں کو قبول فرمائے اور عید کی روشن سحر ہمارے لیے خوشیوں کا پیغام لے کر طلوع ہو۔ آمین۔

اس شمارے میں،

- عیدالاضحیٰ کے موقع پر شیف ردا آفتاب کا خصوصی انٹرویو،
- اداکار یاسر شورو کہتے ہیں "میری بھی سنیے"،
- "آواز کی دنیا سے" اس ماہ مہمان ہیں عائشہ خان،
- اس ماہ حمیرا کے "مقابل ہے آئینہ"،
- "شادی مبارک ہو" بشریٰ گوندل کی شادی کا احوال،
- "راپنزل" تنزیلہ ریاض کا سلسلے وار ناول،
- آسیہ مرزا کا سلسلے وار ناول "من مورکھ کی بات نہ مانو"،
- "دست مسیحا"، نگہت سیما کا مکمل ناول،
- مصباح علی کا مکمل ناول "تو میری مانگ کا تارا"،
- مہوش افتخار کا دلکش ناولٹ "سنگ پارس"،
- صدف آصف کا ناولٹ "خواب زدہ"،
- بشریٰ ماہا کا ناولٹ "عید محبت"،
- صبا آصف، فریدہ فرید، راشدہ علی، شازیہ ستار، ریحانہ آفتاب اور طلعت نفیس کے افسانے اور مستقل سلسلے،

مفت،

عیدالاضحیٰ کے موقع پر کرن کتاب "عیدالاضحیٰ کا دسترخوان"، کرن کے ہر شمارے کے ساتھ علیحدہ سے مفت پیش خدمت ہے۔

زباں پہ مہر لگا دے جلال ایسا ہے
نظر کی تاب سے باہر جمال ایسا ہے

کہیں دکھائی نہ دے اور ہر طرف موجود
گماں یقیں میں بدل دے کمال ایسا ہے

وہ نور جس کی سمائی نہیں کسی دل میں
بشر کی سوچ سے باہر خیال ایسا ہے

عروج پر ہے مقدّر بفیض چشم کرم
یہ مہرِ عمرِ رواں کا زوال ایسا ہے

کوئی بھی وقت ہو امجد یہ پھیلا رہتا ہے
دلوں میں فضلِ خدا کا نہال ایسا ہے

امجد اسلام امجد

پیامِ حق کا تمہیں منتہیٰ سمجھتے ہیں
تمہاری یاد کو ہم زندگی سمجھتے ہیں

تمہارے نور سے معمور ہیں وجود و عدم
اسی چراغ کو ہم روشنی سمجھتے ہیں

قدم پڑا ہے جہاں آپ کے غلاموں کا
ہم اس زمیں کو تختِ شہی سمجھتے ہیں

یہ آپ ہی کا کرم ہے کہ آج خاک نشیں
مقامِ بندگی و قیصری سمجھتے ہیں

سمجھ سکیں گے وہ کیا رتبۂ نبی کریمؐ
جو آدمی کو فقط آدمی سمجھتے ہیں

ناصر کاظمی

ردا آفتاب سے مُلاقات

شاہین رشید

عید الاضحیٰ کا موقع ہو اور کوئی سروے یا کسی شیف کا انٹرویو نہ ہو' یہ کیسے ممکن ہے۔ عید سروے تو ہم کر نہیں پائے۔ البتہ معروف شیف "ردا آفتاب" سے کیا گیا انٹرویو حاضر ہے۔

* "جی ردا آفتاب کیسی ہیں آپ؟"

☆ "جی الحمدللہ..... بالکل ٹھیک ٹھاک۔"

* "ردا آپ کے بتائے ہوئے پکوان بھی اچھے اور آپ خود بھی بہت اچھی اور ماشاء اللہ آپ کی پرسنالٹی بھی شان دار..... اس میں آپ کی کتنی محنت ہے؟"

☆ ہنستے ہوئے..... "یہ آپ کی اور دیگر چاہنے والوں کی محبت کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھ میں ہنر' لہجے میں مٹھاس اور پرسنالٹی اچھی کر دی ہے۔"

* "ایک سوال جو ہر فیلڈ کے لیے سیٹ ہو جاتا ہے آپ سے بھی کروں گی کہ کیا آپ کو بچپن سے شوق تھا؟"

☆ "جی..... جی مجھے تو بچپن سے ہی شوق تھا کھانے پکانے کا کم عمری میں ہی امی کا ہاتھ بٹانے لگ گئی تھی اور پھر امی سے کہہ کر خود کھانا پکاتی' نہ صرف پکاتی تھی بلکہ نئی نئی چیزیں بنانے کی کوشش بھی کرتی تھی اور پھر میری پکی ہوئی چیزیں سب کو پسند بھی آتی تھیں۔ اس حوصلہ افزائی کی وجہ سے میرا دل چاہتا تھا کہ میں مزید نئے نئے کھانے بنواؤں..... اور پھر نہ صرف میں اچھے اچھے کھانے پکانے لگ گئی بلکہ اپنے پکوان کی تراکیب

میگزین میں شائع کروانے کے لیے بھیجتی۔۔۔۔ جو شائع ہو جاتی تھیں۔۔۔ اور مجھے بہت اچھا لگتا تھا۔“

* ”اچھا گڈ۔۔۔ پھر مصالحہ چینل تک کیسے پہنچیں؟“

☆ ”وہ ایسے کہ میں نے ایک قدم مزید بڑھایا اور ”ڈالڈا کا دسترخوان“ میں اپنی ریسپیز بھیجنا شروع کردیں جو نہ صرف انہیں پسند آئیں بلکہ انہوں نے مجھے مستقل لکھنے کے لیے کہا۔۔۔ ریسپیز سے ایک قدم اور آگے بڑھایا مجھے اس میگزین والوں نے۔۔۔ وہ اس طرح کہ انہوں نے کہا کہ جو پکاتی ہیں اس کی فوٹو شوٹ کریں گے۔ ساری ڈیکوریشن بھی آپ ہی کریں گی تو نہ صرف فوٹو شوٹ ہونے لگے بلکہ ڈیکوریشن اور پریزنٹیشن بھی میری ہی ذمہ داری ہوگی۔۔۔ اور مزے کی بات یہ کہ سب کچھ میرے اپنے ہی گھر میں ہوتا تھا۔“

* ”ارے واہ۔۔۔ پھر تو گھر والوں کے تو مزے ہو جاتے ہوں گے۔۔۔؟“

☆ ”جی بالکل۔۔۔ ٹھیک کہا آپ نے۔۔۔ ہمارے گھر فوٹوگرافر کاشف آتے تھے۔ تو وہ اکثر کھانا بھی کھا کر جاتے تھے اور بہت تعریف بھی کرتے تھے اور کہتے کہ آپ کے ہاتھ میں بہت ذائقہ ہے۔ میں نے کافی عرصہ اس میگزین کے لیے کام کیا۔“

* ”پھر کیوں چھوڑا اس میگزین کو اور سوال کا جواب ادھورا رہ گیا کہ چینل تک رسائی کیسے ہوئی؟“

☆ ”چھوڑا اس لیے کہ مصروفیات میں اضافہ ہوگیا تھا۔۔۔ اور مصالحہ چینل تک رسائی تو بعد میں ہوئی‘ چینل کے حوالے سے پہلا تعلق تو انڈس ٹی وی سے ہوا اور کاشف نے ہی مجھے کہا اور انڈس ٹی وی سے بھی پہلے مجھے ”اے آر وائی“ نے آفر دی اور کہا کہ ”کچن“ کے نام ایک لائیو پروگرام شروع کر رہے ہیں اور اس پروگرام کو آپ نے ہی کرنا ہے۔۔۔ مگر میں نے انکار کر دیا۔۔۔ آپ پوچھیں گی ”کیوں؟“ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایک تو مجھے لگتا تھا کہ میرے گھر والے مجھے اجازت نہیں دیں گے اور دوسری بات یہ کہ مجھے لائیو پروگرام کرنے میں تھوڑی سی دشواری ہوگی۔۔۔ اور پھر ہوا یہ

کہ شیف ”راحت“ عمرہ کرنے چلی گئیں۔۔۔ اور کاشف نے ایک بار پھر مجھ سے رابطہ کیا اور اس بار میں نے انکار نہیں کیا۔“

* ”آپ نے سوچا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ میرے ساتھ کچھ اچھا کرنے والا ہے؟“

☆ ”اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ ہمیشہ اچھا کیا ہے اور میں نے سوچا کہ رب نے میرے ساتھ ہمیشہ اچھا کیا ہے اور یہ دوسری بار آفر آرہی ہے تو یقیناً ”اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے لیے مجھ سے کچھ کام لینا چاہتی ہے۔۔۔ سو میں نے حامی بھرلی۔۔۔ اور انڈس ویژن کے لیے ”راحت“ کی عدم موجودگی میں پروگرام کرتی رہی۔۔۔ اور لوگوں نے میرے پروگراموں کو بہت پسند کیا۔۔۔ ”ٹی وی ون“ اور ”آج“ ٹی وی کے لیے بھی پروگرام کیے۔ اس دوران ”مصالحہ“ چینل والوں نے بلایا اور اپنے چینل کے لیے مجھے مستقل ہائر کرلیا۔“

* ”کتنے سال ہوگئے اس چینل پہ۔۔۔ اور پہلی بار انکار کرنے کی وجہ کیا تھی؟“

☆ ”وجہ کوئی خاص نہیں تھی۔۔۔ بس ایک جھجک

تھی کہ لائیو آؤں گی تو کوئی غلطی نہ ہو جائے.... لیکن جب انڈس ویژن پہ ریکارڈ پروگرام کیے تو کیمروں کے ساتھ شناسائی ہو گئی۔ دوستی ہو گئی تب میں نے لائیو پروگرام شروع کیے.... اور آپ کا یہ سوال کہ مصالحہ چینل پہ کتنا عرصہ ہو گیا تو جناب مجھے اس چینل پہ تقریباً" چھ سال ہو گئے ہیں۔"

* "عموماً" لڑکیاں اپنی ماؤں سے متاثر ہو کر یا حوصلہ افزائی کے چند جملے سن کر اور سننے کے لیے اس جانب راغب ہوتی ہیں۔ آپ کے پیچھے کیا کہانی ہے؟"

☆ "کوئی کہانی نہیں ہے.... کسی نے فورس نہیں کیا اور نہ ہی سسرال نے طعنے دیے.... سسرال والے تو خیر طعنے دے بھی نہیں سکتے تھے کیونکہ شادی سے پہلے ہی مجھے بہت شوق ہو گیا تھا پکانے کا.... بس یہ قدرتی تھا.... شاید اس ہنر کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے مجھے شہرت بھی دینی تھی اور میرا "رزق" بھی باندھا تھا۔

* "خداداد صلاحیت ہے خود سے ریسپیز کو کریئیٹ کرنا یا آپ نے ٹریننگ بھی لی؟"

☆ "دیکھیں جی صلاحیت انسان میں ہوتی ہے تو وہ ٹریننگ لے کر مزید ماہر ہوتا ہے.... مجھ میں صلاحیت تھی اور میں نے خود سے بہت سی ریسپیز بنائیں اور بہت کامیاب رہی.... مگر ساتھ ساتھ میں نے کورسز بھی کیے اپنے ملک سے بھی اور ملک سے باہر بھی.... پاکستان میں میں نے "رنگون والا ہال" سے کورسز کیے ہیں اور خود میری امی بہت ماہر ہیں کھانا پکانے میں۔"

* "بازار کے مسالاجات کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟"

☆ "میرا خیال تو یہ ہے کہ اب بازار کے مسالے استعمال کرنے کا رجحان تقریباً" ختم ہوتا جا رہا ہے.... اب تو جب سے ہم نے سکھانا شروع کیا ہے۔ جب سے کوکنگ کے میگزین آنے شروع ہوئے ہیں اور جب سے کوکنگ چینل آئے ہیں لوگ بلکہ خواتین اپنے گھر کے مسالوں کو ترجیح دینے لگی ہیں۔"

* "مسالے وہی ہوتے ہیں بس طریقہ استعمال مختلف ہوتا ہے۔ کیا خیال ہے آپ کا؟"

☆ "آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ میں تو خواتین اور کم عمر بچیوں کو اپنے پیج پہ بتا دیا ہے کہ ٹوٹل "بارہ" مسالے ہوتے ہیں جنہیں آپ مختلف انداز میں استعمال کر کے اپنے کھانوں کو "لذت آمیز" بنا سکتے ہیں۔"

* "گڈ.... لائیو پروگرام میں کوئی گڑبڑ ہوئی یا کسی نے کہا کہ آپ کی ریسپی سے ہمارا کھانا خراب ہو گیا؟"

☆ "مجھے تقریباً" گیارہ سال ہو گئے ہیں اس فیلڈ میں اور اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ کسی نے آج تک مجھ سے یہ نہیں کہا کہ آپ کی ریسپی سے ہمارا کھانا خراب ہو گیا.... اور جہاں تک لائیو پروگرام میں گڑبڑ کی بات ہے تو میں بہت دھیان اور خیال کے ساتھ کام کرتی ہوں اور کھانا پکاتی ہوں کہ کوئی غلطی نہ ہو۔ اس لیے ابھی تک تو غلطی ہوئی نہیں، آئندہ کے لیے کچھ کہہ نہیں سکتی۔"

* "روا چونکہ یہ انٹرویو ہم "بقرہ عید" کے حوالے سے کر رہے ہیں تو دو چار سوال اس کے بارے میں بھی ہو جائیں.... بقرہ عید کے گوشت کو کس طرح محفوظ کرنا چاہیے؟"

☆ "میں نے دیکھا ہے کہ اکثر خواتین بڑے بڑے شاپرز میں گوشت بھر کر رکھ دیتی ہیں اور پھر جب پکانے کے لیے نکالتی ہیں تو سارا گوشت پگھلا کر تھوڑا سا نکال لیتی ہیں.... یہ بالکل غلط طریقہ ہے۔ ہمیشہ گوشت کے حصے بنا کر رکھیں تاکہ بار بار سارا گوشت نہ نکالنا پڑے۔ کیونکہ اس طریقہ کار سے نہ صرف گوشت جلدی خراب ہو جاتا ہے بکٹیریاز کی وجہ سے، بلکہ گوشت میں لذت بھی نہیں رہتی.... گوشت کو دھو کر نہ رکھیں بلکہ نمک اور ہلدی لگا کر رکھیں اور پکانے سے پہلے اسے دھو لیں نمک ہلدی لگانے گوشت بھی جلدی گل جائے گا اور گوشت کی مہک جو کہ ناگوار گزرتی ہے وہ بھی ختم ہو جائے گی۔"

* "پائے کلیجی گردوں اور بھیجہ کے بارے میں کیا کہیں گی؟"

☆ "ارے ان کو تو بالکل بھی فریز نہ کریں بلکہ تازہ

تازہ کھالیں مطلب پکا کر کھالیں تو زیادہ بہتر ہے۔ ویسے بھی ان میں کولسٹرول زیادہ ہوتا ہے اس لیے یہ صحت کے لیے نقصان دے ہیں ان لوگوں کے لیے جو کولسٹرول کے مریض ہیں۔"

* "ان کو پکانے کے کوئی خاص طریقے بھی ہیں اور گوشت کھانے کے شوقین لوگوں سے کچھ کہنا چاہیں گی آپ؟"

☆ "دیکھیں جی کلیجی کو ہمیشہ تیز آگ پر پکائیں اور مغز یعنی (بھیجہ) کو پہلے نیم گرم پانی میں رکھیں تاکہ اس کی رگیں آسانی سے نکالی جا سکیں اور گوشت کے شوقین حضرات سے گزارش ہے کہ اپنے کھانے میں لہسن ادرک کا استعمال زیادہ کریں۔ بہت مرغن کر کے نہ پکائیں.... ہاں سب سے بہترین طریقہ یہ ہے کہ بار بی کیو کریں کیونکہ کوئلے پہ پکا ہوا گوشت نقصان دہ نہیں ہوتا۔"

* "آپ بہترین کک ہیں۔ کیا آپ بھی شوقین ہیں کھانے کی یا کھلانے کی شوقین ہیں؟"

☆ "جی میں بھی شوقین ہوں اور میرے بچے اور خاص طور پر میرے میاں صاحب کھانے کے بہت شوقین ہیں.... بلکہ بچے اتنے زیادہ شوقین نہیں ہیں جتنے میاں صاحب.... اور آپ کو سن کر حیرانی ہو گی کہ ہمارے یہاں نہ صرف گھر پر ہی کھانا بنتا ہے بلکہ بہت ہی سمپل کھانا پکتا ہے۔"

* "مہمان نواز ہیں؟"

☆ "جی بہت زیادہ.... پہلے تو آئے دن دعوتیں ہوتی تھیں ہمارے گھر میں.... مگر اب مصروفیات اتنی زیادہ ہو گئی ہیں کہ میزبانی کا شرف ہی حاصل نہیں ہو پاتا۔"

* "کسی اور چینل میں جانے کا دل چاہا.... یا آفر آئی آپ کو؟"

☆ "بالکل آئی آفر.... مگر ہمارے چینل نے ہمیں کسی اور چینل میں جانے کی اجازت ہی نہیں دی.... بلکہ ہمیں تو دوسرے چینل میں وقت دینے کی بھی اجازت نہیں ہے اور جب بھی آفر آتی ہے تو میں انہیں بتا دیتی ہوں کہ ہمیں اجازت ہی نہیں ہے۔"

* "کھانا پکانے، سکھانے اور گھرداری کے علاوہ آپ کی کیا مصروفیات ہیں؟"

☆ "میرا زمزمہ میں بوتیک ہے اور "رداز Rida's" کے نام سے کیٹرنگ بھی ہے اور بوتیک تو میرا سائیڈ بزنس ہے۔"

* "روز مرہ کی کیا مصروفیات ہیں آپ کی؟"

☆ "وہی مصروفیات ہیں جو عموماً گھریلو مصروفیات کی ہوتی ہیں۔ میری مصروفیات تھوڑی سی گھریلو خواتین کی مصروفیات سے مختلف ہیں۔ وہ اس طرح کہ مجھے اپنا بوتیک بھی دیکھنا ہوتا ہے، کیٹرنگ بھی اور چینل بھی.... صبح اٹھ کر پہلے گھر کے ضروری کام کرتی ہوں۔ پھر کوکنگ، اس کے بعد بوتیک اور پھر چینل.... مگر ان سے بھی بڑھ کر میری پہلی ترجیح میاں اور بچے ہیں۔ میرے ماشاء اللہ سے دو بچے ہیں۔ ایک بیٹا اور ایک بیٹی جو چھوٹے ہیں اور پڑھ رہے ہیں۔"

* "تھکن ہو تو دماغ پر غصہ بھی غالب آجاتا ہے.... آپ کے یہاں کیا صورت حال ہے؟"

☆ "نہیں جی.... اللہ کا شکر ہے کہ میں اپنی زندگی سے بہت خوش ہوں۔ اس لیے خوش رہتی ہوں اور اس لیے خوش مزاج بھی ہوں.... آپ کسی سے بھی پوچھ سکتی ہیں۔ غصہ ذرا کم ہی آتا ہے۔"

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے ردا آفتاب سے اجازت چاہی۔

میری بھی سنیے

یاسر شورو

شاہین رشید

1 "نام؟"
"یاسر شورو۔"
2 "پیار سے کیا بلاتے ہیں؟"
"یاسر۔"
3 "شورو سے مراد؟"
"ہماری کاسٹ ہے۔ جام شورو سے تعلق ہے ہمارا۔"
4 "تاریخ پیدائش؟"
"4 نومبر 1985ء۔"
5 "شہر/ملک؟"
"سعودی عرب۔"
6 "بہن بھائی؟/ تعلیم؟"
"ہم تین بھائی ہیں / صرف بیچلرز۔"
7 "شادی؟"
"ہو چکی ہے ماشاءاللہ سے تقریباً" 3 سال قبل۔"
8 "بچپن کا خواب؟"
"کہ میں نے بڑے ہو کر ہیرو بننا ہے۔"
9 "آن ایئر ڈرامہ؟"
"رشتہ انجانا سا" اے آر وائی سے۔"
10 "میری صبح کا آغاز؟"
"10 بجے... لازمی..."
11 "مجھے طلب ہوتی ہے؟"
"صبح اٹھتے ہی جوس کے ایک گلاس کی۔"
12 "14 اگست کے حوالے سے ایک بات؟"
"مجھے اپنے ملک کے سیاست داں بہت برے لگتے ہیں۔"

13 ”آن ایئر کمرشل؟“

”کافی چل رہے ہیں۔“

14 ”بہترین انتقام؟“

”نظر انداز کریں.... خود ہی تلملا کر رہ جائے گا۔“

15 ”دل چاہتا ہے کہ؟“

”چھٹی کا دن اکیلے ہی گزاروں.... مگر اب ایسا ممکن نہیں ہے۔“

16 ”لوگوں کی نیچر ہے کہ؟“

”جب لوگ خوش ہوتے ہیں تو سوچتے ہیں اور برملا کہتے بھی ہیں کہ یہ اتنا خوش کیوں ہے.... ہاں.... کوئی پریشان ہو تو پھر دل سے لڈو پھوٹ رہے ہوتے ہیں۔“

17 ”بھوک میں کس کھانے کی طلب ہوتی ہے؟“

”صرف اور صرف بریانی کی۔“

18 ”بوریت ہو تو؟“

”پھر میوزک سنتا ہوں۔“

19 ”بری لگتی ہے؟“

”مہمانوں کی اچانک آمد۔“

20 ”مجھے شوق ہے؟“

”نت نئے برانڈز کی چیزیں جمع کرنے کا۔“

21 ”شادی کی ایک رسم جو انجوائے کرتا ہوں؟“

”رخصتی کی رسم.... بڑے جذباتی سین دیکھنے کو ملتے ہیں۔“

22 ”کھانا وہاں کھانا پسند کرتا ہوں؟“

”جہاں کا کھانا بہت معیاری ہو۔“

23 ”اپنے لیے جیتا ہوں یا دنیا کے لیے؟“

”جینا تو اپنے ہی لیے چاہیے.... مگر دنیا کے لیے بھی جینا پڑتا ہے کہ دنیا یہ نہ کہے 'دنیا یوں نہ کہے۔“

24 ”کھانے میں پہلی ترجیح؟“

”کہ اپنے دیسی کھانے ہوں اور جو مقبول کھانے ہیں وہ ہوں تو کیا ہی بات ہے۔“

25 ”کون سا دن منانا فضول لگتا ہے؟“

”ویلنٹائن ڈے منانا فضول لگتا ہے۔“

26 ”بہت غصہ آتا ہے؟“

”جب لوگ آئی ایم سوری کہہ کر بڑی سے بڑی غلطی اور بڑے سے بڑا نقصان کر کے اپنی جان چھڑا لیتے ہیں۔“

27 ”[illegible] محسوس کرتا ہوں؟“

"صبح سویرے... تازہ دم ہو کر اٹھتا ہوں۔"

28 "گھر آتے ہی دل چاہتا ہے کہ؟"

"میرا کمرہ صاف ستھرا ہو۔ بیرا بستر صاف ستھرا ہو' تاکہ "میں آتے ہی سو جاؤں۔"

29 "آسانی سے مان جاتا ہوں جب؟"

"جب مجھ سے کوئی غلطی ہوتی ہے تو..."

30 "میں خوف زدہ رہتا ہوں کہ؟"

"کہ کہیں کام ملنا بند نہ ہو جائے... اور اگر خدانا خواستہ ایسا ہوا تو..."

31 "جھوٹ بولتا ہوں؟"

"جب ضرورت ہو... اور ضرورت ہر وقت ہی رہتی ہے۔"

32 "کسی میں اتنی ہمت نہیں کہ...؟"

"کہ وہ مجھے گہری نیند سے اٹھا دے... سوائے اس وقت کہ جب کوئی ضروری کام ہو... تب برداشت کر لیتا ہوں۔"

33 "مجھے ڈر لگتا ہے؟"

"لوگوں کے منافقانہ رویوں سے۔"

34 "میں خرچ کرتا ہوں؟"

"ان لوگوں پر جو مجھ سے بے لوث محبت کرتے ہیں۔"

35 "موڈ خوشگوار ہو جاتا ہے؟"

"جب لوگ پہچان کر کہتے ہیں۔ کہ آپ کو فلاں کمرشل میں یا فلاں ڈرامے میں دیکھا تھا۔"

36 "میرا دل چاہتا ہے؟"

"جب میں گھر آؤں تو سب مجھ سے سارا دن کی روداد پوچھا کریں... میرے ڈراموں کے بارے میں پوچھا کریں... مجھے اچھے اچھے مشورے دیا کریں... مگر کسی کو اس بات کا خیال ہی نہیں آتا۔"

37 "تہوار جو اچھے لگتے ہیں؟"

"اپنے سارے مذہبی تہوار اور دیگر ممالک کے تہوار بھی اچھے لگتے ہیں۔"

38 "گھر میں کس کے غصے سے ڈر لگتا ہے؟"

"والدہ کے غصے سے... اف۔"

39 "توقع سے زیادہ ملا؟"

"بہت کچھ... عزت شہرت اور اچھا پیسہ... بہت شکر ہے رب کا... کہ اس نے مجھ پر اتنا کرم کیا۔"

40 "کنجوس کفایت شعار یا فضول خرچ؟"

"کفایت شعار کہیں بہت محنت سے کماتا ہوں اس لیے بہت سوچ سمجھ کر خرچ کرتا ہوں۔"

41 "برا وقت میری نظر میں؟"

"جب آپ کی جیب میں پیسہ نہ ہو تو سمجھے آپ برا وقت گزار رہے ہیں۔"

42 "گھر میں سکون کی جگہ؟"

"باتھ روم... جہاں صرف آپ ہوتے ہیں اور بس۔"

43 "بری لگتی ہیں وہ لڑکیاں؟"

"جو توقعات وابستہ کر لیتی ہیں۔"

44 "کوئی لڑکی گھورے تو خیال آتا ہے؟"

"میں آج کچھ زیادہ ہی اچھا لگ رہا ہوں۔" (ہنستے ہوئے)۔

45 "میں دنیا میں اس لیے آیا کہ؟"

"اداکار بن کے اپنی اداکاری سے دنیا کو متاثر کروں اور کچھ کچھ ایسا ہی ہے۔"

46 "دوسروں کی بھوک کا احساس تب ہوتا ہے؟"

"جب اپنا پیٹ خالی ہو۔ ورنہ تو سب مانگنے والے برے ہی لگ رہے ہوتے ہیں۔"

47 "میری ایک اچھی عادت ہے؟"

"ویسے تو ماشاء اللہ بہت ساری ہوں گی۔ لیکن یہ اچھی عادت ہے کہ نیند سے بے دار ہوتے ہی بستر چھوڑ دیتا ہوں۔ سستی کے مارے پڑا نہیں رہتا بیڈ پہ۔"

48 "کن ممالک میں گھومنا چاہتا ہوں؟"

"میں پوری دنیا گھومنا چاہتا ہوں۔ مگر ابھی تک صرف "دبئی" "تھائی لینڈ" اور "سری لنکا" ہی گھوم سکا ہوں۔"

49 "شدید غصہ آتا ہے؟"

"جب کوئی بے وقوفی کی باتیں کرتا ہے۔"

50 "کس کے مشورے سے کام کرتا ہوں؟"
"اپنے دل کے مشورے سے۔"
51 "غصے کا اظہار؟"
"ہاتھ جوڑ کر معاف کرو بھئی۔"
52 "میں اکثر نوٹ کرتا ہوں کہ....؟"
"کہ آپ کی شخصیت کے اتار چڑھاؤ یعنی آپ کے اچھے برے دنوں میں لوگوں کے رویے کس طرح تبدیل ہوتے ہیں۔"
53 "کن کیڑوں سے خوف آتا ہے؟"
"چھپکلی.... حالانکہ یہ ہمیں دیکھتے ہی بھاگ جاتی ہے.... پھر بھی اس سے خوف آتا ہے.... اور سانپ سے بھی۔"
54 "کھانا کہاں انجوائے کرتا ہوں؟"
"کار کے اندر یا گھر کے بیڈ پہ.... ویسے زیادہ مزا اپنے بیڈ پر آتا ہے۔"
55 "میں حیران ہوتا ہوں کہ؟"
"کہ پتا نہیں لوگوں کو میرا فون نمبر کہاں سے معلوم ہو جاتا ہے.... پھر لوگ بہت پریشان کرتے ہیں۔ تبدیل کرو تب بھی کہیں نہ کہیں سے معلوم کر ہی لیتے ہیں.... اس لیے اب تبدیل کرنا چھوڑ دیا ہے۔"
56 "گھر سے کیا کیا چیزیں لے کر چلتا ہوں؟"
"فون اور والٹ.... اور اسکرپٹ۔"
57 "محبت کے اظہار کا بہترین طریقہ؟"
"بہت سے ہیں.... پر مجھے نہیں آتا طریقہ.... خوش ہوتا ہوں مگر جذبات کا اظہار نہیں کر سکتا۔"
58 "زندگی تب حسین تھی جب؟"
"جب چھوٹے تھے مزے تھے، بے فکری تھی، آزادی تھی، بہت حسین وقت تھا مگر اب ایسا نہیں ہے۔"
59 "کھانے کے ساتھ کن لوازمات کا ہونا ضروری ہے؟"
"سلاد، رائتہ، پانی اور جوسز۔"
60 "ایک بات جو میں کہنا چاہتا ہوں؟"
"کہ جب انسان بڑا ہو جائے، باشعور ہو جائے تو اسے اپنی مرضی سے جینے دیا جائے۔"

آواز کی دنیا سے

عائشہ خان

شاہین رشید

ٹی وی بے شک ایک پاور فل میڈیا ہے مگر ریڈیو کی اہمیت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔۔۔ ریڈیو بھی اب کتاب کی طرح انسان کی تنہائی کا ساتھی ہے نہ صرف تنہائی کا بلکہ کام کے دوران بھی آپ کے اس پروگراموں سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔۔۔ پھر اگر بولنے والا یا بولنے والی اچھی ہو تو پھر وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلتا۔۔۔ آج آواز کی دنیا سے آتی ہیں عائشہ خان جو ایف ایم 93 سے وابستہ ہیں۔

★ "کیا حال ہیں عائشہ؟"

☼ "جی اللہ کا شکر ہے۔"

★ "ریڈیو سے آپ کی وابستگی کتنی پرانی ہے اس پر تو بات کرنی ہی ہے۔ پہلے آپ اپنا فیملی بیک گراونڈ بتایئے؟"

☼ "جی۔۔۔ میرے دادا کا تعلق غازی پور سے تھا اور ہم لوگ خان فیملی سے تعلق رکھتے ہیں۔ میری والدہ ماشاء اللہ حیات ہیں جبکہ والد کا انتقال ہو چکا ہے۔ مادری زبان اردو ہے۔۔۔ میرے ماشاء اللہ سے پانچ بھائی اور دو بہنیں ہیں۔ میرا نمبر دوسرا ہے۔ میں 20 فروری کو ڈھاکہ میں پیدا ہوئی۔۔۔ اور میں نے اسلامک ہسٹری میں ماسٹرز کیا ہے۔۔۔ شادی نہیں ہوئی کہ یہ فیصلے آسمانوں پہ ہوتے ہیں۔"

★ "ریڈیو پہ آمد کیسے ہوئی۔۔۔ اور کیا کشش آواز کی

دنیا میں ہے اور ایف ایم میں آپ کا پہلا انتخاب کون سا چینل تھا؟"

☼ "چھوٹی تھی تو پی ٹی وی میں "شائستہ زید" کو خبریں پڑھتے دیکھتی تھی تو وہ مجھے بہت اچھی لگتی تھیں اور دیگر نیوز کاسٹرز میں وہ ہی میری پسندیدہ بھی تھیں۔ انہی کو دیکھ کر مجھے بھی شوق ہوا کہ میں بھی خبریں پڑھوں۔ تب میں نے اپنے ایک صحافی جو کہ ہمارے رشتے دار بھی ہیں کے ذریعے سے ریڈیو پاکستان میں آڈیشن دیا۔ اس وقت ایف ایم ریڈیو نہیں تھے 'خیر آڈیشن دیا اور ناکام ہوگئی.... لیکن مجھے طالب علموں کے پروگرام کا ایک سیگمنٹ مل گیا.... "سائنس فیچر" کے نام سے .... یہ پروگرام کافی عرصہ چلا.... یوں شروعات ریڈیو پاکستان کے پروگرام "بزم طلبہ" سے ہوئی۔ پہلی درس گارہ کہیے یا شوق کی ابتدا.... اس ادارے سے وابستہ ہوں.... اور اللہ کا شکر ہے کہ اپنی آواز کی وجہ سے میں نے کمرشلز بھی کافی تعداد میں کیے 'اردو ڈبنگ بھی کی' جنگلز بھی کیے اور جو جو کام ملا بہت شوق اور توجہ کے ساتھ کیے.... چونکہ شائستہ زید میری پسندیدہ تھیں.... تو میں ان کی طرح لیکچرار بھی بننا چاہتی تھی۔ تمام مراحل طے کر لیے.... مگر میرے پاس سفارش نہیں تھی اور نہ ہی رشوت.... اس لیے اپنا یہ شوق بھی پورا نہ کر پائی۔"

★ "ایف ایم 93 اور دیگر چینلز میں کیا فرق محسوس کرتی ہیں اور اس پر جاب کرنے کی کیا وجہ ہے؟"

☼ "بلاشبہ ایف ایم 93 سرکاری چینل ہے اور اس میں اور دوسرے چینلز میں بہت فرق ہے۔ اس کے پروگرام کی مانیٹرنگ ہوتی ہے جس کی وجہ سے کوئی بھی فضول اور غیر اخلاقی چیز آن ایئر نہیں جاتی اور اگر غلطی سے یا ان جانے میں کوئی چیز چلی بھی جاتی ہے تو فورا" ہی ڈی او کے پاس کال جاتی ہے.... اس کا مطلب ہے کہ لوگ بھی چیک کرتے ہیں جبکہ دوسرے چینلز میں نے ایسا نہیں دیکھا.... اس چینل پہ ابھی تک رہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں مجھے عزت ملی ہے یہاں کا ماحول بہت اچھا ہے اس لیے کہیں اور جانے کا نہیں سوچا۔ جبکہ مجھے ایف ایم 100 سے بھی آفر آچکی

ہے۔"

★ "نیوز پڑھنے کا شوق پورا ہوا۔۔۔ نیوز کے علاوہ بھی پروگرام کرنے کا موقع ملا؟"

* "جی میں نیوز ہی پڑھتی ہوں زیادہ تر۔۔۔ اور نیوز پڑھنے کا شوق پورا ہو رہا ہے میں بدھ کے دن نیوز پڑھتی ہوں۔۔۔ ویسے دن تبدیل بھی ہوتے رہتے ہیں اور اگر کوئی نیوز ریڈر کسی مجبوری کے تحت نہ آسکے تب بھی کسی دوسرے کو بلا لیا جاتا ہے۔۔۔ اس طرح کبھی کبھار ہفتے میں دو یا تین دن بھی ریڈر کو مل جاتے ہیں۔۔۔ جہاں تک دوسرے پروگرامز کا تعلق ہے تو میں نے کچھ عرصے تک پرائم ٹائم شو بھی کیا۔۔۔ دوپہر 12 بجے سے 3 بجے تک بھی پروگرام کیے اور مجھے بہت مزا آیا پروگرام کرنے کا۔۔۔ اس پروگرام میں 2 سے 3 بجے تک لائیو کالز کا سلسلہ بھی تھا۔۔۔ اور اس میں ہر طرح کے کالر کال کرتے تھے کچھ کالر مستقل بھی تھے۔۔۔ جو ہمارے دیے ہوئے ٹاپک پہ بڑی اچھی گفتگو کرتے تھے۔ مجھے ہمیشہ اچھے کالر ہی ملے۔"

★ "کمبائن پروگرام کیے یا سنگل۔۔۔ اور مزا کس میں آتا ہے اکیلے پروگرام کرنے کا یا مل کر۔۔۔ اسکرپٹ خود لکھتی ہیں؟"

* "مجھے سنگل پروگرام کرنے میں بھی مزا آیا اور کمبائن میں بھی۔۔۔ کمبائن میں ساتھیوں سے کافی سپورٹ مل جاتی ہے۔ کیونکہ ایک سے زیادہ لوگ بول رہے ہوتے ہیں۔۔۔ پرائم ٹائم کا اسکرپٹ میں خود لکھتی تھی وہ بھی اس لیے کہ بولتے بولتے کچھ بھول نہ جاؤں یا اچانک دماغ بلینک نہ ہو جائے اس کے علاوہ جب نیٹ ورک کا پروگرام "اسپورٹس پلس" کرتی تھی تب بھی اسکرپٹ خود ہی لکھتی تھی اور ہوسٹ بھی میں ہی تھی۔ اسپورٹس کی نیوز بھی کچھ میری اور کچھ دوسرے رپورٹرز کی ہوتی تھیں۔"

★ "ایک آرجے اور نیوز کاسٹر یا براڈ کاسٹر کے لیے کن خوبیوں کا ہونا لازمی ہے؟"

* "آرجے کو تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ ساتھ سامعین کو انٹرٹینمنٹ کی پوری خوراک دینے کا فن بھی آنا چاہیے اور اس کے لیے اس کا ہوم ورک کرنا بہت ضروری ہے اس لیے کہ ریڈیو کو مختلف مزاج کے لوگ سن رہے ہوتے ہیں اور سب کی پسند کا خیال رکھنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ اس لیے آرجے کو ہر موضوع پہ بات کرنا آنا چاہیے اور معلومات کا ذخیرہ بھی اس کے پاس ہونا چاہیے۔"

★ "ریڈیو پہ کامیابی کے بعد اگلا قدم ٹی وی کی طرف ہوتا ہے۔ آپ گئیں ٹی وی کی سائیڈ یا ارادہ ہے؟"

* "جی۔۔۔ جی ٹی وی پہ بھی گئی پرائیویٹ پروڈکشن کی ایک سیریل میں بھی میں نے کام کیا ہے۔ وہ ڈرامہ

Population Planing پر تھا اور اس کی پروڈیوسر پی ٹی وی کی نیوز ریڈر "نسرین پرویز" تھیں۔ میں نے گورنمنٹ اسکول کی ٹیچر کا کردار ادا کیا تھا۔۔۔ اور اس سیریل کے بعد کوئی ڈرامہ نہیں کیا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کاموں میں ٹائم بہت ضائع ہوتا ہے اور ہم ریڈیو کے لوگ وقت کے بہت پابند ہوتے ہیں وقت پہ جاتے ہیں اور وقت پہ واپس آجاتے ہیں۔ ڈراموں کی وجہ سے میں اپنے گھر والوں کو بھی پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔"

★ "ایک اچھی براڈ کاسٹر کے علاوہ آپ ایک اچھی آر جے بھی ہیں اب تک بہ حیثیت آر جے کے کیا کیا' کیا؟"

✳ "بہ حیثیت آر جے کے بھی میں نے ہر طرح کے پروگرام کیے ہیں اور اس کے علاوہ کافی کمرشلز کیے ہیں ۔۔۔ بچوں کی کہانیوں کی اردو میں ڈبنگ کی ہے۔ ایک ویکلی کمرشل پروگرام بھی کر چکی ہوں۔ "فیملی کلینک" کے نام سے۔ اس میں میں نے ایک فیملی ڈاکٹر کا رول کیا۔ مطلب صداکاری کی۔"

★ "کبھی ٹینشن میں پروگرام کیا؟"

✳ "ریڈیو جوائن کرتے وقت ہمارے سینئرز نے یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرادی تھی کہ آپ کے ذہن میں کچھ بھی چل رہا ہو' کتنی بھی ٹینشن ہو۔۔۔ لیکن جب آپ مائیک کے سامنے آئیں تو سب کچھ سائیڈ پہ رکھ دیں۔ کیونکہ آپ کا کام سامعین کو انٹرٹینٹ کرنا ہے۔ معلومات فراہم کرنا ہے۔ اس لیے کسی قسم کا کوئی کمپرومائز نہیں ہو سکتا۔۔۔ تو بس موڈ فریش ہو نہ ہو ہم سامعین کو فریش ہی سنائی دیتے ہیں۔"

★ "FM-93 کی کوئی ایسی شخصیت جس سے آپ کو ڈر لگتا ہو؟"

✳ "ڈر۔۔۔ نہیں اللہ کا شکر ہے کہ یہاں کوئی بھی ایسا نہیں ہے کہ جس سے مجھے ڈر لگتا ہو یا محسوس بھی ہوا ہو۔ سب ہی بہت پیارے اور عزت و احترام کے قابل ہیں اور سب میری بھی بہت عزت کرتے ہیں اب تو ایف ایم-93 مجھے بالکل اپنے گھر جیسا لگتا ہے۔ ہاں ایک شخصیت ایسی تھی کہ جس سے مجھے ڈر لگتا تھا اور وہ مجھے ڈانٹ بھی دیا کرتے تھے ان کا نام "جمال حیدر" تھا اور وہ بہت با اصول انسان تھے۔ ان سے میں بہت متاثر تھی اور ان سے میں نے سیکھا بھی کافی ہے۔ افسوس کہ اب وہ ہمارے درمیان نہیں ہیں۔ ان کا انتقال ہو چکا ہے۔"

★ "ریڈیو کے لوگ عام پبلک میں نہیں پہچانے جاتے۔۔۔ تو دل چاہتا ہے؟"

✳ "جی آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں کہ ریڈیو کے لوگ عام طور پر نہیں پہچانے جاتے اس لیے ہمیں عوام کے درمیان گھومنے پھرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی۔۔۔ ہاں خریداری کے وقت اکثر لوگ میری آواز پر چونکتے ہیں جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہے ہوں۔ کیونکہ آپ کو پتا ہے کہ ریڈیو تو ہر کوئی سنتا ہے ۔۔۔ اور مجھے خوشی ہے کہ لوگ میری آواز کو بہت پسند کرتے ہیں۔"

★ "مزاج کی کیسی ہیں۔۔۔ غصے کی تیز ہیں یا نرم؟"

✳ "میں تھوڑی کم گو ہوں۔۔۔ زیادہ تر خاموش رہتی ہوں۔ اس لیے کسی سے جھگڑا بھی نہیں ہوتا۔ کسی زمانے میں غصہ بہت آتا تھا' لیکن اب خود پہ کنٹرول کر لیا ہے۔ پہلے جب غصے کی تیز تھی تو گھر والے زیادہ بات نہیں کرتے تھے کہ اسے کوئی بات بری نہ لگ جائے۔۔۔ کیونکہ سب کو گھر کا ماحول خراب ہونے کا ڈر ہوتا تھا۔۔۔ ویسے سچ بتاؤں مجھ سے ڈرتا ورتا کوئی نہیں ہے۔"

★ "گڈ۔۔۔ امور خانہ داری کے لیے فرصت مل جاتی ہے۔۔۔ اور دلچسپی ہے آپ کو؟"

✳ "میں نے امور خانہ داری بہت چھوٹی عمر سے ہی سنبھال لی تھی' کچھ مجھے شوق تھا اور کچھ اماں کی مہربانی کہ میرے شوق کو دیکھتے ہوئے انہوں نے آہستہ آہستہ گھر کی ساری ذمہ داریاں مجھ پر ڈال دیں۔۔۔ یوں جب سر پر پڑی ذمہ داریاں تو سب کچھ ہی سیکھ لیا اور چونکہ شوق تھا تو سارے کام خوشی خوشی کر لیا کرتی

تھی۔ لیکن جب سارے کاموں سے فارغ ہو کر میں کرکٹ میچ دیکھنے بیٹھتی تھی اور کوئی مجھے کام کہتا تھا تو مجھے بہت غصہ آتا تھا۔۔۔ اور یہاں "تھا" کا لفظ میں نے اس لیے استعمال کیا کہ سب بہن بھائیوں کی شادیاں ہو گئی ہیں۔ بہنیں اپنے گھر کی ہو گئی ہیں اور بھائیوں کی ذمہ داریاں ان کی مسز نے اٹھالی ہے۔ اس لیے اب میری ذمہ داریاں کم ہو گئیں ہیں اور مجھے صرف امور خانہ داری سے ہی لگاؤ نہیں میں سلائی کڑھائی بھی بہت اچھے طریقے سے کرلیتی ہوں اور اپنے ان شوق کو پورا کرنے کے لیے مصروفیات میں سے بھی ٹائم نکال لیتی ہوں۔"

★ "زندگی کو کس انداز میں دیکھتی ہیں۔۔۔ اچھی ہے یا بری۔ یا کہ دنیا میں آئے ہیں تو جینا ہی پڑے گا؟"

✳ "زندگی کو بہت ہی پوزیٹو انداز میں دیکھتی ہوں۔ کیونکہ میں نے اپنی سوچ کو پوزیٹو رکھا ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے مشکلات میں کافی حد تک کمی آگئی ہے اگر ہم نیک نیتی اور ایمان داری کے ساتھ کام کریں تو زندگی آسان ہو جائے۔"

★ "فارغ اوقات میں کیا کرتی ہیں اور اپنے ہاتھ کے پکے کھانوں میں کیا پسند ہے آپ کو اور کیا مشاغل ہیں؟"

✳ "مجھے چائنیز کھانے پکانے میں بھی پسند ہیں اور کھانے میں بھی۔ میٹھے سے بہت لگاؤ ہے اس لیے میٹھی چیزیں پکا بھی لیتی ہوں جیسے چنے کی دال کا حلوہ۔ "ڈونٹ"، "کیک"، "میٹھی پوریاں" اور اگر دودھ خراب ہو جائے تو اس کا کھویا بہت اچھا بنا لیتی ہوں۔۔۔ فارغ اوقات میں میوزک سنتی ہوں۔ ساحل سمندر پر واک کرنا بہت پسند ہے ایک زمانے میں سیاست سے بہت لگاؤ تھا لیکن اب نہیں رہا کرپٹ سیاست دانوں کی وجہ سے اب سیاست بری لگنے لگی ہے۔ کرکٹ سے بہت زیادہ لگاؤ ہے۔"

★ "مطالعہ کا شوق ہے؟"

✳ "جی بالکل شوق ہے۔ اسکول کے زمانے سے ہے اور نہ صرف مطالعہ کا شوق ہے بلکہ لکھنے کا بھی شوق ہے۔ اسکول میں تھی تو بچوں کے لیے کہانیاں لکھا کرتی تھی جو ریڈیو کے میگزین "آغوش" میں شائع ہوا کرتی تھیں۔ اردو میگزین میں فیشن کے صفحات لکھا کرتی تھی۔ "ڈیٹ لائٹ ایشیا" میں بھی لکھا اور جب کالج میں آئی تو ڈائجسٹ پڑھنے کا کریز تھا اور خاص طور پر میں نے "خواتین ڈائجسٹ" بہت پڑھے ہیں۔۔۔ اگرچہ شاعرانہ ذوق بہت زیادہ نہیں ہے مگر پھر بھی مجھے "وصی شاہ" احمد فراز، فیض احمد فیض اور پروین شاکر بہت پسند ہیں۔ جبکہ ادیبوں میں مجھے "مشتاق احمد یوسفی"، "نسیم حجازی" اور "اشتیاق احمد" بہت زیادہ پسند ہیں۔"

★ "اور چلتے چلتے یہ بتائیں کہ یہ فیلڈ کیسی ہے اور نوجوان کو اس طرف آنا چاہیے؟"

✳ "یہ فیلڈ بہت اچھی ہے اگر ہم پوزیٹو سوچ لے کر آئیں۔ اگر آپ کے اندر قابلیت ہے تو آپ اپنی جگہ خود بنالیں گے۔۔۔ نوجوانوں کو اس فیلڈ میں ضرور آنا چاہیے۔ ان کے آنے سے نئے آئیڈیاز آئیں گے اور پروگرام بہتر سے بہترین ہوں گے۔۔۔ میں نے اس فیلڈ میں کافی انٹرویوز کیے ہیں مگر آپ کو انٹرویو دینے کا میرا پہلا اتفاق ہے اور مجھے آپ کا انداز گفتگو بہت اچھا لگا۔"

★ "شکریہ عائشہ۔۔۔ مصروفیات میں کچھ وقت اپنے آپ کو بھی دیتی ہیں؟"

✳ ہنستے ہوئے۔۔۔ "جی، جی اپنا بھی تھوڑا بہت خیال رکھتی ہوں اور میں اپنی جیسی دیگر لڑکیوں کو یہ ضرور کہوں گی کہ اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے میں خود کو نہ بھولیں اپنا بہت خیال رکھا کریں کیونکہ اپنے آپ کو رجسٹرڈ کرانے کے لیے یہ بھی بہت ضروری ہے۔۔۔ اچھا لگنا ہر لڑکی کا حق ہے۔۔۔ اس لیے اپنا بہت خیال رکھا کریں۔"

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے عائشہ خان سے اجازت چاہی اس شکریے کے ساتھ کہ انہوں نے ہمیں وقت دیا۔

✳ ✳

منزہ احتشام گوندل
ہمراہ
محمد عارف گوندل

بشریٰ گوندل

سردی کی میٹھی میٹھی اور سنہری دھوپ میں رنگا وہ ایک خوب صورت دن تھا جب مجھے منزہ احتشام کی شادی کا سندیسہ ملا تھا.... دل کو بہت زیادہ خوشی ہوتی ہے جب کوئی یہ کہے کہ آپ کا آنا اور شادی کی تمام رسموں میں شمولیت اختیار کرنا بہت ضروری ہے' آپ آؤ گے تو مان بڑھ جائے گا خوشیوں کی رونق دوبالا ہو جائے گی۔ بشریٰ آپ نے مہندی کی شام لازمی آنا ہے۔ منزہ بار بار تاکید کر رہی تھی' کیونکہ بارات والے دن تو دلہن کے پاس اپنی دوستوں کے لیے بالکل بھی ٹائم نہیں ہوتا' یار مہندی کی رات دیر تک بیٹھ کر باتیں کریں گے.... میں نے اگرچہ وعدہ کرلیا تھا لیکن لاکھ کوشش کے باوجود مہندی کی رسم میں شریک نہیں ہو سکی تھی جس کا آج تک افسوس ہے' سنا ہے بہت رونقیں تھیں۔

میں نے نایاب کو کال کی کہ منزہ احتشام کی شادی میں جانا ہے' میرے ساتھ چلنا۔ نایاب کو اعتراض تھا کہ میری جان پہچان بھی نہیں ہے اور میں انوائیٹڈ بھی نہیں ہوں' میں اس طرح کیسے آجاؤں..... میں نے کہا یار آپ نے میرے ساتھ جانا ہے اور جان پہچان کے لیے یہی حوالہ کافی ہے بس آپ جا رہی ہو میرے ساتھ۔ میرے بہت اصرار پر نایاب مان گئی۔

منزہ کی بارات والے دن نایاب نے کہا کہ میں ہال میں آجاؤں گی واپسی پہ آپ مجھے ڈراپ کر دینا۔ میں جب رائل بینکویٹ ہال میں پہنچی تو شادی کی مخصوص گہما گہمی نہیں تھی بس چند مہمان ہی تھے باقی گھر کے افراد تھے' دلہن ابھی تک نہیں پہنچی تھی۔ منزہ کی امی جی غزالہ بیگم بہت خلوص اور تپاک سے مجھے ملیں اور سب رشتہ داروں سے "فرداً فرداً" ملایا۔ منزہ کے ابو ڈاکٹر غلام مرتضیٰ گوندل بھی بہت خوش اخلاقی سے مہمانوں کو خوش آمدید کہہ رہے تھے ان کے ہمراہ منزہ کے چھوٹے چاچو ڈاکٹر محسن رضا تھے اور ان کی مسز آسیہ محسن تھیں ان کے بچے در شہوار' صفا اور مروہ اور بیٹا ابراہیم محب النبی بھی شادی کی خوشیوں میں شامل تھے۔ منزہ کی تینوں چھوٹی بہنیں عاصمہ' میمونہ اور طیبہ بھی بڑی بہن کی شادی پر بہت خوش باش تھیں اور بہت پیاری لگ رہی تھیں۔

منزہ کے بھائی عامر رضا اور بھابھی توبیہ عامر اور بچے شاہ زین اور آمنہ بھی شادی کی خوشیوں میں پورے دل سے شریک تھے اور..... بچوں کی خوشی تو دیکھنے والی ہوتی ہے ایک شادی کے فنکشن میں اور دوسرا عید کے تہوار پہ' ان کی معصوم آنکھیں خوشی سے جگر جگر کر رہی ہوتی ہیں۔ منزہ کا چھوٹا بھائی صفی الرحمن' جس نے شادی کا سارا انتظام سنبھال رکھا تھا۔ منزہ کی چچی شاہدہ نے مجھے بہت ٹائم دیا مذہبی سوچ کی حامل شاہدہ آپا سے مل کر مجھے روحانی خوشی ہوئی اور ان کے ساتھ میری اتنی اچھی گپ شپ ہوئی کہ وقت گزرنے کا پتا بھی نہیں چلا۔ منزہ کی بڑی چچی روبینہ صاحبہ بھی بڑی دھوم دھام سے شریک تھیں ان کی چار بیٹیاں زرناب' جویریہ' اریبہ اور لائبہ ہیں ان کا ایک بیٹا ہے طلحہ مصطفیٰ سب بچے شادی میں شریک تھے اور بہت ایکسائیٹڈ تھے۔ منزہ کی کزن شگفتہ آپی بہت ملنسار اور خوش مزاج ہیں اور منزہ کے ساتھ ان کی خوب دوستی بھی ہے۔

اور بالآخر کافی انتظار کے بعد نایاب نے ہال میں انٹری دی نایاب کے آنے تک شاہدہ آپا نے مجھے بھرپور کمپنی دی۔ رائل بلو کوٹ میں نایاب بہت پیاری لگ رہی تھی اور نایاب کی بیٹی ضحیٰ بہت کیوٹ لگ رہی تھی اور مجھے بار بار کہہ رہی تھی کہ لالہ آپ بہت پیاری لگ رہی ہیں' ضحیٰ نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ پورے ہال میں ایک دلہن پیاری لگ رہی ہیں اور ایک بشریٰ لالہ (خالہ)..... ہاہاہا.....

پھر نایاب نے اور میں نے منزہ کی شادی کو اتنا انجوائے کیا کہ حد نہیں۔ ہم اتنا ہنسے تھے کہ آنکھیں پانی پانی ہو جاتیں۔ کوئی نہ بھی پوچھتا تو نایاب فوراً" کہتی میں بشریٰ گوندل کے ساتھ آئی ہوں۔ میں گھورتی یار' یہ بتانے کی کیا ضرورت ہے کوئی اٹھا کے تمہیں ہال سے باہر نہیں پھینک دے گا۔ پھر ہم نے بہت چونک کر ہال کے انٹرس ڈور سے اندر داخل ہوتی منزہ احتشام کو بہت مبہوت ہو کر دیکھا وہ یوں سج سج کر قدم اٹھاتی چلی آرہی تھی جیسے کوئی کسی دور دیس کی شہزادی بہت شان و شوکت اور تمکنت سے اپنی سلطنت میں قدم رنجہ فرماتی ہو۔ منزہ کی شخصیت کا ایسا رعب تاثر تھا کہ نظریں بھٹک کر ٹھہر رہی تھیں کچھ لوگوں کو شاید علم نہ ہو منزہ بہت اچھی رائٹر اور بہت منفرد اسلوب کی شاعرہ ہیں۔ منزہ احتشام کی کتاب زکریا یونیورسٹی ملتان کے نصاب میں شامل ہے منزہ ڈگری کالج کوٹ مومن میں پرنسپل کے عہدے پر فائز ہیں اور ایسی معروف و معتبر ہستی کی شادی میں شمولیت ہمارے لیے یقیناً" باعث فخر تھا۔ پھر.... ایک اور بات جس نے مجھے اور نایاب کو بلکہ کئی لوگوں کو پہلے چونکایا پھر منزہ کا مزید گرویدہ بنایا ایسی عاجزی ایسی انکساری اور اتنا خلوص کہ پیمانہ لبالب ہو جائے منزہ کو اس لہنگے کامدار لہنگے کی، دوپٹے کی سیٹنگ کی اور بھاری جیولری کی قطعاً" پروا نہیں تھی وہ اسٹیج سے نیچے اتر اتر کر آنے والے معزز مہمانوں کو گلے مل رہی تھی جیسے کئی دنوں کی پرانی دلہن ہو۔

پھر بہت پرسکون ماحول میں بہت اچھا کھانا کھایا گیا کھانے سے فارغ ہو کر ہم فرداً" فرداً" منزہ کی کولیگز سے ملے۔ یاسمین اختر' فوزیہ تبسم' جویریہ اختر' صدف بتول' صائمہ رانی' یاسمین اسلم' جویریہ گل' ارم بتول' ممتاز عبداللہ.... منزہ کی خوشیوں میں بڑے جوش و خروش سے شامل تھیں۔ ہاں.... منزہ کی ایک بہت کیوٹ سی ہنستی آنکھوں والی دوست خنساء' جو منڈی بہاؤالدین سے شادی میں شرکت کے لیے آئی تھی وہ نایاب سے اور مجھ سے مل کر بہت ایکسائیٹڈ تھی جیسے

کوئی دیرینہ خواہش پوری ہوئی ہو۔

ہم سب فوٹو شوٹ کرا رہے تھے جب دولہے راجہ اسٹیج پر تشریف لائے تو ہماری نگاہوں سمیت تمام کیمرے ان پر فوکس ہو گئے۔ گلاسز میں جھانکتی ذہین آنکھوں والے بہت ڈیسنٹ سے محمد عارف گوندل سب کو ہی بہت پسند آئے۔ ویل ایجوکیٹڈ' ڈیسنٹ ہینڈسم اور ریفائنڈ پرسن.... اسٹیج پر ایک ساتھ بیٹھا ہوا وہ اتنا پرفیکٹ کپل لگ رہا تھا کہ ہم نے بے ساختہ نظر بد سے محفوظ رہنے کی دعا مانگی ہمارا بہت دل تھا کہ ہم دولہا بھائی کے ساتھ گپ شپ کریں اپنا تعارف کرائیں آخر ان کو بھی تو پتا چلے کہ ان کی کتنی سالیاں ہیں یعنی کہ آدھے گھر والیاں..... لیکن ہمارے پاس وقت کی قلت تھی۔ اور خوشیوں بھری اس کہانی کا جو کلائمکس ہوتا ہے یعنی کہ رخصتی کا سین وہ ہم سے مس ہو گیا اور ہم نے رخصت لی اس دعا کے ساتھ کہ اللہ رب العزت اس جوڑے کو سدا سلامت رکھے ہنستا بستا اور شاد و آباد رکھے۔ آمین۔

واپسی پر شام ڈھلے میں نے نایاب جیلانی کو اس کے گھر 19 چک ڈراپ کیا اور ایک بہت خوب صورت' خوشیوں سے بھرپور یادگار دن گزار کے گھر لوٹ آئی۔ آپ کو کیسا لگا۔

☼ ☼
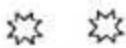
مقابل ہے آئینہ

حمیرہ

ادارہ

س "آپ کا پورا نام؟ گھر والے پیار سے کیا پکارتے ہیں؟"

ج "نام میرا "حمیرا" ہے اور پیار سے کبھی کبھار..... حمیرا ہی کہتے ہیں کیونکہ دوسرے نام قابل اشاعت نہیں۔"

س "کبھی آپ نے آئینے سے یا آئینے نے آپ سے کچھ کہا؟"

ج "میں تو روزانہ آئینے سے پوچھتی ہوں کہ میں کب خوب صورت دکھوں گی۔ مگر کمبخت چپ ہی رہتا ہے۔"

س "آپ کی سب سے قیمتی ملکیت؟"

ج "میری ماما اور میری بیٹی۔"

س "اپنی زندگی کے دشوار لمحات بیان کریں؟"

ج "جب میرے دادا ابو کی ڈیتھ ہوئی اور اس کرب سے میں آج تک آزاد نہیں ہوئی۔ ان کا ہونا ہی باعث رحمت تھا۔ اللہ انہیں جنت میں جگہ دے۔"

س "آپ کے لیے محبت کیا ہے؟"

ج "میری نظر میں کوئی بھی رشتہ ہو، محبت و خلوص سے عاری ہو تو بے جان اور محض ڈھکوسلا ہوتا ہے۔"

س "مستقل قریب کا کوئی منصوبہ جس پر عمل کرنا آپ کی ترجیح میں شامل ہو؟"

ج "خوب محنت کروں تاکہ جلد از جلد اپنا گھر بنا سکوں۔"

س "پچھلے سال کی کوئی کامیابی جس نے آپ کو مسرور و مطمئن کر دیا؟"

ج "میری بیٹی چلنے اور باتیں کرنے لگی، میری گورنمنٹ جاب ہو گئی تھی۔"

س "آپ اپنے گزرے کل آج اور آنے والے کل کو ایک لفظ میں کیسے واضح کریں گی؟"

ج "صرف اللہ کی ذات پر بھروسا تھا، ہے اور رہے گا۔"

س "اپنے آپ کو بیان کریں؟"

ج "جذباتی ہوں اور دوسروں پر جلد اعتبار کر لیتی ہوں۔"

س "کوئی ایسا ڈر جس نے آج بھی اپنے پنجے آپ میں گاڑے ہوں؟"

ج "اندھیرے سے ڈرتی ہوں۔"

س "آپ کی کمزوری اور آپ کی طاقت؟"

ج "میری بیٹی میری کمزوری ہے۔ جبکہ میری ماما میری طاقت ہیں۔"

س "آپ خوش گوار لمحات کیسے گزارتی ہیں؟"

ج "انجوائے کرتی ہوں فیملی کے ساتھ۔"

س "آپ کے نزدیک دولت کی اہمیت؟"

ج "متوازن زندگی کے لیے دولت کی اہمیت سے انکار صرف لفاظی ہے۔ ہاں دولت کے آجانے سے اکڑ نہ آئے۔"

س "گھر آپ کی نظر میں؟"

ج "گھر ہی تو سب کچھ ہے۔"

س "کیا آپ بھول جاتی ہیں اور معاف کر دیتی ہیں؟"

ج "اکثر بھول جاتی ہوں۔ مگر اگر کسی نے ذات کے بخیے ادھیڑے ہوں تو لمحوں کی کسک کبھی نہیں جاتی ہاں معاف کر دیتی ہوں اور اللہ پر توکل کرتی ہوں۔"

س "اپنی کامیابیوں میں کسے حصہ دار ٹھہراتی ہیں؟"

ج "اپنے ماں باپ کو' کیونکہ شادی کے بعد تو مجھے اپنی "پی ایچ ڈی" تک چھوڑنا پڑی جو کہ تکمیل کے مراحل کے قریب تھی۔"

س "کامیابی کیا ہے؟"

ج "میری نظر میں محنت کرنا اور جو اللہ دے اس پر اکتفا کرنا ہی کامیابی ہے۔"

س "سائنسی ترقی نے مشینوں کا محتاج کر دیا ہے؟"

ج "110 فیصد سچ ہے۔"

س "کوئی عجیب خواہش یا خواب؟"

ج "کاش میں لڑکا ہوتا' تو نہ تو مجھے بیرون ملک اسکالرشپ لینے سے روکا جاتا نہ میری پڑھائی ختم ہوتی۔"

س "برکھا رت کو کیسے انجوائے کرتی ہیں؟"

ج "پکوڑے کھا کے 'ڈائجسٹ پڑھ کے۔"

س "آپ جو ہیں وہ نہ ہوتیں تو کیا ہوتیں؟"

ج "میں تتلی ہوتی اور گھومتی رہتی۔"

س "آپ بہت اچھا محسوس کرتی ہیں جب؟"

ج "جب میں ڈیوٹی سے گھر آؤں اور ٹیبل پر شعاع' خواتین یا کرن کا نیا ماہنامہ پڑا ہو۔"

س "آپ کو کیا چیز متاثر کرتی ہے؟"

ج "مجھے ہمیشہ ذہانت متاثر کرتی ہے۔"

س "کیا آپ نے اپنی زندگی میں وہ سب پا لیا جو آپ چاہتی تھیں؟"

ج "جی نہیں کیونکہ ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے۔"

س "اپنی ایک خوبی اور خامی جو مطمئن یا مایوس کرتی ہے؟"

ج "شرک سے ہر صورت بچتی ہوں اور خامی یہ کہ دوسروں پر جلد اعتماد کر لیتی ہوں۔"

س "کوئی ایسا واقعہ جو شرمندہ کر دیتا ہو آج بھی؟"

ج "کوئی بھی نہیں۔"

س "کیا آپ مقابلے کو انجوائے کرتی ہیں یا خوف زدہ ہو جاتی ہیں؟"

ج "بہت جلد گھبرا جاتی ہوں۔"

س "متاثر کن کتاب' مصنف' مووی؟"

ج "قرآن پاک' مستنصر حسین تارڑ' مووی پسند نہیں۔"

س "آپ کا غرور؟"

ج "غرور نہیں کرتی۔"

س "کوئی ایسی شکست جو آج بھی آپ کو اداس کر دیتی ہو؟"

ج "جب حالات اس نہج پر پہنچ گئے تھے کہ مجھے اپنی ڈاکٹریٹ کی تعلیم اختتام کے قریب چھوڑنا پڑی۔"

س "مطالعہ کی اہمیت آپ کی نظر میں؟"

ج "شخصیت کو نکھار صرف مطالعہ سے ملتا ہے۔"

س "پسندیدہ شخصیت؟"

ج "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔"

س "آپ کا کوئی پسندیدہ مقام؟"

ج "سنا ہے کشمیر جنت نظیر ہے' دیکھنا چاہتی ہوں۔"

☼ ☼

سرورق کی شخصیت

ماڈل ---------- سدرہ جبار

میک اپ ---------- روز بیوٹی پارلر

فوٹوگرافی ---------- موسیٰ رضا

آسیہ مرزا

من مورکھ کی بات نہ مانو

عباد گیلانی بلڈ کینسر جیسے موذی مرض میں مبتلا ہے۔ وہ اپنی بیوی مومنہ کو طلاق دے کر اپنے بیٹے حازم کو اپنے پاس رکھ لیتا ہے اور دوسری شادی عاظمہ سے کر لیتا ہے۔ حازم اپنی ماں عاظمہ اور بھائی بابر کے ساتھ اچھی زندگی گزار رہا ہوتا ہے' مگر اپنے باپ عباد گیلانی کی بیماری کی وجہ سے فکرمند رہتا ہے۔ جب کہ عاظمہ اور بابر اپنی سرگرمیوں میں مصروف رہتے ہیں۔ عباد گیلانی کو اپنی بیماری میں احساس ہوا ہے کہ اس نے حازم کی ماں مومنہ کے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔ عباد گیلانی مومنہ کے باپ یاور علی کو بلاتا ہے اور اپنی غلطیوں کی معافی مانگتا ہے اور حازم کو خاص طور سے اس کے نانا یاور علی سے ملواتا ہے' مگر حازم اپنے نانا سے مل کر اچھے تاثرات کا اظہار نہیں کرتا' مگر بعد میں اپنے باپ کی خواہش پر ان کے ساتھ اپنے نانا کے گھر جاتا ہے اور اپنی ماں مومنہ سے ملتا ہے۔ ماں سے مل کے تمام شکوے بھول جاتا ہے اور اسے احساس ہوتا ہے کہ اس کے باپ نے اس کی ماں کے ساتھ زیادتی کی ہے۔

حوریہ مومنہ کی بھتیجی ہے بے حد محبت کرتی ہے اور مومنہ بھی اسے بے تحاشا چاہتی ہے' حازم جب حوریہ کو دیکھتا ہے تو اس کے دل میں حوریہ کے لیے پسندیدگی کے جذبات ابھرتے ہیں اور یہ ہی حال حوریہ کا بھی ہوتا ہے۔ عباد گیلانی حوریہ سے مل کر بہت خوش ہوتا ہے کیونکہ حوریہ میں اسے مومنہ کا عکس نظر آتا ہے اور حازم سے پوچھ کر اس کے نانا یاور علی سے دونوں کی شادی کی بات کرتا ہے۔

حوریہ اپنی دوست فضا سے بہت محبت کرتی ہے' فضا کی ایک امیرزادے سے دوستی ہے اور وہ گھر والوں سے چھپ کر اس سے ملتی ہے۔ حوریہ کو اس بات سے اختلاف ہے' وہ فضا کو بہت سمجھاتی ہے کہ اس راستے پر نہ چلے' مگر فضا نہ مانی اور آخر کار ایک دن محبت کے نام پر بربادی اپنی قسمت میں لکھوا لیتی ہے اور اس بات کا پتا اس کی سوتیلی ماں جہاں آرا کو چل جاتا ہے اور وہ اپنے بھانجے نصیر سے اس کی شادی کرنے کا پروگرام بنا لیتی ہے جبکہ فضا اس پر راضی نہیں ہوتی جوریہ کو جب پتا چلتا ہے تو وہ فضا کو سمجھاتی ہے اس امیرزادے کو کہے کہ وہ اس سے شادی کرے اور فضا اس کو مجبور کرتی ہے کہ یہ بات

وہ خود اس کو سمجھائے اور فضا کے مجبور کرنے پر جب وہ بار بار سے ملتی ہے تو اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہوتا ہے بار بار سے ہرگز نہیں ملنا چاہیے تھا اور اس بات پہ بھی افسوس ہوتا ہے کہ اس نے ایک غلط لڑکی کو دوست بنایا۔۔۔ (اب آگے پڑھیے)

آٹھویں قسط

ایک منچلی لڑکی ہنستی ہوئی گا رہی تھی۔ یہ پانچ لڑکیاں تھیں جو دلہن کے ارد گرد تھیں۔ اچانک ایک لڑکی جو سرخ اور بلیک کپڑوں میں ملبوس تھی چیخ کر بولی۔

"ارے اب اس کے دوپٹے کا گھونگھٹ اچھی طرح ڈال دو۔ رقیہ پھپھو نے تاکید کی تھی۔" وہ کھلکھلا رہی تھی۔

"ارے یہاں کون ہے ہمارے علاوہ۔"

"وہ دیکھو ستون کے پاس کوئی کھڑا ہوا ہے ادھر دیکھو۔"

"ماریہ تم بھی نا بس۔ گلا پھاڑ کر ہی بولنا۔ اگر اس نے سن لیا تو کتنا برا ہوتا۔"

دوسری لڑکی ماریہ نامی لڑکی کو ٹوکنے لگی۔

"ارے بھئی میں تو خبردار کر رہی ہوں۔ بقول پھپھو کے پہلی نظر دلہن پر دولہے کی ہی پڑنی چاہیے۔" وہ ہنستی وئی حوریہ کے گھونگھٹ میں پوری گھستی ہوئی بولی۔

حوریہ نے اسے دھکیلا۔

"تم سب بکواس ہی کیے جانا۔ میرا دوپٹا ٹھیک کرو۔"

"بڑی جلدی ہو رہی ہے تمہیں۔ فکر مت کرو۔ حازم بھائی کہیں بھاگے نہیں جا رہے ہیں۔" سب کی ہنسی بکھر گئی۔

"واؤ۔ ارے وہ ہینڈسم بندہ اسی طرف آ رہا ہے۔ دیکھو۔ دیکھو ذرا۔"

"شش چپ کرو۔"

وہ سارا گروپ حوریہ کو پیچھے کر کے رک گیا کیونکہ بابر قدم اٹھاتا اسی طرف آ رہا تھا۔

"واؤ۔ کیا زبردست پرسنالٹی ہے۔ دولہے کا بھائی لگ رہا ہے مجھے تو۔" ماریہ کی زبان پھر چل پڑی۔

بابر کے کانوں میں ان کے جملے مسلسل پڑ رہے تھے وہ خاصا محظوظ ہو رہا تھا۔ یہ بڑا انوکھا سا تجربہ تھا اس کے لیے۔

روایتی لباسوں میں ملبوس مہکتی البیلی منچلیاں لڑکیاں۔

سادہ اور بے تکلفانہ انداز۔ بناوٹ سے پاک گھونگھٹ میں چھپی دلہن کو دیکھنے کا اشتیاق اس کی آنکھوں میں ہلکورے لے رہا تھا۔

"ایکسکیوزمی! یہ منہ اٹھائے آپ کدھر چلے جا رہے ہیں۔" حوریہ کے ساتھ کھڑی رمشا جلدی سے حوریہ کے آگے پھیل کر کھڑی ہو گئی۔ دوسری لڑکی حوریہ کو ذرا دور لے گئی۔

"میں دولہا کا اکلوتا بھائی ہوں۔" لڑکیاں لحظہ بھر چپ ہو گئیں۔ دوسرے پل ماریہ جلدی سے بولی۔

"ہاں تو دولہا تو نہیں ہیں نا۔ سوری ابھی ہم دلہن کا گھونگھٹ نہیں اٹھا سکتے۔ ہمیں بالکل اجازت نہیں ہے۔"

"حازم بھائی کی طرف سے پرمیشن (اجازت) لے آئیے۔" ایک منچلی نے شوشا چھوڑا۔

"پرمٹ (اجازت نامہ) ان کے پاس ہے۔"

"اوہ۔۔۔ ویری انٹرسٹنگ۔ امیزنگ آپ کے یہاں دلہن کا دیدار کرنے کے لیے اتنے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔" بابر حقیقتاً متعجب تھا۔

اس نے پہلی بار کسی دلہن کو اس طرح چادر نما دوپٹے میں ڈھکا چھپا دیکھا تھا۔ اس کا اشتیاق کچھ اور بڑھ رہا تھا۔ مگر وہاں وہ پورا ٹولہ کسی طور اپنی جگہ سے ہٹنے کو تیار نہیں تھا۔

ادھر حوریہ کے اندر اضطراب سا پھیلا تھا اس کا دل جانے کیوں چاہا کہ وہ گھونگھٹ ذرا سا اٹھا کر۔۔۔ دیکھے مگر

اتنے بڑے سے گھونگھٹ کو ہٹانا' اس کے لیے ممکن نہیں تھا۔ اور پھر رمشا پوری اس کے آگے پھیل کر کھڑی تھی۔

"ارے تم یہاں کھڑے ہو۔ میں تمہیں ڈھونڈ رہی ہوں۔" عاظمہ' بابر کو دیکھ کر ادھر چلی آئیں۔ حالات کا جائزہ لے کر ان کے چہرے پر اچھی خاصی ناگواری تھی' تاہم وہ سنبھل کر زبردستی رسمی مسکراہٹ سجا کر بولیں۔

"ارے برائڈ (دلہن) کو یوں راستے میں کیوں روکا ہوا ہے' لے جاؤ بھئی اندر بدشگونی ہوتی ہے۔" انہوں نے ایک جائزہ لیتی نظر حوریہ کے سراپے پر ڈالی پھر کچھ منہ بنا کر بولیں۔

"اور یہ اتنے اسٹوپڈ انداز میں اسے کیوں پیک کیا ہوا ہے تم لوگوں نے' ہٹاؤ بھئی۔"

"جج... جی ہٹا دیں گے۔" ماریہ اور رمشا گھبرا کر جلدی سے حوریہ کو بازو سے تھام کر آگے بڑھ گئیں مبادا یہ موڈرن ساس صاحبہ ابھی یہیں کھڑے کھڑے حوریہ کو اس دوپٹے سے آزاد ہی نہ کر دے کہیں۔ ان سب کے جاتے ہی عاظمہ بابر کی جانب متوجہ ہوئیں' جس کی تمام تر توجہ۔ اس غول کی طرف تھی۔

"یہ بتاؤ تم یہاں کھڑے کیا کر رہے تھے۔ کم از کم اپنی پوزیشن کا ہی خیال کر لیا کرو۔ یہ نہیں کہ جہاں چار لڑکیاں نظر آئیں ٹھٹول کرنے کھڑے ہو جاؤ۔"

"مائی فٹ... لڑکیاں نہیں دیکھیں کیا میں نے کبھی۔" بابر کو عاظمہ کا لہجہ اور جملہ بے حد گراں گزرا۔

"میں نے سوچا۔ مسز حازم کا ہی دیدار کر لوں..." اس نے وضاحت دی۔

عاظمہ کے چہرے کے زاویے بگڑے گئے' ایک تنفر اور بےزاری سے بولیں۔

"اب تو دیکھنا ہی ہے عمر بھر' اس طرح خود کو ڈی گریڈ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔" بابر... ضبط کا گھونٹ بھر کر فقط عاظمہ کو دیکھ کر رہ گیا۔ وہ ماں نہ ہوتیں تو وہ یقیناً کوئی سخت جملہ ضرور کہتا۔

"اب یوں مجھے گھور کیا رہے ہو۔ چلو اندر چلو' پاپا بلا رہے تھے تمہیں۔" عاظمہ اس پر فہمائشی نگاہ ڈال کر پلٹ گئیں اور حسب عادت بڑبڑاتی رہیں۔ بابر ایک متاسفانہ سانس بھر کر رہ گیا۔

☼ ☼ ☼

"ارے مومنہ کیا ہوا؟ تم یہاں کیوں کھڑی ہو۔" عادل بھائی تیزی سے گزرتے ہوئے لاؤنج کے دروازے پر رک گئے۔ بڑی سی کھڑکی کے پاس کھڑی مومنہ پر نظر پڑی۔ مومنہ اپنے خیالات کے جانے کون کون سے صحراؤں میں سفر کر رہی تھی۔ ایک مضمحل سی سانس بھر کر کھڑکی کی سلائڈ بند کی۔

"تم بھی باہر آجاؤ۔ حوریہ کو بھی لڑکیاں ابھی باہر لے گئی ہیں۔" عادل بھائی کے ہاتھ میں کچھ شاپرز تھے اچانک کوئی خیال آنے پر وہ بولے۔

"یہ گجرے پھولوں کے کچھ شاپرز ہیں' رقیہ کو دینے ہیں اب وہ شامیانے میں چلی گئی ہے۔"

"آپ یہیں رکھ دیں میں باہر بھجوا دوں گی۔" وہ انہیں الجھا ہوا دیکھ کر دھیرے سے مسکرائی...

"میں جانتا ہوں' حوریہ کی جدائی کا غم تمہیں ہم سب سے زیادہ ہو گا۔" عادل بھائی اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہہ رہے تھے۔

"مگر یہ تسلی بھی کم نہیں ہے کہ وہ تمہاری ہی بہو بن رہی ہے۔"

"جی بہت سکون مل رہا ہے یہ سوچ کر۔" بس خدا ان کو نظر بد سے بچائے اور ہمیشہ خوش رکھے۔"

"اچھا چلو باہر آجاؤ۔" عادل بھائی پلٹتے ہوئے ذرا سا ٹھٹکے پھر بولے۔ "میں جانتا ہوں۔ تمہارے لیے یہ مشکل مرحلہ بھی ہے۔" وہ عباد گیلانی کے حوالے سے کہہ رہے تھے۔ مومنہ نے نظریں جھکا لیں۔ عادل بھائی کچھ افسردہ

سے ہونے لگے۔

"تمہارے لیے یہ سب فیس کرنا آسان نہیں ہے مومنہ ہم سب جانتے ہیں مگر۔۔۔"

"نہیں عادل بھائی۔۔۔ میرے لیے اب ان باتوں کی اہمیت نہیں رہی۔ یہ سب بے معنی ہے میرے لیے۔۔۔ میرے پیش نظر اب صرف حازم اور حوریہ کی خوشی ہے' اس سے زیادہ کچھ نہیں۔" اس کے لہجے میں ایک ٹھہراؤ تھا۔ ایسا ٹھہراؤ جو طوفان گزر جانے کے بعد سمندر کی سطح پر آجاتا ہو گا۔ مگر سمندر کے اندر موجزن اس رسہ کشی سے ساحل پر کھڑا شخص بے خبر ہی رہتا ہے۔ وہ بھی اس لمحے بظاہر ایسی ہی پرسکون سطح دکھائی دے رہی تھی۔

عادل بھائی اس کا سر پیار سے تھپک کر چلے گئے۔ وہ بھی اپنا دوپٹا قرینے سے اوڑھ کر باہر کی طرف چل دی۔

☆ ☆ ☆

شامیانے میں بڑی رونق لگی ہوئی تھی' لڑکیاں حوریہ کا گھونگھٹ ہٹا کر اسے حازم کے پہلو میں بٹھا چکی تھیں۔ ہر کیمرہ حرکت میں آچکا تھا۔ موبائل پر بھی دھڑادھڑ ویڈیو اور تصویریں بنائی جا رہی تھیں۔

حوریہ اپنی بے ترتیب دھڑکنوں کو سنبھالے ایک مسحور کن احساس کے ساتھ سر جھکائے بیٹھی تھی۔

عاظمہ کی جائزہ لیتی نظروں میں ایک توصیف تھی حوریہ اس کے اندازے سے کہیں زیادہ خوب صورت ثابت ہوئی تھی' وہ سوچ رہی تھیں حازم نے واقعی ایک ہیرا چنا ہے۔ یونہی تو وہ لائبہ کو خاطر میں نہ لا رہا تھا۔ پھر حوریہ سے نگاہ ہٹا کر مومنہ کو تلاش کرنے لگیں۔ مومنہ کو دیکھ کر ان کے اندر ایک رقیبانہ' حاسدانہ سا جذبہ اُمڈ رہا تھا۔

وہ عباد کو حد سے زیادہ مسرور دیکھ کر نجانے کیوں ایک نادیدہ سی آگ میں جھلس رہی تھیں۔ وہ کوٹھی سے ضرور نکال چکا تھا مگر دل جیسے مضبوط مکان میں مقید کر چکا تھا اور کسی عورت کی یہی توجیت ہے کہ مرد کے دل میں رہنا۔

ادھر مومنہ شامیانے کی طرف آتے ہوئے ٹھٹکی تھی اس نے عباد کے چھوٹے بیٹے بابر کو اپنی گاڑی کی طرف تیزی سے قدم اٹھاتے ہوئے دیکھا' ایسا لگ رہا تھا جیسے اسے بہت جلدی ہو کہیں جانے کی۔ دوسرے لمحے وہ گاڑی میں بیٹھ چکا تھا اور بے حد ریش انداز میں اس چوڑی سی گلی سے نکلتا ہوا لے گیا۔

"خدا خیر کرے۔ جانے کیا مسئلہ ہو گیا ہے۔" اس کا دل بے نام اندیشے سے دھڑکا۔

اس لڑکے کی انہیں کچھ سمجھ میں نہ آئی تھی۔ بظاہر وہ ملنسار دکھائی دیتا تھا' عاظمہ کی طرح روڈ اور متکبر نہیں دکھائی دیتا تھا۔ مگر حازم کی طرح بااخلاق' نرم اور شائستہ بھی محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

یکایک ان کی توجہ بابر سے ہٹ کر حوریہ اور حازم کی جانب ہو گئی۔ حازم اسے شامیانے میں داخل ہوتے دیکھ کر اپنی جگہ سے کھڑا ہوا تھا۔ عباد گیلانی کی نظریں میکانکی انداز میں اس کی جانب اٹھیں۔ پھر جھک گئیں۔

اس نے سبز اور سفید رنگ کے کنٹراس دوپٹے کو چہرے کے گرد اس طرح پھیلایا ہوا تھا کہ انہیں جرات نہ ہو پائی کہ وہ اسے دیکھنے کا گناہ کرتے۔

مگر دل میں اس کی موجودگی کو محسوس کرنے سے خود کو نہ روک پائے۔

افسردہ سی سانس بھر کر رہ گئے۔ انہوں نے عاظمہ کو بے حد استحقاق بھرے انداز میں اپنے پہلو میں بیٹھتے دیکھا۔ ایک متاسفانہ اور استہزائیہ مسکراہٹ ان کے لبوں پر پھیل کر ٹوٹ گئی۔

یہ عورت کتنے نزدیک تھی مگر کتنے فاصلے پر محسوس ہو رہی تھی اور مومنہ علی کتنے دور تھی۔ مگر رگ رگ میں خون کے ساتھ دوڑتی محسوس ہو رہی تھی۔

وہ لاکھ خود کو اس احساس سے دور کرنا چاہتے تھے مگر خود کو سخت بے بس محسوس کر کے رہ جاتے تھے۔

شب ہجراں بھی روز بد کی طرح

کٹ تو جاتی ہے پر گزرتی نہیں
یہ محبت ہے سن! زمانے سن!
اتنی آسانیوں سے مرتی نہیں
جس طرح تم گزارتے ہو فراز
زندگی اس طرح گزرتی نہیں

☼ ☼ ☼

بابر گاڑی بھگاتا ہوا گیلانی ہاؤس آیا تھا۔ وہ آہنی مین گیٹ سے کچھ فاصلے سے ہی زور زور سے ہارن دینے لگا تھا پھر انتہائی غصے کے عالم میں گاڑی اس نے گیٹ کے پاس اس طرح روکی کہ گاڑی کا اگلا حصہ گیٹ سے ٹکرایا۔ گیٹ اگر مضبوط نہ ہوتا تو اس ٹکر سے ہل زور جاتا۔

چوکیدار بدحواس ہو کر جلدی سے گیٹ کھولنے لگا جونہی گیٹ کھلا گاڑی اندر آئی۔ چوکیدار بے چارہ بدک کر ایک طرف ہو گیا ورنہ یقینی تھا وہ گاڑی اس کے اوپر ہی چڑھا دیتا۔

"پچاس ہارن دے چکا ہوں۔ بہرے ہو گیا۔" اس نے جھٹکے سے گاڑی سے اتر کر تیوری چڑھا کر اسے گھورا اور گاڑی یونہی پارکنگ کے درمیانی حصے میں چھوڑ کر اندر بڑھنے لگا۔

"وہ صاحب۔ آپ نے گاڑی یہیں روک دی ابھی باقی ساری گاڑیاں بھی آنے والی ہیں ان کے لیے...." اس کا منمنایا جملہ ادھورہ رہ گیا بابر نے غصے سے چابی اس کے منہ کی جانب اچھالی۔ اس نے جلدی سے منہ بچا کر چابی پکڑلی۔ وہ سمجھ گیا تھا۔ چھوٹے صاحب کا موڈ برہم ہے۔

بابر اپنے بیڈ روم میں آیا۔ اے سی کھولا اور ٹی شرٹ اتار کر ایک طرف پھینکی۔ پیروں سے جوتے اتار کر ایک طرف پٹخے، موزے کھینچ کر اچھال دیے، پھر فریج سے 7up کا ٹن نکال کر بیڈ پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گیا۔ اسے اپنی کنپٹیاں سلگتی محسوس ہو رہی تھیں جیسے یہاں رگوں کا نہیں سلگتی آگ میں لپٹی ہوئی تاروں کا جال بچھا ہو۔ دو تین بڑے بڑے گھونٹ بھر کر اس نے خالی ٹن ایک طرف اچھال دیا۔

وہ بڑھتا ہوا کارپٹ پر گرا۔ وہ ایک لمحے یوں ہی خالی نظروں سے اس ٹن پر نظریں مرکوز کیے بیٹھا رہا پھر ہاتھوں کا تکیہ بنا کر بیڈ پر چت لیٹ گیا۔

آج اس نے جو کچھ دیکھا۔ اس کے لیے کسی شاک سے کم نہ تھا اسے لگ رہا تھا جیسے اس کا دل و دماغ پر قیامت گزر گئی ہو حوریہ کی صورت میں صور پھونک گیا ہو اور اعصاب بدن کی فضا میں چیتھڑے بن کر بکھر گئے ہوں۔
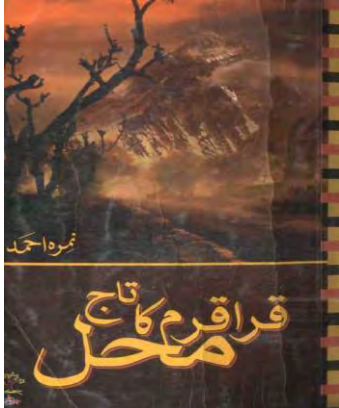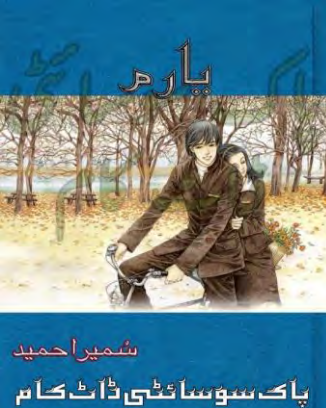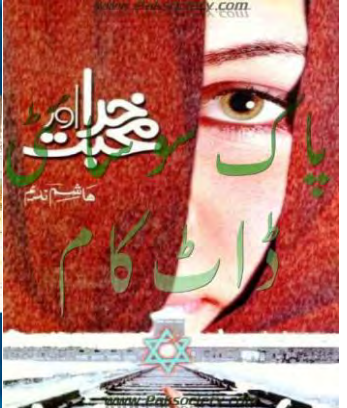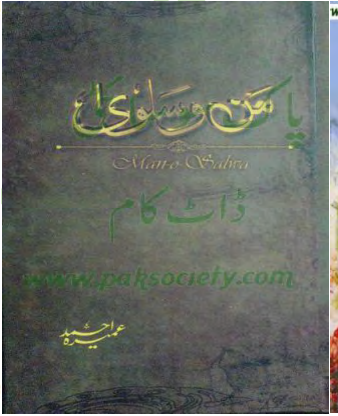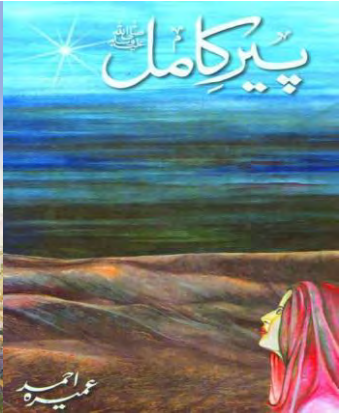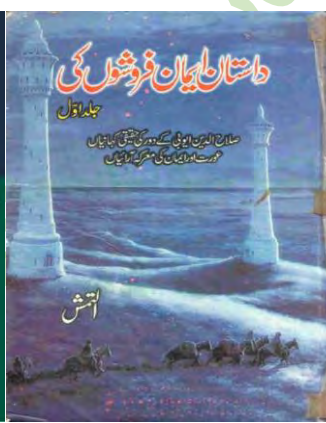
وہ اس بکھرتے حواس کو کمپوز کرتا یا مشکل پہنچا تھا۔ حازم کے پہلو میں دلہن بنی بیٹھی حوریہ، پہلے تو اسے اپنا ہی خیال، تصور اور آنکھوں کا دھوکا محسوس ہوئی تھی۔ مگر وہ دھوکا نہیں تھا نہ خیال نہ تصور.... وہ ایک سفاک زندہ حقیقت تھی۔ حوریہ عادل حازم کی منکوحہ تھی۔

اس کی نظروں میں وہ سارے منظر گھوم گئے جب حوریہ عادل سے اس کی ملاقات ہوئی۔ جب اس نے اس کے منہ پر طمانچہ مارا تھا۔ اسے ایک بگڑا، بدکردار بدباطن اور عیاش امیرزادہ کہا تھا۔ وہ تھپڑ آج بھی اس کی دل دیوار پر نقش تھا۔ کسی سلگتے پھوڑے کی طرح.... اور آج تو جیسے یہ پھوڑا۔ ناسور کی طرح درد کرنے لگا تھا۔

فضا کی یہ سہیلی پہلے روز سے ہی اس کے لیے ایک امتحان بنی ہوئی تھی اور اب اسے لگ رہا تھا یہ امتحان تو اس کے گھر کی دہلیز تک آگیا ہے اسے دن رات اذیت دینے کے لیے۔

"مگر نہیں یہ اذیت اب تمہارے حصے میں جائے گی حوریہ حازم۔"

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

اس نے تکیہ کو زور سے بھینچتے ہوئے اپنے اندر امڈتے غصے کے ابال کو دبایا تھا۔
وہ ایک گہری سانس کھینچ کر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پھر سگریٹ اٹھا کر لبوں سے لگائی۔ اسے لائٹر کا شعلہ دکھایا۔ ننھا سا بے ضرر شعلہ کمرے کی نیم تاریکی میں چمکنے لگا۔ اس نے ایک کش لے کر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگالی اس کے دماغ میں کوئی سنسناتی سوچ سر اٹھا رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

کیا حسن تھا کہ آنکھ سے دیکھا ہزار بار
پھر بھی نظر کو حسرت دیدار رہ گئی

"ہائے ہائے حوری ایمان سے کیا ڈیشنگ پرسنلٹی تھی۔ میں تو سچی دل تھام کر رہ گئی۔"
ماریہ بیڈ پر بیٹھی حوریہ کے آگے چت گرتے ہوئے دہائی دی۔
وہ ساری لڑکیاں حوریہ کو لیے کمرے میں آچکی تھیں اب ہنسی مذاق، چھیڑ چھاڑ جاری تھی۔
"حوریہ... اپنے دیور کو بچا کر رکھنا۔ اپنی ماریہ تو گئی کام سے۔" سمیعہ (رقیہ بھابھی کے بھائی کی چھوٹی والی بیٹی) ہاتھ جھاڑتے ہوئے ہنسی۔ "صرف دیکھ کر یہ حال ہے دو چار ملاقاتوں میں تو بی بی کا جانے کیا حال ہو جائے گا۔"
حوریہ ان سب کزنز کی شرارتوں پر محظوظ ہو کر مسکرا رہی تھی۔
تجسس تو اسے بھی بہت تھا اپنے اکلوتے دیور کو دیکھنے کا۔ مگر موقع ہی نہ مل سکا۔ اسے پتا چلا بعد میں کہ اس کا دیور کسی ضروری کام سے اچانک چلا گیا تھا۔
اب وہ سب باہر سے آتی کسی گانے کی آواز پر حوریہ کو خوب چھیڑ رہی تھیں جب مومنہ اندر داخل ہوئی۔
"ارے بھئی تم سب میری بہو کو کیوں ستا رہی ہو۔"
"جی ہاں آنٹی اصولاً یہ کام تو حازم بھائی کو کرنا تھا۔" جواب شرارت کے ساتھ آیا۔
"بالکل بھئی... مگر تم سب موقع دو تب نا۔" مومنہ محظوظ ہو کر ہنسی اس کی نچھاور ہوتی نظریں حوریہ پر جم گئیں وہ اس کے نزدیک آکر بیٹھ گئی اور حوریہ کی طرف جھکتے ہوئے بولی۔
"سچ کہہ رہی ہوں۔ حازم ملنا چاہتا ہے تم سے" ادھر لڑکیاں "اوئے ہوئے" کرنے لگیں خوب شور مچانے لگیں۔
"موقع دیا جا رہا ہے بیٹے کو یہ فاؤل ہے آنٹی۔ ہاں بھئی بغیر نیگ لیے بالکل دیدار نہیں ہو گا۔"
"بھئی اب اصل محرم تو میرا بیٹا ہی ہے کیا خیال ہے۔" مومنہ نے چھیڑا۔
"بالکل مگر ابھی کچھ حدود آرڈیننس کے تحت اس محرم کو پورے اختیارات نہیں دیے گئے۔ انہیں کہیے رخصتی تک صبر کریں۔"
اور نیگ کے بغیر تو حوریہ کی جھلک بھی نہیں دیکھ سکیں گے۔" ماریہ نے کھلا اعلان کیا۔
"میرا بیٹا بڑا دل والا ہے۔ اس کی تو فکر ہی نہیں کرو تم لوگ۔" مومنہ دروازے کی جانب دیکھا جہاں حازم کو وہ روک کر آئی تھیں۔
"تم لوگ خود ہی اس سے نپٹ لو۔"
ادھر لڑکیاں حازم کی موجودگی محسوس کر کے کچھ سٹپٹا گئیں۔ وہ مومنہ کا مذاق سمجھ رہی تھیں مگر حازم کو دیکھ کر سب کی طراری یوں دم توڑ گئی جیسے بھرے غبارے کو کوئی پن چھو گئی ہو۔
حازم کی شخصیت ہی کچھ ایسی بردبار... اور مسحور کن تھی کہ لڑکیاں... کھل کر شرارت نہ کر پائیں اور کمرے

سے نکل کر بھاگنے لگیں۔ مومنہ۔۔۔ ہنسنے لگی۔

حوریہ حازم کو دیکھ کر پریشان سی نظر آنے لگی۔ وہ گھبرا کر اپنا ڈھلکتا دوپٹا جلدی سے سر پر جمانے لگی۔ آگے کا کنارا پیشانی تک کھینچ لیا۔

لڑکیوں کے سٹپٹا کر بھاگنے پر حازم حقیقتاً" مسرور ہوا تھا۔ پھر اس نے والٹ سے پانچ پانچ ہزار کے کچھ نوٹ نکال کر مومنہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"یہ تو واقعی بہنوں کا حق ہوتا ہے مام۔ میری بہن بھی ہوتی تو۔ یونہی تقاضا کرتی۔"

"بہن ہوتی تو بالکل بھی گھسنے نہ دیتی۔" مومنہ نے ایک میٹھی نرم مسکراہٹ حوریہ پر ڈالی اور اٹھ کر حازم کے پاس آئی۔

"ارے آج تو آدھی جائیداد بھی لکھوالیں مام۔ وہ بھی لکھ دیں گے۔" اس نے بیڈ کے کونے پر بیٹھی حوریہ کی طرف دل آویز مسکراہٹ سے دیکھتے ہوئے کہا۔ مگر وہاں سوائے جھلملاتا دوپٹے کے اور کچھ نظر نہ آیا۔ مگر اس کے وجود کا ایک مدھر کن احساس اس کے دل پر پھیلنے لگا۔

بھاری بھر کم کپڑوں اور جیولری کے بوجھ کے ہمراہ اب شرم کا بوجھ بھی لد گیا تھا۔ اس نے دوپٹا کھینچ کر چہرہ چھپالیا تھا حازم کو اس کی یہ ادا اچھی لگی۔

حسن میں شرم و حیا کا رنگ شامل ہو جائے تو حسن لامحدود ہو جاتا ہے۔ اس کے جھلملاتے رنگ آنکھ کو ہی نہیں دل کو بھی پرنور کر دیتے ہیں۔

مومنہ کمرے سے جا چکی تھی۔ حوریہ کو اپنے بے حد قریب پرفیوم اور روتھ مین کی ملی جلی خوشبو محسوس ہوئی۔ اس کے دل کی دھڑکن معمول سے تیز ہو گئی تھی۔

دو گہری نظروں کی تپش۔

اس نے ذرا سا چہرہ اٹھایا اور بس ایک لمحے کے لیے حازم کو لگا کائنات کا رقص تھم گیا ہو۔ وہ ایک بالکل نئے انوکھے دل آویز روپ میں اس کے سامنے تھی۔ اس کی متاع حیات اس کی جائز ملکیت۔

☼ ☼ ☼

"گیلانی ہاؤس" مہمانوں سے بھرا پڑا تھا۔ رات کو ہوٹل میں عشائیہ تھا نکاح کے بعد قریبی عزیز گیلانی ہاؤس میں آچکے تھے۔ عاظمہ اپنے میکے والوں کے ساتھ مصروف تھیں جبکہ عباد گیلانی بابر کے کمرے میں موجود اسے بے حد قہمائشی نظروں سے گھور رہے تھے۔

جبکہ بابر اپنی مخصوص کرسی پر بیٹھا دھیرے دھیرے اسے جھلاتے ہوئے بے حد خاموش، آنکھیں موندے پڑا تھا۔

"بہت افسوس کی بات ہے۔ تمہیں اپنے رویے پر کوئی شرم محسوس نہیں ہوئی۔ تمہارے اس غیر ذمہ دارانہ رویے نے مجھے بہت دکھ پہنچایا ہے۔"

"میرے نہ ہونے سے کون سا حازم کا نکاح رک گیا۔ اس کی زندگی میں جسے داخل ہونا تھا وہ تو ہو چکی نا۔" وہ اس خوش نما کرسی کے نقشی والے ہتھے پر انگلیاں ہولے ہولے مارتے ہوئے بولا۔

"تم حازم کے بھائی ہو۔ اپنے بھائی کی خوشی میں تمہارا شامل ہونا ضروری تھا۔ تم جس طرح بنا بتائے وہاں سے چلے گئے۔ مجھے کتنی شرمندگی ہوئی۔ حازم کے سسرال والے کیا سوچ رہے ہوں گے۔"

"مائی فٹ" اس نے کرسی جھلانا بند کر دی اور یکدم کرسی سے اتنے زور سے اٹھا کہ کرسی ہل کر رہ گئی۔

"جس کو جو سوچنا ہے سوچتا رہے۔ آئی ڈونٹ کیئر۔" (مجھے پروا نہیں ہے)

"تمہیں پروا کرنی چاہیے۔ وہ حازم کا سسرال ہے۔" عباد گیلانی برہم ہو گئے۔

"وہ حازم کا سسرال ہے میرا نہیں۔ اور میرا بھی ہوتا تب بھی میں پروا نہ کرتا۔" وہ بدتمیزی سے بولا اس کا دل سلگتی بھٹی بنا ہوا تھا۔ اس کا باپ اس کے دل میں پکتے اس لاوے سے بے خبر تھا۔

وہ بالوں میں ہاتھ پھنسائے کھڑکی کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ پارکنگ کا اگلا حصہ یہاں سے دکھائی دے رہا تھا اچھی خاصی رونق لگی ہوئی تھی۔ گاڑیاں آ جا رہی تھیں۔ اس نے ایک گہری سانس کھینچی اور رخ موڑ کر باپ کو دیکھا، عباد گیلانی اپنی وہیل چیئر کا رخ دروازے کی جانب موڑ رہے تھے۔ اس کا مطلب تھا وہ بے حد خفا ہو کر اس سے مزید بات نہیں کرنا چاہ رہے تھے۔

"آئی ایم سوری پاپا۔" وہ ان کی طرف چلا آیا۔ "میری طبیعت یک دم خراب ہونے لگی تھی۔ گیسٹرک پین شاک ہو رہا تھا جس کی وجہ سے وامٹنگ ہو رہی تھی مجھے۔"

عباد گیلانی اسے بے حد غور سے دیکھ رہے تھے۔ بابر نے نظریں چرا لیں اور فریج کی طرف بڑھ گیا۔

"کچھ دیر ریسٹ کرنا چاہتا ہوں پاپا۔"

"ہوں۔" عباد گیلانی نے مبہم سے انداز میں سر کو خفیف سی جنبش دی۔ "عشائیے میں تمہاری موجودگی ضروری ہے۔ میں کوئی بہانہ نہیں سنوں گا۔" وہ کرسی دھکیلتے ہوئے دروازے کی جانب بڑھ گئے۔

"اگر بیٹر فیل کروں گا تو ضرور آؤں گا۔" وہ فریج سے اورنج جوس نکالتے ہوئے اپنے مخصوص لہجے میں بولا عباد گیلانی ذرا سا ٹھٹکے تاہم پلٹ کر اس کی طرف نہیں دیکھا.... وہ جانتے تھے وہ بالکل انہی کا پرتو ہے۔ ضدی خود سر پلا کا منہ پھٹ اور اپنی کرنے والا۔ اس سے بحث بے کار تھی۔

انہوں نے سوچا شاید اس کی طبیعت واقعی ٹھیک نہ ہو۔ وہ کچھ چڑچڑا بھی ہو رہا تھا.... وہ خاموشی سے اپنی چیئر کے ساتھ کمرے سے نکل گئے۔

☆ ☆ ☆

دریچہ ہے دھنک کا اور اک بادل چلمن کی
اور اس چلمن کے پیچھے چھپ کے بیٹھے
کچھ ستارے ہیں
ستاروں کی نگاہوں میں عجب سی ایک الجھن ہے
وہ ہم کو دیکھتے ہیں اور پھر آپس میں
کہتے ہیں!
یہ منظر آسماں کا تھا یہاں پر کس طرح پہنچا
زمین زادوں کی قسمت میں
یہ جنت کس طرح آئی
ستاروں کی یہ حیرانی سمجھ میں آنے والی ہے
کہ ایسا دلنشیں منظر کسی نے کم ہی دیکھا ہے
ہمارے درمیاں اس وقت گو چاہت کا موسم ہے
اسے لفظوں میں لکھیں تو کتابیں جگمگا اٹھیں

جو سوچیں اس کے بارے میں
تو روحیں گنگنا اٹھیں
یہ تم ہو میرے پہلو میں
کہ خواب زندگی تعبیر کی صورت میں آیا ہے
یہ کھلتے پھول سا چہرہ
جو اپنی مسکراہٹ سے جہاں میں روشنی کر دے
لہو میں تازگی بھر دے!
ان دونوں کا دل ایک ہی احساس سے دھڑک رہا تھا وہ احساس تھا
کسی کو چاہنے اور چاہے جانے کا
پا لینے کا
کسی کے دل میں بسنے کا۔
خوب صورت رشتے کی ڈور میں بندھ جانے کا۔

یہ سچ ہے چاہے جانے کا احساس آپ کو کبھی اکیلا نہیں ہونے دیتا۔ آپ جس کو چاہ رہے ہیں وہ خوشبو بن کر آپ کے ہمراہ ہمہ وقت رہتا ہے۔

آپ کی سوچوں میں مہکتا رہتا ہے۔

"آج پہلی بار احساس ہو رہا ہے کہ وقت بہت تیزی سے بھاگتا ہے۔ اسے روکنے کے لیے کوئی منتر آنا چاہیے۔"

حوریہ کا نرم گداز ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ کی گرفت میں لیے حازم کہہ رہا تھا۔

"مگر وقت کے ساتھ یہی مسئلہ ہے کہ جب روکنا چاہو تو اسے پر لگ جاتے ہیں۔ حوریہ اس وقت میرا دل چاہ رہا ہے وقت کی زنجیر تھم جائے ہر لمحہ صدی بن جائے۔ تم میرے سامنے یونہی بیٹھی رہو۔" حوریہ کی پلکیں رخساروں پر لرز رہی تھیں' اس کے لبوں پر مسرور کن مسکراہٹ تھی جس میں شرم کی آمیزش تھی۔ اس کے لیے یہ بڑا مشکل مرحلہ تھا۔

وہ نظریں اٹھاتی تو اسے لگتا ایک سمندر ہے اسے ڈبونے کے لیے۔

اسے پہلی بار احساس ہوا کہ زندگی اتنی حسین بھی ہو سکتی ہے۔

"سمجھ میں نہیں آرہا ہے اپنے رب کے بعد کس کا شکر گزار ہوں پاپا کا یا مما کا؟" وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"ایسا لگتا ہے طلب سے بھی زیادہ مل گیا ہے۔"

"اوف' حوریہ کو بے طرح شرم آرہی تھی۔ یہ شخص اتنا جذبوں سے پر ہے۔ وہ تو اسے بے حد سنجیدہ متین اور بردبار قسم کا سمجھتی آئی تھی۔ آج جو اس کی آنکھوں میں رنگ تھے اس کے لہجے کی گرمی تھی وہ حوریہ کو پگھلائے دے رہی تھی۔ اس کا استحقاق بھرا انداز.... ان دونوں کے مابین موجود رشتے کی حقیقت کو بہت واضح اور مستحکم بنا رہا تھا۔

"ارے یہ کیا تم دونوں نے کھانے کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔" مومنہ اندر داخل ہوئی اور لوازمات سے بھری ٹرالی دیکھ کر بولی۔

"اب بھوک کسے ہے مام۔" حازم ایک ہلکی سی سانس کھینچ کر اپنی جگہ سے اٹھا اس کا انداز حوریہ کو چھیڑنے والا تھا۔

حوریہ نے مومنہ کو دیکھ کر شکر کا سانس بھرا تھا حازم کی وارفتگی حقیقتاً" اسے بوکھلائے دے رہی تھی۔
"تم تنگ کر رہے ہو کب سے میری بیٹی کو۔" مومنہ گلاس میں اس کے لیے جوس بھرتے ہوئے ہنسی۔
"کہاں مما.... پوچھ لیں اپنی بھتیجی سے۔ ابھی تو جی بھر کر دیکھا بھی نہیں ہے۔"
"جی تو کبھی تمہارا بھرے گا ہی نہیں۔ ایسی پیاری ہے میری بیٹی۔" انہوں نے جوس کا ایک گلاس حوریہ کو دیا اور دوسرا حازم کو تھما دیا۔
"اب ذرا چلتے پھرتے نظر آؤ۔ سارے مہمان کب کے جا چکے ہیں بس دولہا ہی غائب ہے۔"
"کاش غائب ہونے کا کوئی منتر آتا تو۔ ہم دونوں ہی غائب ہو جاتے۔ کم از کم آج تو۔"
"اوف!" حوریہ کی پیشانی تپنے لگی۔ حازم کی وارفتہ نظر اور اس پر مومنہ پھپھو کی موجودگی اس سے شرم سے جوس بھی نہیں پیا جا رہا تھا۔ اس نے کانپتے ہاتھ سے گلاس ایک طرف رکھ دیا۔ وہ جانتی تھی وہ ایک آزاد ماحول میں پلا بڑھا ہے ان دونوں گھرانوں کے ماحول میں زمین آسمان کا فرق ہے۔
حوریہ ایک سادہ ڈھکے چھپے ماحول میں پرورش پائی تھی جہاں بزرگوں کے سامنے نشست و برخاست 'بات چیت میں بہت ادب لحاظ ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ اس نے کبھی اپنے دادا یا ورعلی کے سامنے اپنے ماں باپ کو بے حد نزدیک بیٹھے شرارت کرتے یا بے حد ذاتی قسم کی باتیں کرتے نہیں دیکھا تھا۔
مومنہ کی بات ہی الگ تھی۔ وہ تو یوں بھی رکھ رکھاؤ والی عورت تھی۔ اس نے کبھی ان کے سر سے دوپٹا ڈھلکے نہیں دیکھا۔
مگر مومنہ نے بھی حازم کی اس بے باکی پر اعتراض نہیں اٹھایا تھا۔ وہ جانتی تھیں وہ اس ماحول میں رہنے کے باوجود بے حد شائستہ اور نفیس لڑکا ہے مگر مکمل وہ اس ماحول سے کٹا ہوا تو نہیں تھا۔ اس کی پرورش اسی ماحول میں ہوئی تھی۔ وہ ان سے بالکل الگ تو نہیں ہو سکتا تھا اور پھر حوریہ اب اس کی جائز ملکیت تھی.... وہ کوئی نازیبا حرکت نہیں کر رہا تھا۔ اس سے شرارت کرنا ہنسی مذاق کرنا اسے دیکھنا۔ اس کا حق رکھتا تھا۔
"آپ خوش ہیں نا مما۔" حازم 'جوس کا ایک گھونٹ بھر کر گلاس ٹیبل پر رکھ کر مومنہ کے ہاتھوں کو تھامتے ہوئے بولا۔ "میں بہت شکر گزار ہوں آپ کا مما۔" وہ فرط محبت سے اس کے نرم گداز ہاتھوں کی چمکتی سفیدی کو دیکھنے لگا پھر بے اختیار ان پر لب رکھ دیے۔
مومنہ کا دل یکا یک بھاری ہونے لگا۔ اس کی بھوری آنکھوں کے کانچ پر دھندلاہٹ چھانے لگی۔ جواباً" اس نے بھی شدت سے اس کا ہاتھ تھام کر اپنی آنکھوں سے لگایا۔
"میں بے حد خوش ہوں حازم بہت خوش۔" پھر وہ اسے تھام کر حوریہ کے نزدیک لے آئی اور حوریہ کے پہلو میں بٹھاتے ہوئے بولی۔
"ایسا لگتا ہے میری زندگی مکمل ہو گئی ہے۔" ان کے لبوں پر ایک دھیمی مسکراہٹ پھیل کر منجمد ہو گئی۔ حازم کو جانے کیوں لگا ان کے لبوں پر مسکراہٹ ہے مگر آنکھوں کے پار ماضی کی کوئی چبھتی سی دھند پھیلی ہوئی ہے جس سے آنکھوں کی زمین گیلی ہو رہی ہے۔ اس کا دل کبیدہ سا ہونے لگا۔
اس نے بے اختیار اپنا بازو مومنہ کے گرد یوں پھیلا لیا جیسے اسے تقویت دینے کا احساس پہنچانا چاہ رہا ہو کہ اتنا ہی اس کے بس میں تھا۔
"حازم میری بات یاد رکھنا محبت میں اگر اعتماد کا رنگ شامل نہ ہو تو وہ محبت بہت جلد فنا ہو جاتی ہے 'اپنا وجود کھو دیتی ہے۔ اگر باہمی اعتماد ہو تو ہی محبت بلندیوں کو چھو جاتی ہے۔ باہمی اعتماد کی چھاؤں میں ہی محبت پروان چڑھ سکتی ہے۔"

حوریہ اٹھ کران کے سینے سے جا لگی۔ اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

"پگلی روتے تھوڑا ہی ہیں۔ یہ تو بہت خوشی کی ساعت ہے۔" پھر حوریہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر تھپکتے ہوئے بولی۔ "تم دونوں آج ایسے رشتے میں منسلک ہو گئے ہو۔ جہاں اپنی انا 'ذات' ایگو سب کچھ فنا ہو جاتا ہے۔ "دل" ایک دل بن کر دھڑکتے ہیں 'خیالات بے شک الگ ہوں مگر احساس ایک ہونا چاہیے۔ ایک دوسرے کے اندر گم ہو جانا 'فنا ہو جانا محبت ہے حازم..... ایک دوسرے کے دل میں اگنا محبت ہے 'ایک دوسرے کو اپنے اندر محسوس کرنا محبت ہے۔"

"مام یہ زندگی کی حقیقی مسرت ہے۔ جو مجھے ملی ہے 'میں اتنا ناشکرا نہیں ہوں کہ اس سے منہ موڑلوں گا۔" حازم نے متانت سے کہا اور مومنہ کا ہاتھ اپنی آنکھوں سے لگاتے ہوئے بولا۔

"یہ احساس تو بڑا ہی خوش گوار ہوتا ہے کہ کوئی آپ کا شدت سے خیر خواہ ہے 'آپ کی خوشیوں کے لیے دعا گو ہے۔ اور یہ بھی کہ آپ کی محبت اور پناہ کا طلب گار۔" دوسرا جملہ کہتے ہوئے اس نے ایک دل آویز نگاہ حوریہ پر ڈالی۔

اسے اپنے اندر اجالا سا اترتا محسوس ہو رہا تھا۔

مومنہ کا دل جیسے شانت سا ہونے لگا۔ اس کے لبوں پر مسکراہٹ یوں دمکی تھی گویا بارش کے بعد ٹھنڈی ٹھنڈی شام کی دھوپ کھلنے لگی ہو۔

اس کی بھوری پلکوں پر اٹکتے آنسو رخساروں پر گرنے لگے۔ جسے حازم نے نرمی سے اپنے پوروں میں چن لیا۔

✲ ✲ ✲

جہاں آرا چائے کی ٹرے تھامے کچن سے نکل کر صحن میں آئیں ابا عموماً" دوپہر کے کھانے کے بعد چائے پیتے تھے۔ ابا فضا کو اس کے کمرے سے لیے صحن میں چلے آئے۔ جہاں آرا کے چہرے پر ناگواری سمٹ آئی۔ ابا کہہ رہے تھے فضا سے۔

"بیٹھو یہاں..... سارا سارا دن کمرے میں بند پڑی رہتی ہو۔ دیکھو کیسی مرجھا کر رہ گئی ہو۔"

"کہاں 'ٹھیک تو ہوں میں۔" وہ ابا کی نظروں سے بچتے ہوئے پانی کے کولر کے پاس جا کر گلاس بھرنے لگی۔

"پتا نہیں کیسی چپ لگ گئی ہے تمہیں 'اب تو تم نے لڑنا جھگڑنا بھی چھوڑ دیا ہے۔" یہ سچ ہی تھا۔ اسے اب کوئی بات جہاں آرا کی بری نہیں لگتی تھی اور لگتی بھی تو جواب نہیں دیتی تھی۔

"گھر میں ہوتے ہوئے بھی تمہاری آواز نہیں سنائی دیتی۔" ابا بڑا لاڈ دکھا رہے تھے۔ یا پھر حقیقتاً" وہ اس میں ہونے والی اس تبدیلی سے پریشان تھے۔

"آئے لو..... میں تو خود یہی کہتی ہوں اس سے 'اتنی نکمی اور ست کیوں ہو کر رہ گئی ہو۔ کمرے میں پڑے پڑے تو بندہ بیمار نہ بھی ہو تو بیماری لگ جائے۔"

جہاں آرا ابا کی توجہ بھانپ کر فوراً" بولیں۔ ابا کا یہ رویہ انہیں خاص پسند نہیں آرہا تھا۔

"چلو کام کاج نہ کرے۔ میں نے کون سا اس سے پہلے بھی کام کروا لیے ہیں۔ پر ذرا ہل جل لیا کرے۔ کچھ نہیں تو صحن میں بیٹھ کر شام کی چائے ہی ہمارے ساتھ پی لیا کرے۔"

"ہوں۔" ابا نے ہلکے سے ہنکارا بھرا۔

فضا چپ چاپ موڑھا کھینچ کر بیٹھ گئی تھی۔ پھر ابا کچھ سوچ کر بولے۔

"تم چاہو تو کالج جانا شروع کر دو۔"

"ایں... یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ۔" جہاں آرا نے متعجب ہو کر ابا کو دیکھا دوسرے پل ان کی چھوٹی سی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ جو ناگواری کے تھے۔

"یہ کون سا علاج بتا رہے ہیں آپ' لو ذرا دیکھو۔ گھر سے ہی نکال رہے ہیں گھر داری سکھانے کی بجائے آوارہ گردی کا سبق دے رہے ہیں۔"

"تم کچھ دیر چپ نہیں رہ سکتیں۔" ابا بلبلا کر رہ گئے "میں فضا سے بات کر رہا ہوں تم مسلسل اپنے ہی راگ الاپ رہی ہو۔"

"اے ہے! تو میں کون سا کچھ غلط کہہ رہی ہوں۔ اس کے بھلے کے لیے ہی کہہ رہی ہوں۔ آپ کے پاس عقل ہوتی تو رونا کس بات کا تھا۔"

"اب بس بھی کرو۔ چپ ہو جاؤ مجھے بیٹی سے بات کرنے دو نیک بخت۔" ابا حد سے زیادہ چڑ گئے۔ ادھر جہاں آرا کو گویا پتنگے ہی لگ گئے۔ چائے کی پیالی پٹخ کر وہ یوں موڑھے سے اٹھیں جیسے غلطی سے تندور پر جا بیٹھی ہوں۔

"بڑے محبتوں کے سوتے پھوٹ رہے ہیں اونہہ بیٹی سے بات کرنے دو میری بلا سے رات بھر باتیں کرتے رہیے۔" انہوں نے تیغ صفت نظروں سے شوہر کو گھورا پھر فضا کو دیکھ کر استہزائیہ آمیز ہنسی کے ساتھ بولیں۔

"پڑھ لکھ کر بڑا نام روشن کر لینا ہے ابا کا۔ جتنا کرنا تھا کر چکی ہے۔ اس سے پہلے کہ سر پکڑ کر رو دیں اسے کسی کے پلے باندھ کر چلتا کیجیے۔" وہ پھنکاریں مارتیں کمرے کی طرف ہولیں۔ ابا سر پکڑے بیٹھے رہ گئے۔

صحن میں تھوڑی بوجھل سی خاموشی طاری رہی۔ دھوپ سے زیادہ جہاں آرا کی آگ اگلتی زبان کا زہر کتنی دیر ماحول پر بھوت کی طرح مسلط رہا۔

"آپ آرام کیجیے ابا تھک گئے ہوں گے۔" ابا کا جھکا ہوا سر کچھ اور جھک گیا۔

"بات سنو۔" ابا جیسے کسی خیال کے تحت چونکے اسے روکا۔ پھر کرتے کی جیب سے ہزار کا نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولے۔

"یہ رکھ لو۔"

"یہ کیا... کیوں ابا۔" فضا نوٹ کو تعجب سے دیکھنے لگی۔

"رکھ لو۔ رکھ لو ہزار ضرورتیں ہوتی ہیں اس عمر میں۔"

فضا حیران ہوئی جا رہی تھی۔ ابا کو یکایک اس کا اتنا خیال کیسے آئے جا رہا تھا۔ کہاں وہ۔ سو دو سو ابا سے لڑ جھگڑ کر لیتی تھی اب کہاں ہزار کا نوٹ پکڑا رہے تھے۔

"تم نے تو اب پیسوں کے لیے لڑنا بھی چھوڑ دیا ہے۔"

"اب ضرورتیں بھی تو نہیں رہیں۔" وہ کہنا چاہتی تھی مگر چپ رہی اور نوٹ ان کے ہاتھ سے لے لیا۔

☼ ☼ ☼

بابر عشائیے میں یوں شامل ہوا تھا کہ خود کو حوریہ کی نگاہوں سے بچائے ہوئے تھا۔ وہ ایسا لاشعوری طور پر کر رہا تھا وہ حوریہ کی نگاہوں میں نہیں آنا چاہ رہا تھا۔

عشائیے کے بعد گیلانی ہاؤس آ کر حازم نے اسے خوب آڑے ہاتھوں لیا۔

"میں نے تمہیں تین بار کال کی تھی بابر۔ مگر تم حوریہ سے ملنے نہیں آئے تم اکلوتے بھائی ہو میرے۔"

"تبھی تو نخرے دکھا رہا تھا۔ پتا چلے میں اکلوتا ہوں۔" بابر نائٹ گاؤن کی رسیاں کستا بیڈ پر دراز ہو گیا۔ "اسے تم سے ملنے کا بے حد اشتیاق تھا۔ وہ ملنا چاہتی تھی تم سے۔" حازم کرسی گھسیٹ کر اس کے نزدیک بیٹھ گیا اور جیب

سے موبائل اور سگریٹ کا پیکٹ نکال کر سائڈ ٹیبل پر رکھا۔

"تم کچھ اوور ری ایکٹ نہیں کر رہے ہو میری شادی پر۔" حازم نے اسے جانچتی نظروں سے گھورا' بابر جواباً ہلکے سے ہنسا۔ اس کی خوش نما آنکھوں میں ایک زہریلا سا دھواں اٹھا تھا اور چہرے کے نازک حصے میں سرخی نمودار ہوئی تھی۔

"اشتیاق۔" وہ زیر لب بڑبڑایا۔ دوسرے پل خوش دلی کا تاثر سموتے ہوئے بولا۔

"چھوڑو یار.... مل لیں گے جلدی کیا ہے' یہ دیکھو موی کیسی زبردست آئی ہے۔" وہ کروٹ کے بل لیٹ کر اسے بنائی ہوئی وڈیو دکھانے لگا۔ حازم نے موبائل اس کے ہاتھ سے لے کر بیڈ پر پٹخا۔

"تم سچ مچ کسی دن میرے ہاتھ سے پٹ جاؤ گے بابر۔ پتا نہیں تم کب سیریس ہو گے۔" بابر کشن پشت پر لگا کر بیڈ کراؤن سے لگ کر بیٹھ گیا اور مسکراتی نظروں سے حازم کو دیکھنے لگا۔

سیاہ ڈنر سوٹ میں وہ اونچا لمبا کسرتی بدن حازم بے حد جاذب نظر دکھائی دے رہا تھا۔ بابر کی گفٹ کی ہوئی رسٹ واچ اس نے باندھ رکھی تھی۔ اس کی کلائی بے حد خوش نما لگ رہی تھی۔

"آج تم بہت چارمنگ اور اسمارٹ بوائے لگ رہے تھے۔"

"تھینک یو! مجھے پتا ہے میں کیسا لگ رہا تھا۔ میری بات ٹالنے کی کوشش مت کرو۔"

"یار.... میں چاہتا ہوں عین رخصتی والے روز اپنی بھابھی صاحبہ سے ملوں۔ یہ ایکسائٹ منٹ رہنے دو یار...."

اس کی بات پر حازم نے اسے باقاعدہ گھورا اور سائڈ ٹیبل سے پانی کا گلاس اٹھا کر دو گھونٹ بھرے۔

"میں چاہتا ہوں وہ عین رخصتی کے وقت مجھے دیکھے اور.... اس کے ہوش اڑ جائیں۔" حازم نے اس کا جملہ اچک کر پورا کیا۔

"ایگزیکٹلی" بابر نے زور سے چٹکی بجائی حازم اسے ایک ٹک گھورتا رہا۔

"ڈر سکتی ہے وہ تمہیں دیکھ کر۔" حازم نے ایک گہری سانس کھینچی اور سگریٹ نکال کر لبوں کے درمیان باہم دبائی۔

"یہی تو میں چاہتا ہوں برادر۔" بابر کے لبوں کی تراش میں پھیلی مسکراہٹ سکڑ گئی۔ لائٹر اٹھا کر وہ حازم کے لبوں میں دبی سگریٹ پر کھٹ کھٹ کرنے لگا۔ دوسرے پل ننھا سا بے ضرر شعلہ سگریٹ کی ٹوپ پر چمکنے لگا۔ بابر کی آنکھیں بھی اس لمحے ایسے ہی شعلے سے مشابہہ لگ رہی تھیں۔ "تم عمر بھر نان سیریس رہنا۔"

"نہیں اب بہت سیریس ہو رہا ہوں۔" وہ جلدی سے بولا۔

پھر جلدی سے مسکین سی شکل بنا کر بولا۔

"کم آن حازم.... برا لگتا ہوں کیا تمہیں نان سیریس' اب گھر میں ایک آدھ بندہ تو کچھ الگ قسم کا ہونا چاہیے۔"

"وہ تو تم ہو ہی۔" پھر کرسی سے اٹھ کر کشن اسے مارتے ہوئے بولا۔

"پاپا کے سامنے جا کر یہ بات کر دو۔ دماغ ٹھیک کر دیں گے۔" بابر نے ہنستے ہوئے کشن کیچ کر لیا۔

"بات تو سنو جا کہاں رہے ہو۔" حازم نے کف اٹھا کر رسٹ واچ پر نظر دوڑائی اور سگریٹ ایش ٹرے میں بجھا کر اس میں ڈال دی۔

"سو ٹائرڈ یار اب ریسٹ کروں گا۔" وہ ٹیبل سے اپنی سگریٹ اور موبائل اٹھا کر کرسی دھکیل کر کھڑا ہو گیا۔

"آج تم نکاح میں بالکل روایتی دولہا لگ رہے تھے شرمیلے سے۔"

"اچھا تو آپ بھی موجود تھے وہاں۔"

"کم آن حازم.... اب پاپا کی طرح میری کلاس لینا تو بند کرو۔" بابر گویا کراہا تھا۔ حازم اس کی ایکٹنگ پر ہنس دیا۔

"کلاس تو پاپا ہی لیں گے کل تمہاری.... اوکے گڈ نائٹ۔"

"گڈ تو اب آپ کی ہی ساری نائٹس ہوں گی ہماری کہاں۔" بظاہر بابر نے دوستانہ انداز میں ہانک لگائی۔ رومانٹک سے خیالات.... حسین سا چہرہ.... خوابوں کا ڈیرہ.... وغیرہ وغیرہ۔"

حازم نے چہرہ موڑ کر اسے مصنوعی غصے سے گھورا پھر مسکرا کر کمرے سے نکل گیا۔

بابر کے مسکراتے لب باہم سکڑ گئے وہ لب بھینچ گیا اور حازم کو نظروں سے اوجھل ہوتا دیکھتا رہا۔ اس کے رگ و پے میں پھر سے وہی جلن ہونے لگی جسے بڑی مشکل سے ٹھنڈا کیا تھا۔

وہ سگریٹ سلگا کر بڑی شیشوں والی کھڑکی کی سلائڈ کھول کر کھڑا ہو گیا۔

گیلانی ہاؤس کے خوش نما باغیچے کے احاطوں پر مدھم مدھم لائٹیں روشن تھیں۔ حازم کی طرح اس کے پاس کوئی دل آویز، پر رنگین خیال نہیں تھا جس میں ڈوب کر وہ نہ ابھرنے کی خواہش کرتا۔ تاہم سوچنے کے لیے بہت کچھ تھا۔

وہ کچھ دیر انہی سوچوں میں الجھا ہوا اس مدھم اندھیرے کو گھورتا رہا۔ پھر ایک گہری سانس بھری مگر اسے لگا۔ جیسے فضا میں ڈھیر ساری کڑواہٹ ہو جو سانس کے ذریعے پھیپھڑوں تک میں سرایت کر گئی ہو۔

☼ ☼ ☼

ایسے انسان کے جینے پر ذرا غور تو کر
جیتے رہنے کی تمنا میں جو مر جاتا ہے

فضا کے دل پر پھر وہی ملول سی فضا چھائی ہوئی تھی۔ جب بھی ابا کے پاس سے اٹھ کر آتی احساس جرم روح پر کوڑے کی طرح لگتا۔

ابا کی بڑھتی ہوئی لگاوٹ اس کے لیے راحت اور اطمینان کی بجائے ذہنی آزار بن جاتی۔

دل ندامت کی گرد سے اٹ جاتا۔

سچ کہتی تھی حوریہ! بغاوت میں آسودگی نہیں.... کوئی خوشی نہیں ہوتی۔ بغاوت ہر خوشی کی موت ہے۔

"یاد رکھنا فضا جو کام چھپ کر کیا جائے جو روح پر بوجھ کی طرح لگے وہ گناہ ہے۔ جس کام سے روح پر اضطراب چٹکیاں لیتا ہے۔ وہ گناہ ہے۔"

اور اس نے ہنس کر کہا تھا۔

"میرے دل پر کوئی بوجھ نہیں مجھے کوئی بے چینی نہیں ہو رہی ہے۔"

اور آج وہ اضطراب روح کا حصہ بن گیا تھا اس کی.... وہ چھت پر ٹہلتے ٹہلتے تھک گئی تو سیمنٹ کی بنی کنی پر بیٹھ گئی۔ اس کے سوتیلے بھائی زبیر نے کبوتروں کا پنجرہ رکھا تھا سارے کبوتر اڑ چکے تھے۔ دو تین ہی باقی بچے تھے اسے لگا وہ بھی اس کے دل کی طرح پھڑپھڑا رہے ہیں کسی سکون اور آسودگی کی تلاش میں۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر پنجرے کا دروازہ کھول دیا۔ کبوتر یکدم غٹرغوں غٹرغوں کرتے ہوئے دائرے کی صورت میں گھومنے لگا۔ شاید یہ ان کی خوشی کا اظہار تھا۔ دوسرے پل ایک ایک کر کے تینوں کبوتر پھر سے اڑ گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے آسمان کی وسعتوں میں پرواز کرنے لگے۔

ایک پھیکی مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل کر ٹوٹ گئی۔

"یہ خوشیاں بھی لگتا ہے ان پرندوں کی طرح ہوتی ہیں۔ خوش نما دکھائی دیتی ہیں۔ منڈیروں پر آکر بیٹھتی ہیں بس لمحہ بھر کے لیے.... اور جیسے ہی ہاتھ بڑھا کر پکڑنا چاہو پھر سے اڑ جاتی ہیں۔" وہ پنجرے کی جالی پر انگلی پھیرنے

لگی۔

میں نے تم سے محبت نہیں کی تھی بابر۔ شاید اسی لیے تم مجھے نہ ملے۔ میں نے فقط تمہیں اپنے خوابوں کی تعبیر پانے کا راستہ سمجھا وہ خواب جو بچپن سے میری ذات کا حصہ بنے ہوئے تھے۔ میں نے مادی خواہشات کی تمنا کی تھی فقط.... تمہاری نہیں.... میں نے چاہنے اور چاہے جانے کا احساس سے زندگی گزارنے کے خواب نہیں دیکھے تھے۔

میں نے تو حسین محل گاڑی' آزادی اور تن آسانی کی تمام سہولیات کی تمنا کی تھی۔ کسی فرد واحد کی نہیں۔ کسی کے دل میں دل بن کر ہمیشہ رہنے کی نہیں ہاں۔ مگر تمنائیں' امنگیں' خواب' خواہشیں' کھیل تو نہیں ہیں۔ ان میں بھی تو دل خرچ ہوتا ہے۔ ان کے ٹوٹنے پر بھی تو انسان ٹوٹ جاتا ہے اور کبھی کبھی اپنی نظروں میں اتنی اونچائی سے گرتا ہے کہ کرچی کرچی ہو کر رہ جاتا ہے۔

اسے اپنے اعصاب کھنچتے ہوئے محسوس ہونے لگے۔ اس نے بے بسی کے احساس سے چیختے ہوئے پنجرے پر زور سے ہاتھ مارا۔ اسے اپنا دل بھی اس پنجرے کی طرح بالکل ویران محسوس ہونے لگا۔

اسے یکدم جہاں آرا کی چیخ نما پکار بلکہ پھٹکار سنائی دی۔

"کپڑے سوکھانے گئی ہو یا خود بھی اسی پر لٹک کر سوکھ رہی ہو۔ اب نیچے کی بھی خبر لے لو بی بی۔" اس نے دیوار سے نیچے جھانکا۔ جہاں آرا صحن کے بیچ و بیچ کھڑی کمر پر ہاتھ رکھے اسے کوس رہی تھیں۔

"پتا نہیں ابا کب دوبارہ رنڈوے ہوں گے۔" اس کا دل دہائی دینے لگا۔ اسے جہاں آرا سے اب پہلے سے زیادہ نفرت محسوس ہونے لگی تھی۔

"کوئی کام ڈھنگ سے ہوتا نہیں ہے' بس فیشن کرالو' عشق مشق کرالو۔"

"کیا آفت آگئی جو اتنا شور مچا رہی ہیں۔ دو گھڑی چھت پر بیٹھ گئی یہ بھی اب گوارا نہیں آپ کو۔" وہ سیڑھیاں پھلانگتی نیچے اتری اور خالی بالٹی صحن میں پٹخنے کے انداز میں رکھ دی۔

"توڑ دو توڑ دو۔ مفت کا مال ہے۔"

"افوہ.... بولیں کیا کام پڑ گیا ہے۔" وہ غصے کو ضبط کرتے ہوئے بولی۔

"بتول آپا آ رہی ہیں آج نصیر اور اس کے بچوں کو لے کر۔ میں نے انہیں رات کے کھانے کی دعوت دی ہے۔" جہاں آرا ہاون دستہ اٹھا کر ایک طرف بیٹھ کر ہرا مسالا کھٹا کھٹ پیستے ہوئے اسے بتانے لگیں۔

"مہینوں میں ایک بار آتی ہیں وہ بھی اتنے دور سے اب خالی چائے پلانا کچھ مناسب نہیں لگتا۔ تم ذرا گھر کا جھاڑو پونچا کر لو۔ دیکھو ذرا کتنا الٹا پڑا ہوا ہے گھر۔"

اسے نصیر اور بتول آپا کے نام سے ہی الجھن ہونے لگی۔

"اور سنو ان کے آنے پر کمرہ بند کر کے نہ بیٹھ جانا تم۔" وہ پلٹنے لگی کہ جہاں آرا کی آواز سماعت سے ٹکرائی۔

اسے یکدم غصہ آگیا۔

"میرا کیا واسطہ ان لوگوں سے۔ میں کیوں بیٹھنے لگی ان کے پاس۔"

"آئے لو۔ میرے رشتے داروں سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے کیا۔"

"نہیں۔ میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"بہت گرمی چڑھی ہوئی ہے۔ دو منٹ میں اتار کر رکھ دوں گی۔" جہاں نے ہاون دستہ اٹھا کر ایک طرف پٹخا۔

"تمہاری ہی عزت ہے اس میں اور یوں بھی بندے کی اپنی عزت اپنے ہاتھ میں ہوتی ہے چاہے تو کروالے۔ چاہے تو اتروالے۔" وہ ٹنکی میں لگے نل سے رگڑ رگڑ کر ہاتھ دھوتے ہوئے نخوت سے بولیں۔ فضا کا دل یکبارگی

دھڑکا۔

وہ ان کے جملے کا پس منظر اچھی طرح جانتی تھی۔ ایک متاسفانہ سی سانس کھینچ کر رہ گئی۔

"نصیر کے بچے، بہت تمیزدار ہیں ان سے ذرا پیار سے ملنا... بچے تو محبت کے بھوکے ہوتے ہیں اور یہ تو بن ماں کے ہیں۔"

وہ سنی ان سنی کرتی جھاڑو اٹھا کر صحن میں پھیرنے لگی۔

آنسو اس کی آنکھوں سے بے آواز لڑھکتے جا رہے تھے۔ پتا نہیں ندامت کے تھے، خوابوں کے ٹوٹنے پر تھے یا دل کے لیر لیر ہو جانے پر نکلے تھے۔

☆ ☆ ☆

اس نے تکیہ ایک طرف ڈال کر کروٹ بدلی۔ پھر بے چین ہو کر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ یہ نیند کے ساتھ بڑا مسئلہ ہے غم ہو یا خوشی، اسے آنکھوں سے پھر سے اڑ جانا ہوتا ہے بس آکر ہی نہیں دے گی۔ وہ اپنی سوچ پر خود ہی مسکرا دی۔ پھر موبائل اٹھا کر اپنے نکاح کی رسم کی کلپس دیکھنے لگی۔

حازم کی ایک خوب صورت پک پر اس کی نگاہیں جم گئیں۔ یہ تصویر نکاح کی رسم ادا ہو جانے کے بعد کی تھی۔

ایک لحظہ آنکھیں موند کر اس نے ان خوب صورت لمحات کا تصور کیا تو جیسے اندر تک مہک سی اتر گئی۔

اسی پل موبائل کی بیپ ہونے لگی۔ دوسری طرف حازم تھا۔

"مجھے ہنڈرڈ پرسنٹ یقین تھا تم جاگ رہی ہو گی۔" وہ اس کی آواز سنتے ہی بشاشت سے بولا۔ یہ کسی نو آموز چور کی طرح جھینپ گئی۔ حوریہ نے پہلی بیپ پر ہی اس کی کال ریسیو کر لی تھی۔ چوری تو پکڑی جانی تھی۔

"ہوں کیا سوچا جا رہا تھا۔"

"جو آپ سوچ رہے تھے۔"

"اوہ... نائس... میں تو تمہیں اپنے بے حد قریب محسوس کر رہا تھا۔" وہ استحقاق بھرے انداز میں بولا۔ "یہ میرے لیے بے حد خوشی کی بات ہے کہ تم بھی ایسا محسوس کر رہی تھیں۔" حوریہ یوں شرما گئی گویا حازم اس کے نزدیک آکر کھڑا ہو۔ اس سے کچھ جواب نہ بن پڑا۔

اسے کیا خبر تھی یہ مخفی جذبوں سے آشنا ہے۔ دونوں کے مابین یکلخت خامشی طاری ہو گئی خامشی کی بھی اپنی زبان ہوتی ہے۔ اس کے اپنے گیت ہوتے ہیں۔ جو دل سنتا ہے، دھڑکنیں محسوس کرتی ہیں۔ حازم آنکھیں بند کر کے اس کا جھینپا جھینپا شرمایا روپ تصور میں دیکھ رہا تھا۔ چند لمحے دونوں اس مسحور کن خامشی کو محسوس کرتے رہے پھر حازم قدرے سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا۔

"تم خوش تو ہونا حوریہ... ایکچوئلی مما آج کل بہت ڈپریسڈ (پریشان) ہیں شاید۔ وہم ستا رہے ہیں انہیں ماضی کی تکلیف دہ یادوں کے نقوش بہت گہرے ہوتے ہیں ان یادوں کا خوف ان کے لاشعور میں بیٹھ چکا ہے۔ میں چاہتا ہوں ان کا یہ خوف جلد سے جلد ختم ہو جائے۔" پھر چونکتے ہوئے بولا۔ "تمہیں تو کوئی وہم ڈسٹرب نہیں کر رہا ہے نا۔"

"وہم وہاں جنم لیتے ہیں جہاں محبتوں کا مان توڑا گیا ہو۔ مجھے آپ پر پورا یقین ہے آپ پھپھو کا مان نہیں توڑیں گے۔"

"تھینکس حوریہ! مجھے تمہارا یقین اور بھروسا ہی چاہیے۔" حازم نے ایک طمانیت آمیز سانس بھری۔

"حازم میری آپ سے ایک ریکویسٹ (درخواست) ہے۔" وہ ایک لمحے کی خاموشی کے بعد ہچکچاتے ہوئے

بولی۔

"ریکویسٹ کیوں حکم کرو بھئی۔" وہ تکیہ سر کے نیچے دبا کر اطمینان سے بیڈ پر لیٹے ہوئے بولا۔ اس کے لہجے کی نرمی نے حوریہ کی جیسے ہمت بڑھائی۔

"کیا میں شادی کے بعد اپنا گریجویشن کمپلیٹ (مکمل) کر سکتی ہوں۔"

"ارے۔" وہ ہلکے سے ہنس دیا۔ شاید اسے اس کی بات بہت معصومانہ اور بچکانہ سی لگی تھی۔

"وائے ناٹ حوریہ تم جتنا چاہو پڑھ سکتی ہو۔ پی ایچ ڈی بھی کر سکتی ہو۔ ہاں مگر...." اس نے لمحہ بھر توقف کیا پھر کیف آور مدھم لہجے میں بولا۔ "مجھے پڑھنا مت بھول جانا بس اس پڑھائی میں بہت آسان سی کتاب ہوں۔ دلچسپ بے شک نہیں مگر بورنگ ہرگز نہیں ہوں۔"

"جی بلکہ رومانٹک بھی ہیں۔"

"زہے نصیب! آپ نے ہمارے رومانس کو محسوس تو کیا" اس نے کچھ یوں سانس بھری کہ حوریہ سٹپٹا کر خدا حافظ کہہ کر فون بند کرنے لگی۔ کہ وہ جلدی سے بولا۔

"ارے رے.... بات سنو۔" پھر دھیمے سر میں بولا۔

"نیند نہیں آ رہی ہے اب کیا کروں۔" حوریہ کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔

"ستارے گننے شروع کر دیجیے نیند آ جائے گی۔"

اس نے یہ کہہ کر لائن منقطع کر دی۔ پھر ایک سرور محسوس کرتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے لبوں کی تراش میں دھیمی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ آج تو مجھے بھی جاگنا اچھا لگ رہا ہے حازم گیلانی۔ تمہیں سوچنا.... سوچ سوچ کر پاگل ہونا۔

موبائل یکدم بج اٹھا.... اسے حازم کی بے قراری پر ہنسی آ گئی۔ وہ ریسیو کرتے ہوئے بولی۔

"اوف حازم۔ ایسا کریں نیند کی پلز کیجیے آنکھیں بند کیجیے چٹکیوں میں نیند آ جائے گی۔" وہ یہ کہہ کر ہنسی۔

دوسری طرف جسے وہ حازم سمجھ رہی تھی بابر تھا۔ اس کی جھرنوں جیسی مدھر ہنسی.... اس کے وجود کو جھنجھوڑ کر رہ گئی تھی۔ وہ اسے یقیناً "حازم سمجھ کر بات کر رہی تھی۔ گویا کچھ دیر پہلے حازم سے ہی باتیں ہو رہی تھیں۔ اس کے اعصاب پر یہ حملہ بہت بھاری ثابت ہوا تھا۔ اس نے کال کاٹ دی۔

کبھی کبھی الفاظ کسی سفاک حقیقت کو بے نقاب کرتے ہوئے دل میں گرم گرم سلاخ کی طرح گھس جاتے ہیں۔ وہ اپنے دل میں ایسی ہی اذیت محسوس کرنے لگا، جیسے یہ گرم گرم سلاخیں اس کے دل میں گھس گئی ہوں۔

☆ ☆ ☆

حوریہ کی ساری کزنز لڑکیوں نے خوب رونق لگا رکھی تھی، ڈھولکی، مایوں، ہنسی مذاق چھیڑ چھاڑ خوب ہنگامہ مچایا ہوا تھا۔

عادل بھائی اور رقیہ بھابھی کے بازاروں کے چکر ہی ختم نہیں ہو رہے تھے، مومنہ نے پورے گھر کا انتظام سنبھال رکھا تھا۔ ہر کوئی اپنی ذمہ داری از خود نبھا رہا تھا لڑکیوں کے مزے تھے۔ بس دن بھر اپنے کپڑوں اور جیولری کے چکر میں رہتیں، رات کو ڈھولکی سنبھال کر بیٹھ جاتیں۔

رقیہ بھابھی کا میکا بھی تو بہت بڑا تھا۔ پنڈی سے بھی ان کے بھائی بھاوج اور ایک بڑی بہن بمعہ اہل و عیال کراچی ان کی امی کے بنگلے پر ٹھہرے تھے۔ ان کی لڑکیاں روز ہی حوریہ کے پاس آ جاتیں یوں سب کے جمع ہونے پر ایک رونق لگ جاتی تھی۔

حوریہ کو ایسے وقت فضا کی یاد بہت شدت سے آرہی تھی۔ اس نے کئی بار رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر اس کا سیل فون بند ہی آتا رہا۔ اس نے سوچا اس نے شاید فضا کے ساتھ کچھ زیادتی کر ڈالی تھی۔ مگر یہ بھی سچ ہی تھا فضا کے بعد کوئی دوسرا راستہ بھی تو نہیں بچا تھا جس سے وہ اپنی باقی زندگی مزید تباہ ہونے سے بچا سکتی۔

بابر جیسے بھیڑیے سے کوئی اچھی امید رکھنا۔ سراسر نادانی تھی۔ برباد کرنے والے لوگ کیا آباد کر سکتے تھے۔ یہ اس کی اپنی ذاتی سوچ تھی۔

ذرا ڈھولکی بجاؤ سہیلیوں
یہ گھڑی ہے ملن کی
اک سجن سے سجن کی

لڑکیاں اب اسٹک ڈانس کر رہی تھیں حوریہ کی ساری توجہ یکدم ان کی جانب ہو گئی.... بڑا خوب صورت سماں بندھا ہوا تھا رقیہ بھابھی آئرن پھیرتے ہوئے کپڑے اور آئرن اٹھا کے لاؤنج میں ہی چلی آئیں ساتھ میں مومنہ کو بھی کھینچ لیا۔ رات کو گیلانی ہاؤس سے حوریہ کا رخصتی کا جوڑا بھیجا گیا تھا جو ہر آنکھ کو خیرہ کر رہا تھا۔

"تمہارے سسر کا بس چلے تو وہ اس میں ڈائمنڈ بھی ٹکوا دیتے۔" رقیہ بھابھی لش پش کرتے اس شرارے کو توصیفی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے حوریہ کو چھیڑا۔ حوریہ کو اس شرارے کا کام اور وزن دیکھ کر وحشت ہونے لگی تھی۔

"اتنا ہیوی میں کیسے پہن سکوں گی امی۔"

"تو تمہیں کون سا یہ پہن کر ڈھیروں کام کرنے ہیں ایک جگہ ٹکے ہی رہنا ہے نا۔" جواباً" رقیہ بھابھی نے اسے گھورا۔

"حازم بھائی کو ہی سنبھالنا ہے نا۔" اس کی شادی شدہ کزن اس کے کان میں گھستے ہوئے شرارت سے بولی۔ لڑکیاں سب ہنسنے لگیں۔

اس کے سسرال سے گولڈ کے چار سیٹ بھی ساتھ آئے تھے چاروں ہی خوب صورت تھے۔ رقیہ بھابھی الجھن کا شکار تھیں وہ مومنہ سے مشورہ لے رہی تھیں کہ رخصتی کے وقت حوریہ اس میں سے کون سا والا پہنے.... وہ چاروں ڈبے اس کے آگے کھول کر رکھتے ہوئے بولیں۔

"چاروں ہی خوب صورت ہیں۔ تم ہی فیصلہ کرو۔"

مومنہ دلچسپی سے سیٹ دیکھنے لگی یکدم اس کی نظریں ایک سفید نگوں والے جڑاؤ سیٹ پر ٹھہر گئیں۔ یہ سیٹ بے حد خوب صورت نفیس اور قیمتی تھا مگر اس کی نگاہوں کو خیرہ کرنے کی بجائے آنکھوں میں ایک اضطراب بھر رہا تھا۔

یہ سیٹ.... ایسا ہی وہ سیٹ تھا۔ اسے لگا اس کی گردن پر چبھن سی ہونے لگی ہو۔

ماضی کا کوئی خیال منظر بن کر نگاہوں میں پھر گیا۔ مومنہ دلہن بنی خوش نما اسٹیج پر عباد کے پہلو میں بیٹھی تھی۔ تقریباً" مہمان کھانے کے بعد جا چکے تھے اب عباد کے زیادہ تر کلوز فرینڈز ان کی فیملیز ہی رہ گئی تھیں۔

عباد اس کا دوپٹا پیچھے کرتے ہوئے اس کی چمکتی شفاف گردن میں ایک نفیس سفید نگوں والا جڑاؤ نیکلس پہنا رہا تھا اور سرگوشیانہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"اس نیکلس کی قیمت بڑھ گئی ہے آج۔ یہ بھی اپنی قسمت پر رشک کر رہا ہو گا۔" اس کی مضبوط انگلیاں اس کی چمکتی بے داغ گردن پر سرسرانے لگیں۔ مومنہ کو یہ لمس اپنی روح تک میں اترتا محسوس ہونے لگا۔ اس کا بدن شرم سے ٹھنڈا پڑ گیا۔

"پلیز عباد۔ سب دیکھ رہے ہیں۔" وہ شرم سے گھڑی جارہی تھی۔
"کم آن! یہاں کسی کو فرصت نہیں ہے ہماری طرف توجہ دینے کی یہ کوئی مڈل کلاس لوگوں کی پارٹی نہیں ہے۔"
یہ پہلا طعنہ تھا جو اسے ملا تھا بڑی اپنائیت اور محبت بھرے لہجے میں۔
"تم ایک براڈ مائنڈڈ (کھلے ذہن) لوگوں کے ماحول میں بیاہ کر آئی ہو اپنی اس پست اور تنگ سوچ کا خول اتار کر پھینک دو ڈارلنگ" اس کا ہاتھ پکڑ کو بولا۔
"آؤ! لمحے لمحے سے خوشیاں کشید کرتے ہیں۔" وہ اسے تھام کر اسٹیج سے نیچے اترنے لگا۔ مومنہ کسی روبوٹ کی طرح اس کے ساتھ چل رہی تھی وہ اسے نہ جانے کس کس سے ملواتا جا رہا تھا کون کون اس کی گداز ہتھیلی پکڑ کر بوسہ دے رہا تھا۔
اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا یہ دو انسانوں کے ملاپ کا پاکیزہ بندھن ہے یا.... اس سے آگے اس کی سوچ لرز کر رہ گئی تھی۔
محرم نامحرم کا فرق مٹا ہوا تھا۔
حیا کا نام و نشان نہ تھا۔
بے ہنگم قہقہے۔ بے مقصد ایک دوسرے کو چھیڑنا۔ خواتین کے چست اور مختصر لباس۔ مردوں کی بے لگام نظریں، یہ سب خود کو ان تمام گھروں سے ممتاز سمجھ رہے تھے کہ جن گھروں میں عورتوں کو شرم و حیا کی تعلیم دی جاتی تھی اور مردوں کو غیرت کا سبق پڑھایا جاتا تھا۔ وہ یکدم عباد کے بازو کے گھیرے سے نکل کر ایک اونچی مخملی کرسی پر بیٹھ گئی اور بہانہ بناتے ہوئے بولی۔
"بہت ہیوی ڈریس ہے۔ چلنا مشکل ہو رہا ہے مجھے۔"
"اوکے ڈارلنگ۔ گھر چلتے ہیں۔ یہ پارٹی تو رات گئے چلتی رہے گی۔" وہ اسے تھامتا ہوا بولا۔ پھر اس کے نرم گداز بازو پر اپنی گرفت یکایک سخت کرتے ہوئے بولا۔
"اس دن کا تو بہت انتظار کیا ہے میں نے' یہ لمحات کیسے ضائع کردوں۔" بظاہر وہ خمار آلود لہجے میں کہہ رہا تھا مگر اس کی آنکھوں کی سطح پر ایک عجیب سفاکی تھی۔
"گیلانی ہاؤس" میں اس کا شاندار استقبال ہوا۔ کچھ دیر یہاں بھی فوٹو سیشن ہوتا رہا۔ مووی میکر اپنا فن دکھاتا رہا۔
مگر کوئی گھنٹا بھر بعد کمرے میں آکر اس نے گویا سکھ کا سانس لیا۔
"بہت چبھ رہا ہے میں اسے اتار دیتی ہوں۔" کمرے میں آکر مومنہ سب سے پہلے اپنی گردن کو اس نیکلس سے آزاد کرنا چاہتی تھی۔
عباد شب خوابی کا لباس بدل چکا تھا۔ ایک اونچی سی کرسی پر بیٹھ کر سگریٹ سلگاتے ہوئے مبہم انداز میں مسکرا دیا۔
"جو چیز چبھن دے رہی ہو اسے بدن سے ہی نہیں زندگی سے بھی نکال پھینکنا چاہیے۔" اس نے ایک گہرا کش لگا کر ذرا سا آگے ہو کر سارا دھواں مومنہ کے چہرے پر پھینکا۔
"کیا خیال ہے تمہارا۔" وہ اپنے کپڑوں اور جیولری میں الجھی ہوئی تھی اس کے لہجے کے تضاد کو محسوس ہی نہ کر پائی۔
"دراصل میں عادی نہیں ہوں اتنی ہیوی جیولری پہننے کی۔" وہ نیکلس اتار کر گردن پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ سفید گردن سرخی مائل ہو رہی تھی۔

عباد گیلانی کی خوش نما آنکھوں میں ایک زہریلی مسکراہٹ رینگ گئی۔ مومنہ کا یہ پاپا حسن اس کے اندر آگ لگا رہا تھا۔

اس کا چمکتا چہرہ سرخ ہوتے رخسار.... شہد رنگ آنکھیں تراشیدہ ہونٹوں کا یہ خم جیسے پانے کے لیے اس نے کتنے جتن کیے۔ بارہا اپنی انا کو کچلا۔ اب وہ اس کی دسترس میں تھی۔

ایک دلا آویز روپ کے ساتھ۔ مگر یہ محشر خیال یہ ڈسٹربنس لمحہ بھر کیلئے تھی۔ دوسرے پل اپنے رد کیے جانے کی تلملاہٹیں جاگ اٹھیں۔

تذلیل کا احساس رگ رگ پر چٹکیاں کاٹنے لگا۔ اس کی سوچوں سے بے خبر مومنہ اس کی نگاہوں کی تپش سے بوکھلا رہی تھی۔ فطری شرم کے مارے چپ بیٹھی تھی پھر دوپٹا جوں ہی پیشانی تک کھینچا چاہا کہ عباد کا ہاتھ اس کی اس کوشش کو ناکام بنا گیا۔ اس کا انداز جارحانہ تھا۔ مومنہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"میرا خیال ہے میں چینج کرلوں۔" وہ سٹپٹا کر بیڈ سے اٹھنے لگی۔ اس پل عباد بھی اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کا بازو ایک جھٹکے سے اپنی جانب کھینچا۔ وہ اس حملے کے لیے قطعی تیار نہیں تھی لڑکھڑا کر کسی نازک ڈال کی طرح اس کے بازو کے گھیرے میں آگئی۔ دوپٹا ڈھلک گیا۔ ٹیکا بالوں کی لٹ میں الجھ گیا۔

دوسرے پل اس نے اسی جارحانہ انداز میں اسے دیوار پر دھکیل دیا۔

"مومنہ علی... ٹھکرائے جانے کا احساس.... رد کیے جانے کی ذلت۔ ایسی آگ ہوتی ہے جو بجھتی نہیں ہے اور بجھتی بھی ہے تو انتقام لینے کے بعد۔" وہ اس کے کندھے پر اپنی دونوں ہاتھوں کا وزن ڈالتے ہوئے اس کے چہرے کی جانب جھکا۔

"سب کچھ وہی تو ہے' یہ آنکھیں' یہ پیشانی وہی ہونٹ... وہی تراشیدہ بدن۔ پہلے چھو لیتا تو بھی کیا فرق پڑ جاتا۔ اب بھی تو چھو رہا ہوں۔"

"عباد... یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ... میں سمجھ نہیں پا رہی ہوں آپ کے بی ہیور کو۔" وہ حیرت اور خوف کے ملے جلے احساس کے ہمراہ اسے دیکھنے لگی۔

اس کی مضبوط انگلیاں اسے اپنے گداز شانوں میں کسی سلاخوں کی طرح گھستی محسوس ہو رہی تھیں۔ اسے عباد گیلانی کے چہرے پر ایک سفاکی دکھائی دے رہی تھی۔ آنکھوں میں محبت کی چمک نہیں بلکہ حقارت کے شعلے مچلتے دکھائی دے رہے تھے۔

"اس وقت بھی تمہیں چھو رہا ہوں تو تمہیں وحشت نہیں ہو رہی ہے کیفے ٹیریا میں فقط تمہارا ہاتھ پکڑ لیا تھا' تمہاری اسی سراپے کی تعریف کر ڈالی تھی تو تمہیں بڑا غصہ آگیا تھا۔ نفرت محسوس ہونے لگی تھی تمہیں مجھ سے۔" وہ اسے سال بھر پہلے کا وقت یاد دلا رہا تھا جب جامعہ کی کیفے ٹیریا میں اس نے اس کی کسی نازیبا حرکت پر اسے ایک برا انسان کہا تھا۔

"آج میرے ساتھ اس کمرے میں تنہا ہو۔ خود سپردگی کے عالم میں۔ اب کوئی اعتراض نہیں۔ اب برا نہیں ہوں میں۔ اب پارسا نہیں ہو تم۔" مومنہ وحشت زدہ سی اسی گرفت سے مچل کر نکلی۔ اور صدمے اور بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"میری خواب گاہ میں۔ میرے ساتھ بالکل تن تنہا ہو... کوئی ڈر... کوئی خوف نہیں تمہیں ڈارلنگ۔" وہ استہزائیہ آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے ہنس رہا تھا۔

"تم جیسی مڈل کلاس عورتیں پارسائی کا ایسا ڈرامہ رچاتی ہیں۔ دولت کی کمی کے اس عیب کو' نام نہاد پارسائی کے پردے سے ڈھانپتی ہیں۔"

"یہ کوئی ناٹک ڈرامہ نہیں ہے۔ آپ محرم ہیں میرے ہمیں نکاح کرکے آپ کے ہمراہ آئی ہوں۔"
"ہاں.... آئی تو میرے پاس ہی ہو نا۔" مومنہ کا دل صدمے سے گویا چور ہو رہا تھا اس بگڑے امیر زادے کی جھوٹی محبت کا چولا اتر چکا تھا۔ اس کی ذہنی ابتری واضح تھی۔
"نکاح ایک پاکیزہ مقدس بندھن ہے۔ یہ خدا کا قانون ہے کسی انسان کا بنایا ہوا نہیں۔ میرے رب نے آپ کو میرا محرم بنایا ہے اس لیے میں آج آپ کی خواب گاہ میں موجود ہوں۔ مرد ہو یا عورت بشری تقاضے پورے کرنے کے لیے اس شرعی رشتے کی پابند ہے۔ اگر ہر شخص اس رشتے کے قائم کیے بنا یہ تقاضے پورے کرنے لگے تو یہ دنیا۔ بہت بدہیت اور اخلاق باختہ ہوتی۔ آپ مجھے نکاح سے پہلے اپنی خواب گاہ میں لے کر آنا چاہتے تھے آپ کی اس پست سوچ پر مجھے بے حد دکھ ہے۔ نکاح سے پہلے اپنے آپ کو اس مرد کے سامنے سجا کر خود کو پیش کرنے والی عورت بدکردار کہلاتی ہے۔ میں مڈل کلاس کہلانا پسند کروں گی۔ بدکردار کہلانا نہیں۔ اور نہ مجھے اپنے عیوب چھپانے کے لیے آپ کی طرح کوئی چولا پہننے کی ضرورت ہے۔"
"تو تمہارے خیال میں تم باکردار ہو۔" وہ طنز سے ہنسا مگر اس کی آنکھیں کسی بھی لمحے اس ہنسی کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں۔ وہ دیوار پر ایک ہاتھ جما کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑتے ہوئے بولا۔
"نکاح کیا ہے کیا نہیں.... "اس کی پنچ میں مجھے جانے کی ضرورت نہیں ہے مائی ڈیئر۔ میرے لیے یہی بہت ہے کہ خود کو نہ تسخیر سمجھنے والی آج تسخیر ہو کر میرے پہلو میں کھڑی ہے۔ جس کی عزت کی دھجیاں بکھیرنے میں مجھے دو منٹ بھی نہیں لگیں گے۔"
"شٹ اپ پلیز چپ ہو جائیے آپ' آپ اتنے گر سکتے ہیں۔" وہ دکھ اور صدمے سے رو دینے کو تھی۔
"جسے آپ رد کرنا کہتے ہیں وہ میرا رائٹ (حق) تھا کسی کو پسند کرنے اور ناپسند کرنے کا۔" وہ ایک آزردگی' دل گرفتگی سے اسے دیکھنے لگی۔
ہا.... ہا آ۔ خوب خوب۔ وہ ہنسا' یہ ہنسی روح کو گھائل کرنے والی تھی۔
"یہ بتاؤ ڈارلنگ! اپنی ذات سے دستبردار ہونا کیسا لگا۔ میرے نام کا یہ جھومر یہ ٹیکا لگانا کیسا لگا۔ مہندی بھی تو لگائی ہے نا دکھاؤ۔" اس کا انداز سراسر تضحیک آمیز تھا۔ تکلیف کے احساس سے حور یہ ہنس پڑی۔
"اچھا لگتا اگر دستبردار کرنے والے کو اس رشتے کا احترام ہوتا۔ اس کے تقاضوں سے واقف ہوتا۔ اس کے تقدس کو جانتا۔"
عباد گیلانی کے سرخ ہونٹوں کی تراش میں پھیلی زہریلی مسکراہٹ یکدم سکڑ گئی۔
الفاظ کے یہ کوڑے اس کے اعصاب پر بہت زور سے لگے تھے وہ تلملا اٹھا۔ جل کر اس نے پوری طاقت سے اسے کھینچا اور جارحانہ انداز میں اسے اپنے جہازی سائز بیڈ پر دھکیل دیا۔
"تمہارے اس فخر اور غرور کا تنکا تنکا بکھرنے میں مجھے لمحہ بھی نہیں لگے گا مومنہ علی۔" اس کی ہنسی کسی سانپ کی پھنکار سے مشابہہ معلوم ہوئی۔
"ارے.... موی کہاں گم ہو گئی۔" رقیہ بھابھی اس کا کندھا ہلا رہی تھیں۔ وہ یوں چونکی جیسے کسی خوف ناک خواب سے یکدم کسی نے جھنجوڑ کر باہر نکالا ہو۔
"یہ والا سیٹ اچھا لگ رہا ہے نا۔" رقیہ بھابھی کی الجھن ہنوز اپنی جگہ قائم تھی۔ مومنہ نے ایک گہری سانس کھینچ کر اس سیٹ کا ڈبا بند کرکے ایک طرف رکھ دیا۔ اور دوسرا ڈبا اٹھاتے ہوئے بولی۔
"یہ والا زیادہ مناسب رہے گا۔ شرارے کے کلر سے بھی میچ کر رہے ہیں اس کے نگ۔" پھر تخت سے اترتے ہوئے بولی۔

"میں ذرا کھانے کا انتظام دیکھ لوں۔ ابھی سب کو بھوک ستانے لگے گی۔"

"چلو تو پھر یہی ٹھیک ہے۔ سرارے سے بھی میچ تو کر رہا ہے۔" رقیہ بھابھی اس کے دل کی حالت سے بے خبر اپنی الجھن رفع ہونے پر پرسکون ہو گئیں اور ڈبے بند کر کے سمیٹنے لگیں۔ انہیں خبر ہی نہ ہوئی کہ مومنہ ماضی کا کتنا سفر لمحوں میں طے کر کے آئی تھی تھکن سے بے حال۔

"آہ.... کتنی بھی شعوری کوشش کر لی جائے ماضی کا دروازہ بند کرنے کی مگر کوئی نہ کوئی منہ زور جھونکا اسے کھول ہی ڈالتا ہے۔"

مومنہ ادھر ادھر کاموں میں خود کو دانستہ الجھا کر ان سوچوں سے چھٹکارا پانے کی سعی کرنے لگی تھی۔

☆ ☆ ☆

رخصتی والے روز ایک افراتفری مچی ہوئی تھی۔ لڑکیوں کی تیاریاں ختم ہونے میں نہیں آرہی تھیں۔ صبح سے وہ اپنے کپڑوں اور جیولری میں الجھی دکھائی دے رہی تھیں۔ کبھی ایک طرف جمع ہو کر مہندی کے ڈیزائنوں پر بصرے کرنے لگتیں۔

"ارے لڑکیوں! مجھے نہیں لگتا رات گئے تک تمہاری تیاریاں ختم ہونے کا نام لیں گی۔" رقیہ بھابھی نے جیولری کے ڈبے الماری سے نکالتے ہوئے لڑکیوں کو ڈپٹا۔ "جن جن کو پارلر جانا ہے وہ تو فٹافٹ نکلنے کی تیاری کریں۔ ابھی لڑکے ہیں پھر سب گاڑیاں لے کر نکل جائیں گے۔" ان کی بات پر لڑکیوں میں کھلبلی مچ گئی۔ سب کو اپنے پارلر جانے کی فکر پڑ گئی۔

مومنہ تخت پر بیٹھی سلاد کاٹتے ہوئے ان کی ہڑبونگ پر محظوظ ہو کر مسکرا رہی تھی، پھر ملازمہ سے سلاد دھلوا کر چیزیں سمیٹتے ہوئے رقیہ بھابھی سے بولی۔

"حوریہ کے ساتھ پارلر کون جا رہا ہے۔ کسی ذمہ دار لڑکی کو ہی بھیجنا۔"

"ہاں سمیعہ جا رہی ہے۔ ارے...." رقیہ بھابھی کو پھر کچھ یاد آگیا وہ پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے بولیں۔

"دیکھو ذرا یاد ہی کچھ نہیں رہتا۔ عادل کے کپڑے نجانے ڈرائی کلین سے آئے یا نہیں۔"

"آپ چھوڑیں ان لڑکیوں کو۔ آپ اپنے اور عادل بھائی کے کپڑے دیکھیں۔ حوریہ کو میں بھیج دیتی ہوں پارلر۔"

رقیہ بھابھی نے سر ہلا دیا اور اپنے کمرے کی طرف بھاگ لیں۔ مومنہ کچن کے کام نمٹا کر حوریہ کے کمرے میں چلی آئی۔

حوریہ نہا کر نکل چکی تھی اپنے گیلے بالوں کو سلجھا رہی تھی۔ سبز رنگ کے سوٹ میں نکھری نکھری بہار کا حصہ دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے خوش نما ہاتھوں میں رچی مہندی بہت نمایاں تھی۔ مومنہ نے بے اختیار اس کی پیشانی چوم لی۔

"کب سے آپ کو بلا رہی تھی آپ آ کر نہیں دے رہی ہیں۔ ابھی سے آپ بھول گئیں پھپھو۔" اسے دیکھتے ہی حوریہ نے کم سن ناراض بچے کی طرح منہ پھلا لیا۔

"کوئی اپنے جگر کے ٹکڑے کو بھی بھولتا ہے۔ اور آج کے دن۔" وہ ہنسی اور اسے کندھوں سے تھاما۔

حوریہ کا دل بھر آیا۔ وہ تو یوں بھی رونے کا بہانہ ڈھونڈتی رہتی تھی۔ یکایک بہت سے آنسو اس کی آنکھوں سے چشمے کی طرح پھوٹ نکلے۔

"ارے رے یہ کیا بھئی۔" مومنہ تڑپ کر رہ گئی۔

''پھپھو۔'' وہ بے اختیار ہو کر ان کے سینے سے لگ کر کھل کر رونے لگی۔

''پگلی۔۔۔ مجھ سے زیادہ حازم تمہیں پیار دے گا۔'' وہ اس کا سر تھپکنے لگیں' پھر اس کا چہرہ اوپر اٹھایا اور اس کے سرخ ہوتے رخساروں سے آنسو پونچھنے لگی۔

''حازم میرا بیٹا ہے نا۔ مجھ سے زیادہ تمہارا خیال رکھے گا اس کے سنگ زندگی گزارتے ہوئے تمہیں میں یاد بالکل نہیں آؤں گی۔''

''ایسا نہیں ہو گا پھپھو۔'' وہ سسکنے لگی۔

''ایسا ہی ہو گا۔ دیکھ لینا پگلی میری تو دعا ہے تمہیں وہاں اتنی خوشیاں ملیں کے تمہیں ہماری یاد بھی نہ آئے۔ چلو شاباش یہ خوشی کا موقع ہے اداس مت ہو۔''

''آپ میرے ساتھ رخصتی تک رہیے گا۔'' وہ بال لپیٹتے ہوئے ضدی لہجے میں بولی۔

اس کی بات پر مومنہ کے چہرے پر ایک رنگ آکر گزر گیا۔ وہ نظریں چرا کر اس کا ہاتھ تھام کر تھپکتے ہوئے بولی۔

''تمہارے پہلو میں حازم ہو گا۔ تمہیں اب کسی اور کی ضرورت نہیں رہی حوریہ۔۔۔ وہ تمہارا سب کچھ ہے' پوری کائنات ایک فرد نہیں پورا قافلہ ہے وہ تمہارے لیے۔''

''آپ کچھ بھی کہیں آپ میرے ہمراہ ہوں گی۔'' وہ مچل سی گئی۔

''او کے ابھی تم پارلر جانے کی تیاری کرو۔ حازم نے گاڑی بھیج دی ہے۔'' پھر سمیعہ کی طرف رخ کیا۔ جو بیڈ پر بیٹھی حوریہ کے کنگن سیٹ کر رہی تھی۔

''تم دونوں تیاری کر لو۔ میں کھانا بھیجتی ہوں کھا لو۔''

''آپ رہنے دیں آنٹی۔ میں حوریہ کو کھلا دوں گی۔ آپ تھک گئی ہوں گی۔'' سمیعہ کنگن بکس میں رکھ کر بیڈ سے اترنے لگی۔ مومنہ دھیرے سے مسکرا دی۔

''یہ تھکن تو اب اکٹھے ہی اترے گی۔'' پھر حوریہ کو چھیڑنے کی غرض سے بولی۔ ''اس کی رخصتی کے بعد۔''

حوریہ نے منہ بنا کر انہیں دیکھا۔ پھر سنجیدگی سے بولی۔

''پھپھو کھانا رہنے دیں۔ مجھے بھوک نہیں ہے۔'' وہ بالوں میں کلپ لگا کر اسے پیک کرتے ہوئے آئینے کے سامنے سے ہٹ گئی۔

''بھوک کیوں نہیں ہے؟ ناشتا بھی ٹھیک سے نہیں کیا تھا تم نے۔'' مومنہ نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

''خوشی سے بھوک اڑ گئی ہے آنٹی۔'' سمیعہ ہنسی۔

''بھئی خوشی میں تو بھوک بڑھ جاتی ہے۔ چلو میں حازم کو فون کرتی ہوں ابھی کہ تمہاری بیگم نخرے کر رہی ہے' آکر کھانا کھلا جاؤ اسے۔''

''پھپھو آپ بھی نا بس۔'' وہ لجا کر رہ گئی۔

''چلو اس کے ہاتھ سے رات کو کھا لینا۔ ابھی میرے ہاتھ سے کھا لو۔'' وہ ہنستی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔

حوریہ مسکرا بھی نہ سکی۔ وہ اپنی چادر نکالتے ہوئے ایک اداسی سے انہیں جاتا دیکھتی رہی۔

ان سے جدا ہونے کا تصور اسے ملول کرنے لگا تھا اسے اپنی آنکھوں کی زمین پر گیلاہٹ محسوس ہونے لگی اس نے جلدی سے پلکوں کو جھپک کر آنسوؤں بہنے سے روکا اور چادر اوڑھنے لگی۔

اترتی رات۔ یاور علی کے گھر کے باہر سجی لائٹیں جھلملانے لگی تھیں بڑے بڑے بلب روشن ہو چکے تھے۔ رقیہ بھابھی کی ڈانٹ پر خدا خدا کر کے لڑکیوں کی تیاریاں ختم ہوئیں اور وہ بھاگ لیں۔ مگر باہر کا راستہ ناپتے ہوئے بھی کوئی موبائل پر سیلفی لے رہی تھی کوئی آئینے میں اپنا تنقیدی جائزہ لے کر لپ اسٹک کا ٹچ دے رہی تھی پھر

باہر بھاگ لیں۔
حوریہ کو پارلر سے سیدھا میرج ہال لے کر جانا تھا۔ رقیہ بھابھی عادل بھائی کے ہمراہ گھر سے جاتے ہوئے مومنہ کو سخت تاکید کر کے گئی تھیں کہ وہ آدھے ایک گھنٹے کے لیے ہی ضرور آئے۔ اس سے وعدہ لیا۔ میں گاڑی بھجوا رہی ہوں۔
ادھر حازم بھی صبح سے ایک ہی ہارٹ لگائے ہوئے تھا۔ "مام آپ کو آنا ہے۔ اور وہ اسے بارہا سمجھا چکی تھی۔ حوریہ کو بہلا لیا تھا کہ وہ ضرور آئے گی۔
گھر یک دم خالی ہو گیا تھا۔ سب جا چکے تھے۔ وہ ملازمہ سے بکھری چیزیں قرینے سے رکھوا کر یونہی دو گھڑی کے لیے کھڑکی میں آکر کھڑی ہو گئی۔
کتنا ویران ہو کر رہ جاتا ہے گھر کسی ایک کے چلے جانے سے انہوں نے مضمحل سی سانس بھر کر صحن میں پھیلے سناٹے سے گھبرا کر کھڑکی بند کر دی۔ اسی پل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ وہ کھڑکی سے ہٹ آئی اور ریسیور اٹھایا۔
"ہیلو۔" وہ نرمی سے بولی۔ دوسری طرف عباد گیلانی تھا اسے اپنی سماعت پر یہ مانوس آواز اسی ٹکرائی گویا دل پر کسی نے مضراب مار دیا گیا ہو..... ہر تار جھنجھنا اٹھا۔
"کیسی ہو؟" لمحہ بھر کے توقف کے بعد وہ آہستگی سے گویا ہوئے۔
"جی..... کون؟"
"ایسا کیسے ہو سکتا ہے تم میری آواز کو نہ پہچانو۔" وہ دل گرفتگی سے ہنسے۔ ایک پل مومنہ ریسیور پکڑے کھڑی رہ گئی۔ پھر بے مہری سے بولی۔
"وقت بہت سی چیزوں کو دھندلا دیتا ہے گرد پڑ جاتی ہے تو پہچان کھو جاتی ہے۔"
"ماضی پر کبھی بھی گرد نہیں پڑتی۔ دل کی آنکھوں کو ہمیشہ شفاف دکھائی دیتا ہے۔ اس کے رنگ کبھی ماند نہیں پڑتے خاص کر تلخ ماضی کو اور دکھ دینے والے کو تو کبھی کوئی نہیں بھول سکتا۔"
"مگر میں بھول چکی ہوں۔ اسے ماضی کی ایک بھول سمجھ کر۔" وہ ترشی سے اس کی بات کاٹ گئی۔ اس کے لہجے کی ترشی نے عباد گیلانی کو ایک لمحے کے لیے چپ کرا دیا۔
حالات کی سختی نے اس ملائم لب و لہجے کو کتنا سخت کر دیا تھا وہ سوچ کر رہ گئے۔
"تم آج رخصتی میں شامل نہیں ہوئیں۔ حازم کو بھی انتظار تھا۔ میرا فون کرنے کا مقصد بھی یہی تھا۔"
چند لمحے توقف کے بعد وہ اپنا مدعا بیان کرنے لگے۔ مومنہ کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ ابھر کر ٹوٹ گئی۔
"بارہا بچھڑنے کے عمل سے گزرنا بہت تکلیف دہ ہوتا ہے۔ کیا فائدہ یہ منظر دیکھنے آؤں۔" وہ بظاہر حوریہ کے حوالے سے ہی کہہ رہی تھی مگر لہجے کی کاٹ عباد گیلانی کو بہت کچھ جتا رہی تھی۔
"یہ تکلیف مجھ سے زیادہ کون جانتا ہوگا۔" وہ شکستگی سے ہنس پڑے۔ پھر گہری سانس بھرتے ہوئے بولے۔
"خوابوں میں روز ملنا اور آنکھ کھلنے پر بچھڑنے کا عمل بھی سالوں سے سہ رہا ہوں۔ کم اذیت میں، میں بھی نہیں رہا ہوں۔ تمہیں تو ایک بار مار ڈالا۔ میں تو روز مرتا ہوں بس اب یہ خواہش ہے کہ ایک بار ہی ابدی نیند لے لوں۔"
وہ خود آزار سی ہنسی کے درمیان بولے۔ مومنہ کا دل اندر ہی اندر چٹخا تھا۔ جیسے کسی کانچ پر کوئی زور سے پتھر مار دے۔ وہ کرب سے لب بھینچ کر رہ گئی۔
"محبت کیا ہے، کسے کہتے ہیں۔ کیسے جلاتی ہے یہ تن من۔ یہ سب تمہیں کھو کر ہی سمجھ پایا۔ برسوں ایک فریب کا سفر کیا ہے مومنہ۔ راہ میں آنے والے بے جڑ پودوں کو سائبان سمجھتا رہا مگر حقیقتاً" وہ سب کھردری

جھاڑیاں تھیں جو زخمی ہی کرتی رہیں چھاؤں تو صرف درخت ہی دے سکتا ہے۔ وہ درخت جس کی جڑوں میں بے غرض محبت کی مٹی ہو وہی دل کی دھوپ مٹا سکتا ہے۔"

مومنہ ریسیور تھامے گم صم کھڑی رہ گئی... اسے اپنے اعصاب پر شدید دباؤ محسوس ہونے لگا جیسے رگ رگ چیخ جائے گی۔ اس کی انگلیاں ریسیور پر سخت ہو گئیں۔ یہ سارے الفاظ اب کتنے بے معنی تھے بلکہ اس کے لیے ذہنی آزار ثابت ہو رہے تھے۔

ایسے ٹھنڈے میٹھے جملوں کو سننے کے لیے تو اس نے گیلانی ہاؤس کا سفر کیا تھا اور پانچ سال اس نے تپتے ریگستان جیسے ماحول میں گزار دیے۔ فقط یہ سب سننے کے لیے۔ کتنے صبر کے جام پیے۔

کتنے کڑے لمحوں کا عذاب سہا تھا اپنے شریک سفر سے ان چند جملوں کو سننے کی خاطر اور اب وہ بار ہا یہ اعتراف کر چکا تھا مگر یہ اعتراف اس کے لیے ضرب کی طرح تھے جو دل کو زخمی کر رہے تھے۔

"ایک بار مرنا آسان ہو گا مگر مر کے زندہ رہنا اور زندہ رہتے ہوئے بار بار مرنا کتنا کٹھن ہے مومنہ۔" ان کے لہجے میں زخم ڈال دینے والی دل گرفتگی تھی مومنہ کو لگا اس کے ذہن کی طنابیں چٹخنے لگی ہوں۔

"ایک گھٹن ہے ایک تاریکی ہے۔ نہ نکلنے کا کوئی راستہ نہ پلٹنے کی کوئی راہ۔ تم میرے لیے دعا کرو مومنہ دعا کرو کہ خدا مجھے اپنے پاس بلا لے۔"

"عباد۔" وہ جیسے پوری جان سے لرزی تھی مومنہ کے منہ سے اس کا نام جیسے ٹوٹ کر گرا تھا۔ دوسرے پل وہ لب بھینچ کر اپنے دل کو بکھرتا محسوس کرنے لگی۔

ادھر عباد کو اس کا متوحش ہو کر پکارنا ایسا لگا جیسے برسوں کی پیاسی زمین پر پانی کا ٹھنڈا ٹھنڈا قطرہ گرا ہو۔ سوکھی زمین کا منہ کھل گیا ہو پیاس کی شدت بڑھ گئی ہو۔

"آج آپ کے بیٹے کی شادی ہے خوشی کا دن ہے۔ اس طرح کی باتیں نہ کریں۔" وہ چاہنے کے باوجود لہجے کو سخت نہ رکھ سکی تاہم ایک اجنبیت ہنوز قائم تھی۔

"وہ دونوں بے حد خوش ہیں اور حازم آپ کو ہشاش بشاش دیکھنا چاہتا ہے۔"

"ہاں آج وہ دونوں بہت پیارے لگ رہے ہیں۔" عباد گیلانی ایک سانس کھینچ کر افسردگی کے اس سحر سے نکلنے کی شعوری کوشش کرنے لگے۔

"آپ کو حازم کے پاس ہونا چاہیے... وہ بہت حساس اور سمجھ دار ہے آپ کی آنکھوں کے رنگ پہچان لیتا ہے۔ وہ آپ کو خوش دیکھنے کے لیے ہر چیز داؤ پر لگا سکتا ہے۔"

"ہاں... بالکل تمہاری طرح ہے وہ... بالکل تمہاری طرح۔" وہ جیسے کھوسے گئے۔ "تم شامل ہوتیں تو وہ زیادہ خوش ہوتا۔ وہ تمہیں بھی بہت خوش دیکھنا چاہتا ہے۔" ان کے لہجے میں حازم کے لیے بے پناہ پیار رچا ہوا تھا۔ جیسے وہ حازم کے نام سے شانت ہو رہے ہوں۔ "اس کے اختیار میں ہوتا تو وہ تمہارے لیے خود کو بھی داؤ پر لگا دیتا۔"

مومنہ نے کرب سے لب بھینچ لیے' اس کی شہد رنگ آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے۔

"بس اسے کہیے کہ وہ اپنی ماں کو خوش دیکھنا چاہتا ہے تو حوریہ کو کبھی دکھ نہ دینا۔ اس کی آنکھوں کے خوابوں کو بجھنے نہ دینا۔ اس کے دل کو بہت سنبھال کر رکھنا۔ میں نے خدا کے بعد حازم کو اپنی بچی سونپی ہے۔" یہ کہہ کر اس نے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا... اور وہیں رکھی کرسی پر بے دم ہو کر بیٹھ گئی گویا پیروں میں جان نہ رہی ہو۔

"یہ وفا کرنے والی' محبت کرنے والی عورتوں کا کتنا بڑا المیہ ہے کہ وہ زخم دینے والے کو بددعا بھی نہیں دے سکتیں

.....اس کے دکھ کو سہہ تو لیتی ہیں مگر اسے دکھی نہیں دیکھ سکتیں۔ عباد کے لہجے کا بکھراؤ۔ اس کی دل گرفتگی اس کی روح کو چھید رہی تھیں۔
سچ کہتے ہو عباد..... بار بار مرنا کتنا کٹھن ہے بکھر بکھر کر جڑنا اور جڑ کر ٹوٹنا۔ اس اذیت کو مجھ سے زیادہ کون جان سکے گا۔

کوئی روزن نہیں
کوئی دریچہ نہیں
گھور اندھیر سا ہے ہر جگہ

☆ ☆ ☆

وہ جو ایک خواب سی رات تھی
میرے بخت میں
یونہی ایک پل میں گزر گئی
وہ گزر گئی تو پتا چلا
وہی ایک کام کی چیز تھی
میری زندگانی کے رخت میں.....!

موبائل بند کر کے عباد گیلانی نے خود کو آرام دہ کرسی کی پشت سے لگ کر بدن کو ڈھیلا چھوڑ کر آنکھیں بند کر لیں۔ کچھ دیر یونہی آنکھیں موندے رہے اور خود کو پرسکون رکھنے کی کوشش کرنے لگے۔ مگر لگ رہا تھا اب سکون کبھی نہیں ملے گا۔
"پاپا کیا ہوا۔ یہاں اکیلے کیوں بیٹھے ہیں۔" حازم کی آواز سنائی دی تو انہوں نے آنکھیں کھول دیں۔
"بابر بھی جانے کدھر غائب ہو گیا ہے۔ عجیب لڑکا ہے یہ بھی۔ کبھی دکھائی دیتا ہے پھر غائب ہو جاتا ہے۔" وہ شاید بابر کو ڈھونڈتا اسی طرف آرہا تھا۔
سیاہ ڈنر سوٹ میں ملبوس اس کا لمبا قد تراشیدہ بدن اور چہرے پر خوشی کے رنگ وہ بے حد خوب صورت دکھائی دے رہا تھا۔ عباد گیلانی نے بہت محبت سے اسے دیکھا۔
"تم اس لڑکے کی فکر اب چھوڑ دو۔ وہ موڈی لڑکا ہے۔"
"ہوں....." حازم نے ایک ہنکارا بھرا۔ پھر ان کی میز پر ہاتھ رکھ کر ان کے چہرے کی طرف جھکا۔
"آپ یہاں کیوں بیٹھے تھے۔ آر یو اوکے۔"
"بس وہ یونہی ایک دو کالز اٹینڈ کرنے یہاں چلا آیا تھا۔" وہ اپنی اسٹک کے سہارے کھڑے ہو گئے اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ایک تسلی آمیز تھپکی دی۔
"پاپا اب رخصتی کا کر لیتے ہیں۔ حوریہ بہت تھک گئی ہو گی۔ ابھی گھر جا کر بھی فوٹو سیشن چلیں گے۔" وہ اپنا کف اٹھا کر کلائی میں بندھی گھڑی پر ایک نظر ڈالتے ہوئے بولا۔
"ہوں بالکل۔" وہ سرہلا گئے۔
"آج مما بھی یہاں ہوتیں تو کتنا اچھا لگتا۔" وہ ان کے ہمراہ اسٹیج کی طرف چلنے لگا۔
"وہ تمہارے اور حوریہ کے اس بندھن پر بہت خوش ہے یہی بہت ہے۔" وہ اس کا کندھا تھپک گئے۔

☆ ☆ ☆

"گیلانی ہاؤس" کو بے انتہا سجایا گیا تھا۔ ہر آنکھ اس کی سجاوٹ کو سراہ رہی تھی۔ بڑے سے باغیچے میں جگہ جگہ آرٹیفشل پودے کے ساتھ خوش نما صوفے رکھے گئے تھے۔

حوریہ کی آمد کا غلغلہ اٹھا تو پٹاخے ہوائی فائرنگ اور روایتی انداز میں پھولوں کی بے حساب پتیاں نچھاور کی جانے لگیں۔ چھوٹی چھوٹی بچیاں لال فراک میں خوشبو اور پتیوں کا چھڑکاؤ کرنے لگیں دولہا دلہن پر۔

حوریہ کا دل بے انتہا دھڑک رہا تھا۔ ایک نادیدہ سا انجانا سا خوف۔ ملاپ کا خوش کن احساس حازم کی قربت کا نشہ۔ آنے والے حالات کا ہلکا ہلکا دھڑکا...... وہ مختلف احساسات میں گھری ہوئی تھی۔ اس کے قدم لرز لرز کر اٹھ رہے تھے۔ انٹرس پر۔ چمکتے چمکتے فرش پر خوش نما گداز قالین کی راہداری بچھی ہوئی تھی۔

حوریہ نے جیسے ہی اندر قدم رکھا خوشبو کا ایک تیز ریلا اٹھا۔ ہر طرف سے رنگ برنگے پھول برسنے لگے۔ قالین پر جا بجا بکھرے پھولوں اور پتیوں کو پیروں سے کچلتا۔ بابر بلو کلر کے ڈنر سوٹ میں ملبوس چہرے پر مبہم سی مسکراہٹ سجائے ہاتھ میں بوکے اٹھائے حوریہ کی جانب آرہا تھا۔

حوریہ کا گلا اٹھنے والا قدم وہیں جما رہ گیا تھا۔ اس کی اٹھنے والی نگاہیں باہر کی جانب گویا وحشت سے اٹھی تھیں اور جھپکنا بھول گئیں۔

ہیلو مسز حازم! آداب۔۔" وہ ان دونوں کے سامنے چند قدم کے فاصلے پر رکا اور یوں کورنش بجا کر آداب کہا کہ حازم اور عباد اس کی شرارت پر مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔

"مجھے بابر گیلانی کہتے ہیں۔" وہ حوریہ کے ساکت و صامت وجود پر ایک بھرپور نگاہ ڈالتے ہوئے اپنی جانب اشارہ کیا۔

"حازم کا اکلوتا بھائی یعنی آپ کا دیور......" تعارف کراتے ہوئے اپنی خوش نما آنکھوں کو ہلکے سے جنبش دی اور

دھیمے سے مسکرایا۔

"ایکچو ئلی میں آپ کو سرپرائز دینا چاہتا تھا۔ بھا.... بھی.... جان۔" وہ مزید دو قدم چل کر اس کے بے حد قریب رک گیا۔

"بے حد خوشی ہوئی آپ کو یہاں دیکھ کر۔" تیز پرفیوم کی مہک حوریہ کے نتھنوں سے ٹکرائی' وہ متوحش سی ہو کر ذرا پیچھے ہٹی۔

اس کے اعصاب پر گویا بم بلاسٹ ہوا تھا۔ اسے لگا ایک خوف ناک دھماکے کے بعد شعلے اٹھ رہے ہوں۔ اس کی آنکھوں کے آگے دھواں پھیل رہا ہو۔

وہ پیچھے ہٹنے لگی کہ لڑکھڑا گئی۔ حازم نے جلدی سے اسے تھام لیا' اس کے کندھے پر اپنا ہاتھ پھیلا لیا۔

"بابر کی شرارت کرنے کی عادت ہے' میں نے کہا بھی تھا اسے مگر وہ مصر رہا کہ وہ آج ہی تم سے ملے گا۔" حازم اس کی حالت کو شرم پر معمول کر رہا تھا۔ اسے کیا پتا اس کے اعصاب پر صور پھونکا جا چکا ہے۔

پٹاخوں کا شور' تیز میوزک' مووی کی تیز لائٹس' موبائل کے کیمرے' لوگوں کی نظریں وہ سب سے یکسر بے نیاز ہو چکی تھی اس کے اندر ایک محشر برپا ہو گیا تھا وہ اس ٹوٹنے والی قیامت سے نبرد آزما تھی۔

بابر اسے مسکرا کر بو کے پیش کر رہا تھا۔ جسے حازم نے لے لیا اور اپنے ساتھ کھڑے لڑکے کو دے دیا۔ وہ کچھ پریشان ہو گیا تھا۔ اس کے بازو کے سہارے کھڑی حوریہ اپنا کنٹرول چھوڑتی نظر آرہی تھی عباد گیلانی' حوریہ کی بدلتی حالت پر پریشان ہو گئے تھے۔

"میرا خیال ہے یہ تھک گئی ہے اسے چکر آرہے ہیں'" حازم نے کچھ تشویش سے کہا تو عباد گیلانی نے فوراً" مووی میکرز کو ہٹا دیا۔ پٹاخے میوزک سب تھم گئے۔

"کیا ہو گیا۔" عاظمہ آگے بڑھیں۔

"چکر آرہے ہیں اسے ماما۔"

"اوہو.... اسے یہاں لا کر بٹھاؤ۔ کوئی جوس ووس دو۔" وہ لڑکیوں کی طرف پلٹیں۔ اور سب کو جوس سرو کرتے لڑکے کو روکا۔

"نہیں میرا خیال ہے حازم اسے تم اپنے ساتھ روم میں لے جاؤ۔" عباد گیلانی کچھ سوچ کر بولے۔ حوریہ کے چہرے پر پھیلی وحشت انہیں تشویش میں مبتلا کرنے لگی تھی۔

عاظمہ نے کچھ کہنا چاہا کہ وہ ہاتھ اٹھا کر دو ٹوک لہجے میں بولے تھے۔

"بس اب کوئی رسم نہیں ہو گی۔"

عاظمہ کے حلق تک میں کڑواہٹ گھل گئی۔ ابھی تو انہیں فوٹو سیشن کروانے تھے۔ مگر عباد کے دو ٹوک لہجے پر وہ اتنے مہمانوں کی موجودگی میں چپ سی رہ گئیں۔

حوریہ کو حازم کسی قیمتی متاع کی طرح سنبھالتا ہوا اپنی خواب گاہ کی جانب بڑھ گیا تھا۔ حوریہ کسی روبوٹ کی طرح اس کے ہمراہ چل رہی تھی۔ اس کے ذہن میں کچھ نہیں تھا سوائے بابر کے خوف ناک تصور کے۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

☼ ☼

فریدہ فرید
ہم عمر اور بکرا

"بکرا یا میں!"
طلحہ احمد حیرت کے سوا نیزے پر کھڑا حرم کو تک رہا تھا کیا عجیب فرمائش ہوئی تھی وہ کچھ کہنے کے قابل بھی نہ رہا تھا کوئی سنتا تو کیا کہتا؟ حرم طلحہ نے طلحہ احمد کے سامنے انوکھی آزمائش رکھی تھی۔
"اس گھر میں بکرا رہے گا یا میں، تمہیں کسی ایک کا انتخاب کرنا ہوگا میاں جی۔" حرم اپنا موازنہ بکرے سے کر رہی تھی جسے طلحہ آج ہی خرید کے لایا تھا۔
جانوروں سے حرم کی الرجی سے تو وہ اسی وقت واقف ہو گیا تھا جب اس نے شادی کے اگلے ہی روز طلحہ کے انتہائی شوق اور محنت سے پالے ہوئے خمرے پنجرے سے نکال کر فضاؤں کے سپرد کردیے تھے۔ طلحہ حنائی ہاتھوں کی حرکت اور سرخ چوڑیوں کی چھنک میں اتنا مگن رہا کہ ہوش تب آیا جب باغ اجڑ چکا تھا اور پھر ایک ایک کر کے اسے پیامبر کبوتر، میٹھی بولیوں والے طوطے اور رنگ برنگی چڑیاں اسے داغ مفارقت دے گئیں اس کا نشہ وصال اترا تھا مگر اس وقت اس کے پاس سوائے کڑھنے کے کچھ نہ بچا تھا بہر حال اس نے انتہائی فرماں بردار۔ شوہر کی طرح، حرم کی اس عادت سے سمجھوتہ کر لیا کہ اسے اپنے گھر میں جانوروں کا وجود نا قابل قبول تھا، مگر یہ مزاج شریفہ قربانی کے جانوروں پر بھی لاگو ہوگا اس کا اسے اندازہ نہ تھا اپنے ذاتی شوق اور فطرت کے تحت وہ پہلی ذی الحجہ کو ہی بکرا خرید کر لے آیا تھا مگر حرم کے بے دریغ احتجاج اور نرالی پخ نے اسے الجھن میں ڈال دیا تھا۔ اب حرم اور بکرے میں سے کسی ایک کا انتخاب کیسے ممکن تھا۔؟

☼ ☼ ☼

رات کے کھانے میں کالی مسور دیکھ کر وہ سمجھ گیا تھا کہ برے دن شروع ہو گئے تھے۔ حرم ضدی ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی سگھڑ، ذائقہ دار ہاتھوں کی مالک تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ اسے اپنی مرضی کے خلاف بات ناگوار تھی، مگر بعض معاملات میں اس کی فطرت انتہائی کٹھور تھی اور ان ہی میں سے ایک معاملہ غیر انسانی اشیاء سے اس کی الرجی کا تھا۔ وہ اعلا انسانی رویے کی حامل تھی رشتے دار، دوست احباب، پڑوسی وہ سب میں انتہائی باخلاق اور سوشل مشہور تھی تو گھر میں غلطی سے آجانے والے حشرات الارض اور گلی سے گزرنے والے آوارہ کتے، بلیوں کے لیے وہ ڈائن سے کم نہیں تھی۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ شادی سے قبل گھر میں اماں اور لال بیگ، چوہوں کی فوج انتہائی پر امن طریقے سے رہا کرتی تھی نہ کسی کونے سے چیخ سنائی دیتی تھی نہ کہیں کسی بے چارے کیڑے کی لاش پڑی دکھائی دیتی تھی مگر حرم کے گھر میں قدم رنجہ فرماتے ہی ہر سو چیخوں کی صدائیں بلند ہوتی تھیں اور قابل توجہ بات یہ تھی کہ وہ چیخیں حرم کی نہیں ان حشرات الارض کی ہوتی تھیں جن سے ان کا صدیوں پرانا مسکن چھین لیا جاتا تھا۔
کیا دیسی کیا ولایتی حرم اپنے دشمنوں کو زیر کرنے کے لیے کون کون سے طریقے نہیں آزماتی تھی یہ تو خیر اس کا مثبت پہلو تھا جس نے طلحہ کے گھر کو انتہائی ستھرا اور دل فریب بنا دیا تھا۔ اماں تو بہو کے گنوں کی پرستار تھیں، شیدائی کم طلحہ بھی نہ تھا۔ انتہائی صاف ستھرے لباس میں ملبوس، پرانے ہو کر بھی نئے دکھتے برتنوں میں حرم کے ہاتھوں کی لذیذ بریانی، منچن، کڑاہی کھانے کے چسکے نے طلحہ کو اپنے عزیز دوستوں کی جدائی کا غم بھلا دیا تھا۔ اسے قطعاً "یاد نہیں تھا کہ اس نے کتنے جوکھم اور دن رات کی محنت سے اپنے ننھے دوستوں کو پروان چڑھایا تھا وہ ننھے چوزے جنہیں وہ اپنی چوڑی ہتھیلیوں میں لے کر گرمائش دیا کرتا تھا۔ اس کی بھرپور شفقت کے سائے تلے جب انڈے دینے لائق ہو گئے تو حرم نے ایک ایک کر کے ان نازوں پلوں کو روسٹ، نہاری، مسلم، کڑاہی کے نام دے کر طلحہ کے شقم میں سمو دیا تھا کھانے کے بعد تو وہ حرم کی مدح سرائی میں اتنا مگن ہو جاتا تھا کہ خالی پنجرے کی جانب اس کا دھیان کم ہی جاتا تھا۔ حق یہ تھا کہ وہ حرم کے رنگوں کا فدائی ہی نہیں ان میں سرتا پیر رنگا ہوا

تھا۔ اس نے کبھی اپنے شوق ذوق کے قتل اور اپنے پیارے پلے ہوؤں کے جنازے پر ماتم نہیں کیا تھا۔ اس کے لیے حرم کی ست رنگی ہستی سے آگے کچھ نہ تھا۔ مگر اب اس انوکھی ضد سے کیسے نمٹا جائے؟ وہ گہری سوچ بچار میں تھا۔

"جان! دال میں ذرا سی نمک مرچ ڈال لیتیں تو اور بھی لذیذ ہو جاتی۔" پھیکی پتلی نمک مرچ سے محروم اس کی ناپسندیدہ دال پر تبصرہ بھی طلحہ نے بچکارتے ہوئے کیا تھا، جس کا نتیجہ حسب روایت تھا حرم نے اسے کاٹ کھانے والی نظروں سے دیکھا تھا۔

"بکرے پر چھری خود چلائیں گے یا یہ کام میں انجام دوں۔" حرم نے سفاکیت سے استفسار کیا تھا۔

"زیرے کا بگھار لگ جاتا تو یقیناً" کھانے کا لطف دوبالا ہو جاتا۔" طلحہ نے پانی کے ساتھ نوالہ حلق سے اتارتے ہوئے لاپروائی سے کہا تھا، عادتیں حرم کی ہی بگاڑی ہوئی تھیں۔ طلحہ تو شادی سے قبل گوشت کے سوا کسی ذائقے سے واقف ہی نہ تھا اماں ابا کی اکلوتی اولاد ہونے کے ناطے ابا کی دو دکانیں لگاتی، کنفکشنری کی دکان سے آتی ساری آمدنی طلحہ کے ذوق و شوق اور شقم سیری کی نذر ہوا کرتی تھی۔ اماں ابا کا بس چلتا تو اس کی سانسوں میں جاتی ہوا کو بھی اس کے من پسند خلیوں میں ڈھال دیتے۔ لیکن شادی کے بعد حرم نے اس کی پسند کے معیار بدل دیے تھے۔

ایسا نہیں تھا کہ یہ حرم ہر کام ڈنڈے کے زور پر کرواتی تھی یا وہ کوئی بدزبان، لڑاکا قسم کی بیوی تھی وہ ماسٹرز آف ہوم اکنامکس تھی، شادی سے قبل گورنمنٹ ٹیچر تھی۔ طلحہ سمپل بی اے تھا اور ابا کے چلتے چلاتے کاروبار کا اکلوتا رکھوالا تھا۔ ابا اسے دکان داری کے لیے مجبور نہیں کرتے تھے فی الوقت بہتر صحت کی بنا پر خود ہی مصروف رہتے تھے۔ سو وہ ذریعہ معاش سے بے فکر غیر نصابی سرگرمیوں میں پیش پیش رہتا تھا۔ اماں نے حرم کو محلے کی کسی شادی میں پسند کیا تھا۔ طلحہ نے تصویر او کے کر دی تو اماں نے جھٹ پٹ پانچ بہن بھائیوں میں سب سے بڑی حرم کو بیاہ کر اپنے گھر کی زینت بنا لیا تھا اور حرم نے صحیح معنوں میں ان کے تین کمروں کے چیدہ چیدہ فرنیچر سے سجے گھر کو اپنے ہنر اور جہیز کی اشیاء سے مزین کر دیا تھا۔ اسی طرح حرم نے طلحہ کے سبزی دال نہ کھانے والی عادت کو انتہائی چاہت و مہارت سے بدلا تھا۔ پہلے وہ گوشت میں سبزی ڈال کر ہلکا سا چھڑکاؤ کرنے لگی طلحہ کو اکا دکا دانہ دکھائی دیتا تو وہ ذرا سی ناک بھوں چڑھا کر اسے سائڈ پر کر کے کھانا کھا لیتا رفتہ رفتہ حرم نے مقدار بڑھانی شروع کر دی۔ طلحہ کو چونکہ ذائقہ راس آ گیا تھا۔ سو وہ چڑنے اور شور مچانے کے ساتھ ساتھ کھانا زہر مار کر ہی لیا کرتا تھا، بالآخر حرم کے ہاتھوں کے لذیذ کھانے اس کے معدے کو اپنا عادی بنانے لگے۔ اب گوشت میں آتی سبزی کو وہ رغبت سے کھانے لگ گیا تھا اور چند ہی ماہ میں حرم اس کی پشت پر کھڑے اسے خود سے ٹیک دیے، بالوں میں انگلیاں رقصاں کیے، جب اپنی لمبی انگلیوں سے خالصتاً" دال یا سبزی کے سالن کے نوالے بنائے، طلحہ کے منہ میں ڈالتی، تو اسے کھانے سے انکار کر کے خوب صورت لمحوں کا مزا کرکرا کرنا گوارا نہ ہوتا۔ وہ بھوک سے بھی بڑھ کر پیٹ بھرتا اور ضرورت سے زیادہ چاہت سے مسام جاں کو معطر کرتا۔ زندگی حرم کی زلفوں کی چھاؤں تلے انتہائی آسودہ تھی کہ شادی کے بعد پہلی بقرہ عید کی آمد ہوئی اور وہ محاذ جنگ کھل گیا جس کی اسے توقع نہ تھی۔

"بکرے کے ساتھ رات گزارنی ہے یا میرے ساتھ۔" حرم ٹاپک سے ہٹنے کو قطعاً" تیار نہ تھی۔ اس نے خود کھانے کا ایک لقمہ نہیں لیا تھا گویا احتجاج ہر صورت سے رواں تھا۔ اماں اور ابا تو لاڈلی بہو کے ہم خیال تھے، مخالفت تو اس نے بھی کبھی نہ کی تھی مگر یہاں معاملہ قربانی کا تھا جو کہ فرض عین ہے وہ قربانی کی نیت سے جانور خرید لایا تھا اب اسے وقت سے قبل ذبح کیا جا سکتا تھا نہ ہی فروخت اور محلے میں واحد ان ہی کا گھر تھا جس میں صحن تھا باقی گھروں میں تو سیڑھیاں پھلانگ کے کمرے آ جاتے تھے اور چھت گرنے کے

لیے ہر وقت تیار حالت میں تھی ایسے میں وہ قربانی کے بکرے کو کس کے سپرد کرتا۔

"حرم پیاز کاٹ دو اب مزید پانی کے ساتھ دال کھانا ممکن نہیں رہا۔" طلحہ نے ہنوز اپنی آہ و زاری جاری رکھی ہوئی تھی وہ کھانے کا رسیا تھا ایک آدھ وقت نہ کھانا، کم کھالینا یا جیسا تیسا کھالینا یہ سب معاملات اس کی لغت میں نہ تھے۔ سو اس وقت بھی وہ نہ کھاسکنے کے باوجود دال کھا رہا تھا اور ساتھ میں مشورے بھی عنایت کر رہا تھا۔ دوسرے لفظوں میں وہ حرم کی بات کو نظر انداز کرنے کے حیلے کر رہا تھا۔

"اماں اس بار عید اپنے میکے میں کرلوں، میٹھی عید پر بھی نہیں جاسکی، ویسے بھی میری پہلی عید ہے۔" حرم نے ترپ کا پتا پھینک دیا تھا، جو نشانے پر لگا تھا۔ طلحہ کی بے پروائیاں، حیلے بہانے سب رفو چکر ہو گئے تھے وہ سخت فکر مند دکھائی دیتا تھا۔

"میاں بیوی آپس میں فیصلہ کرلو مجھے کیا اعتراض ہے؟" اماں نے ہمیشہ کی طرح خود کو سائڈ پر کرلیا تھا۔

"فیصلہ تو ہو گیا اماں! انہیں بکرا مجھ سے زیادہ عزیز ہے۔" حرم نے دھیمے سے کہتے اندر کی جانب قدم بڑھائے تھے۔ ایک تو اس کے جانے کے فیصلے نے طلحہ کو ہلا کے رکھ دیا تھا تو اب حرم کے روہانسے لہجے نے اس کی بینڈ بجادی تھی وہ لپک جھپک بیڈ روم میں چلا آیا تھا۔

"میری جان فیصلہ ہونا ابھی باقی ہے کچھ موقع تو دو۔" طلحہ نے پشت سے حرم کو بانہوں میں بھر لیا تھا جس کے بنا لحہ بھر گزارنا ممکن نہ تھا اس کے بنا عید جیسی خوشیوں کے تہوار کیسے بتائے جاسکتے تھے۔

"کیسا موقع؟ اس جانور نے پورا صحن غلاظت سے بھر دیا تھا، صبح سے اس کی 'میں میں' سن کر میرا سر دکھ رہا ہے۔ ابا نے نئی بالٹی میں اسے پانی بھر کے ڈال دیا اور پھر اس کے پاؤں کے گھنگھرو، ان کی آواز میرے سر پر تازیانے کی طرح بج رہے ہیں مجھے اس مسئلے کا فوری حل چاہیے۔" حرم نے خود کو اس کی مضبوط گرفت سے آزاد کرانے کی خفگی بھری کوشش کی تھی اور مدعا انتہائی دردناک صورت اور آواز میں بیان کیا تھا۔

"حرم دیکھو وہ قربانی کا جانور ہے کوئی پالتو یا آوارہ نہیں اس سے جان چھڑانے کی بات کرنا تو کفر ہے۔" طلحہ نے پھر پچکارتے ہوئے وضاحت دی تھی اور شرارتوں میں اضافہ کردیا تھا شاید کہ حرم کو قول اور فعل میں سے کسی ایک چیز سے راضی کیا جاسکے۔

"تو کیا ضرورت تھی اتنی جلدی خرید کے لانے کی عید کے دن خرید لیتے۔ باہر قصائی سے ذبح کرالیتے فرض تو قربانی دینا ہے اتنے دن پہلے جانور گھر لا کے رکھنا نہیں۔" حرم مان جانے کے موڈ میں قطعاً نہیں تھی اپنی بات کو مزید ہیبت ناک بنانے کے لیے اس نے سفری بیگ میں اپنے کپڑے رکھنا شروع کردیے تھے۔

"حرم! قربانی کے جانور کو پیار سے رکھنا، دیکھ بھال کرنا بھی تو ثواب ہے اب دیکھو تم نے رمضان میں مجھ سے ایکسٹرا عبادت کرائی اب جب میں نے ایکسٹرا ثواب حاصل کرنے کا ارادہ کیا تو تم ناراض ہو گئیں۔" طلحہ اس کے بیگ سے کپڑے زبردستی واپس نکلواتے ہوئے قائل کرنے کی پوری کوشش میں تھا۔

"قربانی کا جانور، صحیح سالم، پورے کا پورا بنا کسی عضو کے زخمی ہوئے بغیر ہی قربانی ہو سکتی ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر۔" حرم نے یک دم ایک اور دھمکی داغ دی تھی تو کیا وہ تخریبانہ طور پر سوچ رہی تھی۔ طلحہ کے قربانی کے بکرے کو تحفظات لاحق ہو گئے تھے اور وہ بھی گھر کے اندر ہی سے وہ ہکا بکا اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

حرم کو میکے جانے سے روکنے کا دشوار ترین مرحلہ وہ سر کرچکا تھا اس کی نرم گرم شرارتوں اور چاہتوں کی شدت نے حرم کا ارادہ تو بدل دیا تھا اور جیسے تیسے رات بھی گزر گئی تھی، مگر جانور ہنوز کنوئیں میں تھا۔ سوچ بچار کے بعد طلحہ نے کنویں سے ڈول نکالنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ اگلے دن طلحہ ناشتے کی میز پر حرم کو یقین دہانی کرا کر کے وہ قربانی کے بکرے کو کسی ذمہ دار ہاتھوں میں سونپ آئے گا بکرے کو لے کر گھر سے نکل

پڑا تھا۔ اسے اپنی ایک دور پرے کے دوست کی خواہ مخواہ یاد ستائی تھی اس کے گھر میں ابھی قربانی کا جانور خریدنے کے لیے ہر کونے سے رقوم یکجا ہو رہی تھی۔ طلحہ کا ارادہ اپنا بکرا اس کے صحن میں باندھنے کا تھا مگر دوست کے گھر والوں کا قربانی کا جانور خریدنے کے لیے رقم مکمل نہ ہو پانا اور طلحہ کے بکرے کو حریص اور حسرت بھری نگاہوں سے تکنا اسے بوکھلا گیا تھا۔ وہ ان مشکوک لوگوں کے سپرد اپنی قیمتی قربانی کرنے کو تیار نہ ہوا اور بکرا لیے واپس لوٹ گیا۔ دن بھر سڑکوں پر بکرے کو چہل قدمی کراتے، ہر گزرنے والے کو اس کی قیمت فخریہ بتاتے، دیگر جانوروں کے ساتھ بکرے کو دوڑ لگواتے اس نے دن گزار دیا تھا۔ رات پڑتے ہی وہ بکرے کو لیے دبے پاؤں گھر لوٹا تھا گلی کے موڑ سے ہی اشتہا انگیز خوشبو نے اسے مچلا دیا تھا، حرم کے ہاتھ کے روغنی نان اور نرگسی کوفتے کی خوشبو بھلا وہ کیسے نہ پہچان لیتا۔ گھر کے قریب پہنچ کر وہ ٹھٹک گیا تھا خوشبوؤں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ حرم، طلحہ کے اس کی بات مان لینے کے فعل سے خوش ہو کر بہترین دعوت کے موڈ میں تھی اب بکرے کو واپس لوٹا دیکھ کر عین ممکن تھا کہ وہ نرگسی کوفتے بھاڑ میں بھیج کر اس کے آگے بکرے کا چارا ڈال دیتی اور وہ جانتا تھا کہ دال پانی کے ساتھ نگلی جا سکتی ہے چارا نہیں۔ یہی سوچ کر نکڑ پر پان والے کی دکان دار کے پاس بکرا باندھ کر اور ہدایتیں جاری کر کے گھر کا راستہ اپنایا تھا اس کی ترکیب کامیاب رہی تھی، حرم نے والہانہ استقبال اور اداؤں سے مزین ڈنر نوش کرایا تھا۔ حرم کے کمرے میں جاتے ہی وہ چپکے سے بکرے کو لا کر پھر سے صحن میں باندھ چکا تھا۔ مگر بکرے کی واشگاف "میں میں" نے اس کی چال ناکام بنا دی، حرم آواز سنتے ہی تیر کی طرح باہر صحن میں آئی تھی اور بکرے کو دیکھتے ہی اس نے دل میں امڈتی جھڑکیوں کو شکلیں بنا کر اس پر واضح کیا تھا اور گھورتی ہوئی واپس کمرہ بند ہو گئی تھی۔ اس رات دونوں میں لفظی جنگ ہوئی نہ روٹھنے منانے کے عظیم الشان مظاہرے بس اتنا ہوا کہ وہ رات طلحہ کو بکرے کے ساتھ گزارنی پڑی کیونکہ حرم جاتے جاتے گھر کا داخلی دروازہ لاک کرنا نہیں بھولی تھی۔

☆ ☆ ☆

تیسری ذی الحجہ کو بخیریت گزارنے کے لیے طلحہ نے ایک اور ترکیب آزمائی اور حرم کو عید کی شاپنگ کے بہانے بکرے سے بہت دور لے آیا تھا شاپنگ کی ابتدا میں حرم نے پھولے منہ کے ساتھ خوب ناک بھوں بھی چڑھائی تھی، مگر رفتہ رفتہ طلحہ کی اندھا دھند خریداری اور اس کے اشارہ کیے ہر سوٹ کو پیک کرائے جانے کے عمل نے حرم کا موڈ خوش گوار بنا دیا تھا۔ اس دن اس نے دل کھول کر اور طلحہ کے ابا کی کمائی کو مفت سمجھ کر خوب لٹایا تھا اور پھر سمندر کی لہروں میں طلحہ کی بانہوں میں بانہیں ڈالے سمندری پانی میں ٹخنوں تک خود کو بھگوئے ایک دوسرے پر چھینٹے اڑاتے، اونٹ کی پیٹھ پر چیخیں مارتے سوار ہوتے اس نے ایک یادگار دن گزارا تھا۔ فوڈ اسٹریٹ سے مٹن ہانڈی کی دعوت اڑاتے اور گلی کے نکڑ سے پان خرید کر ہونٹوں کو گلال کرتے حرم بکرے کو بالکل فراموش کر چکی تھی۔ مگر طلحہ کے ساتھ مست و یگانہ گھر میں قدم رکھتے ہی اس کی نگاہ صحن پر پڑی تو جیسے وہ حواس کھو دینے کے قریب ہو گئی تھی طلحہ نے اس کی نظروں کی سیدھ میں نگاہ کی تو بھونچکا رہ گیا تھا۔ حرم کے رقیب بکرے نے پورے صحن کو گندگی سے اٹا دیا تھا جگہ جگہ غلاظت کے ڈھیر تھے اور خود سفید بکرے کی رنگت بھی مٹیالی ہو گئی تھی۔

دن بھر بکرا اماں کی زیر نگرانی رہا تھا، جنہوں نے اسے چارہ ڈالنے کے بجائے گھر کی غذاؤں پر رکھا تھا پھلوں سبزیوں کے چھلکے، جن میں انار کے چھلکے بھی شامل تھے اور کچے آٹے کی روٹیوں کے باریک ٹکڑے اور پالک کے پتوں کے اندھا دھند استعمال نے بکرے کو دست لگا دیے تھے جس کا نتیجہ طلحہ کے سامنے تھا۔ دروازے سے باہر لوٹتی ناراضی کی آخری حدوں کو چھوتی حرم کو زبردستی بانہوں میں اٹھائے وہ بکرے کے

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

ہائی کوالٹی پی ڈی ایف
ایڈ فری لنکس
ایک کلک سے ڈاؤنلوڈ
ڈاؤنلوڈ اور آن لائن ریڈنگ ایک پیج پر
کتاب کی مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
ناولز اور عمران سیریز کی مُکمل رینج

Click on http://paksociety.com to Visit Us

پاک سوسائٹی کو فیس بُک پر جوائن کریں http://fb.com/paksociety

پاک سوسائٹی کو ٹوئٹر پر جوائن کریں http://twitter.com/paksociety1

پاک سوسائٹی کو گُوگل پلس پر جوائن کریں https://plus.google.com/112999726194960503629

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

تحائف کے اوپر سے چلانگیں لگاتا اسے کمرے تک چھوڑ آیا تھا۔ مزید مغزماری کرنے کے بجائے اس نے حرم کو تنہا چھوڑنا مناسب سمجھا اور پائنچے چڑھائے بکرے اور صحن کی دھلائی میں لگ گیا تھا وہ رات بھی جیسے تیسے گزر گئی تھی یہ اور بات ہے کہ صبح اماں نے طلحہ کے جوڑ جوڑ دکھتے وجود کی گرم کپڑے سے ہینکائی کی تھی تب وہ ہوش میں آیا تھا۔

حرم کی اٹوٹ خفگی کا مظاہرہ اگلے دن پھر طلحہ کے سامنے تھا جب علی الصباح آنکھ کھلتے ہی اسے حرم کا بھائی مانند ملک الموت سامنے کھڑا نظر آیا تھا۔ حرم کے دوسرے نمبر کے بھائی حسن سے طلحہ کو خدا واسطے کا بیر تھا کیونکہ حرم کو میکے لے جانے اور لانے کا کام وہی انجام دیتا تھا اور اپنے کام کا اتنا پکا اور وقت کا پابند تھا کہ حرم کے کال کرتے ہی منٹوں میں آدھمکتا تھا۔

آج حسن کی موجودگی حرم کے خطرناک ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کی ایک کڑی تھی۔ حرم کا غصہ طلحہ پر تھا اس لیے اس نے اماں ابا کو خوب سیر ہو کر ناشتا کرایا تھا۔ گھر کے ضروری امور انجام دیے تھے' ہفتے بھر کا کھانا پکا کر فریز کر دیا تھا تاکہ اماں کو زحمت نہ ہو اور سامان باندھنے جانے کے لیے کمربستہ ہو گئی تھی۔ طلحہ اسے روکنے کے لیے عظیم بہانوں کی فکر میں تھا جو فی الحال میسر نہیں آ رہے تھے۔ اوپر سے وہ سالا الگ آپی کے ساتھ چپکا بیٹھا تھا۔ تنہائی میسر آتی تو داؤ پیچ لڑائے جا سکتے تھے۔ حرم اسے مکمل نظر انداز کیے ہوئے تھی گویا آج کسی صورت بھی حرم کو قائل کرنا ممکن دکھائی نہیں دیتا تھا۔ وہ جب بھی حرم کی طرف کچھ کہنے کے لیے بڑھتا' تو وہ جان لیوا خاموشی لبوں پر سجائے مزید تیزی سے باہر کی طرف رواں نظر آتی۔ طلحہ کو لگ رہا تھا کہ نا چاہتے ہوئے بھی آج بکرے اور حرم میں سے بکرے کا انتخاب ہو گیا تھا عید بنا حرم کی رسیلی مسکراہٹ' شیریں حکایتوں اور اس کے ہاتھوں گوشت کے بنے لذیذ پکوانوں سے محروم گزرنے والی تھی۔ وہ سخت آزردہ تھا اسی اضطراب میں اس نے بکرے پر اپنی اداسی ظاہر کرنے کے لیے اس کی رسی کھول دی تھی' عین اس وقت جب حرم اپنے بھائی کے ساتھ صحن سے گزر کر دروازے کی سمت بڑھ رہی تھی کہ بکرے نے حرم کے بھائی کی صورت سے جانے کس کا تصور لیتے ہوئے وہ چھلانگ لگائی کہ سیدھا حسن سے جا ٹکرایا تھا۔ حرم کی چیخیں اور حسن کا واویلا غم و حزن میں ڈوبے طلحہ کو ہوش میں لے آیا تھا۔ وہ دوڑ کر گیا تھا اور بکرے کو پکڑ کے باندھنے اور حسن کی اوندھا پڑے وجود کو اٹھانے کے بجائے حرم کی روتی مہکتی بانکی ہستی کو باہوں میں لے گیا تھا۔ حرم بکرے کے اچانک حملے سے پہلے ہی بوکھلائی ہوئی تھی' طلحہ کی بے دریغ چاہت پر مزید نیم جاں ہو گئی تھی۔

اس دن طلحہ کو اپنے پیارے بکرے پر ٹوٹ کے پیار آیا تھا کیونکہ اسی کی بدولت حرم میکے نہیں جا پائی تھی اور اس کا بھائی زخمی ہو کر گھر لوٹ گیا تھا۔ طلحہ نے حسن کی مرہم پٹی کے بہانے تمام دن اسے اسپتال میں لیے گزار دیا تھا اور حرم گھر پر مناجات میں مصروف رہی تھی گویا ایک اور رات بکرے اور حرم نے ایک ہی چھت تلے گزار لی تھی۔

☆ ☆ ☆

"دنیا کا کون سا کام اور فن ہے' جو میری حرم کو نہ آتا ہو۔" طلحہ نے صبح بے داری کے وقت سے ہی چاپلوسی اور خوشامدی انداز اپنا لیا تھا۔ آج تو لپٹ جھپٹ کا الگ ہی انداز نظر آتا تھا۔ حرم منت منت بعد سر پر آ کر سوار ہو جانے والے طلحہ سے قدرے خائف اور کافی حد تک متفکر نظر آتی تھی۔ جو کچھ بھی تھا وہ بکرے کو لے کر اب زیادہ دھمکی آمیز گفتگو سے پرہیز کر رہی تھی وجہ طلحہ کا اچھے بچوں کی طرح اس کی ہر بات ماننا' وقت پر اٹھنا' گھر کا سودا سلف لانا' ایک ہی بیل پر دوڑ کر دروازے تک جانا اور دیگر عادات تھیں جنہیں سنوارنے کے لیے وہ شادی کے نو ماہ میں بے حد کوششیں کر چکی تھی اور اب یہ کام بکرے کی آمد اور حرم کی روانگی کے خوف نے خود انجام دے دیے تھے۔

"دو مکھن سلائس پر لگائیے مجھ پر نہیں۔" حرم نے طلحہ کی خواہ مخواہ کی تعریفوں پر ادا سے کہا تھا۔ طلحہ

ضرورت سے زیادہ چاہنے والا تو تھا ہی مگر آج کل دلداریاں مبالغہ آرائی کی حدود کراس کر رہی تھیں۔

"حرم وہ جو نسخہ تم نے اپنے بھائی کے درخت سے گرنے پر چوٹ لگنے پر آزمایا تھا وہ کیا تھا؟" طلحہ نے کچن سمیٹتی حرم سے مدبرانہ انداز میں سوال کیا تھا۔

"وہ ہلدی کے لیپ والا' آپ کو کیا کرنا ہے؟؟"

حرم آپا کے ٹوٹکے' میکے و سسرال میں خوب چلتے تھے دریافت کیے جانے پر وہ تفاخرا" بولی تھی۔

"مجھے بنادو' ضرورت ہے۔" طلحہ نے مختصرا" جواب دیا تھا برعکس اس کے معانقہ طویل تھا۔

"مثلاً" کیا ضرورت پڑگئی وہ تو میرے پاس بنا بنایا رکھا ہے آئے دن تو وہ چھوٹا اچھل کود کے باعث چوٹ لگوا لیتا ہے اور روز بنانے کے جھنجھٹ سے بچنے کے لیے میں نے تو ایک ہی بار بنا کر جار میں محفوظ کر لیا ہے۔" حرم کا موڈ کافی دن بعد بہتر تھا جس کا فائدہ طلحہ نے خوب اٹھایا تھا اور بالآخر مرہم کا جار لینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ دوپہر کو جب طلحہ قیلولہ فرمانے کمرے میں تشریف نہ لائے تو حرم کو فکر لاحق ہوئی تھی کیونکہ وہ لنچ کا آخری نوالہ بیڈ پر جا کر حلق سے اتارتا تھا اسے نیند کی اتنی فکر نہ ہوتی جتنا قیلولہ لینے کے لیے اس کی جان جاتی تھی۔

"اس کے لگانے سے ضرور ٹھیک ہو جائے گا وہ میرا سالا ہے نا اس کے ہر مرض کا علاج یہی ہے۔" طلحہ صحن میں کسی سے مصروف گفتگو تھا۔ سالے کے ذکر پر حرم کو خیال گزرا کہ شاید طلحہ اپنے کسی دوست کو لگے زخم پر اس کے دیے مرہم کو لگا رہا ہے اور ساتھ میں تبادلہ خیال فرما رہا ہے مگر صحن میں طلحہ کے قدرے قریب جاتے ہی اس کے تن بدن میں آگ بھڑک اٹھی تھی' طلحہ اس کے رقیب بکرے کے پائے گود میں لیے ان پر اس کے دیے مرہم کی لیپ کر رہا تھا اور ساتھ میں گفت و شنیدیوں جاری تھی جیسے سامنے کوئی ذی شعور موجود ہو۔

ایک دن قبل حسن کو ٹکرانے سے بکرے کے پاؤں پر کچھ معمولی زخم آگئے تھے ہر نقص سے پاک قربانی کی نیت سے طلحہ اس کے زخموں کو ٹھیک کرنا چاہتا تھا' جس کے لیے اس نے انتہائی مکاری اور مہارت سے بکرے ہی کی رقیب حرم سے اس کا آزمودہ مرہم نکلوایا تھا۔ حرم کو جانے کن کن باتوں پر غصہ آرہا تھا' مگر یہ بات تو اس کا پارہ سوا نیزے تک پہنچا رہی تھی کہ کیا اس کے بھائی اور بکرے میں کوئی فرق نہ تھا۔

☼ ☼ ☼

عید الاضحیٰ سے دو تین دن قبل تو تمام تر محلہ جانوروں سے بھر چکا تھا ہر گھر کے سامنے کوئی نہ کوئی جانور موجود تھا ایسے میں طلحہ کو اپنے بے چارے بکرے کی وجہ سے زیادہ جوکھم نہیں اٹھانا پڑا تھا کشادہ گلی میں ایک سائڈ پر ٹینٹ ڈال کر تمام گلی کے جانور ایک ساتھ باندھ دیے گئے تھے جن میں طلحہ کا بکرا بھی شامل تھا۔ چند من چلے رات بھر جانوروں کی حفاظت کے تحت چارپائیاں ڈالے گلی میں بیٹھے رہتے' کارڈز چلتے' فیس بک برابر جاری رہتا' گپ بازی' ہلڑ بازی سب ہی کچھ رواں تھا۔ باقاعدہ باریاں بنا کر کچھ دن میں پہرا دیتے تو کچھ نوجوان رات میں' بزرگ حضرات بھی سگریٹ اور چلم تیار کیے ان کا برابر ساتھ دیتے۔ طلحہ کو حرم کی ناز برداریوں سے نجات مل گئی تھی بکرے حضرات گھر سے باہر تو حرم جی شان سے گھر کے اندر براجمان تھیں۔

محلے میں روایت کے تحت جانوروں کی دیکھ بھال اور حفاظت کرنے والوں کو باری باری ہر گھر سے طعام اور تواضع مہیا کی جاتی تھی سوائے طلحہ کے گھر کے جہاں حرم نے واضح الفاظ میں غیر انسانی برادری کے لیے اپنی خدمات پیش کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ یہ بات سمجھنے کے لیے قطعا" تیار نہ تھی کہ قربانی کے جانور پہ تمام جانوروں جیسے اصول لاگو نہیں ہوتے۔ قربانی کا جانور حیوانات میں ایسے ہی افضل ہے جیسے انسانوں میں شہداء۔ بہرحال طلحہ نے اس پر نصیحت کو بے اثر سمجھتے ہوئے مصالحت سے کام لیتے ہوئے جیسے تیسے دس دن اپنے عزیز بکرے کے ساتھ گزار دیے تھے یہاں تک کہ عید الاضحیٰ پوری شان'

تمکنت 'خوشیوں کے ساتھ جلوہ افروز ہوئی۔

✡ ✡

بقرہ عید کی رونقیں 'سحر ہوتے ہی عروج پر تھیں۔ نماز عید کی ادائیگی کے بعد طلحہ کو قصائیوں کے پیچھے دوڑنے اور نخروں کے ٹوکرے اٹھانے کی ضرورت نہیں پڑی تھی' کیونکہ اہل محلہ نے مل کر خود ہی قصائی گیری کا فریضہ انجام دینے کا فیصلہ کرلیا تھا ویسے بھی جو قصائی میسر آتے تھے وہ کون سا پیشہ ور ہوتے' باری باری ہر گھر کے بڑے یا چھوٹے جانور کے گرائے جانے کا مرحلہ جاری تھا۔

طلحہ نے نماز عید پر جانے سے قبل خود غسل کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے بکرے کو بھی نہلا دیا تھا اس کے بکرے کی باری آنے میں کچھ ہی وقت رہ گیا تھا۔ حرم کے ساتھ وہ عید ملنے کی ضروری روایت کئی بار ادا کرچکا تھا' کیونکہ حرم نے بکرے کے ساتھ اس کی مصروفیات دیکھ کر اچھی طرح باور کرادیا تھا کہ بکرے نے آج سپرد خدا ہوجانا تھا مگر حرم کے ساتھ اسے اللہ نے چاہا تو طویل مسافت طے کرنا تھی۔ وہ بکرا قربان کرسکتا تھا مگر طوالت کو اختصار پر نہیں۔ حرم کی کزنز' بہنیں اور دوستیں علی الصباح تشریف لے آئی تھیں انہوں نے گیدرنگ کی صورت میں ذبیحہ کا نظارہ کرنا تھا اور تازہ ترین کلیجی نوش کرنا تھی جو کہ حرم بہت لذیز بناتی تھی۔

"حرم تمہارا بکرا تو بہت ہی خوب صورت ہے۔" کسی دوست نے سالم بکرے کو دیکھ کر یوں تعریف کی جیسے بکرے کی نہیں اس کے میاں کی تعریف کررہی ہو۔ حرم نے نفاخرا" اپنے بکرے کو پہلی بار غور سے دیکھا تھا واقعی وہ اونچا' فربہ اور سفید تھا۔

"اور یقیناً" تم میاں بیوی نے اس بکرے پر محنت بھی خوب کی ہے اچھی صحت نکالی ہے اس نے۔" ایک اور محترمہ نے ندیدوں کی طرح کہا تھا یوں لگتا تھا وہ ایکسرے لگا کر بکرے کے اندر سے گوشت اور کلیجی' مغز کو ٹٹول رہی ہو۔

"دن رات ایک کیے ہیں اس پر' باتوں سے صحت نہیں بنتی' محنت کرنی پڑتی ہے۔" یہ الفاظ حرم کے منہ سے ایسے نکلے کہ پانی پیتے طلحہ کو شدید کھانسی کا دورہ پڑ گیا تھا وہ تعجب سے حرم کو تکنے لگا تھا "محنت اور حرم اور وہ بھی بکرے پر" وہ دیکھا رہ گیا تھا۔ حرم دیکھنے والوں کی اندھا دھند تعریفوں پر فخر سے پھولے نہ سمارہی تھی' اسے قطعا" یاد نہ تھا کہ وہ دس دن اسے اور بکرے کو ایک چھت تلے ایک ساتھ رکھنے کے لیے طلحہ نے کیا کیا نہ جتن کیے تھے۔

"طلحہ بھائی بکرا لے آئیں باری آگئی۔" کسی بچے نے گلے سے اسپیکر کا کام لیتے ہوئے واشگاف منادی کرائی تھی' سب ایک ساتھ یوں اٹھ کھڑے ہوئے تھے جیسے دلہن رخصتی کے لیے تیار تھی۔

طلحہ پرانے کپڑے پہننے کی غرض سے اندر چلا گیا تھا تاکہ خون کی چھینٹوں سے نئے کپڑے داغ دار نہ ہوں اور وہ جب لوٹا تو باہر کے منظر نے اسے ساکت و جامد کردیا تھا آسمان سر پر گرنے اور پاؤں تلے زمین نکل جانے والی تمام محاوروں کے عین مطابق صورت حال تھی۔ طلحہ کی عزیز از جان بیوی حرم اور دس دن چھپن چھپائی کھیلنے والے اس کے بکرے کے درمیان کوئی حد فاصل حائل نہ تھی' وہ ایک دوسرے سے لپٹے کھڑے تھے حرم بکرے کے سر کو خود سے لگائے بے دریغ آنسو بہانے میں مشغول تھی' جسے دیکھ کر سب حاضرین پر رقت طاری تھی۔ طلحہ کا منہ کھلا تھا تو آنکھیں پھٹی پڑ رہی تھیں کیا منظر تھا؟ اور کیا جملے ادا ہورہے تھے۔ حرم کے باریک دہانے والے منہ سے۔

"میری جان' ہم نے تمہیں اپنے بچے کی طرح سے رکھا اور پیار دیا آج تمہیں خود سے جدا کرنا بہت دشوار ہے' جاؤ میری جان اللہ کے حوالے......" طلحہ کو لگا بکرے سے پہلے وہ خود ذبح ہوجائے گا اللہ کی شان حرم جی نے بکرے کو اتنا پیار دیا تھا کہ یقیناً" وہ اللہ کے حضور گواہی ضرور دے گا طلحہ کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا اور دل سے ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔

"واہ ری حرم! تیرے رنگ ہزار۔"

✡ ✡

ناولٹ

صدف آصف

آج کی صبح اس کی ماضی کی بے شمار صبحوں سے کچھ مختلف، کچھ انوکھی سی تھی، شاید اسی لیے پوری رات نینداس کی آنکھوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر دور جاتی رہی، اور وہ کروٹیں بدل بدل کر اس کی منتیں کرنے میں مصروف رہی۔ جیسے ہی سورج کی روشنی نے اس کمرے کی واحد کھڑکی کی جالیوں پر نرم ہاتھوں سے دستک دی، سرخ اور نارنجی شعاعوں کی بھیڑ نے ہر شے کو ایک دم منور کرکے رکھ دیا، چار سو پھیلتے اجالے نے صبح ہونے کی نوید دی۔

فرینہ کرم نے کسمسا کر سحر انگیز سبز آنکھوں پر سے ملائی جیسی کلائی ہٹائی اور بڑی دقتوں کے بعد خمار زدہ پلکیں کھولنے کی کوشش کی، زبردستی کا **رتجگا** منانے کی وجہ سے اب جاگنا بہت کٹھن لگ رہا تھا، فرینہ نے نیند بھگانے کے لیے محرابوں والے کمرے کی اونچی چھت کا بلاوجہ جائزہ لینا شروع کردیا، جس پر پھیرے گئے چونے کی سفیدی، زردی مائل ہو چکی تھی۔ ایک بار پھر یونی ورسٹی جانے کا خیال آیا اور ایک عجیب سی سنسنی اس کے وجود میں دوڑ گئی۔ جلدی سے بستر چھوڑ دیا۔ چادر تہ کرتے ہوئے اس نے جماہی کو ہاتھ کی پشت سے روکا۔ جھک کر چپلیں ڈھونڈ کر پہنیں اور غسل خانے کی جانب چل دی۔

فرینہ کی برسوں پرانی خواہش پوری ہونے جارہی تھی، اسی لیے اس کی یہ حالت ہو رہی تھی۔ دراصل یونی ورسٹی میں آج اس کا پہلا دن تھا۔ وہ بڑے ذوق و شوق سے تیاری میں لگ گئی۔ اسے ماسٹرز کرنا تھا۔ بڑی مشکلوں کے بعد یہ خواب پورا ہونے جارہا تھا۔ اسے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اپنی خوشی کا اظہار کیسے کرے۔ وہ تیزی سے لباس بدل کر آئی تو اس کی نگاہ ایک بار پھر قدیم گھڑی کی جانب اٹھ گئی۔

"ایسا لگتا ہے جیسے وقت کے پاؤں نکل آئے ہوں اور وہ سرپٹ بھاگنے لگا ہو۔" فرینہ نے بالوں کی چوٹی کھولتے ہوئے سوچا۔

"یہ بال ہیں کہ مصیبت....." برش اٹھا کر سنہری ریشم جیسے گچھوں کو سلجھا کر سیدھا کرنے کی کوشش میں وہ الجھتی چلی گئی۔ "لڑکیوں کے بھی کتنے عیش ہوتے ہیں اور ایک میں ہوں....." اس کی نگاہوں میں لائبہ کے کمر کو چھوتے سیدھے چمکیلے بال گھومے اور خود پر ترس آیا۔ مجال ہے جو لائبہ کے بال ٹس سے مس ہو جائیں۔ اس نے حسرت سے سوچا اور بالوں کو لپیٹ کر ایسے ہی جوڑا بنالیا۔ اب اس کے پاس لائبہ جیسی برقی مشین تو تھی نہیں، جسے لگاتے ہی بال سیدھے ہو کر پشت پر ریشم کی طرح بکھرتے چلے جائیں۔

"ویسے..... میں بھی کسی سے کم نہیں۔" فرینہ نے ہونٹ چباتے ہوئے آئینے میں اپنے جگمگاتے حسن سے پھوٹتی شعاعوں کو پلک جھپک جھپک کر دیکھا، تو کلفت راحت میں تبدیل ہو گئی۔ "میری فرینڈز..... ٹھیک تعریف کرتی ہیں۔" اس کے نرم لبوں پر پرسکون سی مسکراہٹ ابھر آئی۔ اپنی خوب صورتی کا احساس اس کے اعتماد کو جلا بخشتا تھا۔ ورنہ زندگی میں کافی کچھ ایسا تھا جو یاسیت پھیلانے کی وجہ بنا ہوا تھا۔

"اب یہ کیا مصیبت ہے۔" فرینہ نے الماری سے ساہ لیدر کا قیمتی بیگ نکالا۔ ٹٹول کر معائنہ کیا۔ اس کا اسٹریپ ایک جگہ سے مرمت زدہ دکھائی دیا، منہ بن

گیا۔ "چلو۔۔۔ اسے اندر کی جانب کر دیتی ہوں۔" کوئی اور چارہ نہ پا کر، اس نے وہ حصہ نیچے کی جانب کر کے چھپانے کی کوشش کی اور بیگ کاندھے پر لٹکایا۔

"ابا۔۔۔ میں جا رہی ہوں۔" اپنی سریلی آواز میں باپ کو شائستگی سے جانے کی اطلاع دیتی ہوئی وہ بڑے سے لان کو پار کرتی ہوئی کوٹھی کے گیٹ سے باہر نکل گئی۔

"اب یہ نادیہ کی بچی کہاں رہ گئی؟" فریحہ اپنی زندگی کی اس خوش گوار گھڑی میں کسی قسم کی بدشگونی نہیں چاہتی تھی، مگر وہ تو رونما ہو چکی تھی۔ پروگرام کے مطابق اسے اور نادیہ کو ایک ساتھ یونی ورسٹی جانا تھا، مگر اس پاگل لڑکی کا ابھی تک کوئی اتا پتا نہ تھا۔ "پہلے دن ہی لیٹ کروا دیا۔" فریحہ کا کوفت کے مارے برا حال ہونے لگا۔ اس نے نرم ہونٹوں کو بھینچ کر اس راستے کی

طرف دیکھنا شروع کر دیا جہاں سے نادیہ کی آمد متوقع تھی۔ مگر بے سود، اتنے میں بڑی سی گاڑی پارکنگ لاٹ سے نکلی اور ایک جھٹکے سے اس کے سامنے آکر رک گئی۔

"لو جی.... اب صبح.... صبح صفائیاں دیتے پھرو۔" فرینہ نے چونک کر دیکھا اور دل میں بلاوجہ کی بدگمانی پالی۔

٭ ٭ ٭

النساء پیلس میں صبح سے کافی چہل پہل تھی۔ شبانہ اقبال کے انگ انگ سے خوشی چھلک رہی تھی۔ خیرالنساء نے بھی سفید غرارے کی سلوٹیں نکلوانے کے لیے ملازموں کو ہلکان کیا ہوا تھا۔ دو دفعہ کی کی گئی استری بھی بے کار گئی۔ اب کی بار وہ خود بھی ایک ہاتھ کمر پر رکھے اور دوسرے میں غرارہ تھامے استری اسٹینڈ کی جانب بڑھنے لگیں۔ اقبال احمد کو گھر میں ہونے والے اس ہنگامے سے ذرا جو دلچسپی ہو، چائے کا کپ رکھتے ہی انہوں نے ڈرائیور کو اشارہ کیا اور آفس جانے کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔

"کیا آج کوئی خاص مہمان آرہا ہے۔" عارفین اقبال ڈائننگ ہال میں داخل ہوا، درمیان میں کھڑے ہو کر زور سے پوچھا۔

"آئے.... تجھے کیسے پتا چلا؟" خیرالنساء نے مسکرا کر پوتے کو دیکھا۔ وہ ابھی استری سے فارغ ہو کر ناشتے کے لیے آئی تھیں۔

"ظاہر ہے ممی نے پورا گھر ایسے ہی تو سر پر نہیں اٹھایا ہوا ہے۔" اس نے بالوں پر انگلیاں پھیرتے ہوئے دادی کو شرارتی انداز میں دیکھا۔

"ہاں.... بہت خاص مہمان آرہے ہیں۔" شبانہ اقبال نے تازہ پھولوں کو گل دان میں سجاتے ہوئے اقرار کیا۔

"اچھا.... کون آرہا ہے؟" اس نے استفہامیہ انداز میں پہلے ماں کو اور پھر دادی کو دیکھا، جن کے چہروں سے معنی خیزی چھلک رہی تھی۔

"میری پرانی دوست سلمیٰ اپنی بیٹی کے ساتھ آرہی ہے۔" شبانہ کے لہجے میں خوشی کی جھلک تھی، انہوں نے ٹیبل پہ ناشتا لگواتے ہوئے بتایا۔

"اچھا ٹھیک ہے.... پلیز ایک گلاس اورنج جوس دیجیے گا، مجھے بھی آفس کے لیے نکلنا ہے۔" عارفین نے کوئی خاص توجہ نہ دی اور ناشتے میں جت گیا۔

"مناہل اس سال ایم بی اے کر کے فارغ ہوئی ہے۔ دیکھنے میں بھی لاکھوں میں ایک ہے۔" شبانہ نے سلائس پر جیم لگاتے ہوئے بتایا۔

"ممی.... پلیز.... صرف ایک سلائس...." عارفین کی ساری توجہ ناشتے پر مرکوز دیکھ کر خیرالنساء نے دانت کچکچائے۔

"تم لنچ تک آجاؤ گے نا۔" ان سے برداشت نہ ہوا تو جلدی سے بولیں۔

"آپ خواتین کے بیچ میں بھلا میرا کیا کام۔" عارفین نے حیرت سے پوچھا۔

"اُفوہ.... بھئی.... میں نے مناہل کے ساتھ تمہاری شادی کا فیصلہ کیا ہے۔" شبانہ کے انکشاف پر وہ دہل اٹھا۔

"تم لنچ پر ہو گے تو مناہل کو اچھی طرح سے دیکھ سکتے ہو۔ بات چیت سے ایک دوسرے کے خیالات بھی جان جاؤ گے۔" انہوں نے رسانیت سے کہا۔

"ممی.... جی۔" عارفین نے احتجاجاً کانٹا زور سے پٹخا۔

"جی.... بیٹا جی۔" خیرالنساء نے چھبتی نگاہوں سے پوتے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ کو ان لوگوں کو بلانے سے پہلے، مجھ سے ذکر تو کرنا چاہیے تھا۔" عارفین نے شکایتی لہجہ اختیار کیا۔

"اچھا.... تو اب مجھے ہر کام تم سے پوچھ کر کرنا پڑے گا۔" شبانہ کے چہرے پر ناگواری کے اثرات چھا گئے۔

"ہر کام نہیں.... مگر میرے مستقبل کا فیصلہ تو کم از کم مجھ سے پوچھ کر کرنا چاہیے۔" عارفین نے براہ راست ان کی آنکھوں میں جھانکا۔

"عارفین.... یہ تمہاری ماں ہے، جو تمہاری

خوشیوں کے لیے تم سے بہتر فیصلہ کرے گی۔"
خیر النساء سے بہو کی اتری صورت دیکھی نہیں گئی، اسے جھاڑا۔

"سوری دادی... مگر میں شادی اپنی پسند سے ہی کروں گا۔" عارفین نے دھیرے سے جواب دیا۔

"چلو... ٹھیک ہے... مگر کیا ہی اچھا ہوتا اگر تم یہ بات مجھے پہلے بتا دیتے" بلاوجہ اتنا کھڑاک پھیلایا۔" شبانہ نے اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے بیٹے کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

"اس سے پہلے کبھی یہ ذکر ہوا ہی نہیں۔" اس نے مسکرا کر جواب دیا اور ابلا انڈہ چھیلنے لگا۔

"ویسے صاحب زادے کو کیسی لڑکی پسند ہے؟" خیر النساء نے معاملہ نمٹتے دیکھا تو جان میں جان آئی، تجسس سے مجبور ہو کر پوچھا۔

"اور کچھ ہو نہ ہو... لڑکی کی آواز بہت سریلی ہونی چاہیے۔" بیٹے کی بات سن کر شبانہ کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔

"اس کے بولنے کا انداز متاثر کن ہو، لہجہ ایسا ہو کہ یوں لگے جیسے کانوں میں رس گھل گیا ہے۔" وہ بولتا چلا گیا اور دونوں ساس، بہو بے یقینی سے عارفین کو دیکھتی رہ گئیں۔

"اچھا... تو ٹھیک ہے۔ بقرہ عید سے پہلے تم اپنی "سریلی" کو ڈھونڈ لو... ورنہ بقرہ عید کے بعد اس گھر میں ہماری پسند کی بہو آجائے گی۔" خیر النساء نے اسے چیلنج کرتی نگاہوں سے دیکھا تو وہ ہنستا ہوا وہاں سے اٹھ گیا۔

☆ ☆ ☆

"کیا بات ہے فاری... یہاں کیوں کھڑی ہو۔" ذوالفقار علی نے بھانجی کو کھڑا دیکھا تو سوال کیا۔

"کچھ نہیں، زلفی ماموں! اپنی ایک فرینڈ کا انتظار کر رہی ہوں۔" اس نے زبردستی مسکرا کر جواب دیا۔

"او... آپ کو... کہیں جانا ہے تو میں چھوڑ دوں؟" انہوں نے ہمیشہ کی طرح فکر مندی دکھائی۔

"نہیں... نہیں... نادیہ... بس پہنچنے والی ہوگی۔" فرینہ نے نفی میں سر ہلا کر انہیں مسکرا کر دیکھا۔

"چلو ٹھیک ہے۔" وہ مطمئن ہو گئے اور گاڑی کی بیک سے پشت ٹکا دی۔ مالک کا اشارہ سمجھتے ہوئے ڈرائیور زن سے گاڑی بھگا لے گیا۔

"ہم تو پہلے ہی آپ لوگوں کے احسانوں تلے دبے ہیں، تب ہی تو ممانی کو ہمارا وجود اس کوٹھی میں گوارا نہیں۔" اس نے دکھی نگاہوں سے جاتی ہوئی گاڑی کو دیکھا، آنکھیں بھر آئیں۔ پھر سر جھٹک کر اسی سمت دیکھنے لگی جہاں سے سہیلی نے آنا تھا۔ "میں... میں خود چلی جاتی ہوں۔" مزید انتظار کے بعد جب دوست کا دور، دور تک کوئی اتا پتا نہ دکھائی دیا، تو اس نے اکیلے جانے کی ٹھانی، مگر ہمت نہیں پڑی۔ "فون کر کے پتا کرتی ہوں؟" فرینہ نے بیگ سے سیل فون نکال کر تیزی سے نادیہ کا نمبر ڈائل کیا اور بے خیالی میں آخری نمبر غلط لگا دیا۔

"السلام علیکم..." نادیہ کی مہین نرم و نازک آواز کی جگہ، بھاری دلکش مردانہ لہجہ کانوں میں گونجا تو وہ تھوڑی سی پریشان ہو گئی۔

"ہیلو... جی فرمایے..." اس بار بھی بڑی شائستگی سے پوچھا گیا۔ مگر وہ گنگ سی فون کو تکتی چلی گئی۔

"کمال ہے... جب بات نہیں کرنا تھی تو کال کیوں کی؟" اب کی بار ناراضی کا اظہار کیا گیا، فرینہ کا دل بڑی زور سے دھڑکا۔

"لگتا ہے صبح صبح شرارت کا موڈ ہے... مگر میرے... اتنا فالتو ٹائم نہیں کہ..." وہ غصے میں بولتا ہوا لائن کاٹنے کا ارادہ کر بیٹھا۔ اس کا دماغ صبح سے گھوما ہوا تھا۔ اقبال احمد نے چھوٹی سی غلطی پر پورے اسٹاف کے سامنے اس کی کلاس لگائی تھی۔

"جی... وہ... آپ کون..." فرینہ نے گڑبڑاتے ہوئے اپنی مدھر آواز میں جلدی سے پوچھا۔

"محترمہ... آپ کو کس سے بات کرنی ہے؟" اس نے الٹا سوال کر ڈالا، مگر آواز کی خوب صورتی نے چونکایا۔

"جی۔۔۔ یہ نادیہ کا نمبر ہے نا۔" رس بھری آواز نے تصدیق کرنا ضروری سمجھی۔

"نہیں۔۔۔ جی یہ۔۔۔ میرا نمبر ہے۔" وہ چبا چبا کر بولا' غصے کی وجہ سے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

"میرا مطلب۔۔۔؟" فرینہ نے عادت کے برخلاف ایک دم شرارتی انداز میں پوچھا۔

"میرا۔۔۔ یعنی۔۔۔ عارفین اقبال کا۔" دوسری جانب بڑے چڑے انداز میں بتایا گیا۔

"اوہ۔۔۔ سوری۔۔۔ میں اپنی فرینڈ کو کال کررہی تھی' غلطی سے آپ کا نمبر لگ گیا۔" اس نے بڑی شرافت سے اعتراف کیا۔

"اف۔۔۔ رانگ کال ملا کر دوستی کرنے کے لیے۔۔۔ لڑکیوں کا۔۔۔ یہ بہت پرانا بہانہ ہے۔" عارفین کے مذاق اڑانے پر اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

"میں ایسی لڑکی نہیں ہوں۔۔۔ اور ویسے بھی آپ کہیں کے شہزادے گلفام نہیں' جو میں آپ سے دوستی کرنے کے لیے مری جاؤں۔" فرینہ نے بڑی شائستگی سے اس کی بے عزتی کی اور لائن منقطع ہوگئی۔

عارفین ہیلو' ہیلو پکارتا چلا گیا۔ اسے بعد میں بہت افسوس ہوا کہ بلاوجہ ایسی گھٹیا بات کی' کسی سے غلطی بھی ہوسکتی ہے۔

"ویسے۔۔۔ آواز بہت سریلی تھی۔" اس نے سوچا اور دماغ میں جھماکا سا ہوا۔

"اب تو سوری کرنا تو بنتا ہے۔" عارفین نے شرارت سے سر کے پیچھے ہاتھ رکھ کر سوچا اور دوسرے ہاتھ سے پیغام لکھنے لگا۔

☆ ☆ ☆

"کیا ہوا؟" نادیہ نے فرینہ کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر اپنی جانب متوجہ کرنا چاہا' جو منہ پھلائے بیٹھی تھی۔

"وہ اب تک ایک درجن معافی نامے بھیج چکا ہے۔" فرینہ نے پریشان نگاہوں سے دوست کی طرف دیکھا۔

"کون؟" نادیہ نے حیرت سے پوچھا۔

"وہی رنگ نمبر والا عارفین اقبال۔۔۔" فرینہ نے جل کر کہا۔

"اوئے۔۔۔ ہوئے۔۔۔ تو یہ بات ہے۔" وہ ایک دم شریر ہوئی۔

"کیا بات ہے۔۔۔؟" فرینہ نے تیکھے انداز میں اسے دیکھا۔

"ایسا لگتا ہے کہ تمہاری حسین آواز کا جادو چل گیا ہے۔" نادیہ نے اسے گدگدایا۔

"فضول کے اندازے مت لگاؤ۔" وہ ایک دم مسکرائی۔

"کیوں۔۔۔ بھئی کیا میرے اندازے کبھی غلط نکلے ہیں؟" اس کے لہجہ میں تفاخر ابھرا۔

"ہاں۔۔۔ یہاں ایسا ہی ہوا ہے' کیونکہ عارفین کی خود کی آواز بہت دلکش اور لہجہ سحرانگیز ہے' بھلا اسے کیا ضرورت پڑی ہے کہ میرے پیچھے بھاگے۔" وہ کھوئے کھوئے انداز میں اسے سراہتے ہوئے احساس کمتری کا شکار ہونے لگی۔

"حد ہے یار۔۔۔ یعنی کے تم ابھی تک خود کو۔۔۔" نادیہ نے آنکھیں نکالیں تو وہ گڑبڑا گئی۔ "سنو۔۔۔ لڑکی۔۔۔ جب وہ بے چارہ اتنی بار معذرت کررہا ہے تو لکھ دو کہ تم نے اس کی سوری قبول کرلی ہے۔" کچھ دیر سوچنے کے بعد نادیہ نے مشورہ دیا۔

"اس سے کیا ہوگا؟" فرینہ نے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"بھئی۔۔۔ پتا چل جائے گا کہ وہ صرف سوری کرنا چاہ رہا ہے یا دوستی کا ارادہ ہے۔" نادیہ نے چہکتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔۔۔ یہ بات بھی ٹھیک ہے۔" اس نے اثبات میں سر ہلادیا۔

فرینہ نے تھوڑی دیر بعد عارفین کو معذرت قبول کرنے کا عندیہ دیا تو دوسری جانب سے فوراً ہی شکریہ کا جواب آگیا۔ وہ مزید پیش رفت کا انتظار کرتی رہ گئی مگر دوسری طرف بالکل خاموشی چھائی رہی۔ دونوں

سہیلیاں کلاس بنک کیے بہت دیر تک سیل فون پر نگاہیں جما کر بیٹھی رہیں، مگر کوئی فائدہ نہیں۔ فرینہ جب مایوس ہو کر گھر جانے کے لیے اٹھنے لگی تو اچانک میسج ٹون بجی۔ اس نے بے ساختہ سیل فون ہاتھ میں تھاما اور عارفین کا بھیجا ہوا ٹیکسٹ پڑھنے لگی' نادیہ بھی دوست پر لدی جا رہی تھی۔

"اوہو... تو جناب تمہارا نام پوچھ رہے ہیں۔" نادیہ نے بھی پیغام پڑھ لیا اور مسکرائی۔

"ہونہہ..." اس نے سر ہلایا۔

"ہائیں... یہ کیا؟" نادیہ کی نگاہیں فرینہ کی انگلیوں کی جنبش پر ٹک گئیں جو بڑی روانی سے پیغام کا جواب دے رہی تھیں۔

"تم نے یہ کیا لکھ دیا؟" نادیہ کی آنکھوں میں جہاں بھر کی حیرت سمٹ آئی' وہ زور سے چیخی۔

"لائبہ ذوالفقار..." اس نے مسکرا کر اپنا لکھا ہوا نام دہرایا اور ہاتھ جھاڑتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ نادیہ وہیں پتھر کے بت کی طرح جمی کھڑی رہی۔

☼ ☼ ☼

ان دونوں کے بیچ کافی دنوں تک فون پر بات چیت کا سلسلہ چلتا رہا عارفین کی گفتگو کا دلکش انداز اس کی قابلیت اور معلومات کا وسیع دائرہ فرینہ کو متاثر کرتا چلا گیا۔ عارفین کو بھی ہنس مکھ اور شائستہ سی سریلی آواز والی فرینہ سے بات کرنے میں بہت مزا آتا' گزرتے وقت کے ساتھ عالم یہ ہو گیا کہ اگر وہ دونوں کسی دن بات نہ کر پاتے تو ایک انجانی سی کمی کا احساس ہوتا۔ جلدی ہی ان کے دلوں کی دھڑکن ایک ہی لے پر تھرکنے لگی۔ وہ دونوں اس بات کا ادراک رکھتے تھے کہ وہ ایک دوسرے کی محبت میں بری طرح سے گرفتار ہو گئے ہیں' مگر کوئی بھی اپنے منہ سے اقرار کرنے کو تیار نہ ہوا۔

عارفین نے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر فرینہ سے ملنے کی خواہش کا اظہار کر ڈالا' مگر وہ بات ٹال گئی۔ کئی مہینے اس کے جواب کے انتظار میں عارفین نے شرافت سے خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔ پھر دوبارہ اس انداز میں اصرار کیا کہ وہ پگھل گئی۔ نادیہ کے مشورے پر فرینہ نے ایک پرہجوم شاپنگ مال کے فوڈ کورٹ میں عارفین سے ملنے کی حامی بھر لی۔ دونوں کا آمنا سامنا ہوا تو عارفین اسے دیکھتے ہی فریفتہ ہو گیا۔ وہ اس کے خیالوں سے بڑھ کر حسین نکلی' بیلے کی اجلی اجلی کلیوں جیسی نازک اور سرخ و سفید' فرینہ کی بڑی بڑی سبز آنکھوں میں گلابی ڈورے بہت حسین دکھائی دیے' گلابی لبوں پر کھیلتی شرارتی مسکراہٹ اور سنہری گھونگھریالے بالوں کے جال نے اسے کس کر جکڑ لیا۔ عارفین کی پروقار شخصیت اور مردانہ وجاہت نے اسے چند لمحوں میں اسیر کر لیا' دونوں اس طرح آپس میں گھل مل کر باتیں کرنے لگے' جیسے برسوں کی شناسائی ہو۔

"لائبہ... میرے خوابوں پر ہمیشہ سے صرف تمہارا قبضہ رہا ہے۔" عارفین کے اقرار پر اس کے ہونٹوں پر ایک دلکش سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میں برسوں سے جس بیش قیمت آبدار موتی کی تلاش میں تھا' قسمت کی مہربانی سے وہ مجھے تمہاری صورت میں مل گیا ہے۔" اس کا خوب صورت انداز' محبت کا اظہار' پیار لٹاتی نگاہیں' فرینہ کے تو پیر زمین پر ٹکنے سے انکاری ہو گئے۔ وہ اس کی شخصیت کے سحر میں یوں مبتلا ہوئی کہ باقی سب کچھ بھول گئی' یہاں تک کہ اپنا گھڑا ہوا جھوٹ بھی۔

"لائبہ... کل مصوری کی نمائش میں آ رہی ہو۔" عارفین نے بے چینی سے پوچھا۔

"نہیں... بابا... وہ شہر کے دوسرے کونے پر واقع ہے' میرے لیے آنا مشکل ہو گا۔" وہ گھبرا کر انکار کرنے لگی' جانتی تھی کہ ابا اتنی دیر تک باہر رہنے کی اجازت کبھی نہیں دیں گے۔

"دور ہے تو کیا ہوا... اپنے ڈرائیور کے ساتھ آجانا..." عارفین نے پاپ کارن منہ میں ڈالتے ہوئے لفافہ اس کی جانب بڑھایا۔

"ہاں... مگر وہ گاڑی خراب ہے۔" فرینہ نے

جلدی سے بہانہ بنایا۔
"اچھا... مگر تم نے تو بتایا تھا کہ تمہارے گھر چار چار گاڑیاں کھڑی رہتی ہیں۔" اس نے سادگی سے پوچھا' مگر فرینہ پریشان ہو اٹھی۔
"وہ... ہاں... مگر اتفاق سے تین گاڑیاں خراب ہیں' اب ایک ہی گاڑی ہے' جو ڈیڈی کے استعمال میں ہے۔" فرینہ نے گڑبڑا کر عارفین کی یادداشت کو سات سلام پیش کرتے ہوئے بہانہ گھڑا۔
"بس... رہنے دو... لائبہ... میں سب سمجھتا ہوں۔" اس نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے منہ بنایا۔
"کیا... کیا سمجھتے ہو... تم؟" وہ ایک زرد پڑ گئی۔
"یہ ہی کہ تم آنا نہیں چاہ رہی ہو... اسی لیے فضول قسم کے بہانے گھڑ رہی ہو۔" وہ مسکرایا تو فرینہ کی جان میں جان واپس آئی۔
"چلو... یہ ہی سہی...." اس نے نڈر انداز میں اس کی آنکھوں میں جھانکا تو وہ ہنس پڑا۔
"ویسے لباس کے معاملے میں تمہارے رنگوں کا انتخاب بہت اعلا ہے۔" عارفین نے سراہتی نگاہوں سے اس کے قیمتی لباس کو دیکھا تو وہ سمٹ سی گئی۔
"ہاں... بس... وہ..." اس کی سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ کیا کہے' وجود پسینے میں بھیگ گیا۔
"کیا ہوا... لائبہ... ؟ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟" عارفین نے اس کے شانے کو ہلا کر پوچھا۔
"آں... ہاں... اب میں چلوں... ڈیڈی... انتظار کررہے ہوں گے۔" وہ بات ختم کرتے ہوئے کھڑی ہوگئی۔
"ایک منٹ رکو... میں تمہیں ڈراپ کردیتا ہوں۔" عارفین کی پکار پر اس کے قدم سست پڑ گئے' اتنا اچھا دن گزارنے کے بعد اس کا رکشوں کے پیچھے دوڑنے کا ہرگز موڈ نہیں تھا۔
اس دن پہلی بار جب عارفین اسے چھوڑنے آیا تو کوٹھی کے سامنے گاڑی روکتے ہوئے بڑا مرعوب دکھائی دیا۔ فرینہ نے بھی شیخی میں آکر اندر چل کر چائے پینے کی دعوت دے ڈالی اور دل ہی دل میں ڈرتی رہی' مگر وہ کچھ عجلت میں تھا' اسی لیے پھر کبھی آنے کا کہہ کر گاڑی بھگا لے گیا اور فرینہ کی جان میں جان آئی۔

رات بھر سے جاری ہلکی ہلکی بارش کی وجہ سے ہوا کے جھونکوں میں نمی رچ بس گئی تھی۔ عارفین قریب پڑی' کین کی کرسی پر بیٹھ کر کافی کے ہلکے ہلکے سپ لے رہا تھا۔ اچانک پیچھے سے ایک زوردار دھپ پڑی' مگ ہاتھ سے چھوٹتے چھوٹتے بچا۔ اس نے تعصیلی نظروں سے مڑ کر دیکھا۔ خیرالنساء کے پوپلے منہ سے چھلکتی شرارت نے اسے دھیما کر ڈالا۔
"اچھا تو یہ مزے ہو رہے ہیں...." انہوں نے پوتے کو پیار سے دیکھا۔
"آپ کے لیے بھی کافی منگواؤں؟" عارفین احتراماً اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اور سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔
"آئے... دفع... دور... تم ہی یہ کالی کافی پی پی کر اپنا کلیجہ سڑاؤ...." انہوں نے مگ میں جھانکتے ہوئے برا سا منہ بنایا اور کرسی پر دراز ہو گئیں۔
"اچھا تو پھر کیا چائے پینا ہے؟" وہ ہنستے ہوئے بولا' جانتا تھا کہ دادی جان کن اشیاء سے بے زار رہتی ہیں۔
"نہیں... میں تو ابھی لسی کے ساتھ ساگ اور پراٹھا کھا کر آئی ہوں۔" انہوں نے چٹخارا لیا تو عارفین کو ہنسی آگئی۔
"اچھا... تو پھر... کوئی کام تھا؟" وہ سمجھ گیا کہ یہ آمد بلا مقصد کے نہیں... اسی لیے فوراً ہی پوچھا۔
"ہاں... بقرہ عید قریب ہے تو میں سوچ رہی تھی کہ...." وہ منہ میں انگلی دبا کر لمحہ بھر کو تھم گئیں۔
"اوفوہ... دادی... جان... آپ کیوں فکر کرتی ہیں... دو گائیں اور دو بکرے گاؤں سے منگوا لیے ہیں۔" اس نے اپنے تئیں دادی کی فکر دور کرنی چاہی۔
"ہائے... ہائے... میں جانوروں کی بات نہیں

کررہی ہوں۔" ان کا سفید چہرہ جلال سے سرخ پڑ گیا۔

"اچھا تو پھر مسئلہ کیا ہے؟" اب کی بار وہ نہ سمجھ میں آنے والی نظروں سے خیرالنساء کو دیکھنے لگا۔

"آئے... تم نے وعدہ کیا تھا کہ بقرہ عید کے بعد میری پوت بہو گھر لے آؤ گے۔" انہوں نے پچھلے سال کا وعدہ یاد دلایا۔

"اوہ... دادی جان وہ تو میں نے مذاق میں کہا تھا۔" عارفین نے آنکھیں میچ کر ٹھنڈی سانس بھری۔

"ہائے میرے اللہ... اور میں تو اس "سریلی" والی بات کو دل سے لگا کر بیٹھ گئی۔" انہوں نے پوتے کو تیکھی نظروں سے دیکھا۔

"دادی... میری پیاری... دادی... ایک بات تو بتائیں... کیا آپ مجھے خوش دیکھنا نہیں چاہتیں؟" اس نے شرارت بھرے انداز میں پوچھا۔

"خوش دیکھنا چاہتی ہوں' تب ہی تو ایک پیاری سی لڑکی تمہاری زندگی میں لانا چاہتی ہوں' ورنہ تمہارے پاپا کے تو انگریزوں والے طور طریقے ہیں... کہ بھئی اولاد کی ذاتی زندگی میں ہم دخل نہیں دیتے' وہ جب مناسب سمجھے گا ہمیں اشارہ کردے گا اور ہم لڑکی کے گھر رشتہ لے کر پہنچ جائیں گے۔" خیرالنساء نے منہ بگاڑ کر بیٹے کی نقل اتاری۔

"دادی... آپ بھی نا..." عارفین نے گردن ہلاتے ہوئے مزے سے سراہا۔

"اے... لو تو کیا میں جھوٹ بول رہی ہوں... بڑے والا کا بھی ایسے ہی ناس مار گیا' تیس سے اوپر کا ہو گیا' آگے سے بال جھڑ گئے' مگر ان کی پڑھائی ختم ہو کر نہ دی' جانے کون کون سی ڈگریاں کسے میں بھر کر ولایت سے لائے تو پھر جا کر اپنی جیسی بقراطن بیوی ڈھونڈ لایا' نہ بھئی نہ... میں تمہاری شادی میں اتنی دیر ہونے نہیں دوں گی۔" انہوں نے دانت کچکچا کر کہا۔

"میں... مشرقی لڑکا... بھلا... اس معاملے میں کیا کر سکتا ہوں... اپنے بیٹے سے کہیں نا۔" عارفین بھی شرارتی ہوا' معصومیت سے شکوہ کیا۔

"آئے... ان سے کیا کہیں... ان کی تو منطق ہی نرالی ہے... وہ کہتے ہیں کہ بچوں پر اپنے فیصلے تھوپنے سے ان کا اعتماد ڈانوا ڈول ہوتا ہے۔" وہ ایک دم چیخ اٹھیں۔

"اچھا... تو کیا یہ بات غلط ہے؟" عارفین کو اس چھیڑ چھاڑ میں مزا آنے لگا۔

"بھلا بتاؤ... ہم نے بھی دس بچے پالے ہیں۔ اپنی پسند سے سب کی پکڑ کر کم عمری میں شادی بھی کردی الحمد للہ... اللہ خیر صلا... کبھی کسی کو کوئی شکایت ہوئی... مگر یہ نئے زمانے کے رنگ ہی نرالے..." انہوں نے تفصیل بتائی۔

"سن رہے ہیں... آپ..." وہ ہنس دیا اور دادی کے پیچھے جھانک کر پوچھا' جہاں سے اقبال احمد ان دونوں کی طرف ہی آرہے تھے۔ ماں کی باتوں سے ان کے چہرے پر بھی شگفتگی چھاگئی۔ "اچھا... اماں... تو یہ بات ہے۔" انہوں نے ماں کے نزدیک پہنچ کر کہا۔

"ہائے..." اچانک خیرالنساء کی طبیعت بگڑنے لگی اور وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر ایک طرف لڑھک گئیں۔ دونوں باپ' بیٹے کے اوسان خطا ہوگئے' وہ خیرالنساء پر جھک گئے۔

✡ ✡ ✡

"ابا... یہ کیا ہے؟" فرینہ نے بیڈ پر پڑے کپڑوں کے شاپر کو دیکھ کر بے زاریت سے پوچھا۔ کم مائیگی کا احساس بری طرح سے تنگ کرنے لگا اور آنکھیں فوراً" ہی برسنے کو تیار ہوگئیں۔

"وہ... لائبہ آئی تھی' تمہارا پوچھ رہی تھی' پھر اپنے پرانے کپڑے دے گئی..." کرم علی نے کتاب پر سے نگاہ اٹھائے بغیر جواب دیا۔

"مجھے نہیں چاہیے اس کی اترن..." فرینہ نے منہ بگاڑ کر شاپر کو پرے کھسکایا۔

"بری بات ہے بیٹا۔" فادی کچھ دنوں سے بدلی بدلی سی دکھائی دے رہی تھی' وہ چونک گئے' کھنکار کر گلا صاف کیا۔

"پتا نہیں مجھے کیا سمجھ رکھا ہے' خود تو ہر دوسرے

دن "آؤٹ آف فیشن" کہہ کر ہر سوٹ کو مسترد کر دیتی ہے اور پھر وہ سارا انبار اٹھا کر مجھ پر احسان کرنے چلی آتی ہے۔" اس کی بڑبڑ جاری تھی۔

"فاری سوچو... اگر تمہارا ماموں اتنے اچھے دل کا نہ ہوتا تو ہم دونوں کا کیا ہوتا' تمہاری ماں کے انتقال کے بعد ہم نے کیسا کیسا برا وقت دیکھا ہے اور پھر وہ خوف ناک لمحات تو میں کبھی بھول ہی نہیں سکتا' جب روڈ ایکسیڈنٹ میں میری ریڑھ کی ہڈی چکنا چور ہو گئی اور میں وہیل چیئر کا محتاج ہو گیا' یہ ذوالفقار کی ہی ذات تھی' جس نے ہم باپ' بیٹی کو سہارا دیا' رہنے کی جگہ دی' تمہارا پورا خرچا اٹھایا اور تم آج اس کی اچھائیوں کا ان الفاظ میں صلہ دے رہی ہو۔" کرم علی نے بیٹی کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے سمجھانا چاہا۔

"ہاں... ابا... مگر میں ایسی زندگی ڈیزرو نہیں کرتی تھی... مجھے لائبہ کی جگہ ہونا چاہیے تھا۔" وہ ایک دم پھٹ پڑی۔

"فاری... یہ... تم کس قسم کی باتیں کر رہی ہو؟"

وہ اپنے لہجے کی حیرت چھپا نہ سکے۔

فرینہ کو بھی احساس ہوا کہ اس کے منہ سے غلط الفاظ نکل گئے ہیں اسی لیے مزید کوئی جواب دینے کی جگہ سر جھکا لیا۔ کرم علی نے اسٹک تھامی اور بیٹی کو تکا' جو ٹشو سے اپنی ناک اور آنکھیں پونچھ رہی تھی' اس کا سفید چہرہ اس وقت سرخ ہو رہا تھا۔ اس سے قبل کے وہ مزید کریدتے' لائبہ مسکراتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔

"فاری کی بچی... آج کل کہاں غائب رہتی ہو؟" بڑے خلوص سے شکوہ کیا گیا' ان دونوں نے پلٹ کر لائبہ کو دیکھا۔

"بس یار... اسٹڈیز میں مصروف ہوں۔" فرینہ نے چہرے پر خیر مقدمی مسکراہٹ سجا کر اسے جواب دیا۔ آخر جو کچھ بھی یہاں تھا' اس کے باپ کے دم کا ہی ظہور تھا' پھر وہ اس سے کیسے منہ بگاڑ سکتی تھی۔

☆ ☆ ☆

"ماشاء اللہ سے سارے ٹیسٹ کلیئر ہیں۔"

حارث نے خیر النساء کی رپورٹس چیک کرنے کے بعد اطمینان کا اظہار کیا۔ اقبال احمد' کئی گھنٹوں سے ماں کے ساتھ جڑے ان کا ایک ایک ٹیسٹ کرواتے پھر رہے تھے۔ ٹینشن سے ان کا اپنا بی پی لو ہو گیا تو عارفین کے اصرار پر کچھ دیر قبل ہی اپنی مسز کو لے کر تھوڑی دیر کے لیے گھر چلے گئے تھے۔

"شکر ہے... مگر یار کچھ تو ہے۔" عارفین نے ایک طویل سانس لینے کے بعد تشویش سے دوست کی طرف دیکھا۔

"یہ ہی بات سمجھ سے بالاتر ہے۔ آنٹی جی کی طبیعت بظاہر تو بالکل ٹھیک ہے۔" حارث کی بات پر خیر النساء نے پٹ سے آنکھیں کھول کر اسے گھورا۔

"اچھا... پھر... یہ ایک دم سے بے ہوش کیسے ہو گئیں؟" عارفین نے خیر النساء کے ہاتھ ملتے ہوئے پوچھا۔

"شاید کمزوری کی وجہ سے چکر آ گیا ہو۔" حارث نے الجھن زدہ نگاہوں سے اپنے دوست کی دادی کو دیکھا جو اشاروں میں جانے کیا سمجھانا چاہ رہی تھیں۔

"بیٹا... ایک گھونٹ پانی کا پلانا..." انہوں نے عارفین کی بات کاٹ کر نحیف آواز بنائی۔

"پانی... اوہ... میں منرل واٹر کی بوتل خرید کر لاتا ہوں۔" عارفین نے ادھر ادھر گردن گھما کر دیکھا اور سرعت کے ساتھ کلینک سے باہر جاتے ہوئے بڑبڑایا۔

"ڈاکٹر... بیٹا... ذرا بات تو سنیے گا۔" عارفین کے جاتے ہی خیر النساء ایک دم چوکس ہو کر بیٹھ گئیں۔

"جی آنٹی! بولیے..." حارث نے انہیں چونک کر دیکھا۔

میڈیکل لائف میں پہلی بار حارث کا ایسی مریضہ سے پالا پڑا تھا' جو بیمار ہونے کی اتنی اچھی ایکٹنگ کرنا جانتی ہوں۔ وہ عجیب شش و پنج میں مبتلا تھا۔ خیر النساء نے موقع سے فائدہ اٹھا کر جلدی سے حارث کے کانوں میں سرگوشی کی' دادی کی منصوبہ بندی سننے کے بعد اس کی ہنسی چھوٹ گئی۔ جیسے ہی کمرے کے باہر سے

عارفین کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ وہ آنکھیں موند کر چہرے پر نقاہت طاری کرتی ہوئیں سفید بیڈ پر دراز ہو گئیں۔

"دادی جان کی طبیعت اب کیسی ہے؟" عارفین نے فکر مندی سے پوچھا۔

"تمہارے جانے کے بعد ایک بار پھر بے ہوش ہو گئی تھیں۔" حارث نے چہرے پر سنجیدگی پیدا کی۔

"یار... جتنے پیسے دادی کے علاج پر خرچ ہوں تو کر، مہنگی سی مہنگی دوا لکھ دے، مگر کسی بھی طرح ان کو ٹھیک کردے۔" عارفین کا لہجہ گلوگیر ہوا۔

"اصل میں مجھے لگتا ہے کہ انہوں نے کوئی بات دل سے لگالی ہے۔" حارث نے خیر النساء کی ہدایت کے زیر اثر بات بنائی۔

"بات... کیسی بات؟" عارفین نے حیرت سے اس کا منہ تکا۔

"ان کی کوئی ایسی خواہش جو تشنہ رہ گئی ہو۔" حارث نے ایک اور اشارہ دیا۔

"خواہش... مگر پاپا تو دادی کے منہ سے نکلنے سے پہلے ہر بات پوری کر دیتے ہیں۔" وہ اب بھی نہیں سمجھا، تو حارث کو اس پر تاؤ آیا۔

"پاگل لڑکا..." خیر النساء کے کان ادھر ہی لگے تھے، عارفین کی معصومیت پر خار چڑھی۔

"ہو سکتا ہے کہ وہ کچھ ایسا چاہ رہی ہوں... جو پورا نہ ہوا ہو۔" حارث کی طرف سے ایک کوشش اور کی گئی۔

"ہاں... ہاں... یاد آگیا۔" عارفین نے ذہن پر زور دیا اور مسکرا کر بولا، ان دونوں نے بھی دل میں شکر ادا کیا کہ بات اس کے سمجھ میں آگئی۔

"اچھا... تو کیا بات ہے؟" حارث نے دادی کے چٹکی کاٹنے پر جلبلا کر پوچھا۔

"ہماری دادی کی اپنی ایک سہیلی سے ہر بات پر ضد بحث چلتی ہے، پچھلے سال فاطمہ خالہ نے آخر تک ان سے چھپائے رکھا کہ کس جانور کی قربانی کرنے جارہی ہیں اور عین بقرہ عید والے دن اپنے اونٹ کی رونمائی کروادی۔ دادی جان نے دوست کی اس حرکت کا بہت برا مانا، انہیں فون کر کے گھنی میسنی کا خطاب دے ڈالا اور پھر ہم سب کا جینا حرام کر کے رکھ دیا۔ اٹھتے بیٹھتے ان کی ایک ہی رٹ تھی کہ اگلے سال فاطمہ سے بھی بڑے اونٹ کی قربانی دیں گی۔ میرے دماغ سے یہ بات نکل ہی گئی تھی، شاید انہیں اس بات سے دکھ پہنچا ہو۔" عارفین نے بڑی سنجیدگی سے بات بتائی۔

"ہائے... اللہ..." خیر النساء نے ایک آنکھ کھول کر اوپر دیکھتے ہوئے فریاد کی۔

"خیر... کوئی مسئلہ نہیں، اس بار ہمارے یہاں بھی بقرہ عید سے دو دن قبل ایک اچھا سا اونٹ آجائے گا۔" اس نے جس انداز میں واقعہ بیان کیا حارث کی ہنسی نکل گئی اور خیر النساء کا دل چاہا کہ اسے ہی قربان کر ڈالیں۔ پوتے کے نادانیوں پر انہوں نے میدان عمل میں خود ہی کودنے کا فیصلہ کیا۔

☆ ☆ ☆

فرینہ کا دل جانے کیوں اداس اداس سا تھا، پورا دن گزر گیا، مگر عارفین نے بات تک نہیں کی، اس نے کئی بار نمبر ملایا، مگر لائن کاٹ دی گئی۔ وہ ایک دم ہیجان زدہ سی ہو گئی، اس کی تنہائی میں عارفین نے خوشیوں کے دیے جلائے تھے، اچانک سے دوبارہ اندھیرا چھاتا دیکھ کر وہ گھبرا گئی۔

"کہیں اس کو میری حقیقت تو نہیں پتا چل گئی۔" اس کے دل میں اندیشے جاگ اٹھے۔

"اگر اس نے مجھے چھوڑ دیا تو..." ایک خوف کی لکیر اس کے ارد گرد کھنچتی چلی گئی۔ فرینہ نے ہونٹوں کو چبا چبا کر سرخ کرلیا۔ کرم علی جو بازار سے سودا سلف لے کر اسٹک پر زور دیتے ہوئے اندر داخل ہوئے تو بیٹی کو یوں بے خبری کی عالم میں کھویا کھویا سا بیٹھا دیکھ کر دکھی ہو گئے۔ "یہ... اپنی ماں سے کتنی مختلف ہے۔" انہوں نے سرد آہ بھری اور سارا سامان باورچی خانے میں لے جا کر رکھ دیا۔ اس بات میں کوئی دو رائے نہیں تھی کہ ان کی بیوی انجم بڑی نیک اور صابر عورت تھی،

ایک بڑے گھر سے تعلق رکھنے کے باوجود اس نے کبھی کسی معاملے میں حرص نہ کی۔ شوہر کی کم آمدنی میں وہ ہمیشہ اپنی چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانے کی عادی تھی۔ مگر گزرتے وقت کے ساتھ چادر چھوٹی پڑتی چلی گئی تو نوبت یہ آ گئی کہ سر ڈھانکو تو پیر کھل جاتے اور پیر ڈھانکو تو سر عریاں ہو جاتا۔

فرینہ ان کی اکلوتی اولاد نہیں تھی' اس کے بعد بھی انجم کے یہاں چار لڑکے ہوئے' مگر وہ بچ نہ سکے' کرم علی اور انجم نے اللہ کی مرضی کے آگے سر جھکا دیا اور ان کی محبتوں کا مرکز فرینہ بن گئی۔ وہ دونوں اپنی بیٹی کو جنون کی حد تک چاہتے اس کے منہ سے نکلی ہر بات ان کے لیے حدیث کا درجہ رکھتی تھی۔ انہیں اپنی فرینہ پر بڑا فخر تھا' وہ واقعی لاکھوں میں نہیں تو ہزاروں میں ایک ضرور تھی۔ وہ اپنی چھوٹی سی دنیا میں مگن تھی۔ مگر ماں کے اچانک دنیا سے چلے جانے اور باپ کی معذوری کے بعد جیسے سب کچھ بدل کر رہ گیا۔ تعلیم حاصل کرنے کا اسے ہمیشہ سے بہت شوق تھا' اسی وجہ سے وہ جی جان سے کتابوں سے چپکی رہتی' ایسا کوئی واقعہ بھی پیش نہیں آیا تھا۔ جس کی وجہ سے اس کو کسی ذہنی پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا' یہ پہلا موقع تھا کہ اسے شدید صدمے کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ ماں چھوڑ کر چلی گئی' اس کے بعد باپ کی زندگی بھی خطرے میں پڑ گئی' نوکری بھی ختم ہو گئی' اسی وجہ سے فرینہ کے چھوٹے ماموں نے ترس کھا کر ان دونوں کو اپنی بڑی سی کوٹھی میں لے آئے' مگر اس کی ممانی ثروت نے اتنا شور مچایا کہ مجبوراً" ان باپ' بیٹی کو کوٹھی کی عقب میں واقع دو کمروں کے چھوٹے سے پورشن میں رہنے کی جگہ دے دی گئی' گو کہ یہ ثروت کے گھر سے ایک علیحدہ حصہ تھا' مگر اس تک جانے کے لیے ان کی کوٹھی کا لان عبور کرنا پڑتا تھا۔ اور انہیں یہ بات بھی گوارا نہیں تھی۔ تاہم برداشت کرنا پڑا۔

یہیں سے معاملات بگڑنے لگے' فرینہ جیسے جیسے اس شاہانہ گھر سے گزر کر اپنے چھوٹے سے حصے کی جانب بڑھتی اس کے قدم من من بھر کے ہو جاتے' وہاں موجود ہر شے سے ٹپکتی امارات کی چمک اس کے اندر ایک عجیب سا احساس کمتری جگانے کا موجب بنتی۔ وہ شروع سے ہی حساس اور ذہین تھی' اسی لیے ہر بات کو زیادہ محسوس کرتی' ماموں کی بے چاری سی شفقت اور حمایت' ممانی کی بے زاری اور اپنی کزن لائبہ کی لاتعلقی۔۔۔ وہ جب بیچ کا راستہ عبور کرتے ہوئے لائبہ ذوالفقار کو ملازموں پر حکم چلاتے' بڑی سی گاڑی پر گھومتے اور ایک سے بڑھ کر ایک نئے فیشن کے لباس اور مہنگی جیولری پہنے دیکھتی تو اس کے من میں بھی لائبہ بننے کی خواہش جاگ اٹھتی' مگر وہ اپنے حالات سے مار کھا جاتی۔ پھر زندگی اس پر مہرباں ہو گئی اور عارفین کا ساتھ ملا' اس کے اندر کا خلا پر ہونے لگا' یہ ہی وجہ تھی کہ اس کی ایک دن کی بے رخی بھی فرینہ کے لیے سوہان روح بن جاتی۔ وہ صبح سے اس سے بات کرنے کو ترس رہی تھی' مگر وہ جانے کہاں مصروف تھا' نہ ہی کال کی اور نہ ہی اس کے میسج کا کوئی جواب دیا۔

"فرینہ۔۔۔ کیا چائے نہیں ملے گی۔" کرم علی کی آواز۔۔۔ اس کے کانوں میں پڑی تو وہ گھبرا کر اٹھ گئی۔

"جی۔۔۔ ابا۔۔۔ لائی۔۔۔" فرینہ نے جواب دیا اور ہاتھ منہ دھو کر وہ سیدھی باورچی خانے میں چلی گئی' چائے بنا کر ایک کپ باپ کو تھمایا اور اپنے ہاتھ میں چائے سے بھرا مگ لیے باہر نکل آئی۔ صحن میں کھڑے نیم کے درخت کے ہلتے پتوں کو یاسیت سے دیکھا۔ جس پر دھوپ کی کرنیں ہولے ہولے کپکپا رہی تھیں۔ بالکل اس کے دل کی طرح جہاں عارفین کے دور ہو جانے کا خدشہ مسلسل حاوی ہو رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"اف۔۔۔ یہ سر کیوں دکھ رہا ہے۔" خیرالنساء نے ماتھا دباتے ہوئے آنکھیں کھول کر ایکٹنگ کی۔

"آنٹی۔۔۔ پلیز ذہن پر زیادہ زور نہ دیں۔" حارث نے بڑھ کر اوور ایکٹنگ کی۔

"بیٹا۔۔۔ مجھے لگتا ہے کہ میرے بچنے کی کوئی امید

نہیں رہی۔" لہجہ مایوسی سے بھرا ہوا تھا' چہرے پر افسردگی پھیل گئی۔

"دادی... جان... ایسی باتیں نہ کریں۔" وہ تڑپ کران کے نزدیک ہوا۔

"بس... عارفین کے سر پر سہرا سجا دیکھ لوں تو سکون مل جائے۔" اس کے گھونگھریالے بالوں کو مٹھی میں جکڑتے ہوئے سرد آہ بھر کر کہا۔

"اوف... آہ..." اس کے منہ سے زور کی صدا نکلی۔

"کیوں بیٹا... شادی کے نام پر منہ سے آہیں نکل رہی ہیں۔" حارث نے ایک آنکھ دبا کر شرارت سے پوچھا۔

"نہیں... یار دادی سے کہو میرے بال چھوڑ دیں... بہت تکلیف ہو رہی ہے۔" عارفین نے فریاد کی تو خیر النساء نے جلدی سے مٹھی کھولی' جذبات میں آکر پورا زور لگا دیا تھا۔

"یار... ایک بات غور سے سن لے... اگر تو چاہتا ہے کہ آنٹی کی طبیعت ٹھیک ہو جائے تو ایک کام کرنا پڑے گا۔" حارث نے سنجیدگی سے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"وہ کیا؟" اس نے سعادت مندی سے سر ہلا کر کہا۔

"بس... تو... فوراً... اپنی شادی کا اہتمام کر ڈال..." حارث نے مسکرا کر کہا۔

"اتنی جلدی کس سے..." اس کے ہاتھ پیر پھول گئے۔

"سریلی اور کس سے بے وقوف لڑکے..." وہ پوپلے منہ سے ہنستی ہوئی ہشاش بشاش دکھائی دیں۔

"سریلی ارے... ہاں... وہ تو مجھے مل گئی ہے۔" عارفین نے مسکرا کر کہا۔ اس کا خیال محبت کا ستارہ بن کر دل کے آسمان کو جھلملانے لگا۔

"مائی گاڈ... لائبہ کے کتنے سارے میسج آئے ہوئے ہیں۔" دادی جان کی بیماری میں الجھ کر وہ لائبہ سے بات کرنا بھی بھول گیا تھا' جیب سے سیل نکال کر چیک کیا تو بولا اس کی فکر مندی پر بہت پیار آیا۔

"لائبہ... نام تو بہت پیارا ہے۔" خیر النساء نے دل میں سوچا اور پرسکون ہو کر پوتے کی جانب متوجہ ہوئیں۔ خیر النساء نے بھی باتوں میں عارفین سے لائبہ کے حوالے سے بنیادی معلومات نکلوالی اور اس کے گھر کا پتا ایک پرچے پر لکھوا کر مٹھی میں دبا لیا۔

☆ ☆ ☆

دو دن ایسے ہی اداس اداس سے گزر گئے' مگر کوئی رابطہ نہیں ہو سکا۔ وہ مایوسی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبی گھر کے کام نپٹا کر یونی ورسٹی جانے کے لیے کپڑوں پر استری کر رہی تھی کہ اس کا موبائل فون بجنے لگا۔ فرینہ کا دل زور' زور سے دھڑکا۔ جلدی سے فون اٹھا کر نمبر چیک کیا تو عارفین کا تھا۔

"سب خیریت تو ہے..." اس نے دوسرے ہاتھ میں پکڑی ہوئی استری سائڈ میں رکھ کر سوچا۔ عارفین کبھی بھی اتنی رات کو کال نہیں کرتے ہیں۔ اس نے پریشانی سے موبائل کو مٹھی میں تھاما اور یس کا بٹن دبا دیا۔ ڈرتے ڈرتے ہیلو کہا تو دوسری طرف سے عارفین نے جو کچھ بتایا وہ اس کے پیروں تلے سے زمین کھینچنے کے مترادف تھا۔ جو کچھ ہونے جا رہا تھا وہ اس کی جان نکالنے کے لیے کافی تھا۔ مختصر سی بات کرنے کے بعد اس نے فون بند کر دیا اور گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

گلابی سی باربی ڈول جیسی لائبہ کی عادت تھی کہ وہ ہر نیا سوٹ دو تین بار پہننے کے بعد ایک سائڈ میں ڈال دیتی اور پھر گاڑی کا رخ کسی بڑے سے شاپنگ مال کی جانب موڑ دیتی۔ اس کا وارڈروب ایک بار پھر نئے فیشن کے برانڈڈ کپڑوں سے سج جاتا۔ ایک دن لائبہ کے دل میں جانے کیا نیکی آئی اس نے بہت سارے قیمتی اور تقریباً" نئے سوٹ ایک شاپر میں ڈال کر فرینہ کو تھما دیے۔ وہ جو اس کے قیمتی شیفون کے دوپٹے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے حسرت سے دیکھ رہی تھی۔ پہلے تو تھوڑا سا ہچکچائی' مگر پھر لائبہ کے پرخلوص اصرار پر بڑا سا شاپر اٹھا کر بے دلی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

اپنے پورشن میں پہنچ کر سارا اسباب ایک بوجھ کی

طرح اپنی الماری کے نچلے خانے میں ٹھونس دیا۔ الماری کھولتے بند کرتے وہ جب بھی اس شاپر کو دیکھتی عجیب سی کم مائیگی کا احساس من میں کچوکے لگاتا۔ مگر ایک دن کالج میں ہونے والے مینا بازار کے لیے جب فوری طور پر کوئی نیا سوٹ دستیاب نہ ہو سکا تو اسی تھیلے کو نکال کر چھانٹی کی۔ سارے کپڑے ہی نئے تھے۔ اسی میں سے ایک بہت خوب صورت اور دیدہ زیب پرنٹ سے آراستہ اور نیلے اور زرد امتزاج سے بنا قیمتی لباس پہن کر کالج چلی گئی اور پھر تو جیسے اس کی ٹور ہی بن گئی۔ فرینہ کی سہیلیوں کی سراہتی نگاہیں اس کے وجود سے جیسے چپک گئیں۔ ہر جانب سے ایسی واہ واہ ہوئی کہ وہ بھول گئی کہ یہ لائبہ کی اترن ہے' یوں سمجھنے لگی کہ جیسے اس کا ہی سوٹ ہے۔ اس کے بعد سے ساری جھجک نکل گئی۔ وہ اس بات پر ہی خوش ہوتی رہی کہ دنیا کے سامنے اس کا بھرم تو قائم ہو گیا ہے۔

اس دن کے بعد سے اس کی ظاہری حالت دیکھ کر وہ اپنی سہیلیوں میں ایک امیر زادی سمجھی جانے لگی' جس کے بدن پر مہنگا اور قیمتی لباس کاندھے پر لیدر کا بیگ' پیروں میں قیمتی جوتے ہوتے۔ یہ ہی وجہ تھی کہ جب عارفین نے اس کی جانب دوستی کا قدم بڑھایا تو وہ اس سے اپنی حقیقت چھپا بیٹھی' شاید اسے کھونے سے ڈرتی تھی اور اپنا نام لائبہ بتا ڈالا۔ زندگی کی گاڑی پھولوں کی ڈگر پر ہموار رفتار سے چلی جا رہی تھی کہ اچانک جھٹکے کھا کر رکنے لگی' عارفین نے تو اس کے سر پر بم پھوڑ ڈالا۔ اس نے بڑی محبت اور مان سے کہا کہ وہ جلد ہی اس کے یعنی لائبہ کے گھر اپنے والدین کے ساتھ رشتہ مانگنے آ رہا ہے۔ اپنے طور پر تو اس نے خوش خبری سنائی تھی' مگر وہ بری طرح سے ہچکچا اٹھی۔ اسے روکنے کے بہانے کرنے لگی' مگر وہ اپنے جوش و خروش میں اس کی نہ کو شرم پر محمول کرنے لگا' بھلا اب وہ رکنے والا تھا۔ فرینہ کا دل ڈوبا جا رہا تھا' اندر ہی اندر بہت اندر اتھاہ گہرائیوں میں گرنے لگا۔

☆ ☆ ☆

"ہائے... اللہ لڑکی کیا ہے' بالکل عید کا چاند..."

خیر النساء نے باربی ڈول جیسی لائبہ کو دیکھا تو منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"جی..." لائبہ ان کے انداز پر گھبرا اٹھی۔ اسے ابھی تک ان اجنبی خواتین کے اتنے محبت بھرے انداز ہضم نہیں ہو رہے تھے۔

"ادھر... آؤ بیٹی..." شبانہ اقبال نے بھی ہونے والی بہو کو نثار ہو جانے والی نگاہوں سے دیکھا اور اپنے برابر میں بیٹھنے کی جگہ بنائی۔

"آپ لوگوں کو کسی رشتے والی نے بھیجا ہے؟؟" ثروت ذوالفقار تھوڑا خوش اور تھوڑا حیران تھیں' دونوں خواتین حلیہ سے ہی امیر اور معزز خاندان کی لگ رہی تھیں۔ جو اپنے ساتھ تحائف کا ڈھیر لے کر آئی تھیں۔

"اے... پھٹکار پڑے... ان رشتہ لگانے والیوں پر... ہمیں تو عارفین نے بھیجا ہے۔" خیر النساء کے منہ سے جھٹ سے نکلا۔

"عارفین... یہ عارفین کون ہے۔" ثروت نے تجسس سے پوچھا۔

"اے... بی... کیا تم عارفین کو نہیں جانتی ہو؟؟" خیر النساء نے اچھا خاصا برا مانتے ہوئے انہیں گھورا۔

"نہیں... جانتی ہوں... تب ہی تو پوچھا۔" وہ فق سی ہو کر صفائی دینے لگ گئیں۔ "یہ کیا مصیبتیں ہیں؟" لائبہ نے دل ہی دل میں سوچا۔

"مسز ذوالفقار... عارفین میرا بیٹا ہے' ہم لوگ اسی کا تو رشتہ لے کر آئے ہیں۔" شبانہ نے ساڑھی کا پلو ٹھیک کرتے ہوئے تفصیل بتائی۔

"لائبہ بیٹی تو اسے اچھی طرح سے جانتی ہے۔" خیر النساء نے شرارت سے پھولے گالوں پر انگلی ٹکائی۔

"لائبہ جانتی ہے... کمال ہے... اس نے کبھی ذکر نہیں کیا۔" ثروت نے بیٹی کو گرم نگاہوں سے دیکھا جو خود ان سب کی باتوں پر فق ہوئی جا رہی تھی۔

"اے... میں کہتی ہوں... جب... میاں' بیوی راضی تو کیا کرے گا قاضی... یہ زمانہ ان بچوں کا ہی

ہے... اور پسند کی شادی میں کوئی حرج بھی نہیں۔" خیرالنساء نے صاف لفظوں میں جتادیا۔

"آنٹی... یہ... آپ کیا کہہ رہی ہیں؟" لائبہ اس الزام پر ششدر رہ گئی' ایک دم صوفہ چھوڑ کر کھڑی ہوگئی۔

"پسند کی شادی... یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ..." ثروت کا لہجہ تیز ہوا۔ خیرالنساء کو بھی تاؤ آیا۔

"بیٹا... ماں کو ساری سچائی بتاؤ نا... کہ... تمہارا... اور عارفین کا... میرا مطلب ہے کہ..." خیرالنساء جوش میں بولے چلے جارہی تھیں۔ شبانہ نے ان کے پاؤں پر پاؤں رکھ کر خاموش کرایا۔

"آنٹی... تو... پچ..." لائبہ ہاتھ ملتے ہوئے بولی' اس کی گلابی رنگت سے سرخیاں جھلکنے لگ گئیں۔

"دیکھو... عارفین نے ہمیں خود بتایا کہ وہ اور لائبہ ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں' اسی لیے تو ہم اس کے ساتھ یہاں رشتہ لے کر آئے ہیں۔" شبانہ نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

"ایک منٹ... مسز اقبال مجھے لگتا ہے کہ شاید کوئی بڑی مس انڈراسٹینڈنگ ہوگئی ہے۔" ثروت کے بھی ہاتھ پیر پھول گئے۔

"کمال ہے... اچھا... ایک منٹ... عارفین باہر ہی کار میں بیٹھا ہے۔ میں اسے بلواتی ہوں... وہ ہی حقیقت بتائے گا۔" شبانہ نے متانت سے ہاتھ اٹھا کر ان دونوں کو خاموش کرایا اور اپنے بیگ میں سے سیل نکال کر عارفین کو کال کرنے لگ گئیں۔

☼ ☼ ☼

آسمان پر سرمئی بادل منڈلانے لگے اور وقفہ وقفہ سے دھیمی دھیمی سی بوندا باندی پڑنے لگی تو فرینہ نے جلدی گھر جانے کا سوچا' ویسے بھی ایک جھوٹ کے ہاتھوں اس نے جس طرح سے سب کچھ کھو دیا' اسے کہیں قرار نہیں ملتا' گھر میں ہوتی تو باہر جانے کو ہڑکتی اور اگر باہر ہوتی تو گھر جانے کی جلدی ہوتی' دل کو جیسے پنکھے سے لگ گئے تھے۔ ثروت آتے جاتے اسے طعنے

دیتیں۔ پہلی بار ذوالفقار بھی اس سے ناراض رہتے... اور کرم علی کے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ بیٹی کی اس حرکت پر دکھ کا اظہار کریں یا چیخیں چلائیں۔ وہ عارفین کو ساری باتیں سچ بتانے کا عہد کرچکی تھی' مگر وہ اس کی توقع سے قبل ہی اپنی دادی اور ماں کے ساتھ وہاں پہنچ گیا اور لائبہ کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔

"نہیں... میری والی... لائبہ ذوالفقار... یہ نہیں ہے۔" اس نے صاف انکار کیا۔

"اچھا کمال ہے... اس گھر میں تو ایک ہی لائبہ ذوالفقار رہتی ہے۔" ثروت نے اس بات کو اپنی بیٹی کی توہین سمجھی۔

"کوئی بات نہیں بیٹا... ہمیں تو یہ لڑکی پسند آگئی ہے۔" شبانہ اور خیرالنساء اس بار بی ڈول پر ریشہ خطمی ہوئی جارہی تھیں۔

"اچھا... مگر... وہ کون ہے' جو مجھ سے اتنے دنوں تک لائبہ بن کر اپنی رس بھری آواز میں بات کرتی رہی۔" عارفین کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔

"بیٹا... آپ کو یقین ہے کہ وہ لڑکی اسی گھر میں رہتی ہے۔" ثروت کا ماتھا ٹھنکا' تصدیق چاہی۔

"جی... آنٹی کیونکہ میں نے اسے کئی بار اس گھر کے باہر اسے ڈراپ بھی کیا ہے۔" عارفین نے اپنے ماتھے کی ابھری رگ پر انگلی ٹکا کر بتایا۔ وہ اس وقت ٹینشن میں تھا۔

"ایک منٹ..." ثروت کی چھٹی حس نے ایک اشارہ دیا۔ انہیں ٹھہرنے کا کہہ کر وہ غصے سے بھری ہوئیں فرینہ کے پورشن کی جانب بڑھیں۔ اس کے نہ نہ کرنے کے باوجود اسے گھسیٹتی ہوئی ڈرائنگ روم میں لے آئیں۔

"آپ کی بات چیت کہیں اس سے تو نہیں ہوتی تھی۔" ان کے لہجے میں تنفر بھرا ہوا تھا۔

"لائبہ... یہ... یہ سب کیا ہے؟" عارفین نے اسے دیکھتے ہی قریب جاکر پوچھا۔

"یہ لائبہ نہیں... یہ تو..." ثروت فرینہ کے بازو

دلوچتے ہوئے زور سے چلائیں اور اس کی ذات کی دھجیاں بکھیرنے لگ گئیں۔

"تم نے... اچھا نہیں کیا..." عارفین کی نگاہوں میں شکوہ جاگا' فرینہ کے لیے وہاں ٹھہرنا مشکل ہوگیا' ایک درد بھری نگاہ اس پر ڈالی اور ہاتھوں میں منہ چھپا کر روتے ہوئے وہاں سے بھاگ گئی۔

"تم چلو... مجھے آج یہاں تھوڑا کام ہے۔" نادیہ نے اسے معنی خیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ چونک کر اپنے خیالوں سے باہر آگئی۔

یونی ورسٹی کے بڑے سے لوہے کے گیٹ کو پار کررہی تھی کہ ایک دم سے بارش نے زور پکڑ لیا وہ پناہ لینے کے لیے اسٹاپ پر لگے بڑے سے نیم کے درخت کے نیچے آکر کھڑی ہوگئی۔ اسی وقت نہ جانے کدھر سے ایک بڑی شان دار سی گاڑی بڑے زور کے جھٹکے سے کچھ دور آکر رکی۔ فرینہ گھبراگئی' اس کا دل دھک دھک کرنے لگا اور گلا خشک ہوگیا' نگاہ اٹھا کر دیکھا۔ سیاہ گاڑی کا دروازہ کھلا اور براؤن چمک دار جوتے کیچڑ بھرے پانی میں بڑے آرام سے جا اترے۔

☼ ☼ ☼

فرینہ نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو عارفین برستی بارش کی پروا کیے بغیر اس کی جانب چلا آرہا تھا۔ اس کی اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئی۔ فرینہ نے ہمت کرکے پھر سے عارفین کو دیکھا۔ وہ لائٹ براؤن شرٹ اور بلیک جینز میں بھیگے بالوں کے ساتھ اور بھی ہینڈسم لگ رہا تھا۔ بارش کا زور تیز ہونے لگا۔ عارفین بری طرح سے بھیگنے لگا' مگر ایسا لگتا تھا کہ اسے کسی بات کی بھی پروا نہیں... بس نگاہوں کا مرکز فرینہ بنی ہوئی تو جو اس سے نگاہیں ملانے کے قابل بھی نہیں رہی تھی۔

"میرے ایک سوال کا جواب دوگی؟" وہ اس کے قریب پہنچ کر گمبھیر لہجے میں بولا۔

"کس بات کا؟" فرینہ کے خشک پڑتے لبوں سے بڑی مشکل سے یہ الفاظ ادا ہوئے۔

"آخر تم محبت کو کیا سمجھتی رہی۔ دل بہلانے کا ایک کھیل..." اس نے چبھتی ہوئی نظر ڈالی اور تلخ لہجے میں پوچھا۔

"میں اب آپ کے کسی سوال کا جواب دینے کی پابند نہیں ہوں۔" وہ بجھے ہوئے لہجے میں بولی۔

"نہیں... تم... جب تک مجھے سچائی نہیں بتاؤ گی میں تمہارا پیچھا نہیں چھوڑنے والا۔" اس نے فرینہ کو گھورا جو سرخ لباس میں بیر بوٹی بنی کھڑی تھی۔

"آپ نے لائبہ سے رشتہ طے ہونے کے بعد میرا پیچھا ہمیشہ کے لیے چھوڑ تو دیا ہے۔" نہ چاہتے ہوئے بھی شکوہ اس کے لبوں سے نکلا۔

"محبت بھی تو میں نے لائبہ سے ہی کی تھی۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"پلیز... آپ یہاں سے چلے جائیں۔" فرینہ اس کی اس بات پر بری طرح جھنجلا گئی' برداشت ختم ہونے لگی۔

"پہلے یہ بتاؤ کہ... تم نے میرے دل سے کیوں کھیلا۔" وہ بے بس ہونے لگا۔

"نہیں... میں ایسا نہیں چاہتی تھی۔ مگر پتا نہیں کیسے یہ سب ہوگیا۔" وہ سٹپٹا کر رہ گئی۔ اپنی نظریں نیچی کرکے آہستہ سے کہا۔ "میں تو تم سے محبت نہیں عشق کرتا تھا... پھر... بھی تم پر اثر نہیں ہوا۔" عارفین نے سرخ پڑتی آنکھیں اس کے چہرے پر جما کر کہا۔

"دیکھ لی... آپ کی محبت... جب ہی تو شادی کسی اور سے کرنے چلے ہیں۔" اس کی سوئی ایک ہی بات پر اٹکی جارہی تھی۔

"تمہارے دھوکے بازی کی یہ ہی سزا ہے۔" عارفین کی چوڑی پیشانی پر پڑنے والے بل گننا مشکل ہونے لگا۔

"ہاں... میں دھوکے باز ہوں... اس لیے میرا آپ کو یہی مشورہ ہے کہ آپ لائبہ سے شادی کرلیں۔ وہ آپ کے اسٹینڈرڈ کے لحاظ سے پرفیکٹ ہے۔ میں کسی صورت بھی آپ کے قابل نہیں ہوں۔" وہ اس کے ماتھے کی شکنوں کی پروا کیے بغیر نہ جانے کیسے اتنا سب کچھ کہہ گئی اور تیزی سے آگے کی طرف بھاگی۔

"اچھا تو میں تمہارا... اب تمام عمر نہیں چھوڑوں گا... کیونکہ نادیہ نے مجھے ساری سچائی بتادی ہے۔" عارفین نے اس کی کلائی تھام کر انکشاف کیا۔

"نادیہ... نے...؟" وہ چونک کر اس کی صورت دیکھنے لگی۔

"شکر ادا کرو کہ اس دور پر آشوب میں تمہیں اتنی مخلص دوست کا ساتھ میسر آیا ہے' جس نے ایسے جم کر تمہارا مقدمہ لڑا کہ مجھے قائل کرکے چھوڑا اور میرے ذہن پر چھائی ساری کثافتیں دھل دھلا کر صاف ہوگئیں۔ ورنہ تم نے تو مروانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔" عارفین نے اوک میں بارش کا پانی بھر کر اس کے اوپر چھینکتے ہوئے پیار سے کہا تو وہ حیران ہو کر اسے دیکھتی چلی گئی۔

"مگر... وہ آپ کی منگنی؟" خوشی اس کے وجود پر سایہ فگن تھی' مگر یہ خیال اداس کر گیا۔

"کون سی منگنی... کس کی منگنی... ایسی کوئی بات ہی نہیں تھی۔" وہ آنکھیں میچتا ہوا بڑا خوش دکھائی دے رہا تھا۔

"مگر... ممانی نے تو ہمیں بتایا تھا کہ..." وہ بولتے بولتے رک کر اسے دیکھنے لگ گئی۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اس دن مجھے جیسے ہی پتا چلا کہ تمہارا اصلی نام فرینہ ہے اور لائبہ تمہاری کزن ہے تو مجھے افسوس ہوا' تمہاری ممانی جس طرح سے بچھی جارہی تھیں' دل نے تم سے انتقام لینے کی ٹھانی اور سوچا' اصلی والی لائبہ سے ہی رشتہ جوڑ لوں' مگر جاتے جاتے تم نے جس انداز میں مجھے دیکھا' میرا سارا غصہ دھل گیا' بس تمہاری محبت باقی رہ گئی۔ میں نے مما اور دادی جان کو وہاں سے اٹھنے کا اشارہ کیا اور خاموشی سے باہر آگیا۔" عارفین نے تفصیل بتائی۔

"اچھا... اور وہ آپ کی دادی جان... کی بقرہ عید کے بعد شادی والی شرط؟" اس نے دبے لہجے میں پوچھا۔

"ہاں... وہ تو پوری ہوگی نا... مگر میری سڑیلی سے شادی کے بعد..." عارفین نے کھسک کر قریب ہوتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام کر پیار سے سرگوشی کی تو وہ شرما گئی۔

"ایک بات کہوں... مجھے تمہاری محبت کی چھاؤں کے سوا کچھ نہیں چاہیے تھا۔ ایک بار اعتبار کرکے اپنی سچائی بتاتی تو..." اس کا گمبھیر لہجہ اور بھاری آواز میں ادا کیے جانے والے الفاظ اپنا اثر قائم کررہے تھے۔

"میں... بس ڈرتی رہی کہ کہیں آپ کو کھو نہ دوں۔" اس کے گلابی ہونٹ کپکپائے۔

"ایسا کبھی نہیں ہوتا جاناں..." عارفین نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے پیار سے سمجھایا۔

"تھینک یو..." فرینہ کے چہرے پر ہلکا سا خوشی کا تاثر ابھر آیا۔

"کس بات کے لیے؟" وہ شوخی سے انجان بنتے ہوئے بولا۔

"میری نادانیوں کو معاف کرنے اور میرا یقین کرنے کے لیے..." وہ بے ساختہ بولتے ہوئے اسے دیکھنے لگی... ان دونوں کا ساتھ ایک دوسرے کے لیے بڑا خوش کن تھا۔ جیسے ہی اس کی نظریں عارفین کی محبت لٹاتی نظروں سے ٹکرائیں۔ فرینہ کو شرم آگئی۔ وہ اس سے دور ہو کر برستی بارش میں بھیگنے لگی۔ عارفین نے مسکا کر فرینہ کے حسین چہرے پر مچلتی پانی کی بوندوں اور گالوں پر سایہ فگن گھنیری پلکوں کی لرزش کو دیکھا' دل کو کچھ کچھ ہونے لگا۔ سارے اندیشے چاہتوں کی بارش میں بہہ گئے آنے والا وقت ایک خوب صورت منزل کے روپ میں ان کے سامنے آکھڑا ہوا۔ وہ دونوں خوشیوں بھری چاپ سننے میں مگن ہوگئے۔

☆ ☆

مصباح علی

تو میری مانگ کا تارا

ہر گزرتا پل، آنے والا ہر لمحہ اسے ہولائے رہتا تھا۔ گم صم مورتی کی طرح جہاں بیٹھتی سو بیٹھی رہتی۔ سانس کی ڈور تیرنے کے گماں تک رہ گئی تھی۔ سپید رنگت گلے میں اٹکے نمکین پھندے سے سرخ ہو رہی تھی۔ بڑی بڑی بھوری آنکھوں کی سیاہ لانبی چلمن پر بے رنگ آبگینے اٹکے تھے۔ چھوٹی سی پتلی ناک کی ریزش چڑھاتے ہی کانچ آنکھوں نے باقاعدہ جھڑی برسانا شروع کر دی۔ کپکپاتی نگاہ ٹیبل کلینڈر پر رکی۔

"اف دو ماہ بھی گزر گئے۔" نرم گلابی لب سفید پتھروں نے بے طرح کچل ڈالا۔ تیرتی سانس منجدھار کا روپ دھار گئی۔ ہر لہر میں یادیں مچلتی تھیں۔ اس کا چلا چلا کر رونے کو جی چاہا۔

"کیا واقعی اسے میری یاد نہیں آتی۔ صرف دو ماہ میں اتنا ظالم، اتنا کٹھور کیسے ہو گیا؟ میرا حال تو پوچھنے کی زحمت نہیں، میں ایک عورت ہوں، میری کوئی انا، کوئی خودداری، کوئی ضد نہیں ہو سکتی، سب خودداری اسی میں ہے اور میں صرف اس کی چاہ، اس کے ساتھ کے لیے رو رہی ہوں۔ کہاں ہے ان وعدوں، قسموں کا پاس... وہ چاہتا ہے میں اس کی منت سماجت کروں، ہاتھ جوڑوں، ماتھا ٹیک دوں، تب مجھے معاف کرے گا۔ آخر جرم کیا تھا میرا؟ نہیں ہرگز نہیں، ہرگز نہیں...." اس کے ضد بھرے ارادے نے یک لخت پھر سے انگڑائی لی۔ اس نے بھرپور سانس کھینچی اور خود کو نارمل ظاہر کرنے کے لیے لیپ ٹاپ کھولا، وال پیپر پر دونوں کی مسکراتی تصویر نے ایک بار پھر اسے سختی سے آنکھیں بھینچ لینے پر مجبور کیا۔ پھر تیزی سے وہ پروجیکٹس چیک کرنے لگی۔ دل اوب گیا۔ لیپ ٹاپ بند کیا۔ پھر ڈرائنگز بیڈ پر پھیلا لیں۔ ہر کام عدم توجہ کا شکار تھا۔ اس نے اٹھ کر کمرے کی سیٹنگ تبدیل کی۔ ڈریسنگ پر رکھے کاسمیٹکس کا سامان ادل بدل کر رکھتے ہوئے ہاتھ میں کلون کی بوتل آ گئی۔ گزشتہ کیفیت پھر سے عود آئی تھی۔ وہ بوتل پر چھپی تحریر خواہ مخواہ دیکھے گئی۔ پھر آنکھیں سختی سے بند کیں، اسے لمحے کے سترہویں حصے میں اپنے نرم بالوں اور گردن کی پشت پر معطر سی پھوار کا احساس ہوا تھا۔ مسحور کن خوشبو میں رچا اس کا گرم گرم لمس اس نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔ اس کے گرد و پیش کوئی نہیں تھا۔ بے ساختہ ہاتھ گردن کی پشت سے پھسلتا نیچے جا گرا۔ اس نے ایک لمبی ہوک لی۔

"تو عداس احمد یہ طے ہے میں واقعی تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی، ہمارا تعلق اتنا کمزور تو نہیں تھا کہ معمولی سی رنجش اسے کرچی کرچی کر دے، ہونہہ...." وہ خود کلامی کرتے پھیکا سا مسکرائی۔ "اگر یہ کرچی ہو گیا نا... تو میں تو میں... زخمی تم بھی بری طرح ہوں گے۔"

اس نے کلون کی بوتل پٹخنے کے انداز میں رکھی اور اپنا سیل اٹھا لیا۔ کوئی تیسری بار اس کا نمبر ڈائل کیا تھا۔ مگر جانے ایسی کون سی ضد تھی ٹون ہونے سے پہلے ہی منقطع کر دیتی۔ چوتھی بار کال کاٹنے کے بعد اس نے سیل بیڈ پر پٹخ دیا۔

"کیا اس انا پرست کی زندگی میں میری اتنی بھی اہمیت نہیں، ایک کال ہی کر لے، بھلے لڑنے کے لیے... لیکن نہیں... اسے تو اپنی ایگو (انا) اپنی محبت

سے بھی زیادہ عزیز ہے۔۔۔ ہوں! میں بھی کوئی گری پڑی نہیں ہوں، مجھے بھی اپنی خودداری، اپنی انا، اپنا بھرم ہر چیز سے بڑھ کر ہے۔" وہ اپنے کپڑے اٹھا کر واش روم میں گھس گئی۔

وہ بہت دیر بعد نہا کر نکلی تھی۔ پھوپھی اماں نے دروازے سے اندر جھانکا۔ پھر اندر آگئیں۔ کچھ دیر اس کا دھلا دھلا چہرہ اور سوجھی آنکھیں بغور دیکھیں، پھر نظرانداز کر کے میرب اس کی جانب بڑھائی۔

"شمامہ بچے! یہ بہت دیر سے رو رہی تھی۔" اس نے ان کی بازو پر لٹکی میرب گود میں لی، تھوڑا سا بہلا کر کندھے سے لگالی۔ وہ پھر سے نیند کی وادی میں چلی

گئی۔ پھوپھی اماں باہر نکل گئیں۔

"شمے تم آرام سے بیٹھی ہو؟ پھوپھی اماں نے بتایا نہیں، ابو تمہیں بلا رہے ہیں۔" امامہ کے اچانک بولنے پر وہ چونکی، اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ایک تو پھوپھی بڈھی کیا ہوئیں، بھلکڑ ہی ہو گئیں، دو کام بتا دو،

ایک تو لازمی بھول جائیں گی۔ پھوپھی پر کچھ تبصرہ کرنے کے بعد وہ پھر اس سے مخاطب ہوئی۔ "اچھا چلو اٹھو۔ امی' ابو بہت دیر سے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔" "میرا....؟" اس نے سوالیہ انگلی اپنی جانب کی.... "خیریت....؟"

"ہاں.... ہاں.... خیریت ہی ہے۔" اس نے ہونق شمامہ کی گود سے میرب لی' وہ کسمسائی تو بیڈ پر لٹا کر تھپک دیا۔ "چلو اٹھو تو' جاؤ کچھ پیپرز سائن کروانے ہیں۔ ایسے ہی خواہ مخواہ باندھ رکھا ہے' شرافت کا تو زمانہ ہی نہیں' ہم جتنی ڈھیل دے رہے ہیں۔ اگلے چوڑے ہوتے جارہے ہیں' ہونہہ۔" وہ میرب کو زور' زور سے تھپکتی خود کلامی کر رہی تھی۔ جیسے ہی شمامہ ست روی سے گئی وہ بھی شمامہ کے پیچھے پیچھے پہنچ گئی۔ مرتضیٰ انگلیوں میں پین گھماتے ٹیبل پر رکھے کاغذ کو بغور دیکھ رہے تھے۔ سامنے صوفے پر بھائی جان سر پکڑے بیٹھے تھے۔ ان کی ہمت نہ تھی۔ اس کاغذ پر نگاہ غلط ڈالنے کی بھی' یہ کاغذ آج صبح ہی امامہ لے کر آئی تھی اور انہیں یہ کہہ کر دیا۔

"شمامہ نے منگوایا تھا' اب آپ اسے ساری تفصیل نہ سنانے لگ جانا یا ڈانٹنا' اس نے رازداری رکھنے کو کہا تھا۔ آپ کو اس لیے بتا رہی ہوں' اپنے سامنے جو جو ضروری ہے اس سے بھروالیں۔" ابا تو کاغذ دیکھتے ہی کانپ گئے تھے۔ انہیں شمامہ سے اس قدر حماقت کی امید نہیں تھی اور اگر ایسا کرنا ہی تھا تو باپ' بھائی سے مشورہ کرتی' بہنوئی سے منگوانے کیا ضرورت تھی۔ اب جب وہ لاؤنج تک آئی اور کاغذ پر نگاہ ڈالنے کے بعد جو اس کے چہرے پر ہوائیاں اور بے یقینی تھی وہ اس کی لاعلمی کی غماز تھیں۔ ابا نے استفہامیہ نگاہ اٹھائی۔

"یہ فل کروگی؟" اس نے پہلی بار ابا کی آواز میں اتنا درد دیکھا تھا۔ نگاہ بھائی پر گئی کتنے مضمحل لگ رہے تھے وہ۔ سوچوں میں گھرا شکن آلود چہرہ البتہ امی ان سب کے بیچ بیٹھیں مسلسل عداس اور اس کے گھر والوں کو کوس رہی تھیں۔ نگہت بھابھی اور امامہ آپی کے زاویے اماں کی تائید کر رہے تھے۔ وہ چند قدم آگے بڑھی میز پر رکھے کاغذ کی تحریر کو پڑھا۔ آنسوؤں سے لبالب آنکھیں چھلکیں' اس نے تیزی سے نفی میں سر ہلایا اور الٹے قدموں کمرے میں چلی گئی' دروازہ کھٹ سے بند کردیا۔ ابا اور بھائی جان حیرت سے امامہ کو دیکھ رہے تھے اور پھر کاغذ جھٹکے سے ہاتھ میں اٹھالیا۔ بند کمرے میں اس کی سانس بے حد الجھ رہی تھیں۔ آنکھیں برسات سے کہیں زیادہ موسلا دھار تھیں۔ اپنے بے تحاشا آنسو اسے خود بہت اذیت دے رہے تھے۔

تو گویا وہ اس نہج پر آگئی۔ اتنی بے بس' اتنی کمزور کہ اب سب ختم ہونے کو ہے۔ زمین' آسمان کیا کچھ میرے لیے بچ پائے گا' میں ایسا کچھ نہیں چاہتی عداس پلیز.... وہ روتی روتی دہری ہوگئی۔ نہ صرف میرب کا چہرہ دھندلایا گیا' بلکہ اپنی ہچکیوں میں دروازہ پیٹنے کی آواز بھی معدوم ہوگئی۔

☆ ☆ ☆

یو ای ٹی' لاہور کے گراؤنڈ میں وہ پورے انہماک سے پروفیسر ابصار کا لیکچر سنتے ہوئے ریلنگ دیکھ رہی تھی۔ آنکھیں چندھیائی ہوئیں' بھورے بالوں سے پسینے کی لکیریں گردن تک چپکتی' سورج آج جوبن پر تھا۔ پی کیپ گھر رہی' سورہی' ٹشوز بھی ختم ہوگئے تھے۔ چہرہ بار بار اپنے سفید اسٹالر سے پونچھتے اپنی عقل پر ماتم کرنے کو جی چاہا۔ اچھا خاصا سفید اسٹالر ملگجا ہوگیا تھا۔ عداس کی کئی بار نگاہ اس کے حدت زدہ چہرے پر گئی۔ پھر اپنی ہی کیپ اتاری' رومال نکال کر اسے پیش کیا۔

"یہ لو...."

"تو تھینکس...." "مروتاً" نکلا تھا۔ پھر نظر اسٹوڈنٹس پر گئی۔ تمام کے سروں پر موٹی موٹی کیپس تھیں۔ ماسوائے اس کے۔ اس کی شرمندگی سوا ہوگئی۔ "معلوم بھی تھا آج گراؤنڈ ورک ہے' پھر بھی یاد نہیں رہا۔" وہ سوچ ہی رہی تھی۔ جب وہ پھر سے بولا۔

"لے لیں مس' ورنہ سن اسٹروک ہوجائے گا' پھر

گئیں کئی دن کے لیے۔۔۔" اسے نے کیپ کی جانب ہاتھ بڑھایا تھا۔ اسے اچھی طرح سے یاد تھا۔ وہ ہر مشکل پر اس کے کام آتا تھا۔ پہلی ملاقات فیس کے لیے یوبی بینک میں لگی قطار میں ہوئی تھی۔ جب اپنی خوش اخلاق و خوش گفتار فطرت کے بنا پر دھکے کھاتی ایک بار پھر لائن سے باہر نکال دی گئی تھی۔ وہ فرشتے کی طرح حاضر ہوا۔

"میرا خیال ہے میم۔۔۔ آج سب سے آخری سب مٹ (جمع) ہونے والی فیس آپ ہی کی ہوگی۔" اس نے طنزیہ مسکراتے ہوئے سن گلاسز اتارے تھے۔

"لائیں مجھے دیں۔۔۔" وہ اس کے ہاتھ میں پکڑے فارمز اور چیک کی جانب اشارہ کر رہا تھا۔

"آپ کون۔۔۔" لہجہ اجنبیت لیے۔

"جناب میں عداس احمد' سول انجینئرنگ یو ای ٹی کا نیا اسٹوڈنٹ' سب سے پہلے فیس سب مٹ (جمع) کروانے کا اعزاز یافتہ۔۔۔" اس نے مکمل تعارف کروایا۔ اس نے اپنا فارم اور فیس چیک خاموشی سے اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے فارم' چیک پکڑ لیا۔

"اوہ شمامتہ العنبر۔۔۔ خاصا بڑا نیم ہے۔" اس نے پہلا اعتراض کیا۔

"جی۔۔۔ فیس جمع کروانی ہے۔"

"سول انجینئرنگ۔۔۔ ویری گڈ۔۔۔"

"جی۔۔۔ فیس جمع کروانی ہے۔" اس نے مزید کچھ پڑھنے کے لیے منہ کھولا کہ شمامہ نے دونوں ہاتھ زور سے جوڑے۔

"اے مسٹر! فیس جمع کروانی ہے۔"

"اوکے۔۔۔ اوکے مس۔۔۔" وہ سیلوٹ جھاڑتا لڑکوں کی قطار کی جانب چل دیا تھا۔ ایک تو وہاں رش کم تھا اور شاید وہ خاصا ہوشیار بھی تھا۔ چند ہی پل میں گرل کے پاس جا پہنچا تھا۔

دوسری ملاقات پہلے سمسٹر کی اسائنمنٹ کے سلسلے میں ہوئی تھی۔ وہ گراؤنڈ میں ہونقوں کی طرح کچھ ڈھونڈ رہی تھی' سنگی بینچ کے اوپر تلے درختوں کے گرد گھاس کی جڑیں ٹٹولتی نگاہیں۔

"واٹ ہیپنڈ میم؟" (کیا ہوا میم؟) وہ اپنا لیپ ٹاپ بینچ پر رکھتا ہوا اچانک بولا تھا۔ وہ پہلے جھجکی' پھر نمی گھلی آواز میں بتایا۔

"ایکچوئلی۔۔۔ میں نے اسائنمنٹ یہاں' ابھی رکھی تھی' چند منٹ پہلے' صرف سامنے گروپ سے اپنا میٹر لینے گئی اور وہ غائب۔۔۔" چیک دار اسٹالز لپیٹے سرخ ہونٹ کاٹتی کامنی سی لڑکی پر عداس کو ترس بھی آیا' غصہ بھی' اس نے متفکر سا ہو کر ابھی چہار اطراف نگاہیں دوڑائیں ہی تھیں کہ ایک آواز آئی۔ شک میں پختگی آنے سے پہلے ہی ایک آواز نے دراڑ ڈالی۔

"شمامہ۔۔۔ شمامہ۔۔۔" دور ایک لڑکی کاغذوں کا پلندہ لہراتی بھاگتی نان اسٹاپ آرہی تھی۔ قریب آکر بریک لگی' سانس بحال کی' پھر گویا ہوئی۔ "یہ تمہاری فوٹو اسٹیٹ اسٹال پر رکھی تھی۔" شمامہ صاحبہ نے عقل پر ہاتھ مارا۔

"اوہ سچ یاد آیا۔۔۔ وہاں کچھ فوٹو کاپیز کروائی تھیں اور میں ادھر تلاش کر رہی ہوں۔" کاغذ سینے سے لگاتے ہوئے شکر کیا۔

"شکر کرو میری نگاہ پڑ گئی' لے آئی ورنہ۔۔۔" آنے والی کا احسان تو بنتا تھا۔ وہ باتیں کرتیں آہستہ آہستہ چلنے لگیں۔ یہ دیکھے بنا کسی اور کو بھی تلاش گمشدہ پر لگا رکھا ہے۔ وہ ناک بھنوئیں چڑھاتا اس کی پشت گھورتا رہا۔

"بڑی بھلکڑ لڑکی ہے بھئی۔۔۔"

تیسری ملاقات خاصی شان دار بلکہ یادگار تھی۔ وہ لیب میں کنکریٹ ٹیسٹنگ مشین کے سامنے سر پکڑے بیٹھی تھی۔ اسے برج (پل) کے میٹریل کا تخمینہ لگانا تھا۔ ہر فارمولے سے کیلکولیشن کرلی گئی' مگر جواب غلط۔

"جانے مجھے مستری بنا کر ابو کو کیا ملے گا' اوپر سے آرڈر U.E.T کی گولڈ میڈلسٹ بنوں' اتنی ٹف (مشکل) ایجوکیشن' مجھ سے نہیں ہوتا یہ سب۔" آنکھوں میں پانی تیرنے سے سارا چہرہ انار سا ہو گیا تھا۔

"اف۔۔۔ ہیلو۔۔۔ اوور لوڈڈ ہونے کی بنا پر اور فلو ہو رہا

ہے یا ٹونٹی خراب ہے۔"

"جی..." آنسوؤں بھرا چہرہ سرعت سے اٹھا۔ اسے ٹشو تھماتے ہوئے وہ استہزائیہ مسکرایا تھا۔

"ساری ٹنکی آج ہی خالی کرنی ہے۔" اسٹول کھینچ کر مقابل بیٹھ گیا۔

"ٹوڈیز پرابلم (آج کا مسئلہ...) ٹشو سے اچھی طرح ناک پونچھ ہونٹ چباتی کچھ سوچ کر بولی۔

"میں تین گھنٹے سے کھپ رہی ہوں، مگر ہر بار میرا اسٹیمٹ غلط نکل رہا ہے۔"

"اوہ..." اس نے ہونٹ سکیڑتے ہوئے اس کی فائل اپنی جانب سرکائی، پاکٹ سے پین نکالا۔ اس نے ایک نگاہ کنکریٹ مکسنگ پر ڈالی، پھر کاغذ پر کھینچے ڈائیگرام اور تخمینہ پر۔ یک لخت اس نے پین کی بیک کاغذ پر ماری۔

"یہاں غلطی ہے..." جس پل کے نیچے پٹری گزرتی ہو، وہ اٹلیسٹ (کم از کم) ٹرین کی اونچائی سے دگنا تگنا اونچا ہوتا ہے تاکہ وائبریشن سے برج سر فیس متاثر نہ ہو، پھر ارد گرد کی عمارتیں بھی... جب ہائٹ (اونچائی) زیادہ ہوگی تو آٹومیٹک لینتھ (لمبائی) بڑھے گی، یا پھر کرو دکھاتے پار کرنا ہے... یہ ادھر دیکھیں... تیز تیز لکیریں کھینچتی ڈائیگرام بناتیں انگلیاں، کیلکولیٹر پر اسٹیمٹ لگاتی پوریں... وہ اس کے پریکٹیکل ہاتھوں کی بناوٹ میں گم تھی۔

"ڈیس سیٹ..." اس کے پین کی نب جواب پر رکھی تو جیسے وہ ہوش میں آگئی۔

"جی... جی..."

"جی جی... کیا؟ تھینک یو بولو..."

"تھینک یو... ویسے آپ اچھے خاصے جنیئس (ذہین) ہیں۔"

"شکریہ..." کارنش بجالاتے کہا۔ "ویسے... ہمیشہ جنیئس مستری، مرد ہی ہوتے ہیں۔" وہ اس کی چیزیں سمیٹتے ہوئے کھڑا ہوا۔ "چلیں اسی آگہی پر کیفے ٹیریا چلتے ہیں۔"

یہ ملاقات ان کی بے تکلف دوستی کی بنیاد ثابت ہوئی تھی۔ پھر وہ ہر جگہ ہی ساتھ ساتھ نظر آنے لگے۔ کلاس، کینٹین، گراؤنڈ، آڈیٹوریم سب جگہ... کب کیسے کیوں انجینئرنگ کا شوق ہوا، کون کیسے آیا۔

"بچپن سے ہی ڈیڈی کے ساتھ سائٹس پر آتا جاتا رہا۔ ریت، سریا، بجری دیکھتا بڑا ہوا ہوں، شوق... ان ہیرٹ (موروثی) ہے۔" اس کی اطلاع پر وہ منہ بسورے کہہ رہی تھی۔

"مگر میرا موروثی نہیں بلکہ آرڈر پر ہے۔ U.E.T کی گولڈ میڈلسٹ انجینئر، گورنمنٹ جاب، سب خواب ابو کے تھے جو مجھے پورے کرنے ہیں۔" ہاتھوں کے پیالے میں پھلائے منہ کا بے ساختہ پن... وہ الجھ گیا۔ "ایسے کیا دیکھ رہے ہو۔"

"تمہاری آئز بہت خوب صورت ہیں، کسی ساحرہ کی طرح، قید کرلینے والی۔" جواباً گھرکی نکلی، پھر گلال رخساروں پر پھیلتا چلا گیا۔

☆ ☆ ☆

کتنے دل جل بجھے تھے آہیں تو پہلے ہی بھرتے تھے۔

"عداس احمد، اف میرے اللہ!" ہونٹ پھٹ جانے کی حد تک دبا تھا اور جب اس وجیہہ دیوتا کے سنگ دبلی پتلی، کھرے نقوش، گلاب و دودھ کی گوندھ جیسی سانچے میں ڈھلی موم پری چلنے لگی تو آہوں میں حسد شامل ہوگیا۔ "ہونہہ... زرد چھپکلی کو ساتھ لیے پھرتا ہے۔"

دو سال میں ان کی فرینڈ شپ اچھی خاصی انڈر اسٹینگ میں بدل چکی تھی۔ جس پروفیشن کو شمامہ مسلط کیے بوجھ کی صورت اٹھائے پھرتی تھی۔ وہ عداس کی دلچسپ، ماہرانہ گفتگو اور ذوق نے شوق اور پھر لگن میں بدل دیا۔ کوفت، نقاہت، بے زاری اڑن چھو ہوگئی اور چھٹے سمسٹر میں وہ پورے کیمپس کے اسمارٹ اسٹوڈنٹ میں سرفہرست تھی۔

مگر اپنی ذات سے لاپروائی اس کی فطرت کا آج بھی حصہ تھی۔ غالباً گھر سے نکلتے پی کیپ ٹیبل پر ہی رہ گئی۔ خیر بھلا ہوا اس کا کیئر ٹیکر ساتھ تھا۔ اس سے پی

کیپ پکڑتے ہوئے جوابا" ناک چڑھاتے ہوئے تھینکس کہا تھا۔

پروفیسر ابصار کہہ رہے تھے۔ "ہاں گائیز.... آپ نے اس لڈ (مٹی) کی ہیومڈٹی (نمی) چیک کرکے فاؤنڈیشن سریے کا اسٹیمیٹ لگانا ہے۔"

"تم اس پروجیکٹ سے بے فکر ہوجاؤ' میں دیکھ لوں گا۔ صرف اسائنمنٹ' پریزنٹیشن پر فوکس دو...."

"جی نہیں جناب!" اس نے مسکراتے ہوئے اپنی تھیلی بیگ میں رکھی۔ "میں پروجیکٹ' اسائنمنٹ' پریزنٹیشن سب کرلوں گی' اپنا بھی' تمہارا بھی...."

"واہ... زبردست' بڑی ہوگئی ہو۔" اس نے اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگائی۔ "میری کمپنی جوائن کروگی تو ایک دن ضرور کامیاب انجینئر بن جاؤ گی۔"

"چ... چ... چ...." دانت دکھائے' چٹکی بجائی۔ "خوش فہمی ہے جناب کو... فار یو کائنڈ انفارمیشن" (آپ کی معلومات کے لیے عرض ہے۔) مجھے گورنمنٹ سے زبردست آفر آنے والی ہے۔"

"ارے واہ! پھر تو آج تمہیں باہر شاندار لنچ کرواتے ہیں۔" وہ اسے کہہ کر اپنی سلور چمچماتی کار کی جانب بڑھا۔ لاک کھولنے کے بعد پہلے اس کے لیے فرنٹ ڈور کھولا تھا۔ وہ کچھ دیر آنکھیں سکیڑے اس کے چہرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھے گئی۔ غالبا" فیصلہ کررہی تھی۔ "جائے یا نا جائے" وہ زور سے بول پڑا۔

"میرا خیال ہے اپنے نازک ذہن پر اتنا زور مت دو... کم آن یار... بیٹھو...." وہ کچھ سنبھل کر بیٹھ گئی۔ وہ گاڑی کے سامنے سے چکر کاٹ کر دوسری جانب سے آبیٹھا۔ مسحور کن خوشبو' ہلکا میوزک' سبک رفتاری سے چلتی کار' عجیب سے احساس نے اسے آن گھیرا۔ یونی میں دونوں خاصے باتونی تھے' لیکن اس وقت دونوں ہی چپ تھے۔ اس خاموشی کو عداس کی شوخ آواز نے توڑا تھا۔

"اگر میں تمہیں اغوا کرلوں تو....؟"

"بکو مت... اور گاڑی روکو' اتارو مجھے...." اس کے غرانے پر اس نے جان دار قہقہہ لگایا۔

"ڈر گئیں...."

"جی نہیں... میں تم جیسوں سے ڈرتی نہیں ہوں' بلکہ سر توڑ دیتی ہوں۔" اس کی مصنوعی دلیری پر وہ مزید پھیل گیا۔

"اچھا بھئی... تم تو نہیں ڈرتیں۔" اس نے ٹیپ ریکارڈر کا ٹریک بدلا تھا۔ "اور تمہارے گھر والے... اندازا" کتنا تاوان دے دیں گے۔"

"جوتوں کا ہار پہنائیں گے' ٹانگیں' بازو توڑ دیں گے تمہارے... سمجھے... اتارو مجھے...."

"ہاہاہا...." اس کے کرخت انداز پر وہ خوب لطف اندوز ہوا اور گیئر بدلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "لگتا ہے وہ بھی تمہاری طرح خونخوار ہی ہیں۔ قصائی فیملی سے تو نہیں ہو۔" اس نے مٹھیاں بھینچ کر اسے دانت دکھائے اور وہ اندر تک مسرور ہوگیا۔

ان کی گاڑی ایک بڑے سے ریستوران کے سامنے رکی۔ گاڑی پارک کرکے وہ اسے اندر لے گیا۔ لنچ ٹائم میں بھی ہال میں اچھے خاصے لوگ تھے۔

"یہاں کی کاکشیکو بہت مشہور ہے۔ کیا خیال ہے آرڈر کروں۔" اس نے ویٹر کو اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"تمہارے جیسی کلاس کو اسی طرح کی ڈشز پسند ہیں؟"

"چلو تمہارے لیے ساگ اور مکئی کی روٹی آرڈر کردیتے ہیں... لیکن پھر رات تک یہاں بیٹھنا پڑے گا۔" وہ یہاں آنے پر پہلے ہی اچھی خاصی کنفیوزڈ ہو رہی تھی۔ اس نے گھور کو دیکھا۔ وہ قدرے زور سے ہنس پڑا۔ اس نے ویٹر کو آرڈر دیا' وہ کچھ دیر بعد لے آیا تھا۔

کاکشیکو (اٹالین سی فوڈ) ان دونوں کے سامنے پلیٹوں میں رکھی تھی۔ عداس نے کانٹے میں ایک جھینگا پھنسایا اور منہ میں رکھتے ہوئے غور سے اسے دیکھا۔ وہ بلیک اولیو منہ میں رکھتے ہوئے بہت سست روی سے منہ چلا رہی تھی۔ دیکھنے میں گماں ہوتا تھا جیسے کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہو۔ اس نے بھنویں اچکا کر پوچھا تھا۔

"کیا ہوا ڈیئر۔۔۔ کہاں گم ہو۔"

"کہیں نہیں۔۔۔" جیسے وہ خواب سے بے دار ہوئی تھی۔ اب وہ اسے کیا بتاتی' وہ اندر سے کس قدر ڈری ہوئی تھی۔ اس کا اس کلاس سے تعلق نہیں تھا۔ جو اپنے والدین کو بنا بتائے جہاں مرضی منہ اٹھائے چلے جائیں اور کہیں بھی کسی بھی جگہ کسی کے ساتھ بھی جانا معیوب نہ سمجھا جاتا ہو۔ اس کا تعلق اک عام گھرانے سے تھا جو پڑوس میں بھی جانا ہو تو پہلے اجازت لینا پڑتی ہے' اس وقت اسے ڈر تھا' اگر ابو' یا بھائی کو پتا چل گیا یا امامہ آپی کو ہی پتا چل گیا' اس کی تو یونی بند کروا دیں گی۔ امامہ ان بہنوں میں سے نہیں تھی جو چھوٹی بہن کے لیے قربانی تو کیا خیال یا حمایت ہی کردیں۔ وہ تو بات کا ایسا بتنگڑ بناتیں کہ حدود آرڈیننس لگوا کر چھوڑتیں۔ نگہت بھابھی بھی کم نہیں تھیں۔ وہ آج تک یوں منہ اٹھائے کسی بھی لڑکے تو کیا لڑکی کے ساتھ اس طرح کی جگہوں پر نہیں آئی تھی۔ اس وقت اولیوز کا پھسلتا سا ترش ٹکڑا بھی گلے میں اٹکتا محسوس ہوا۔ اس کی سوچوں کی ڈور ایک نسوانی آواز نے کاٹی تھی۔ کوئی اس کے عقب پر کھڑی بڑی بے تکلفانہ بولی۔

"ہائے عداس!" وہ بھی "ہائے" کرتا خاصے شناسا انداز میں اٹھا اور ہاتھ ملایا۔

"کیسی ہو۔۔۔؟" عداس کے پوچھنے پر اس نے کندھے اچکا کر کہا تھا۔

"فائن۔۔۔ اینڈ تم یہاں؟" اس نے سوالیہ انداز میں اس کی جانب اشارہ کیا۔ وہ دل فریب سا مسکرا دیا۔

"اکچولی ہم یہاں لنچ کرنے آئے تھے' شی از مائی کلاس فیلو اینڈ۔۔۔" وہ کچھ کھینچ کر بولا۔ "مائے بیسٹ فرینڈ۔۔۔ اینڈ۔۔۔"

"اچھا۔۔۔ اچھا بس کرو یہ اینڈ۔ تم سدھرنے والے نہیں ہو۔" پھر وہ شمامہ کو دیکھ کر مسکرائی اور بائے کرتے ہوئے ہاتھ بڑھایا۔ اس نے بھی ایک مسکراہٹ اچھال کر مصافحہ کیا اور جانے لگی۔ عداس نے اسے "جوائن از" کہہ کر روکنا چاہا وہ نو نو کرتی چلی گئی۔ اس کے چیئر پر بیٹھتے ہی شمامہ نے اس سے بھرپور طریقے سے استفسار کیا تھا۔

"کون تھی یہ۔۔۔؟"

"یہ فارہ تھی۔ ڈیڈی کے فرینڈ کی بیٹی۔" وہ جھینگے میں کانٹا پھنسائے چھری سے اس کے ٹکڑے کرتے نارمل انداز میں بتا رہا تھا۔ "حال ہی میں پاکستان شفٹ ہوئے ہیں۔" اس نے ٹکڑا منہ میں رکھتے اس کی جانب دیکھا۔ وہ بھنوئیں سکیڑے اسے گہری نگاہ سے تک رہی تھی۔ وہ آنکھیں پھیلاتے مسکرایا۔

"کیا ہوا۔ میں نے ڈیڈی کے فرینڈ کی بیٹی بولا ہے' اپنی گرل فرینڈ نہیں کہا۔ جو ایسے گھور رہی ہو۔" اس کے استہزائیہ انداز پر وہ بھی مسکرا دی۔ انہوں نے جلدی لنچ مکمل کیا اور واپسی پر وہ اسے چھوڑنے اس کے گھر تک جانا چاہتا تھا۔ مگر وہ گھر سے بہت دور منتیں کر کے اتری تھی۔

"تم کہتی ہو تو ٹھیک ہے۔ لیکن مجھے یہ اچھا خاصا اکورڈ لگ رہا ہے۔"

"یہ صرف تمہیں اکورڈ لگ رہا ہے' لیکن اگر یوں اچانک تمہارے ساتھ گھر جاؤں گی تو ہمارے سارے محلے کو اکورڈ لگے گا' بلکہ ہو سکتا ہے میرے آنے جانے پر پابندی ہی لگ جائے۔" وہ اللہ حافظ کہتے ہوئے اتر گئی اور وہ بہت دیر اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

یونی ورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی کے ہلکے گہرے سبز گراؤنڈ میں پھیکی سی دھوپ پھسلتی جا رہی تھی۔ مست ہوا' ہلکے پھلکے سفید بادلوں کے پروں کو کبھی سورج کے سامنے بچھا دیتی تو کبھی لکیروں کی شکل میں نیلی سفید دھاریاں آسمان کی سطح پر ابھرنے لگتیں اور جب اٹکھیلیاں کرتی ہوا ایام کے تراشیدہ درختوں کو چھوتی' وہ خمار سے جھوم جاتے۔ ماحول کی کوئی بھی چیز اسے متاثر نہ کر سکی تھی۔ وہ ٹیسٹنگ لیب کی دیوار کے ساتھ لگے سنگی بینچ پر بہت دیر سے ایک ہی زاویے میں بیٹھا تھا۔ اس کا لیپ ٹاپ فائلز قریب ہی لاپروائی سے

رکھی تھیں۔ ہر آتے جاتے گروپ کی نگاہیں خود پر محسوس کیے بنا وہ اپنی سوچ میں محو تھا' اس کی نگاہیں ٹکٹکی کی صورت کیمپس کی انٹرنس پر لگی تھیں۔ وہ آج بھی نہیں آئی تھی۔ یہ ان کا لاسٹ سمسٹر تھا اور پیپرز بھی قریب تھے۔ وہ کبھی اس طرح غائب نہیں ہوتی تھی' جس طرح اس پچھلے ایک ہفتے سے تھی۔ اس نے کئی بار اسے کالز کیں۔

"خیریت آئیں نہیں... انی پرابلم..."

"کوئی خاص نہیں... آکر ہی بتاؤں گی۔ چند روز میں آجاؤں گی' تم سناؤ' تم کیسے ہو؟"

"بہت اداس..." اس کے منہ پھلائے انداز پر وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ عد اس کو مزید غصہ آگیا۔ ان کے درمیان کئی دن اسی قسم کی روکھی پھیکی گفتگو ہوتی رہی۔ وہ جلد سے جلد فون بند کرنے کے چکر میں ہوتی تھی یا پھر بات کرتے کرتے یک لخت ہوں ہاں پر اتر آتی' جیسے کوئی پاس بیٹھا ہو۔ انتظار پر انتظار اسے اپنی زندگی کی طویل ترین دوپہر کی مانند لگنے لگا' جس کے ڈھلنے کی صورت بھی نظر نہ آرہی تھی۔ وہ اکتا کر بینچ سے اٹھا یک لخت ہی ماحول کی ہر چیز میں رنگ اتر آئے تھے۔ گھٹنوں تک آتی کاٹن کی زرد قمیص کے بارڈر پر سرخ نیلی پتیوں والے پھول' سفید ٹراؤزر' سفید نگوں کی سینڈل میں بندھے اس کے سپید گلابی پاؤں' سرخ بڑے سے پھیلے دوپٹے کے کناروں پر زرد نیلا چیک دار ربن' ہوا سے بکھرتے سمٹتے اس کے بھورے ریشمی بال اور ان سب کے بیچ اس کا دمکتا موتیے کی کلی جیسا صبیح چہرہ' جس میں مسکرانے سے زعفرانی آمیزش شامل ہوجاتی تھی۔ سب ہی بہت خوب صورت اور مکمل لگ رہا تھا۔ آج پہلی بار اس کی نگاہوں نے اس کا اس طرح بھرپور جائزہ لیا تھا۔ آج اسے اپنے دل کے ستار پر الوہی دھن بجتی سنائی دی' جس کے ساتوں سر رگوں میں پھیل کر چہرے پر سرگم کا عکس دکھا رہے تھے۔ وہ قدم قدم اس کی جانب بڑھا۔

"کہاں گم ہوگئی تھیں؟" بے ساختہ اس کے لہجہ میں شکوہ در آیا۔

"مجھے کہاں جانا ہے۔" وہ فائلز اور ڈرائنگز گھاس پر پھینکتے ہوئے گرنے کے انداز میں بیٹھی۔ وہ بھی اپنا لیپ ٹاپ' فائلز رکھتے ہوئے ذرا فاصلہ رکھ کر سامنے بیٹھ گیا۔

"پھر بھی... اتنے دن لگا دیے؟ ماز ایوری تھنگ آل رائٹ؟" (کیا سب کچھ ٹھیک ہے۔) شمامہ نے گہری سانس لیتے ہوئے دونوں ہونٹوں کو اندر کی جانب بھینچا اور اثبات میں سر ہلایا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔" امامہ آپی آئی ہوئی تھیں' وہ اپنے دیور کا پروپوزل لے کر آئی تھیں میرے لیے۔ آن واحد میں اس کی آنکھیں پھیل گئیں' لب وا ہوگئے۔

امامہ کو جب سے پتا چلا کہ شمامہ کو گورنمنٹ جاب ملنے والی ہے وہ ماں کے پیچھے پڑی تھی کہ کسی طرح رشتہ اس کے دیور سے کروا دیا جائے۔ دن میں کئی کئی فون کرتی' خاص جواب نہ ملا تو گھر آدھمکی۔

"وہ اجڈ' گنوار' ان پڑھ' جاہل میری پڑھی لکھی بیٹی کے لیے رہ گیا ہے۔ دماغ تو تیرا ٹھیک ہے امامہ' اسے نام تک تو لکھنا نہیں آتا ہوگا۔" فرحت سے صلواتیں سن کر وہ لاپروائی سے بولی۔

"نکاح نامے پر لکھ لے گا۔ نہ بھی لکھ سکا تو انگوٹھا کس لیے اللہ نے دیا ہے۔"

"دفع دور... اس کالے... پیلے لنگور کو میں اپنی حور جیسی بیٹی دے دوں... نا بابا نا..."

"امی وہ پیدائشی کالا نہیں تھا۔" وہ لڑنے کے انداز میں آگے ہوئی۔ "کاروبار نے ایسا کردیا... مین بازار میں سپیئر پارٹس کی دکان ہے۔"

"ہاں..." فرحت کی آواز سے زیادہ گردن مٹکی تھی۔ "جہاں بیٹھا ہر آتی جاتی لڑکی کو تاڑتا رہتا ہے۔"

"اپنی آجائے گی' پھر اسے ہی تاڑے گا۔ یہ فکر چھوڑ دیں۔" وہ کسی صورت بھی انکار سننا نہیں چاہتی تھی اور فرحت' کسی بھی صورت اس کے دیور کے لیے راضی نہیں تھیں۔

"دیکھ امامہ..." اب کے وہ قدرے پیار سے اسے

قائل کرنے لگی تھیں۔ "تم نے پڑھنا نہیں چاہا' کھانے پینے' سجنے سنورنے کا شوق تھا' تو تمہارے لیے جیسا بر ڈھونڈ دیا' کاروبار ہے' کھا پہن رہی ہو' عیش میں ہو' شمامہ پڑھ لکھ گئی' باپ کے خواب کو پورا کر رہی ہے' اب اس کے لیے اس جیسا افسر ہی ڈھونڈے گے' دونوں کمائیں کھائیں۔ اب بھلے تو مجھ سے لڑیا اپنے باپ سے لیکن سو باتوں کی ایک بات' میں تیرے دیور کو رشتہ نہیں دے رہی۔" امی امامہ کی روز روز کی چخ چخ سے تنگ آ گئی تھیں۔ اسی لیے دو ٹوک کہتے ساتھ ہی کھانا لگوا دیا۔ امامہ نے نہ صرف کھانے میں ہر طرح کے نقص نکالے' بلکہ رو' رو' ابا کے سر بھی ہو گئی۔ اسی لیے وہ یونی نہیں آسکی تھی۔ تقریباً" ایک ہفتہ ہو گیا انہیں سمجھاتے' آخری حل شمامہ نے سوچا اور ابا سے پیسے لے کر انہیں شاپنگ پر لے گئی۔ مارکیٹ تو اس کی من پسند جگہ تھی۔ وقتی طور پر وہ ہر غم بھول گئی اور شام کو میاں آکر لے گئے۔ تب صبح شمامہ یونی آئی تھی۔ اس نے بہت سے جملے حذف کرکے عداس کو بتایا۔ وہ مسلسل اس کے چہرے کو دیکھتا رہا۔ پھر بہت آہستگی سے بولا۔

"پھر فیصلہ کیا ہوا۔"

"کیا ہونا تھا۔ امی' ابو کم از کم میرے لیے تعلیم پر کمپرومائز (سمجھوتا) نہیں کریں گے' انہیں پڑھا لکھا داماد چاہیے۔"

"اور..." وہ کچھ توقف سے بولا تھا' "تم... تم کیا چاہتی ہو۔" نیلے سفید دھاری دار آسمان کو مست پروائے کہیں سے لاکر گہرے سرمئی بادلوں کی شال میں لپیٹ دیا تھا۔ پھیکی سی دھوپ دیواروں پر اب سرمئی روشنی بن چکی تھی۔ وہ چندپل اس کی مضطرب کیفیت کو دیکھتی رہی' اس کا انداز اور آواز دونوں بہت ملتجی سے تھے' جیسے حسب منشا جواب نہ آیا تو پانی برس پڑے گا۔ شمامہ نے اپنا ہونٹ چبایا' پھر مدھم انداز میں کہا تھا۔

"کیا تم واقعی نہیں جانتے' میں کیا چاہتی ہوں۔" سوالیہ انداز میں اس کا گھرا لہجہ خاصا پر اثر تھا جو اندر تک کہیں سرور بخش گیا۔ جواباً" وہ مضبوط لہجے میں بولا تھا۔ "کین آئی پروپوز یو...؟" (کیا میں تم سے شادی کی درخواست کر سکتا ہوں۔)

"ہا... آ..." اس کی ہمت پر شمامہ کی متحیر بھنویں سمٹیں' نازک انگلیاں کھلے منہ پر آ جمی' عداس نے بھی ویسے ہی بھنویں اچکائیں۔

"ہا... آں... میں تم سے پوچھ رہا ہوں۔ ول یو میری می؟ (کیا مجھ سے شادی کرو گی؟)" وہ اسی حالت میں قدرے دہری ہوتی ہوئی ہنسی۔ ریشمی بال شانوں پر پھسل پھسل آگے آ گئے تھے۔ عداس نے قریب ہی گھاس پر اگا چھوٹا سا جنگلی کاسنی پھول توڑا' پہلے اسے مسحور کن انداز میں سونگھا' پھر انگشت سے اس کے بال پیچھے کیے اور اک رومانوی انداز میں پھول سامنے کیا تھا۔ "آئی ایم ان لو' مس شمامۃ العنبر..." رُت میں محو ہوا نے گھنگھور گھٹا میں کڑک پیدا کی۔ لہلہاتی گھاس لوٹنیاں لگانے لگی اور گہرا بادل برسنے کو بے قرار لگتا تھا۔ اس نے پھول' چھپٹا' کتابیں' ڈرائنگز سمیٹیں اور جانے لگی۔ اس نے اسے کلائی سے پکڑ کر روکنا چاہا' مگر وہ رکی نہیں۔ وہ بھی پیچھے پیچھے بھاگا۔

"کہاں جا رہی ہو' جواب تو دو۔"

وہ مسکرائی۔ "کلاس میں..."

"اور پہلے سوالوں کا جواب۔"

"وہ میرے پیرنٹس دیں گے... اگر تمہارے پیرنٹس آئے تو...؟"

"ریئلی..." اس کی آنکھوں میں بہت سے دیپ جھلملائے۔

"کلاس چھوڑو... کینٹین چلتے ہیں۔"

"جی نہیں... میں یہاں پڑھنے آئی ہوں۔" وہ تیزی سے ڈیپارٹمنٹ کی سیڑھیاں چڑھ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

سول انجینئرنگ کے شاندار رزلٹ کے بعد عداس احمد نے اپنے پیرنٹس کو باقاعدہ پروپوزل دے کر بھیجا تھا۔ غالباً" اس نے بارہا ممی' ڈیڈی کو شمامہ کے بارے

میں بتایا تھا۔ اس کی قابلیت، عادات و اطوار فیملی انہیں کسی ایک بات پر بھی اعتراض نہیں تھا۔ بلکہ صارم احمد کا کہنا تھا۔

"زندگی تمہیں گزارنی ہے بیٹا، تو ہم سفر بھی سوچ سمجھ کر خود ہی چنو، ہم دل سے قبول کرلیں گے۔ البتہ کسی اہم فیصلے سے پہلے ایک دوسرے کی خوبیوں، خامیوں کو سمجھ لینا، تاکہ رشتہ مضبوط بنے۔ ایسے تعلق میں برکت اللہ کی طرف سے ہوجاتی ہے۔" نبیہا کو بیٹے کی پسند سر آنکھوں پر..... مگر اکلوتی بہو لانے سے پہلے اک نظر دیکھ لینا، مل لینا ان کا حق بنتا تھا۔ غالباً" اسی لیے ایک دو بار وہ بہانے سے یونی ورسٹی آئی تھیں اور اس سے مل کر لگتا تھا۔ شاید وہ کئی سال دھکے کھاتیں، تب بھی اتنی بھولی، خوب صورت بہو نہ ڈھونڈ سکتیں۔

"مجھے معلوم تھا میرے عداس کی پسند معمولی ہو ہی نہیں سکتی۔" ممی کے تعریف پر اس کی گردن تفاخر سے اٹھ گئی۔ وہ بہت تیاری کے ساتھ اچھا خاصا سامان مٹھائیاں، فروٹ، پھول اور شمامہ کے لیے کچھ گفٹس لیے ان کے گھر پروپوزل لے کر گئے تھے۔ فرحت حیرت انگیز حد تک خوش تھیں۔ مگر بظاہر کہتیں۔

"مجھے پہلے ہی معلوم تھا، آخر میری بیٹی 17 گریڈ کی آفیسر ہے۔ ایسے رشتے تو آنے تھے۔" غالباً اس نے امی، ابو سے عداس کا سرسری ذکر کیا تھا۔ سول انجینئرنگ میں ٹاپر ہونے کی بنا پر شمامہ کو کنووکیشن پر گولڈ میڈل کے لیے نامزد کیا گیا تھا اور اسی سلسلے میں عداس کے والدین بھی انوائٹ تھے۔ تقریب کے بعد عداس سے ملاقات بطور کلاس فیلو کروائی تھی۔ حالانکہ اسے اعتراض ہوا تھا۔ آنکھوں آنکھوں میں احتجاج بھی کیا، وہاں وہ ٹال گئی، پھر فون پر سمجھایا تھا۔

"عداس صاحب! میں مڈل کلاس سے تعلق رکھتی ہوں، اگر کسی اور حوالے سے تعارف کرواتی تو ہمیشہ کے لیے گڈ بائے ہوجاتے۔" بات بھی جائز تھی، اس کلاس میں سب سے معیوب یہی بات ہے کہ لڑکا، لڑکی اپنی پسند کا اظہار کردیں، ظاہر ہے بڑوں نے دھوپ میں بال سفید نہیں کیے۔ بچوں کا خیال یقیناً بچکانا ہی ہوگا۔ وہ اس کی بات سمجھ گیا اور قہقہہ لگایا۔

"عقل مند ہوگئی ہو۔" چند ماہ گزر جانے کے بعد اس نے معمول کی طرح بتایا۔

"امی وہ لڑکا اپنی فیملی کو بھیجنا چاہتا ہے۔" لاپروا انداز میں..... ذہن پر کچھ زور دینے سے سعادت مند عداس یاد آگیا۔ فرحت اور مرتضیٰ دونوں مسرور تھے۔ زندگی کی پہلی خوشی تب ہوئی جب رزلٹ کے فوراً" بعد وہ ہاتھوں ہاتھ گورنمنٹ ایل ڈی اے (لاہور ڈویلپمنٹ اتھارٹی) میں بطور ایس ڈی او اپوائنٹ ہوئی اور اب پڑھی لکھی امیر فیملی رشتے کی خواہش مند، بے شک لڑکے کی گورنمنٹ جاب نہ تھی، مگر باپ کی مشہور احمد بلڈرز کنسٹرکشن کمپنی۔ اکلوتا پڑھا لکھا بیٹا، ارے واہ چھوٹا خاندان زندگی آسان... خواب پر خواب پورے ہورہے تھے۔ انہوں نے گھر پر اچھا خاصا اہتمام کر رکھا تھا۔ بڑی بیٹی امامہ بھی بلائی گئی۔ وہ منہ ٹیڑھے میڑھے کرتی، بھنویں چڑھائے ناگواریت کا اظہار کرتی رہی تھی، پھر بولی تو یہ.....

"سچی بات تو ویسے یہ ہے، ذات، برادری سے باہر رشتے توڑ نہیں چڑھتے۔" اس کی بات پر مرتضیٰ کھنکارے تھے۔ فرحت نے گھرکی نکالی۔ مگر امامہ کی جانے بلا، بھاری سی ٹانگ ٹانگ پر چڑھائے جوتی کی نوک جھلاتی رہی۔

"بیٹا ذات تو صرف اللہ پاک کی ہے، بندہ کیا چیز ہے، صرف اپنی سوچ اور زبان پر قابو ہو تو سب رشتے ناطے توڑ چڑھ جاتے ہیں۔" صارم احمد کو بھی اس کی بات کھلی تھی، لیکن انہوں نے خاصے شائستہ انداز میں کہا تو اس نے پھیکا سا منہ بنالیا۔ مرتضیٰ کا اپنی بڑی بیٹی کی عقل پر ہمیشہ ہی ماتم کرنے کو جی چاہتا تھا۔ اس وقت بھی اندر سے کڑھتے رہے اور موضوع بدل لیا۔ تمام معاملات بخیر و خوبی طے پاجانے اور ان کے چلے جانے کے بعد فرحت نے اس کے خوب لتے لیے۔

"دکھادی نہ اپنی جہالت، کیا سوچتے ہوں گے، ایک بہن اتنی پڑھی لکھی، تمیز دار اور دوسری پرانے زمانے

کی طرح' ذات برادری کو رو رہی ہے' ہونہہ لکیر کی فقیر۔۔۔۔

"ہاں تو صحیح کیا۔۔۔" وہ ہاتھ نچا کر بولی۔ اسے مسئلہ ذات برادری سے نہیں تھا' بلکہ خود تو اچھی خاصی ماڈرن بنی رہتی۔ مسئلہ اس کا اپنی بات کے رد ہونے کا تھا۔ اب امی کی حمایت پر تو وہ چلا پڑی۔

"ایسے لوگ تفریحاً" شادیاں کرتے ہیں' آج شمے حسین ہے' کل شادی ہو گی' بچے ہوں گے تو بن جائے گی غبارہ' یہ پاؤ بھر کا منہ کلو دو کلو کا ہو جائے گا' اگلے اسے چھوڑ کسی اور کو پکڑ لائیں گے۔ دیکھتی رہنا پھر آپ' ایسے ماڈرن لوگوں کو سجانے کے لیے ڈیکوریشن سی بہو چاہیے' گھریلو نہیں۔"

"تجھے فکر کی ضرورت نہیں ہے۔" فرحت تپ گئی تھیں۔ "میری بیٹی 18 گریڈ کی افسر لگی ہے' آج گاڑی ملی ہے' کل ترقی ہو گی تو ان جیسے بنگلے بھی خرید لے گی۔ سر آنکھوں پر بٹھائیں گے اگلے' کماؤ بہو کسے بری لگتی ہے۔" امامہ کے دل سے قلق نہ جاتا تھا۔ ان کا بنگلا گاڑیاں جب سے دیکھ کر آئی تھی اور جب عداس کو والدین کے ہمراہ آتے دیکھا۔ اعتراض سا اعتراض۔۔۔۔

"اتنے واہیات لوگ' لڑکے کو بھی ساتھ اٹھا لائے ہیں توبہ توبہ۔" امی کو بھی کھٹکا' ابو نے کہہ دیا۔

"بیگم اونٹوں سے دوستی کرنی ہے۔ دروازوں میں گنجائش تو ہونی چاہیے۔" امی کو سمجھ آ گئی' مگر آپی کا دل ترازو بن گیا۔

کوٹ' پتلون' ٹائی' انگریزیاں وجیہہ اسمارٹ' ہر چھٹی' بڑے ہوٹلوں میں باہر کے کھانے کھلائے گا اور میرے نصیب میں کے ٹی کے ملگجے قمیص شلوار' سانولا رنگ' بڑھا پیٹ' دیسی زبان اور جمعہ کے جمعہ بھیجے کے سری پائے' ہونہہ! اور یہ سب امی کی ہٹ دھرمی سے ہو رہا ہے' انکار کر دیں تو کسی صورت دونوں بہنوں میں اتنا فرق نہ پڑے۔ کل یہ ہی فرق بچوں میں آ جائے گا اور میرا ڈبل نقصان۔ غالباً" دونوں بھائیوں کی مشترکہ دکان تھی' بڑے کا ہولڈ زیادہ' کل کلاں غیر دیورانی آ گئی تو برابر حق جتائے گا' گھر میں بھی' کاروبار میں بھی' اگر امی مان جائیں۔ واہ ایک تو شمامہ چھوٹی' عادتاً" دبی دبائی' پر امی کی ہٹ دھرمی اف۔۔۔۔

ایک امامہ ہی کیا نگہت بھابھی کون سا دل سے خوش تھیں۔ یک لخت نند کی قسمت آسمان پر چڑھ گئی۔ ساری رات میاں کا دماغ کھاتی رہیں۔

"شروع میں تو سب ہی اچھے لگتے ہیں۔ چٹ پٹ کرتے' ٹیڑھا منہ' انگریزی جھاڑتے۔۔۔ بعد میں پتا چلے گا جب مردوں میں بیٹھی ریت گارا گھولے گی' اگلے رکھتے ہیں یا چٹیا سے پکڑ باہر۔۔۔۔"

"کیا مطلب۔۔۔" بھائی جان چونکے تھے۔

"تمہاری بہن کی نوکری کے حوالے سے کہہ رہی ہوں۔"

"اوہ جاہل! وہ مزدور مستری نہیں ہے' بڑا سا ٹھنڈا دفتر ہے اس کا۔۔۔"

"ہاں تو وہاں کون سا پردہ خواتین کام کر رہی ہیں' ہیں تو مرد ہی سارے۔"

"تم کیا سمجھو گی۔۔۔ ہونہہ۔۔۔" بھائی جان نے گردن جھٹکی۔

"ابا کی خواہش اس نے پوری کی' خود تو باوجہ معاشی مسائل پڑھ نہ سکے' میرے سے میٹرک دشوار' اور آپی۔۔۔ ہونہہ وہ تیلی کے بجائے کتاب کا صفحہ پھاڑ کر چولہا جلاتی تھیں' پڑھتیں خاک' ایک وہی ہے' جس نے سخت پڑھائی کر کے ابو کا افسر کا خواب پورا کیا۔۔۔ اب ماشاء اللہ بر بھی پڑھا لکھا' ویسا ہی مل گیا ہے۔"

"جب لڑکوں میں اٹھے بیٹھے گی یہ گل تو کھلنے تھے۔" اچھا رشتہ دیکھ کر بھابھی کا دل شدت سے چاہا گھڑی کی چوتھائی میں عداس سے اپنی بہن کا رشتہ کروا دیں۔۔۔ مگر افسوس۔۔۔۔

"تمہیں کیا مسئلہ ہے' خواہ مخواہ ہی کلس رہی ہو۔" بھائی اکتا گئے۔

"کلسے میری جوتی۔" بھابھی نے چائے پیتے ناک بھی چڑھائی اور جوتی پاؤں سے اچھال' ذرا پرے کی۔ "میرے بھائی کو کون سا لڑکیوں کی کمی ہے' گڑھ ہونا

چاہیے، مکھیاں بہت۔۔۔" اصل وجہ بھی زبان سے پھسل گئی۔ پڑھی لکھی کماؤ بند پھر سیدھی اتنی جدھر لگاؤ لگ جائے کاش! اپنے بھائی کے لیے لے لیتیں۔

"گڑ بھی دیکھ رکھا ہے، گڑ کی رنگت کا ہیڈ کلرک۔۔۔" بھائی جان نے صرف سوچا تھا۔ نگہت بھابھی پھر سے کہہ رہی تھیں۔

اس سے پہلے کہ نگہت اور امامہ کے قیافے بدگمانیاں زور پکڑتیں۔ فرحت اور مرتضیٰ نے موسم نہیں دیکھا، بس اس معاملے کو نپٹانا چاہا تھا۔ ستمبر کے مہینے کی تاریخ دے دی۔

☆ ☆ ☆

نبیہا، صارم احمد کو اور کیا چاہیے تھا۔ بیٹے کی پسند، خوب صورت بہو، تھوڑا سا اس کی بہن بھائی کے لب و لہجے سے کچھ خدشہ گزرا تھا، پھر صارم کہنے لگے۔

"ہمیں لڑکی سے مطلب ہونا چاہیے، وہ ماشاءاللہ سمجھ دار، پڑھی لکھی ہے اور سب سے بڑھ کر عداس کی پسند۔۔۔" انہوں نے دل سے شادی کی تیاریاں کی تھیں۔ ریڈ سلور کام دار لائٹ پنک برائیڈل میکسی، نازک جیولری، نفیس میک اپ۔۔۔ موسم کی حدت میں وہ حور اسمارٹ شیروانی میں ملبوس عداس احمد کے دل کو خمار بخش رہی تھی۔ بہت سے پھول اس کے پہلو میں رکھتے ہوئے وہ اس کی دودھیا کلائی پر یاقوتی بریسلٹ باندھ رہا تھا۔

"پھول ہمیشہ سے میری کمزوری رہے ہیں، نازک، خوشبودار، رنگین۔۔۔ اپنی محبت اور تمہیں آج اسی رشتے سے عبارت کرتا ہوں۔" اس نے مزید کچھ کہتے ہوئے نگاہ اس کے چہرے پر اٹھائی جہاں ہر سو پریشانی، ہونق پن تھا۔ آنکھوں میں متفکر سا پانی۔۔۔ کم از کم آج یہ صورت قطعی عجیب تھی، تحیر سے اس کی آنکھیں پھیلی تھیں۔

"کیا ہر ملاقات اس ہونق زدہ چہرے سے لازمی ہے۔۔۔ یار۔۔۔"

"ایک۔۔۔ پرابلم ہو گئی ہے۔" اس نے لپ اسٹک زدہ ہونٹ کاٹے۔ ایک آنسو کاجل کی لکیر پر آن ٹھہرا تھا۔

"کیا۔۔۔" عداس کو کڑوے بادام سا گمان ہوا۔

"باس کا فون آیا تھا۔۔۔ پرسوں۔۔۔ چیف منسٹر کا دورہ ہے اور۔۔۔ اور میری چھٹی کینسل۔۔۔"

"واٹ۔۔۔" شاک سے وہ اچھلا۔۔۔ "ہمارا ہنی مون ٹرپ۔۔۔"

"نئے چیف منسٹر کو زیادہ ہی دورے نہیں پڑتے۔" وہ شیروانی کی پاکٹ تھپتھپاتے ہوئے ٹشو، رومال ڈھونڈ رہا تھا۔ نظر سائیڈ ٹیبل پر رکھے ٹشو باکس پر گئی۔ ٹشو کھینچ کر پیش کیا۔ لگتا ہے کنسٹرکشن کمپنی چھوڑ کر ٹشوز کا کاروبار کرنا پڑے گا۔ اس کی بھوری آنکھیں چہرہ گلنار، خمار ہونٹ مسکرا دیے۔ "ایسے مسکرایا کرو۔۔۔ ڈیئر۔۔۔" چہرے پر نگاہیں گاڑھے وہ قدرے آگے ہوا۔

"ڈونٹ وری یار! ڈیڈی تمہارے ایکس سی این سے بات کرلیں گے، مینج ہو جائے گا۔ لیکن پلیز۔۔۔ اس وقت ایسا کچھ نہیں چلے گا۔" دوسرا آنسو اس نے خود صاف کیا تھا۔

☆ ☆ ☆

زندگی، پھول، رنگ، خوشبو سے ہی عبارت نہیں ہوتی۔ پھول کے ساتھ ببول، خاردار جھاڑ، ناگوار بساند اور گردوپیش کے بدنما دھبے بھی ساتھ سفر کرتے ہیں۔ عطیہ خداوندی "انسانی عقل" اتنی صلاحیت ضرور رکھتی ہے کہ خار، بساند، دھبوں کو فطرت کا حصہ ہی سمجھیں، نہ کہ تقدیر کا۔۔۔ ہاں محبت اور پھول کی بہت سی مشابہت میں ایک مماثلت یہ بھی ہے کہ دونوں بہت نازو نعم ہوتے ہیں جہاں نرمی میں کھل کھل مسکرائیں وہاں ذرا سی سختی لمحے میں بکھیر دیتی ہے۔ ان کی پانچ سالہ محبت بھری زندگی میں بھی نازک موڑ آتے رہے تھے۔ کبھی الجھتی گتھی عداس خاموشی سے لپیٹ دیتا، تو کبھی ہاتھوں سے پھسلتی ڈور میں وہ انگلی پھنسا لیتی اور شوریدہ ہوائیں تھم جاتی تھیں۔

پانی تھا جو تواتر لکیروں کی صورت دونوں آنکھوں

سے سینے تک پھسلتا جاتا تھا۔ بہت سے لمحے اس جھیل میں آرکتے تھے۔ کبھی اپنی کوتاہیاں سر جھکاتیں عکس دکھاتیں تو کبھی اس کی کج ادائیاں لہروں کی روانی بڑھا دیتیں۔ مرتضیٰ کے لیے یہ صورت حال متوقع تھی' مگر فرحت کو بہت غصہ آیا۔ وہ پیچھے پیچھے آئیں' امامہ ان سے بھی آگے۔۔۔ دروازہ پیٹا' کھلوایا' اندر آگئیں۔ جتنا ابلتا غصہ تھا۔ اس کا بھیگا چہرہ دیکھ کر جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ گردن جھٹک بڑبڑاتی باہر چلی گئی۔

"اس کم بخت کے لیے رو رو مر رہی ہے' آکر حال تک نہ پوچھا' گل چھرے اڑانے سے فر... تب تا' اماں باوا نے بچے بھی دے کر جان چھڑوالی۔"

"امی۔۔۔ میرے ذرا سا کٹ لگ جائے' جل جائے' میاں ڈاکٹر بنے پٹیاں کرتے ہیں' ملیم (مرہم) لگاتے ہیں' ایک وہ ہے ظالم قصائی۔۔۔ ہونہہ۔۔۔ آکے خبر تک نہ لی۔" امامہ نے جلن کی انتہا ہی تو کردی۔ ہر جملہ نیزے کی انی کی طرح کانوں میں گھپا جارہا تھا۔ سوئی میرب بھی اٹھ گئی اور رونے لگی۔ شمامہ نے اسے گود میں اٹھالیا۔ اپنے آنسوؤں میں اس کے آنسو بھی شامل ہوگئے۔ منظر پھر سے دھندلانے لگے۔

☆☆☆

"یار! میرب میں میری جان ہے' پلیز اسے توجہ دیا کرو' رونا نہیں چاہیے اسے۔۔۔" وہ روتی گڑیا کی پیشانی چومتے کہہ رہا تھا۔

"کیا ہوگیا' بچی ہے' اور بچے روتے ہی ہیں عداس۔۔۔" اس نے فرنچ لیر کٹ بالوں کو جلدی جلدی پونی کی شکل دی۔ ٹشو سے لپ اسٹک صاف کی اور بیڈ پر آچڑھی۔

"لاؤ دو اسے۔۔۔" اس نے میرب کی طرف ہاتھ بڑھائے۔ "اس کا فیڈر پکڑانا۔" ذرا فاصلے پر رکھے فیڈر کی طرف اشارہ کیا تھا۔ عداس اسے فیڈر پکڑا کر واش روم کی جانب بڑھا ہی تھا جب اس نے شمامہ کو سیل پر کہتے سنا۔

"نسرین۔۔۔ میرب کی فیڈ تیار کرکے جلدی لے آؤ۔۔۔ ارے ہاں۔۔۔ عوف کو دیکھتی آنا' اگر سو گیا ہے تو ٹھیک' ورنہ اسے بھی لیتی آنا۔"

"کم از کم میرب کے لیے تو خوراک تم اپنے ہاتھ سے تیار کیا کرو' وہ ابھی بہت چھوٹی ہے۔" وہ جھٹکے سے مڑا تھا۔

"نسرین نے کون سا کچھ ملا دینا ہے' تم خواہ مخواہ ہی پوزیسو ہوتے جارہے ہو۔"

"کیا مطلب پوزیسو؟ تم ماں ہو اس کی' تمہاری توجہ اس کا حق ہے۔"

شادی کے بعد دن بہت اچھے اور خوب صورت گزرے تھے۔ پھر آہستہ آہستہ زندگی معمول پر آنے لگی۔ اس کی مصروفیات پر وہ متاثر ضرور ہوتا۔ لیکن کسی نہ کسی طرح برداشت کرلیتا جیسے جیسے وقت گزرا مصروفیات بڑھنے لگیں' ذمہ داریاں بھی پہلے سے زیادہ ہوگئی تھیں اور اس کی گھریلو بے توجہی پر بچے اچھے خاصے متاثر ہورہے تھے۔ عداس ہر بات برداشت کرسکتا تھا' لیکن اپنے بچوں کے معاملے میں خاصا کانشیس تھا اور اسی معاملے پر اکثر ان میں بحث ہونے لگی تھی۔ وہ اسے سمجھا سمجھا تھک جاتا کہ جاب چھوڑ دینی چاہیے۔ مگر وہ اپنی ضد پر اڑی تھی۔ اس وقت بھی ناک بھنوئیں چڑھا کر پہلو تہی کی۔

"او کے بابا۔۔۔ میں دیکھ لوں گی۔"

"کیا دیکھ لو گی تم؟ جانتی ہو آج عوف نے کتنی ضد کی لنچ کے لیے' اسے تمہارے ہاتھ سے کھانا ہے۔ بمشکل ممی نے اسے جوس پلا کر سلایا ہے' مگر تم ہو کہ۔۔۔" اس کے بڑھتے غصے پر اس نے ہتھیار ڈال دیے۔

"اچھا بھئی کہہ تو رہی ہوں اب کوشش کروں گی' ویک اینڈ آرہا ہے' میں اسے سیٹ کرلوں گی' اب پلیز اپنا موڈ ٹھیک کرو' میرے سر میں پہلے ہی بہت درد ہے' اینڈ جلدی سے چینج کر آؤ' کھانا کھاتے ہیں' آج مجھے لنچ کا ٹائم بھی نہیں ملا۔ پلیز عداس۔۔۔" اس کے ملتجی انداز میں کہے گئے جملے پر وہ بم کی طرح پھٹ پڑا۔

"واٹ۔۔۔" شدید غصے سے اس کی پوری آنکھیں

اٹھیں اور اگلے دانت جمے تھے۔ "تم نے لنچ نہیں کیا۔"

"ہاں.... ٹائم نہیں ملا۔" اس نے ہاتھ میں پکڑا ٹائٹ ڈریس بیڈ پر پٹخ دیا۔

"واٹ ڈیو یو مین ٹائم نہیں ملا؟ اس زندگی کے خواب دیکھے تھے ہم نے 'یہ ہے پریکٹیکل لائف' ہمارا بیٹا رو دھو کر بھوکا سو گیا' بیٹی نوکروں کے رحم و کرم پر ہے' لنچ کا تمہیں ٹائم نہیں ملتا اور میں.... ایسا مزاج تھا میرا....؟ بدمزاج ہو گیا ہوں میں.... تم.... تم.... ہو کہ ڈھیٹوں کی طرح کوئی اثر ہی نہیں' آخر ثابت کیا کرنا چاہتی ہو تم....؟" وہ تیوریاں چڑھائے اسے کاٹ کھانے کو دوڑا۔ "بہت لمبی چوڑی تنخواہ ہے تمہاری' جتنی تمہاری تنخواہ ہے نا مس شامہ العنبر.... "اس نے خوب جما کر کہا تھا۔ "اس سے کہیں زیادہ اس گھر کا بجلی کا بل آ جاتا ہے' مگر نہیں.... سرخاب کے پر لگے ہیں تمہاری نوکری کو' جو اس کے بغیر تم اڑ نہیں سکتی' مائی فٹ....." وہ کپڑے اٹھانے ہی لگا تھا کہ وہ یک لخت چلا پڑی۔

"بس کر جاؤ عداس' اگر چپ ہوں تو بولے ہی جا رہے ہو۔"

"اب بولوں بھی نا' میری زندگی' میرے بچے ڈسٹرب ہو رہے ہیں۔" اس نے اونگھتی میرب کو پھینکنے کے انداز میں بیڈ پر لٹایا اور رو کھڑی ہو گئی۔

"میں وہاں کھیل کود کر نہیں آ رہی' جو آتے ہی ذمہ داریوں کی لسٹ میرے سامنے لٹکا دیتے ہو' میں بھی تمہاری طرح کھپ کر آ رہی ہوں۔"

"تو کس نے کہا ہے کھپنے کو' گھر میں بیٹھو ٹک کر' میاں ہے' بچے' گھر ٹائم دو ہمیں...."

"تم کس دور میں جی رہے ہو مسٹر عداس' آج کل گورنمنٹ جاب کے لیے لوگ منتیں کر رہے ہیں اور تم کہتے ہیں میں ریزائن کر دوں' ہونہہ.... کئی لاکھ کی ڈگری ہے میری' کتنی محنت سے حاصل کی اور تم کہتے ہو اسے آگ لگا دوں' گھر بیٹھ کر تمہارے ناز اٹھاؤں' بچے پالوں اور بس...." اس کا جملہ اسے اندر تک چیر گیا۔

"تمہیں کس نے کہا کہ اسے آگ لگاؤ۔ تم بچوں کے ذرا بڑا ہونے تک لیو (چھٹی) بھی لے سکتی ہو' لیکن نہیں' تمہیں تو گھر سنبھالنا ہی مشکل لگتا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ اپنا ڈریس اٹھا کر تیزی سے واش روم میں گھسا تھا۔ وہ میرب کو دلکائے واش روم کا بند دروازہ دیکھتے کتنی دیر روتی رہی' آخر سو گئی تھی۔

یہ کوئی پہلا جھگڑا نہیں تھا۔ بلکہ معمولی سا کنکر پہلی رات ہی گرا تھا جو صارم احمد کے تعلقات کی وجہ سے بیٹھ گیا۔ اس کے بعد ہنی مون سے بھی وہ چھٹی نہ ملنے کی وجہ سے نا چاہتے ہوئے سب کچھ سمیٹ واپس آ گئے۔ مشکل روٹین دونوں صبح نکل جاتے' شام میں آگے پیچھے آتے۔ بسا اوقات وہ اسے پک کر لیتا۔ کبھی وہ فون کر کے اپنے لیٹ ہونے کا مژدہ سنا دیتی۔

"اوکے.... ٹھیک ہے۔" وہ اکھڑے لہجے میں جواب دیتا۔ "مگر کھانا وقت پر کھا لینا۔" اسے فکر ہوتی تھی اور کیوں نہ ہوتی' جس فطری عمل سے وہ گزر رہی تھی اسے احتیاط کی ضرورت تھی اور کام مردمار۔ وہ بار بار سمجھاتا۔

"شمی میں کسی قسم کا نقصان برداشت نہیں کروں گا' یہ اس گھر کی پہلی خوشی ہے۔"

"پلیز عداس!" اسے ٹوکنے سے چڑ ہوتی۔ "تم مرد خواہ مخواہ ہی عورت کو نازک بنا دیتے ہو' جو عورتیں پتھر کوٹتی ہیں' کیا ان کے میاں انہیں گود میں لیے رکھتے ہیں؟ ایسے ہی بلاوجہ.... یہ فطری عمل ہے' کوئی پرابلم نہیں ہوتا۔" اس نے اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ مگر اللہ کا کرم ہوا' کوئی مسئلہ نہ ہوا تھا۔ پھول سا بیٹا عوف احمد ان کی گود میں آ گیا۔ اس کے آ جانے سے زندگی کچھ دن بہت خوش گوار ہو گئی' لیکن جیسے ہی چھٹی ختم ہوئی مسائل نے نئے سرے سے سر اٹھا لیا تھا۔ وقت مٹھی میں سمٹ گیا۔ آفس ٹائم پر دونوں کو تیار ہونا ہوتا اور درمیان میں عوف کی ریں ریں' افراتفری میں کبھی عداس کی ٹائی غائب' کبھی جراب' کبھی ناشتے کی ٹیبل پر وہ اس کا انتظار کرتا رہتا'

کبھی خالی چلا جائے اندیل گھر سے نکل جاتا۔ وہ جب آفس سے آتی عوف میں مگن ہو جاتی اور وہ منہ لٹکائے کڑھتا جلتا اسے دیکھتا رہتا اور جب کبھی عوف ماں کے لیے روتا، بلبلاتا ملتا تو کڑھن سوا ہو جاتی۔ دونوں میں تلخ کلامی شروع ہونے لگتی تھی۔

"اے بے وقوف وہ یہی تو چاہتا ہے، تو گھر بیٹھ جائے اور بچوں کی مشین بن جائے اور بس....." امامہ سے جس دن اس نے معمولی ساذکر کیا وہ اس کی ہمدرد بن گئی اور اپنی بھرپور کوشش سے عداس کے خلاف اسے بھڑکانے لگی۔ فرحت پہلے خاموشی سے سنتی رہیں، پھر انہیں بھی امامہ کی بات میں وزن لگا۔ ان کے خیال میں کوئی آتی تنخواہ پر بھلا کیوں لات مار سکتا ہے۔ وہ بھی امامہ کی ہم خیال بنی اسے مشورہ دینے لگیں۔

"شمے تو، تو ہمیشہ سے ہی کم عقل ہے، وہ نوکری چھوڑنے کا کہتا ہے، کہنے دے۔"

"اور کیا....." امامہ نے کہا۔

"جب گھر آتی ہے، اپنا بچہ ڈرکالیٹ جایا کر، تجھے کیا ضرورت ہے گھر کے لیے خوار ہونے کی، دیکھے اس کی ماں، جو گھر میں ویلی بیٹھی رہتی ہے۔"

"نہیں آپی ایسی بات نہیں ہے، وہ گھر کے کاموں کی وجہ سے نہیں کہتے، گھر میں تو ہر کام کے لیے ملازم ہیں، وہ تو بس عوف کے ڈسٹرب ہونے کی وجہ سے کہتے ہیں، پھر میری تھکاوٹ کی فکر ہوتی ہے۔" یہ بات امامہ کو اندر تک کاٹ گئی کہ میاں اتنا لٹو کہ اس کی تھکاوٹ کی بھی فکر کرتا ہے، اس نے ساری جلن الفاظ سے نکالی تھی۔

"ارے بی بی رہنے دو، فکر ویکر کچھ نہیں ہوتی، یہ مرد ذات عورت کو جوتی کی نوک پر رکھنا چاہتے ہیں، سکون نہیں ملتا، مردانگی کو جب تک عورت روپے روپے کے لیے اس کے آگے ہاتھ نہ پھیلائے۔ ویسے بھی سرکاری گاڑی، ڈرائیور ہے تیرے پاس، آتے جاتے سلوٹ پڑتے ہیں۔ یہی تکلیف ہوگی، تب ہی کہتا ہے گھر بیٹھ اور میری بھکارن بن۔"

"ہاں اگر اتنا ہی خیال ہے بچے کا....." نگہت بھابھی نے بھی سنتے ہی اپنا تجزیہ پیش کیا۔ "خود کیوں نہیں گھر بیٹھ جاتا، بچہ وہ پال لے، کون سا تجھ اکیلی کا ہے۔"

لڑکیاں بھی بہت عجیب ہوتی ہیں شادی سے پہلے ماں، بہن کی کوئی بات سمجھ نہیں آتی، اپنے کاموں میں ان کی مداخلت بری لگتی ہے، لیکن شادی ہونے کے بعد اگر دنیا میں کسی کی بات سمجھ میں آتی ہے تو وہ صرف ماں، بہنیں ہیں۔ پہلے یہی امامہ آپی تھیں جس کی باتوں پر وہ چڑ جاتی تھی، لیکن ان ہی کی باتیں دماغ میں بسیرا کرنے لگیں اور وہ عقل کی اس قدر پوری تھی اگلی بار جب عداس کے ساتھ بحث ہوئی تو بہت آرام سے کہہ دیا۔

"عوف میری اکیلی کی اولاد تو نہیں ہے، مجھے جاب چھوڑنے کا کہتے ہو، تم کیوں نہیں چھوڑ دیتے۔" بہت دیر تو وہ اس کا چہرہ دیکھتا رہا، وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ ایسے بھی کہہ سکتی ہے۔ وہ خاصے توقف کے بعد استفہامیہ انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"کس نے مشورہ دیا ہے یہ.....؟"

"امامہ....." اس کے منہ سے پھسلا، لیکن فوراً" سنبھل کر بولی۔

"کوئی کیوں مشورہ دے گا، میرے اپنے دماغ میں کیا عقل نہیں۔"

"تمہارے دماغ میں اگر عقل ہوتی تو نوبت یہاں تک آتی ہی نا۔" وہ حرف حرف چبا کر کہہ رہا تھا۔

"تمہاری بہن سے اس سے زیادہ امید تھی مجھے..... میری بات یاد رکھنا۔" اس نے انگشت اٹھا کر تنبیہہ کی تھی۔ "جو دوسروں کے مشوروں پر چلتے ہیں وہ اپنا گھر ہی نہیں، اپنی زندگی بھی تباہ کر لیتے ہیں۔"

"اچھا تو تمہارے خیال میں میری بہن نے غلط کہا ہے۔"

"نہیں بہت اچھا کہا ہے، ویل ڈن....." اس نے استہزائیہ تالی بجائی، اسے بھی کسی حد تک اپنی بات کے غلط ہونے کا گمان گزرا، وہ اس کے قریب آکر قدرے تحمل سے بولا تھا۔

"ماشاء اللہ نے مرد نہیں بلکہ عورت گھر اور

گھرداری کے لیے بنائی ہے' گھر بنانے کے لیے ہوتی ہے وہ' نسل اور گھر کا تحفظ اس کی توجہ میں چھپا ہے اور جو میری ذمہ داری ہے معاشی وسائل تو وہ میں بہتر سے بہتر مہیا کر رہا ہوں' اگر کچھ اور چاہیے تو بتاؤ۔"

امامہ کی سوچ نے ایک اور لڑائی جنم دے دی تھی' نہ وہ پیچھے ہٹنے والی تھی' نہ وہ برداشت کرتا۔ کچھ ہی دنوں کے بعد فرحت اور امامہ اس سے گھر ملنے آئیں' اتوار کا دن تھا' نبیہا' عداس کے ساتھ کسی ملنے والے کے ہاں گئیں ہوئی تھیں اور عوف حسب عادت شرارتیں کر رہا تھا۔ وہ کچھ دیر ان کے پاس بیٹھتی' پھر عوف کو لان سے پکڑ لاتی۔ امامہ نے بہت طنزیہ لہجے میں کہا تھا۔

"ایک بچہ نہیں سنبھلتا تیری ساس سے' پہلے تو بہت شوق تھا بیٹے کی شادی کا اور اب بہو کما کر بھی لائے' بچے کے پیچھے بھی ہلکان ہو۔"

"آپ کی ممی ہی سنبھالتی ہیں اسے' وہ تو آج کہیں جانا تھا۔"

"بس تم چھپایا نہ کرو' ہار سنگھار کے لیے وقت نہیں ملتا ہوگا نا اسی لیے۔۔۔ بیٹے کو بھڑکاتی ہوگی کہ تو گھر بیٹھ بچہ دیکھ' میں کلبوں میں پھروں۔۔۔ کیوں امی۔۔۔" پہلے فرحت کو امامہ کی کسی بات پر اتفاق نہیں تھا' لیکن اب ہر معاملے میں تائیدی سر ہلا دیتیں۔ اب بھی اسے سمجھا رہی تھیں۔ "پریشان مت ہوا کر' اگر زیادہ تنگ کرتا ہے تو عوف کو میرے پاس چھوڑ جایا کر' میں سنبھال لوں گی' دفتر سے واپسی پر لے لیا کر۔" امی کا مشورہ خاصا معقول لگا تھا۔ یقیناً" اگر روتا بلکتا عوف' عداس کو نہیں نظر آئے گا تو وہ شاید اس کی آمد پر غصہ بھی نہ کرے۔ اس نے فوراً" عداس سے بات کرنے کا سوچا تھا اور جب وہ رات میں کمرے میں آیا مختلف باتوں کے دوران اس نے امی کی پیش کش بھی سامنے رکھ دی۔ مانو اس کے تلووں لگی سر پر بجھی۔

"ہوش میں ہو تم' کیا کہہ رہی ہو؟" اس میں غصہ کرنے والی کیا بات ہے' وہ اس کا ننھیال ہے' کیا یہ وہاں نہیں رہ سکتا۔"

"لاوارث نہیں ہے میرا بیٹا' جو ادھر ادھر پلے سمجھیں۔" وہ فوراً" سمجھ گیا تھا یہ جو آج آمد ہوئی تھی اسی کا اثر ہے اور اس نے لگی لپٹی رکھے بنا کہا۔

"اور جو روز' روز تمہیں نئے نئے مشورے دیں رہی ہیں نا' انہیں کہہ دو مجھے ان کے بے ہودہ مشوروں کی قطعاً" ضرورت نہیں۔"

"اس میں بے ہودگی کی کیا بات ہے عداس' ممی سے عوف نہیں سنبھلتا تو میری امی سنبھال لیں گی۔ واپسی پر میں گھر لے۔۔۔"

"خدا کے لیے۔۔۔" اس نے اتنی زور سے اس کی بات کاٹی کہ لمحہ بھر کے لیے وہ ساری کانپ گئی۔ "تم اپنی جاب دیکھو' میں کرلوں گا اپنے بیٹے کے لیے بندوبست' تم اپنا احسان عظیم رہنے ہی دو۔ اس کے ترش انداز پر وہ روہانسی ہو گئی تھی' قدرے بھرائی آواز میں کہہ رہی تھی۔

"عداس تم جانتے تھے میری پہلی ترجیحات میں میری جاب بھی شامل ہے' اب آئے روز تم ایشو کیوں بناتے ہو۔"

"ہاں جانتا تھا' مگر یہ خیال نہیں تھا' اس قدر رونے دھونے والی ڈبو سی لڑکی شادی کے بعد ازحد ڈھیٹ ثابت ہوگی۔" وہ دروازہ زور سے مار باہر نکل گیا تھا۔ کئی دن کی اس بحث کے بعد بہت سے دن خاموشی کی نظر ہو گئے اس نے عوف کے لیے ایک میڈ کا بندوبست کر دیا تھا۔ وہ فل ٹائم ادھر ہی رہتی' اس کا ہر طرح خیال رکھتی۔ میڈ کے آجانے سے اتنا ہو گیا تھا۔ عوف اب روتا ہوا نہیں ملتا تھا۔ نبیہا اپنی نگرانی میں اس کے سارے کام اس سے کرواتی دن اچھے گزر رہے تھے۔ اس نے اسی روٹین سے سمجھوتا کر لیا تھا' لیکن مصروفیات کی بہتی ندی میں تب نیا پتھر اچانک سے آ گرتا' جب وہ کسی آفیشل ڈنر' میٹنگ یا وزٹ کی وجہ سے بہت دیر سے گھر پہنچتی یا پھر گھر کے کسی خاص ایونٹ پر اس کی چھٹی کینسل ہو جاتی۔ دونوں میں پہلے دبی آواز میں اور پھر قدرے زور سے جھڑپ ہوتی۔ نبیہا اور صارم احمد ان کی لڑائی سے اچھے خاصے

اکتا گئے تھے۔ اکثر انہیں سمجھاتے۔

"آخر تم دونوں مل کر' اس کا بہتر حل کیوں نہیں نکالتے' تم جاب کرنا چاہتی ہو' وہ تمہاری توجہ کا طالب ہے' بیٹا کوئی درمیانی راستہ نکالو' روز' روز جھگڑے سے گھر کا ماحول خراب ہو رہا ہے۔" ان کی نصیحتوں پر دونوں اک دوجے کو ترچھی نگاہوں سے مورد الزام ٹھہراتے ہوئے گھورتے' کچھ دن خاموشی' اندر اندر شرمندگی کچوکے لگاتی' پھر کوئی ایسی وجہ بن جاتی اور مٹ بھیڑ... اسی دوران میرب کا سلسلہ چل نکلا۔ دو بچوں کے بعد مصروفیت اور بڑھ گئی۔ عداس کا موڈ ہر وقت خراب رہنے لگا اور اس کی جان کنی پر... شمامہ نے کئی بار جاب چھوڑنے کا ارادہ کیا' مگر فرحت کو یہ بات بالکل احمقانہ لگی۔

"پاگل ہے تو... جہاں ایک پلا ہے' یہ بھی پل جائے گی۔ بس آگے کو احتیاط رکھ' بچے دو ہی اچھے' اچھی بھلی لگی نوکری کو لات مار کر کفران نعمت کرے گی' لاکھوں کی ڈگری ہے تیری' اتنا پیسہ کاروبار میں ڈالا ہوتا' کہاں سے کہاں پہنچتا' تھوڑے دن کی مشکل ہے' یہاں ترقی ہوئی' کیسے تلوے چاٹے گا تیرے..."

فرحت کی سوچ اپنی کلاس سے آگے نہ جاپائی تھی۔ لڑکیاں ماں کا پرتو ہوتی ہیں' اس پر اگر ماں منہ سے نصیحتیں کرے' خواہ اچھی یا بری... دماغ میں بس جاتیں' خواہ زمانہ زور لگالے' پر گرہ نہیں کھلتی۔ اس کے بھی دماغ میں 'بہترین جاب' کانفیڈنس انڈی پینڈنٹ' خودمختاری سمائی جاتی تھی۔

☆ ☆ ☆

آج وہ ہاف ٹائم میں گھر آگئی تھی۔ ابھی بیگ' چابیاں لاؤنج کی سینٹر ٹیبل پر رکھی تھیں' نظر کمرے سے نکلتی میڈ پر گئی۔ وہ ٹھٹکی' سیدھی کمرے میں آگئی۔ عداس آنکھوں پر بازو رکھے لیٹا تھا۔ آج جلدی گھر آگیا تھا۔ میرب کاٹ میں لیٹی سو رہی تھی۔ وہ یک لخت بولی۔

"نازیہ یہاں کیا کر رہی تھی؟" اس کی غیر متوقع واپسی حیران کن ضرور تھی' مگر اس نے ظاہر نہ کی۔

"جب ماں پاس نہیں ہوگی' کسی نے تو ہونا ہے۔"

"ماں یا بیوی..." اس کے استفہامیہ لہجے پر وہ سیدھا ہو بیٹھا۔

"فضول بات مت کرو۔" نظروں سے کمرہ ٹٹولتی وہ صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔ اک شکی بیوی انگڑائی لیتی تھی۔ ہر کروٹ الجھن' اس نے چند دن چھٹی کی۔ نازیہ کا انداز خاصا بے تکلفانہ سا تھا یا اسے لگا۔ وسوسے بڑھے' اسے فارغ کر' نئی میڈ آگئی۔ چند ماہ بعد تیسری آگئی اور پھر یہ سلسلہ چل پڑا تھا۔ اسے کسی میڈ پر اعتبار نہ تھا۔

"کیا پرابلم ہے تمہارے ساتھ' بچے جس سے مانوس ہونے لگتے ہیں' فارغ کر دیتی ہو۔" وہ غصے سے بھرا تھا۔

"بچے یا تم..." دانت جما کر کہا۔

"تمہاری یہ 'سوچ' میں قطعاً" برداشت نہیں کروں گا' سمجھیں تم..." اس نے درشتگی سے کہتے ہوئے انگشت اٹھائی تھی۔

"تم بدل گئے ہو' عداس..." آواز میں برسوں پرانی نمی' چہرے پر سرخی لوٹنے لگی۔

"اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟" وہ رکھائی سے کہہ کر باہر نکل گیا۔ کتنے آنسو پلکوں سے جدا ہوتے رہے تھے۔ اس نے شروع دن سے سوچا اور اپنا آپ بے قصور لگا۔

☆ ☆ ☆

نیلے آسمان پر سرمئی بادلوں میں سورج کی روشنی منعکس ہونے سے نارنجی صحرا سا بکھرا تھا۔ چند سائٹس پر وزٹ کے لیے جانا تھا۔ موسم قدرے بہتر تھا۔ نکل پڑی' وہ اوور فلائی کی جانچ کے لیے اس کی ڈھلوان پر کھڑی لیبر' ورکرز' کنٹریکٹر کو ہدایات دے رہی تھی' اس کی نظر ملحقہ سڑک پر منجمد ٹریفک پر گئی۔ غالباً" ایک سڑک بند ہونے سے دوسری پر رش معمول سے زیادہ اور ٹریفک چیونٹی کی چال اور اگر چیونٹی کی

چال نہ بھی ہوتی تب بھی اس کی گاڑی ہزاروں میں پہچان سکتی تھی۔ اس نے سن گلاسز کیپ پر کرتے ہوئے غور کیا تھا۔ کون تھی اس کے ساتھ؟ نبیہا آج گھر گیا شہر میں نہیں تھیں۔ پھر کون ہو سکتی ہے؟ یوں آگے فرنٹ سیٹ پر محو گفتگو..... گاڑی کچھ آگے کو سرکی اس نے غور کیا' یہ وہی تھی فارہ آج کل اس کے ساتھ بہت نظر آرہی تھی' بلکہ احمد بلڈرز کی طرف سے دیے گئے سالانہ آفیشل عشائیے میں بہت پیش پیش تھی۔ عداس اس کے آگے پیچھے پھرتا مختلف لوگوں سے ملوا رہا تھا۔ عداس کا یوں کسی اور کے آگے بچھ بچھ جانا اس کی سوچوں کے گھوڑے بے لگام ہونے لگے۔ ہاتھ میں پکڑا ڈرائنگ رول چر مرا گیا تھا۔ غائب دماغی سے کام سمیٹ' گھر کو نکلی' سنسان' ویران گھر' عوف دادی کے ساتھ تھا۔ میرب میڈ کے پاس سو رہی تھی۔ وہ جلے پاؤں کی بلی بنی تیز تنفس' اس کا انتظار کرنے لگی۔ وہ خاصی دیر سے گھر لوٹا تھا۔ تھکا تھکا' بوجھل سا' کھانے کا ٹال گیا۔

"لنچ دیر سے کیا تھا' بھوک نہیں۔"

"لنچ دیر سے کیا تھا؟ یا ڈنر جلدی....." وہ کہنا چاہتی تھی اس سے لڑنا چاہتی تھی' مگر مصلحتاً" خاموش استفہامیہ دیکھے گئی۔ وہ اس کے کمرے میں آنے سے پہلے سوچ چکا تھا۔ عورت تو مرد کے سائے کو دیکھ کر پہچان سکتی ہے کہاں کہاں پڑا تھا یہ تو پورا وجود سامنے تھا۔

"ہونہہ..... تھکن ہی بہت ہے یا سرور میں ہو۔"
اس نے کڑھن آنکھوں کے رستے نکالنے سے روکی۔
"اسی لیے گھر بیٹھانا چاہتے ہو' تاکہ تمہاری سرگرمیاں چھپی رہیں' نیک پارسا بنے' گھر لوٹو' میں بے وقوف بنوں' میاں تھک گیا' گھر' باہر' ہر جگہ تمہیں الگ ورائٹی چاہیے مسٹر عداس....." وہ اس کی پشت کو گھورے گئی۔ ادھر کروٹ' ادھر کروٹ' نیند اس کی دنیا سے کہیں دور ویرانوں میں جا بھٹکی تھی۔

"کیا بات ہے یار..... نیند نہیں آرہی۔" وہ اس کی کروٹوں پر ڈسٹرب ہوا تھا۔

"ہوں....."

"ٹیبلٹ لے لو....."

"اچھا....."

کڑھن کو رستہ مل گیا' خاموشی سے تکیے میں جذب ہونے لگی۔

"ہاں..... وہ....." وہ نیند کھلی آواز میں جماہی روکتے اسے بتا رہا تھا۔

"میرا بیگ تیار کروا دینا۔"

"کہیں جا رہے ہو؟"

"ہوں..... ترکی....."

"خیریت....." وہ بازو کے بل کروٹ لیٹا اس کے خاصا قریب ہو گیا۔

"کچھ مشینری دیکھنی ہے' ایک کنسٹرکشن پروجیکٹ بھی ہے۔"

"کنسٹرکشن پروجیکٹ یا.....؟" بہت سے سوال کلبلائے' مگر کہا صرف اتنا۔

"میں بھی چلوں....." سنتے ہی بمشکل اس کی آنکھیں کھلیں۔

"چھٹی مل جائے گی۔"

"کوشش کرنے میں کیا حرج ہے۔"

"مرضی ہے....." اس نے جماہی روکی۔ "پانچ دن کا ٹوٹل آفیشل ٹرپ ہے۔" وہ اس کے کندھے پر ناک ٹکائے نیند میں جا چکا تھا۔ آج کا لمس خاصا اجنبی' خاصا غیر شناسا حرارت دیتا تھا۔ اس نے چھٹی کی بھرپور کوشش کی تھی۔ کئی بار باس کے پاس گئی۔ قائل کرنے کی حتی الامکان کوشش کی۔

"آپ جانتی ہیں' میٹروپایسنز پر تیزی سے کام ہو رہا ہے' پہلے لونگ لیو' اب شارٹ..... دس از آجاب ناٹ آپر سنل بزنس' مس شامتہ العنبر....."

"سر....." اس کے ہونٹ کھلنے سے پہلے ہی ایکس سی این نے ہاتھ سے روکا۔

"کم از کم اس مہینہ بالکل نہیں' کلیئر....."

وہ اس کے ساتھ جا تو نہ سکی' مگر دل' دماغ' سوچ کا ہر دائرہ اس کے گرد چکراتا رہا تھا اور وہ جل جل گئی۔
عداس نے کئی بار کالز کیں' مگر مختصر' ہوں' ہاں' طبیعت

کیسی ہے، کھانا کھالیا، بچے ٹھیک ہیں۔ مخصوص باتیں کیں اور فون بند، شاید وہ وہاں بہت بزی تھا۔ اسے گئے تقریباً" چوتھا روز تھا۔ ساری رات شمامہ کو نیند نہ آنے کے سبب صبح آفس ٹائم پر بہت کسلمندی طاری تھی۔ اس نے سک لیو (بیماری کے لیے چھٹی) کے لیے کال کی، مگر منظور نہ ہوئی۔ وہ ہاف ٹائم میں گھر آگئی تھی۔ طبیعت عجیب بوجھل سی تھی۔ وہ بے طرح سے یاد آرہا تھا۔ باہر اکثر اس کے ٹرپ ہوتے رہتے تھے، مگر اس طرح کی اداسی پہلے کبھی نہیں محسوس ہوئی تھی۔ وہ چائے کا کپ بنوا کر ٹیرس پر بیٹھ گئی۔ چائے کی چسکی بھرتے ہوئے اس نے اسے کال ملائی تھی جو ہاف ٹون میں ہی ریسیو ہوگئی۔

"جی..." ایک نسوانی آواز اس کے سیل پر بے حد غیر متوقع تھی۔ وہ چھٹتے ہی بولی تھی۔

"کون... کون ہو تم...؟"

"آں... ہاں... وہ سوری سوری میم..." وہ جو بھی تھی تھوک نگلتے ایک ایک کر بول پائی تھی۔ "میں نے پوچھا ہے کون ہو تم اور عداس کہاں ہے؟"

"میم... میں ان کی سیکرٹری... رئیلی ویری سوری ایکچوئلی..." اس نے درشتگی سے اس کا جملہ کاٹا۔ "عداس اس وقت کہاں ہیں؟ میری بات کرواؤ۔"

"سر اندر مال میں ہیں، ایکچوئلی میم، مجھے پاکستان ضروری کال کرنا تھی، میرا سیل گم ہوگیا۔ سر کا فون میرے پاس تھا، ابھی، ابھی لیا تھا، میں جارہی ہوں انہیں واپس دینے، بلیومی۔" وہ تیز تیز چلتی صفائی دے رہی تھی، اس کی آواز سے لگتا تھا وہ خاصی بوکھلائی ہوئی ہے۔ شمامہ نے مزید انتظار نہیں کیا، وہ ڈپٹ کر بولی۔

"بھاڑ میں جاؤ تم، تمہارا باس... مائی فٹ..." رابطہ منقطع ہوگیا۔ سیکرٹری دھڑکتے دل کے ساتھ بے جان سیل دیکھتی رہ گئی۔ وہ کنفیوژسی کنفیوژ تھی کہ سر کو بتائے یا نہ۔ آخر اس نے ساری بات سر کو بتادی۔

"سر بہت اچانک، غلطی سے کال اٹینڈ ہوگئی تھی، ایکچوئلی میں نے اسی وقت فون بند..."

"ناٹ ایٹ آل... میں بات کرلوں گا۔" وہ اس کے سامنے ایسے پوز کررہا تھا جیسے یہ کوئی خاص بات نہ ہو یا پھر اس کی بیوی حددرجہ براڈ مائنڈڈ (کھلے ذہن) ہو۔ غالباً" آج ان کا آفیشل ورک ختم ہوچکا تھا۔ کل پاکستان روانگی کنفرم تھی۔ شام کے وقت وہ بچوں اور شمامہ کے لیے گفٹس لینے مال آیا، وہاں ہی اسے اپنی سیکرٹری بھی دکھائی دی۔ وہ بہت پریشان دکھائی دے رہی تھی، کبھی کسی شاپ کی طرف بڑھتی، تو کبھی کسی کاؤنٹر کی جانب۔ اس نے آگے بڑھ کر اسے پوچھا تھا۔

وہ جواباً" بولی۔

"سر میرا سیل گم ہوگیا ہے اور مجھے گھر بہت ضروری بات بھی کرنا تھی۔" عداس نے اسے اپنا سیل دیتے ہوئے کہا تھا۔

"فی الحال آپ یہ استعمال کرلیں، باقی بعد میں دیکھ لیجیے گا۔" وہ اسے سیل دے کر ایک شاپ کی طرف بڑھا تھا کہ ابھی باہر آکر اس سے واپس لے گا اتنے میں ہی کال آگئی اور وہ بے چاری بار بار اپنی صفائی پیش کررہی تھی۔ اس نے اس سے سیل لیا اور پینٹ پاکٹ میں اڑستے ہوئے بات بدلی۔

"آپ کی اپنے گھر بات ہوگئی تھی۔"

"جی، جی سر۔"

"اوکے..." اس کے ذہن میں کئی باتیں مجتمع ہوگئی تھیں شاپنگ بھی برائے نام کی اور ہوٹل کی جانب نکل گیا۔

✲ ✲ ✲

ڈائننگ ٹیبل پر سوائے چمچ، کانٹے کی آواز کے تیسری کوئی آواز نہ تھی۔ آج سن ڈے تھا نبیہا، صارم احمد ایک پارٹی میں گئے ہوئے تھے۔ وہ خاموشی سے عون کو کھانا کھلانے کے دوران ایک آدھ نگاہ پیچھے واکر چلاتی میرب پر ڈال لیتی۔ وہ کھلکھلا کر ہمکتی ان کی طرف بڑھ رہی تھی۔ عداس خاموشی سے تنگ آگیا۔

"کیا بات ہے، تم زیادہ ہی خاموش ہوتی جارہی

ہو۔"

"میرا خیال ہے' خاموشی ہی ہمارے حق میں بہتر ہے۔" اس نے عوف کا منہ نیپکن سے پونچھتے ہوئے کہا تھا۔

"خاموشی کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ بھی ہو سکتی ہے۔" وہ چپ رہی اور اپنے سامنے کے برتن سمیٹ کر ایک جانب کیے یعنی اس نے جو کھانا تھا کھا لیا۔ اسے یوں ادھورہ کھانا چھوڑ کر اٹھتے دیکھنا اس کو اہانت میں مبتلا کر رہا تھا۔

"یار میں پہلے بھی بتا چکا ہوں' صرف ایک مشورے کے سلسلے میں اسے گھر کال کرتا تھا' وہ ان کے لیے شاپنگ کر رہی تھی رائے چاہیے تھی اور اس کا سیل گم....."

"میں نے تم سے پوچھا ہے.... کیوں بار بار حجت دیتے ہو۔" اس کے درشتگی بھرے لہجے پر وہ بھی ترش روی سے بولا۔

"تو پوچھو' شوہر ہوں تمہارا' مجھ سے ڈسکس کرنا چاہیے۔"

"مائی ڈیر ہزبینڈ!" وہ دونوں ہاتھ ٹیبل کی سطح پر رکھتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ "دلائل وہاں دیے جاتے ہیں جہاں آپ مقدمہ ہار رہے ہوں۔"

"ہاں' تو ہار رہا ہوں نا۔" اس نے اس کے نرم ہاتھوں پر اپنی مضبوط ہتھیلی رکھ دی۔ "تم صرف اور صرف ایک غلط فہمی کا شکار ہو' اور بس۔"

"او کے۔ اللہ کرے یہ غلط فہمی ہی ہو۔" اس نے اپنے ہاتھ اس کے ہاتھ کے نیچے سے نکالے اور میرب کو واکر سے نکال کمرے میں چلی گئی۔ اسے ترکی سے آئے تقریباً" ایک ہفتے سے زیادہ ہو چلا تھا اور وہ بے حد خاموش ملی تھی یہاں تک کہ اس کے لائے گفٹس دیکھے اور بنا کوئی رائے دیے اٹھا کر الماری میں رکھ دیے۔ اس نے جب جب بات کلیئر کرنے کی کوشش کی وہ خاموشی سے سامنے سے ہٹ جاتی اب بھی اس کے یوں چلے جانے پر وہ چند پل اسے غور سے دیکھتا رہا پھر عوف سے کہا۔

"جاؤ آپ' اپنے کمرے میں کھیلو۔" خود باہر لان میں نکل گیا تھا۔ لان میں تیز تیز جھولتی چیئر اس کے ڈپریشن کی غماز تھی۔ بالوں میں انگلیاں چلاتے ہاتھ یک لخت رکے کرسی سے اٹھ کر گاڑی نکالی اور باہر چلا گیا تھا۔ وہ ٹیرس پر کھڑی مسلسل اسے ہی تک رہی تھی۔

"عداس احمد یہ تم ہی ہو جو محبت کے بہت دعوے کرتے تھے۔" اس نے اک لمبی آہ بھری۔ "ہمارے درمیان صرف ایک ہی ایشو ہے میری جاب' چھوڑ دوں گی وہ.... کوشش کر تو رہی ہوں۔ اس کے علاوہ تو مجھ سے کوئی ایشو نہیں تھے' پھر محبت کو بے اعتبار کیوں کر رہے ہو۔" اس کے ذہن کی سوئی اس کی بے وفائی پر اٹک گئی تھی اور شک کی نگاہ سرطان کی جڑوں جیسی ہوتی ہیں خامشی سے سارے بدن میں پھیلتی چلی جاتی ہیں ایک حصے سے کاٹ صفائی کرو' دوسرے حصے پر نمودار ہو جاتی ہیں۔ اس کا بھی شک سرطان بننے لگا تھا۔ اس سے پہلے کہ مزید دیر ہو اس نے ممکن حد تک خود کو درست کیا۔ ڈیوٹی آورز ختم ہوتے ہی رش ڈرائیو کرتی اور گھر آجاتی۔ بھاڑ میں گئی ساری فرض شناسی' یہاں میاں ہی نا آشنا بن رہا ہے' جیسے سب آفیسرز کرتے ہیں کرسی پر گھوم' سرسری سائٹ وزٹ' اپنی غلطی اپنے جونیئرز پر ڈال اور گھر کی راہ اس نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا۔ سب سے پہلے اپنی اوقات ٹھیک کیے۔ پھر اکثر بہانے سے اپنا پک اینڈ ڈراپ اس کے سر ڈالنا شروع کر دیا۔ وہ خود حیران تھا کہاں کوئی بات سننے کو راضی نہیں تھی کہاں خود بخود نہ صرف موڈ ٹھیک کر لیا بلکہ ایسے ظاہر کرنے لگی۔ جیسے ان کے بیچ کوئی تلخ کلامی ہوئی نہ ہو' اس بدلے رویے میں کچھ ٹھیک تھا یا نہیں البتہ عداس کا موڈ بہت فریش رہنے لگا تھا۔ نگاہوں میں وہی مستیاں لوٹ آئی تھیں۔

☆ ☆ ☆

سورج ڈوبنے سے پہلے آسمان پر شفق بکھر رہی تھی۔ ہوا ساکت ہونے سے سارے درخت منہ

لٹکائے کھڑے تھے۔ پرندوں کی چہچہاہٹ میں شوخیاں ختم تھیں۔ اس نے درختوں میں لٹکے کوزوں کو پانی سے بھرا اور چند برتنوں میں باجرا بہت سے پنچھی برتنوں کی جانب بڑھے۔ وہ میرب کو گود میں لیے وہاں سے ہٹ گئی اور لان میں بیٹھ گئی۔ عوف پاؤں سے فٹ بال اچھالتا اسی کے گرد کھیلنے لگا ننھا نبیہا' صارم احمد بھی ذرا فاصلے سے کرسیوں پر بیٹھے محو گفتگو تھے۔ وہ فون کان سے لگائے تیزی سے کوریڈور عبور کرتا لان میں نکل آیا۔ اک مکمل فیملی' خوش گوار احساس' اس کا شدت سے دل چاہا اس منظر کا حصہ بننے کو' لیکن بہت ضروری کام سے اسے ابھی جانا تھا۔ وہ چند پل کے لیے کے قریب رکا۔

"آپ مینیج کرسکتی ہو' آئی شیور' یو آر انٹیلی جینٹ گرل۔" وہ فون پر کسی کو کہہ رہا تھا۔

"لیس' بس میں پہنچ رہا ہوں.... اوکے۔" کہہ کر سیل پاکٹ میں رکھ لیا۔ قریب کھیلتے عوف کے بال اس نے شرارتاً انگلیوں سے بکھیرے اور آگے بڑھ کر میرب کو اس کی گود سے لیا دونوں ریشمی گالوں کو پیار کرتے ہوئے اسے زور سے بھینچا وہ رونے لگی۔ اس نے "سوری سوری" کرتے اس کی گود میں واپسی دے دی۔

"مجھے ذرا دیر ہوجائے گی' تم سوجانا۔" وہ عوف کی فٹ بال کو کک کرتے ہوئے اسے بتا رہا تھا۔ وہ یک ٹک اسے دیکھے گئی۔ اس کے چند قدم اٹھ جانے کے بعد پیچھے سے پکارا تھا۔

"جا کہاں رہے ہو....؟" اس نے خفیف سی گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ نمی روکنے سے گلابی مضطرب چہرہ' تفتیشی سکڑی نگاہیں۔ وہ استہزائیہ مسکراتے ہوئے دو قدم واپس آیا۔

"کیا ہوا مادام؟"

"کچھ نہیں۔" شمامہ کو اپنی انا ہر چیز سے عزیز تھی۔ اس نے پہلو تہی کرتے کندھے اچکائے۔

"ویسے ہی پوچھا ہے' ایسا کہاں جارہے ہو جو دیر ہوجائے گی۔" اس کا استہزائیہ چہرہ معنی خیز ہوگیا اور توقف سے کہہ رہا تھا۔

"مائی ڈیئر' شہر سے دور ایک سائٹ پر جارہا ہوں' ٹائم لگے گا' مگر آجاؤں گا۔"

"سائٹ پر....یا؟" ایک تنقیدی نگاہ اس سارے پر ڈالی۔ میرب کو لے کر اٹھی اور اندر کی جانب بڑھ گئی۔ وہ اس کے تفتیشی انداز کو لحہ بھر سوچتا رہ گیا۔

"اوہ' تو یہ بات ہے' تب ہی گھر اور بچوں کو ٹائم دیا جارہا ہے' ڈیس گڈ' میں خواہ مخواہ مغزماری کرتا رہا' تم نے ایسے قابو آنا تھا' چلو ٹھیک ہے۔" وہ دور سے ہی ممی ڈیڈ کو اللہ حافظ کرتا ڈرائیو وے سے گاڑی نکال کر لے گیا تھا۔ اس کا سارا رستہ خود سے خوش کلامی کرتے بڑا مسرور گزرا تھا۔

وہ رات میں جان بوجھ کر لیٹ آیا تھا۔ نہ کھانا' نہ چائے' کافی.... اپنے آپ میں مگن گنگناتا ہوا' چینج کر کے لیٹا' سوگیا۔ اس میں پھیلتے اضطراب سے وہ خوب محظوظ ہوتا رہا تھا اور پھر تو اس نے روٹین بنالی۔ دیر سے گھر آنا' بچوں اور خاص کر اسے محدود ٹائم دینا اور جو ٹائم دینا اس میں بھی کسی نہ کسی ایمپلائر' دوست کی دوسری شادی' افیئر کا ذکر خوب متاثر کن انداز میں کرتا یا پھر کسی رشتے دار خاتون کی دل کھول کر تعریفیں شروع کردیتا۔ اس کے اندر ہی اندر پیچ و تاب کھانے پر دل کھل جاتا اور تو اور اپنی ڈریسنگ پر اس کی توجہ بڑھتی جارہی تھی۔ حد تو یہ کہ میرب کی برتھ ڈے جیسے خاص فیملی ایونٹ پر اپنی فی میل اسٹاف اور خاص کر فارہ کو انوائٹ کیا تھا۔ آج سے پہلے کسی کی برتھ ڈے یا انیورسری پر گھر کے علاوہ کوئی باہر کا فرد مدعو نہیں ہوتا تھا' مگر میرب کی سالگرہ پر خوب اہتمام کیا تھا اور وہ فارہ جو بہت ماڈرن دکھتی تھی ننھی میرب کو ایسے لپٹائے پھر رہی تھی جیسے اس کی آیا ہو۔ ایک بار تو شمامہ نے خاصے روکھے انداز میں میرب اس کی گود سے لی۔

"اس کی فیڈ کا ٹائم ہوگیا ہے۔" یہ برتھ ڈے سے چند دن بعد کی بات تھی وہ کندھے پر بیگ لٹکائے آفس کے لیے تیار ہوئی کمرے سے باہر نکل رہی تھی جب اس نے عداس کو کہتے سنا۔

"ممی ڈنر پر میرا ویٹ مت کیجیے گا' میں کر کے آؤں گا۔"

"تم ڈنر زیادہ ہی باہر نہیں کرنے لگے ہو؟" نبیہا صارم احمد اس بدلتے حالات سے قدرے پریشان تھے کہ پہلے ہر وقت رونا روتا تھا کہ وہ دیر سے آتی ہے' کھانا وقت پر نہیں ملتا اور اب اگر وہ کچھ بدلی ہے تو جناب نے یہ روش اختیار کرلی۔

"کام بھی تو بڑھ گیا ہے ممی۔ کولیگز کو وقت دینا پڑتا ہے۔" اسے اندازہ تھا کہ وہ دروازے میں کھڑی ہے اور بے طرح سے دل چاہا اس وقت اس کی بدلی رنگت دیکھنے کو' مگر جان کر انجان بنا ان ہی سے بات کرتا رہا اور جیسے ہی وہ دو قدم آگے آئی فوراً" کہنے لگا۔

"اور پلیز یار' تم آج ڈرائیور کے ساتھ چلی جاؤ' مجھے دیر ہو رہی ہے' کسی کو ٹائم دیا ہوا ہے۔" اس کا جی چاہا گھر کی ایک ایک چیز اٹھا کر اس کے منہ پر دے مارے "اسی ٹائم کی الاپ لگائے رکھتا تھا اب اگر ساتھ آنے جانے لگی ہوں تو محترم کے پاس وقت نہیں ہے میرے لیے' ہونہہ پروا کرتی ہے میری جوتی۔ اس سے پہلے کہ وہ مڑتا اس نے تیز قدم بیرونی دروازے کی جانب بڑھائے صارم احمد کو عداس کے اس طرح کہنے پر اچھا خاصا غصہ آیا تھا۔

"عداس لے کر جاؤ' اسے۔"

"ڈیڈی... وہ مجھے۔" اس کی تاویل سننے سے پہلے وہ تحکم بھرے لہجے میں بولے۔

"سنا نہیں میں نے کیا کہا ہے۔" وہ اپنے بیگ کے اسٹریپ پر ہاتھ رکھے آگے بڑھتے ہوئے کہہ گئی تھی۔

"رہنے دیں ڈیڈی' ڈرائیور ہے' میں چلی جاؤں گی۔" اسے اس کی منتیں کرنے سے ڈرائیور کے ساتھ جانا گوارہ تھا۔

"رسی جل گئی پر بل نہ گئے۔" وہ بڑبڑاتا ہوا تیزی سے پیچھے نکلا تھا اور صارم احمد کی آواز ان دونوں کی چال سے کہیں زیادہ تھی۔

"عدی' منہ کو ڈراپ کر کے جانا' سنا تم نے۔" وہ تمام رستہ خاموش بیٹھی رہی صرف سود و زیاں پر فوکس تھا۔ ہاتھوں سے چھوٹی ڈور سنبھالے تو کیسے' فضاؤں میں تار سے تار الجھتے جا رہے تھے۔ منہ زور بیرن ہوا نازک پتنگ کو پھاڑ دینے کی حد تک تیز تھی۔ اس نے اپنی سی ہر ممکن کوشش کرلی تھی' مگر دوسرا کھلاڑی اس سے کہیں زیادہ منجھا تھا۔ بہت دیر چپ رہنے کے بعد اس نے مدہم لہجے میں کہا۔

"میں ریزائن کرنے کا سوچ رہی ہوں۔" اس کا یہ اچانک جملہ گاڑی کو زبردست بریک لگا سکتا تھا اس نے بمشکل پاؤں کی گرفت ریس پر رکھے رکھی۔

"کیوں؟" کمال تجاہل عارفانہ تھا۔

"ویسے ہی' مجھ سے مینیج نہیں ہوتا یہ سب۔"

گاڑی خراماں خراماں چلنے لگی۔ عداس نے دھیما میوزک آن کرلیا تھا۔ عاطف اسلم کی آواز

تیرے نام پہ یہ زندگی میری' رکھ دی میرے ہمدم

اسپیکر سے نکلتی چار سو مچل رہی تھی۔

"اب تو عون بھی بڑا ہو گیا ہے۔" وہ مضبوط لہجے میں یاد دہانی کروا رہا تھا۔ "چند ماہ بعد اسکول جانے لگے گا' میرب میڈ کے ساتھ ایڈجسٹ ہے پھر کیا مسئلہ ہے۔" بھلے اس کا انداز خاصا لاپروا تھا' مگر دل نہال خانوں میں بھنگڑے ڈال رہا تھا۔ اتنی جلد سوچ سے بڑھ کر کامیابی اور وہ اس کے جواب پر شاکڈ تھی کیا آفت مچا رکھی تھی جاب چھوڑ کر گھر بچے دیکھو' میاں کو ٹائم دو اور اب اسے فرق ہی نہیں پڑ رہا۔ اس نے نچلا ہونٹ کاٹتے نمی دھکیلی۔

"بس ویسے ہی۔"

"کام کرتی رہو گی تو فٹ رہو گی' ویسے بھی بہت محنت سے تم نے یہ ڈگری حاصل کی تھی۔ گھر بیٹھ کر تو زنگ لگ جائے گا۔" اس نے پل بھر کے لیے اسے دیکھا پھر باہر ٹائروں کے نیچے جاتی سرمئی سڑک پر نظریں جما دیں اور خاموش رہی کوئی جواب نہیں دیا۔

"مرضی ہے تمہاری۔" اس کا کوئی جواب نہ پا کر اس نے شان بے نیازی سے کندھے اچکائے۔ "اب مجھے کوئی ایشو نہیں ہے۔"

"یہی تو پرابلم ہے' تمہیں کوئی ایشو نہیں رہا بہت

رنگینیاں ڈھونڈلی ہیں تم نے۔" اس نے اپنی بلڈنگ کے سامنے اترتے ہوئے ایک بارپلٹ کر اسے دیکھتے ہوئے سوچا تھا۔ وہ خاصی دیر اس کے آفس کے سامنے گاڑی کھڑے کیے اسے دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ پوری طرح بلڈنگ میں غائب ہوگئی۔ "ہرا" اس نے نعرہ لگایا اور فل آواز میں عاطف اسلم کو ریوائنڈ کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

آج مہینے کا پہلا ہفتہ تھا۔ اسے آفس سے چھٹی تھی۔ عام طور پر یوں پہلے ہفتے میں دو اکٹھی چھٹیاں مل جانے سے وہ اپنے کئی کاموں کے ساتھ گھر کے بھی کچھ کام دیکھنے لگی تھی۔ سنڈے کو اکثر شاپنگ یا گروسری کا پروگرام ہوتا اگر نہ ہوتا تو ڈنر کے لیے اسے راضی کرتی۔ آج صبح سے ان کا شاپنگ کا پروگرام طے تھا۔ موسم بدل رہا تھا بچوں کی چیزیں لانی تھیں۔ نیب بھانے بھی اسے گروسری کی لسٹ دے کہا تھا۔

"ثمینہ اور طفیل اوٹ پٹانگ چیزیں اٹھالاتے ہیں، بیٹا اگر تم لوگ باہر جاؤ تو ذرا کوالٹی چیک کر کے یہ لے آنا۔" اس نے لسٹ بیگ میں رکھ لی تھی۔ ابھی شام میں خاصا وقت تھا اپنی الماریاں صاف کر کے ایک اپنی بھی بنالی۔ کیا کیا اور کہاں کہاں سے لینا ہے، ڈنر کہاں کرنا ہے اور بچوں کی فرمائش سب کئی بار ذہن میں دہرائی۔ بچوں کو تیار کرنے کے بعد خود بھی ہلکی پھلکی تیار ہوئی۔ اس کا دل تھا آج کہیں پر سکون جگہ بیٹھ کر اس سے اتنی باتیں کرے گی۔ ماضی کے سارے عہد، وعدے دہرائے گی۔ ہر رنجش دل سے نکال پھینکے گی، مگر ہونا وہی ہوتا ہے، جو سمے کی لہروں میں بندھا ہو۔ وہ رات آٹھ بجے تک تیار رہنے کا کہہ کر گیا تھا۔ آٹھ تو کیا سوئی گیارہ سے اوپر جارہی تھی۔ صارم احمد کب سے گھر آچکے تھے۔ اس کے پوچھنے پر انہوں نے بتایا تھا۔

"وہ تو آج شام بہت جلد نکل گیا تھا... ہوسکتا ہے کوئی کام یا کسی سے ملنا ہو۔" اس کے کام اور خفیہ سرگرمیاں تو وہ اچھی طرح جانتی تھی۔ اسے بہت شدید غصہ آیا۔

"آخر مجھ سے جھوٹ بولنے کا مقصد۔" اس نے کانوں سے آویزے اتار کر بیڈ پر پٹخے تھے۔ اگر وہ اس وقت سامنے ہوتا تو ممکن تھا وہ اس کا منہ نوچ لیتی۔ رات کے تقریباً" بارہ بج رہے تھے۔

"تو عداس، احمد قارہ نے سچ کہا تھا، تم نہیں سدھرو گے، کتنی بے وقوف تھی میں، اس کی واضح بات نہ سمجھ سکی۔" یک لخت اس کے شکی دل کو دھچکا لگا۔ کہیں کوئی حادثہ... اف نہیں اس کا دل وحشت سے پھٹ جاتا اگر اسی لمحے گاڑی کا ہارن نہیں بجتا۔ اس نے چونک کر گیٹ کی سمت دیکھا تھا۔ طفیل گیٹ کھول رہا تھا۔ اس کی گاڑی اندر زن سے داخل ہوئی۔ اس نے چند پل دیکھا پھر سڑھیاں چڑھتی داخلی دروازے کی جانب بڑھ گئی۔ وہ خاصا بے زار لگ رہا تھا۔ سارا دن گزر جانے کے بعد چہرہ اچھا خاصا مرجھا گیا تھا۔

"تم ابھی تک جاگ رہی ہو۔" اس کی بے تکی بات پر اس نے تند نگاہ سے اسے دیکھا اور اندر لاؤنج میں چلی گئی۔ اس سے پہلے کہ وہ کھانے کا پوچھے اس نے خود ہی کہہ دیا۔

"کھانا مت لگانا... میں نے کھالیا تھا۔"

"کہاں؟" اس کے زہر خند لہجے پر وہ شاکڈ ہوا پھر قدرے سنبھل کر بولا۔

"ایک پرانی گرل فرینڈ مل گئی تھی' بس اسی کے ساتھ... ٹائم کا پتا ہی نہیں چلا۔" اس نے سر سے پاؤں تک اک کھا جانے والی نگاہ اس پر ڈالی اور سامنے سے ہٹ گئی۔ وہ اندر تک مسرور ہوگیا تھا۔ اس کے اس طرح کلسنے پر۔ اب وہ اسے کیا بتاتا کہ شہر سے باہر ایک سائٹ پر تھا' باہر سے آئے کچھ انجینئرز کے ساتھ میٹنگ میں وقت کا پتا ہی نہیں چلا پھر ٹریفک جام، لیکن اپنے لیے اس کا فکرمند ہونا خاصا خوش گوار تھا۔

"اب پتا چلا مائی ڈیر وائف تو جبہ کس بھاؤ ملتی ہے۔" اس نے خود کلامی کی تھی۔

وہ کئی دن سے شش و پنج میں تھی عداس یا جاب اور نتیجہ عداس کے حق میں آیا اس کی بڑھتی سرگرمیاں روکنے کے لیے جاب چھوڑنا ضروری تھا۔ جہنم میں جائے لاکھوں کی ڈگری اور سالوں کی محنت' یہاں شوہر ہی داؤ پر لگ گیا۔ چند دن بعد اس نے اپنے ایکس سی این سے اسی سلسلے میں بات کی تھی۔ وہ ششدر رہ گئے۔

"یہ کیا احمقانہ بات ہے 'گھر ڈسٹرب ہو رہا ہے' اتنی اچھی جاب' پروموشن نزدیک.... پھر؟"

"بس سر پرابلم ہے۔"

"کیا پرابلم ہے؟ تمہارا پڑھا لکھا اور ہم پیشہ سسرال ہے' پھر کیوں؟"

"سر ہوتے ہیں کچھ مسائل...."

"نہیں نہیں.... میں اس حماقت کی اجازت نہیں دے سکتا۔" پھر اس کے الجھے انداز پر وہ قدرے دھیمے پڑے۔ "چلو دیکھتے ہیں' بہرحال یہ جو چند اہم پروجیکٹس شروع ہیں ان کے ایگریمنٹس کے بعد کچھ سوچنا۔"

ان پروجیکٹس کو مکمل ہونے میں دو تین ماہ تھے جہاں اتنا وقت گزارہ یہ بھی سہی۔ اس نے پنسل' اسکیل اٹھایا اور بڑی سی ڈرافٹ ڈرائنگ ان کے سامنے ٹیبل پر بچھا دی۔ وہ مختلف نشان لگا کر اسے لوکیشن اور عمارتی میٹریل پر بریف کر رہے تھے بھلے وہ ہوں ہاں کرتی رہی' مگر دھیان عداس کے گرد بھٹک رہا تھا۔

دن ڈھلنے پر گرمی کی شدت کچھ کم تھی۔ مصروفیت کی وجہ سے لنچ بھی رہ گیا اور اس وقت سر میں درد بھی تھا جب باس نے فون پر اسے گورنر ہاؤس پہنچنے کا بتایا تھا۔ اس کا دل تھا وہ جانے سے انکار کر دے' مگر یہ ایک اہم کانٹریکٹ تھا۔ غالباً" گورنر ہاؤس میں کچھ توسیع تعمیراتی کام ہونا تھا اور جانچ کے لیے اسے بھی باس کے ساتھ جانا پڑا۔ ساری بلڈنگ کا معائنہ کرنے اور میٹنگ کے بعد وہ سب ممبرز باتیں کرتے سفید بلڈنگ سے باہر نکل آئے۔ وہ اپنے باس اور گورنر کے ترجمان سے الوداعی گفتگو کر رہے تھے۔ اس نے وقت دیکھا چھ بج چکے تھے۔ صبح سے ناشتے کے سوا کچھ نہیں کھایا تھا یہاں بھی صرف چائے پی' عجیب متلائی طبیعت تھی۔ وہ خدا حافظ کہہ کر اپنی گاڑی کی جانب بڑھی۔ دروازہ کھولا' بیٹھی' گاڑی اسٹارٹ ہو کر نہ دی۔ شاید کوئی فنی پرابلم تھا۔

"سر' مجھے آپ ڈراپ کر دیں۔" اس نے باہر نکل کر ایکس سی این سے کہا۔ جواباً" انہوں نے "شیور" کہا تھا' مگر گورنر کے ترجمان نے فوراً" الگ گاڑی بمع ڈرائیور بندوبست کر دیا تھا۔

"آپ ہمارے لیے کام کر رہی ہیں' آپ کی پریشانی ہماری پریشانی ہے۔" وہ بھی بنا پس و پیشت کے بیٹھ گئی۔ راستے میں ہی اس نے ورک شاپ فون کیا۔ گاڑی کی خرابی اور جگہ بتانے کے ساتھ جلدی ٹھیک کرنے کی گزارش کی تھی۔ وہ ڈرائیور کو راستہ بتا کر آنکھیں بند کیے سیٹ بیک سے سر ٹکائے بیٹھی رہی۔ گھر آنے پر اللہ حافظ کہہ کر اتر گئی۔ اس کی گاڑی مین روڈ سے اس کے پیچھے تھی۔ کچھ دیر میں وہ بھی گھر میں داخل ہوا اب تک وہ پانی پی' صوفے پر نیم دراز تھی۔ میرب اس کے سینے پر اوندھی لیٹی تھی۔ شیشے کی سینٹر ٹیبل پر چابیاں رکھنے کی کھنک پر وہ چونکی۔ سیدھی ہو بیٹھی میرب پھسل کر گود میں آ گئی۔ وہ سامنے صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھا تھا۔ دونوں بازوں پھیلا کر بیک پر جما لیے اور نسرین کو اشارے سے پانی لانے کا کہا تھا۔

"یہ کس کی گاڑی تھی۔" اس نے عام سے لہجے میں پوچھا تھا۔

"کیا مطلب؟" اس کی بھوری کانچ سی آنکھیں الجھ گئیں۔

"جس میں تم آئی ہو' تمہارے ایکس سی این کی تو نہیں تھی' کون تھا؟ کس نے ڈراپ کیا؟" نسرین نے پانی کا گلاس سامنے کیا' اس نے گلاس اٹھا کر ابھی لبوں کو لگایا بھی نہیں تھا کہ وہ درشتگی سے بولی تھی۔

"تم کہنا کیا چاہ رہے ہو' واٹ ڈو یو مین کون تھا؟"

"یار ایک سمپل سا سوال پوچھا ہے۔" اس نے

گلاس نیچے کیا۔ ”کیا مسئلہ تھا' کس کے ساتھ آئی ہو۔ اور بس۔“ اس کے لہجے پر وہ قدرے چڑا تھا اس بات سے قطع نظر کہ اس میں کیا جوار بھاٹا پک رہا ہے۔

”تم مجھ پر شک کر رہے ہو؟“ اس نے گود سے اتار میرب کو نیچے کھڑا کیا۔

”اس میں شک کی کیا بات ہے' جسٹ پوچھ رہا ہوں۔“

”پوچھ نہیں رہے' تفتیش کر رہے ہو' میں نے کبھی تم سے پوچھا' سارا سارا دن کس کے ساتھ گھومتے ہو' بیرون ملک ٹرپ ہو رہے ہیں' ڈنر چل رہے ہیں' راتوں کو کہاں رہتے ہو۔“

”ایک معمولی سی بات پر اتنا بھڑکنے کی کیا ضرورت ہے۔“ اس نے بھرا گلاس ٹیبل پر پٹخ دیا۔ نسرین میرب کو لے کر سائڈ پر ہو گئی۔ ”تم سے کوئی بات پوچھنا ہی فضول ہے۔“ وہ اٹھ کر جانے لگا تب وہ چبا کر بولی تھی۔

”بات پوچھنا اس لیے فضول ہے مسٹر عداس' کیوں کہ اب بات تم پر آ رہی ہے۔ اپنے جیسا سمجھ رکھا ہے مجھے' ہر کسی کے ساتھ رنگ رلیاں...“ نسرین کے سامنے اس کے اس لہجے پر اسے اچھی خاصی سبکی محسوس ہوئی۔

”اپنی حد میں رہ کر بات کرو' شامہ! میں آرام سے بات کر رہا ہوں۔“

”کون سی حد' وہ جو ترکی میں ہو وہ یا راتوں کو فائیو اسٹار ہوٹل میں... ہونہہ' میں گھر میں قید ہو کر بیٹھ جاؤں تمہارے انتظار میں اور تم جو جی میں آئے کرتے پھرو' اسی لیے میرے باہر نکلنے پر اعتراض ہے نا تمہیں... ہاں۔“ ان کی اونچی ہوتی آوازوں پر نبیہا اور صارم احمد اسٹڈی سے باہر نکلے عوف بھی ان کے پیچھے تھا۔

”یہ کیا تماشا لگا رکھا ہے' کیا مسئلہ ہے تم دونوں کے ساتھ۔“ صارم کے سخت لہجے پر وہ اپنی گلابی پڑتی آنکھیں پوری کھول کر بولی۔

”اپنے بیٹے سے پوچھیں...!“

”میں تمہیں وارن کر رہا ہوں' خاموش ہو جاؤ۔“ اپنے والدین کے سامنے اس کا یہ لب و لہجہ قطعاً عداس کو برداشت نہ تھا وہ انگشت سے تنبیہہ کر رہا تھا۔

”ورنہ کیا کر لو گے تم۔“ اپنی ایک انگلی سے اپنی آنکھ کا کونا بے طرح سے رگڑا اور روبرو کھڑی ہو گئی۔ کرب سے گلے میں پھندا پڑ رہا تھا اور آنسو امڈ کے آنے کو بے قرار ”زیادہ سے زیادہ اپنے گھر سے نکال دو گے' اپنی زندگی سے دور کرو گے' ہونہہ' تمہیں اب کرنا بھی یہی تھا' اسی لیے سین کریئیٹ کیا' تفتیش شروع کی۔“ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا شرارتاً ”کیا جانے والا انداق اس کے اندر کس قدر لاوا ابھر رہا ہے اور جب پھٹے گی تو سب کچھ بہانے کو تیار ہو جائے گی۔

”میرے سامنے سے ہٹ جاؤ شامہ۔“ اس نے اس کے بپھرے انداز پر خود کو کنٹرول کرتے ہوئے کہا۔

”پلیز ہٹ جاؤ ورنہ میرا ہاتھ اٹھ جائے گا۔“

”پاگل ہو گئے ہو' کیوں ہاتھ اٹھ جائے گا۔“ صارم نبیہا دونوں کے بیچ آ گئے اسے کندھے سے پکڑ کر قدرے پیچھے کیا۔

”مسئلہ کیا ہے' کیوں اتنا غصہ کر رہے ہو عداس۔“ عداس کے لفظ ہاتھ اٹھ جائے گا' اس کی برداشت سے باہر تھے وہ ہسٹریائی انداز میں چلا رہی تھی۔

”اٹھاؤ' اٹھاؤ ہاتھ مارو مجھے' ڈیڈی اسے مارنے دیں' شوق بھی پورا کر لینے دیں' مجھے راستے سے ہٹانے کے لیے اب مار پیٹ ہی کرنی ہے اور آتا بھی کیا ہے تم مردوں کو۔“ وہ بے دردی سے اپنی بھیگی آنکھیں رگڑتی پاؤں پٹختی اپنے کمرے کی سمت بڑھی تھی اور کچھ ہی دیر میں ایک ہینڈ کیری کے ساتھ باہر آ گئی۔

”یہ' یہ کیا کر رہی ہو تم' کہاں جا رہی ہو۔“ عداس کو نرمی سے سمجھاتیں نبیہا نے فوراً“ بڑھ کر اس کی کلائی پکڑلی۔ اس نے کوئی جواب دیے بنا اپنی کلائی آہستہ سے چھڑوائی نسرین کی گود سے میرب لی اور عوف کو چلنے کا کہا تو عداس نے عوف کا بازو پکڑ کر اپنی جانب کھینچ لیا۔

"یہ میرے بچے ہیں، کہیں نہیں جائیں گے، تمہیں جانا ہے، شوق سے جاؤ۔" پل بھر کے لیے اس کی آنکھوں میں ہر منظر دھندلا گیا۔ زمین آسمان گڈمڈ ہوگئے۔ چند پل اسے حیرتی نگاہ سے دیکھا پھر لمبی سانس کھینچ لی۔

"اچھا... ٹھیک ہے، اگر کوئی اور اذیت بھی رہ گئی ہے، تو وہ بھی دے لو عداس احمد تاکہ مجھے تمہاری نام نہاد محبت کی کوئی خوش فہمی نہ رہے۔" اس نے میرب کو بے دردی سے اس کے قریب کھڑا کیا تھا۔ بچی نے سنبھلنے کے لیے باپ کا پائنچہ پکڑ لیا۔ عوف باز چھڑا چھڑا ماں کی طرف بڑھنے لگا۔ عداس نے جھٹکے سے اسے اپنے قریب کیا تھا۔ دونوں بچے زور و شور سے رونے لگے۔ وہ اپنے جبڑوں کو جمائے آنسو برداشت کرتی تیز تیز باہر نکل رہی تھی۔

"یہ۔ یہ کیا بدتمیزی ہے، روکو اسے۔" صارم احمد نے اسے سخت نگاہ سے تنبیہہ کی تھی، مگر وہ نچلا ہونٹ دانتوں میں بھینچے نتھنے پھلائے غیر مرئی نقطے کو دیکھ رہا تھا۔ نبیہا نے میرب گود میں اٹھالی عوف کو لپٹاتے بیٹے کو گھورا۔

"حد ہوگئی عدی۔"

"میں نے کیا کہا ہے۔"

"سنا نہیں تم نے۔" صارم پھر سے بولے۔

"میں نے نہیں نکالا، وہ خود جارہی ہے۔" اس نے اپنی روندھی آواز پر بمشکل قابو پایا اور بے حس بنا رہا۔ اس کا پلان آن واحد میں تلپٹ اس کا خیال تھا اس کی بے اعتنائی اسے عام بیویوں کی طرح قریب ہونے پر مجبور کردے گی، مگر یہ گمان نہیں تھا کہ وہ جو اتنے عرصہ سے منہ سے کچھ نہیں کہہ رہی بغیر کسی بات کہ اتنا کچھ کرجائے گی۔ یوں اکیلا کرجائے گی۔

☆ ☆ ☆

پھر بہت سے دن چمک کر سیاہ ہوتے رہے۔ صارم، نبیہا نے کوشش بھی کی، بیٹے کو سمجھایا ڈانٹا، بچے الگ رو، رو کر پریشان تھے۔ عوف نے کھانا پینا چھوڑ دیا۔ میرب کو ڈائیریا ہوگیا۔ مشکل پہ مشکل۔

"ہم آج اسے لینے جارہے ہیں۔" صارم اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ "تم بھی ساتھ چلو۔"

"کوئی نہیں جائے گا۔ وہ خود گئی ہی، خود آئے گی۔"

"کیا بے ہودگی ہے یہ، بچوں کا کیا قصور ہے۔" نبیہا اکتا گئی تھیں۔

"دیکھا نہیں، انہیں کیسے پھینک گئی تھی، اسے خیال آیا۔"

"وہ ساتھ لے جارہی تھی، بچوں کو تم نے روکا تھا۔"

"تو اس نے کون سا دوبارہ کہا، یا زبردستی کی۔"

"یہ بیمار ہوجائیں گے عداس۔" وہ نرم پڑگئیں۔

"جن کے ماں باپ نہ ہوں وہ بھی پل جاتے ہیں۔"

"اللہ نہ کرے عدی۔" نبیہا نے دل تھاما۔

"بکواس بند کرو تم اپنی۔" صارم نے اسے ڈپٹا، وہ اٹھ کر باہر نکل گیا تھا۔

وہ دونوں میاں بیوی بچوں کو لے کر شام میں اس کی طرف گئے۔ بچے تو بھاگ کر اندر کمروں میں گھس گئے البتہ وہ دونوں بہت دیر ڈرائنگ روم میں فالتو سامان کی طرح بیٹھے رہے۔ بہت دیر بعد نگہت بھابھی آئیں۔ کوک کے دو گلاس تیرتی برف والے تھمائے اور بیٹھ گئیں۔ استفسار پر ٹیڑھے میڑھے زاویے بناتے کہا تھا۔

"وہ اسپتال گئی ہے، دفتر میں بی پی لو ہوا، چکر آگیا۔ امی ابا وہاں ہی گئے ہوئے ہیں۔" وہ ایڈریس لے کر بچوں سمیت وہاں پہنچے۔ اسے ڈرپ لگی تھی۔ بہت مضمحل سی دوا کے زیر اثر سو رہی تھی۔ بچے ادھر ادھر پھرنے لگے اور وہ دونوں چوروں کی طرح کوریڈور میں بیٹھے تھے۔ فرحت نے اسپتال کا خیال بھی نہ کیا بے نقط سنائی تھیں۔

"خالی ہاتھ رخصت نہیں کی تھی، جو اجڑی پجڑی نکال دی، باپ بھائی سلامت ہیں، لاوارث نہیں ہے میری بچی۔" نبیہا نے کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے، مگر اماں ناک چڑھا کر بولی تھیں۔

"میں نے تو پہلے ہی کہا تھا امی ' ذات برادری دیکھ لو..... دکھادی نا ماڈرن لوگوں نے اصلیت۔" کچھ دیر نبیہا صارم کے ڈر سے برداشت کرتی رہیں۔ پھر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"بچے اس خیال سے چھوڑ آئے شاید انہیں دیکھ کر جلدی ٹھیک ہوجائے۔" نبیہا نے گاڑی میں بیٹھتے ہی کہا تھا۔

"مجھ میں فرحت ' امامہ کی باتیں سننے کی اور ہمت نہیں ہے ' بہو کو گھر لانا ہے ' آپ جانیں آپ کا صاحبزادہ جانے....." صارم احمد کو ان کی خجالت پر ہنسی آئی۔

"بچوں کو بسانے کے لیے بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں بیگم۔" عداس کو انہوں نے اس کی طبیعت کا بتایا تھا۔ بظاہر ڈھیٹ بنا سنتا رہا ' مگر اندر کچوکے ضرور لگے تھے۔ اگلے دن آفس جانے کے بجائے وہ اسپتال چلا گیا تھا ' مگر وہ ڈسچارج ہو رہی تھی۔ ایک بار دل میں آیا اس کا ہاتھ پکڑے گاڑی میں بٹھائے گھر لے آئے ' لیکن پھر وہی انا اور اس دن کی تلخی نگاہوں میں پھر گئی۔ وہ ریسپشن پر ہی اوٹ میں ہوگیا۔ وہ بل ادا کر کے چلے گئے۔

☼ ☼ ☼

دن بارش کے قطروں کی مانند آسمان سے اترتے مٹی میں رستے جاتے۔ اسے یہاں آئے بہت دن گزر گئے تھے جہاں ابو بھائی نے سمجھایا وہاں فرحت ' امامہ کی باتوں کے خوب زیر اثر تھیں بل کھا کر بولیں۔

"کیوں ' ہم ایسے ہی گرے پڑے ہیں ' نیچے ہو کر چھوڑ آئیں ' ناک سے لکیریں نہ نکلوادیں ' یاد کریں گے۔" امامہ آئے روز اپنی دور اندیشی کو داد دینے آجاتی۔

"میں نے پہلے ہی کہا تھا مخمل میں ٹاٹ کا پیوند کب تک برداشت ہوتا ' دل بھر گیا ' کم بخت نے اتار پھینکا ' بالکل ضرورت نہیں غم کرنے کی ' اپنا کماتی ہے اپنا کھاتی ہے ' محنت کرے ' بچے بھی پالے اور خود جب جی چاہا ہاتھ پکڑ ا ہے..... بالکل نہیں جانے دینا امی۔"

"ہاں تو اور کیا۔" نگہت بھابھی پیچھے رہنے والی کب تھیں۔ "اسی لیے نوکری کے پیچھے پڑا تھا ' تاکہ یہ گھر بیٹھے کام کرے اور خود دن میں منہ ماری رات کو آرام کرنے آجائے آخ۔ دفع کرا یسے کو ' تو کون سا کسی پر بھاری ہے۔" پھر اڑوس پڑوس کے کتنے ہی قصے سناتیں جہاں سسرالیوں نے لڑائی کے دوران بہو کو جلا کر مار دیا ' گلا گھونٹ دیا۔ وہ اندر تک دہل جاتی اور سوچتی عداس ایسا تو نہیں ہے.....

ہر صبح امی ابو کی اسی موضوع پر بحث ہوتی۔ جب جب بھائی نے کہا ہم خود چھوڑ آتے ہیں فرحت غصے میں آجاتیں۔ "ہاں ہاں میں بھیج دوں تاکہ ساری زندگی طعنے سنے اماں ' باوا اسے رکھنا گیا۔"

☼ ☼ ☼

شمامہ کو ہر وقت کی بے قراری تھی ' آفس میں کام بھی ٹھیک طریقے سے نہ ہوپاتا۔ عداس پر جی بھر کے غصہ آتا۔

"کیا تھا اگر ہاتھ پکڑ کر روک لیتا۔" صارم ایک دو بار گھر آئے اور اکتا گئے۔ غالباً "خود وہ چپ رہتی دائیں بائیں فرحت اور نگہت بیٹھ جاتیں پھر جو شروع ہوتیں الامان۔ البتہ آفس میں کئی بار گئے پیار سے سمجھایا۔

"میاں بیوی میں جھگڑا ہوجاتا ہے بیٹا ' لیکن اسے اتنا طول نہیں دینا چاہیے کہ اصل بات بھول کر انا یاد رہ جائے۔ اپنے گھر بار بچوں کی طرف دیکھو ' ادھر تم ڈپریشن میں ہو ' ادھر اس کا کام پر فوکس نہیں ' خواہ مخواہ بات بڑھا رہے ہو۔"

"ہوں....." طنزاً " مسکرائی۔ "دیکھنے تک تو آیا نہیں ' فون تک نہیں کیا۔"

"میں جو آگیا ہوں ' اس کا باپ۔" وہ ہاتھ جوڑے کہہ رہے تھے۔ "میں ہاتھ جوڑتا ہوں بیٹا ' میری ساتھ چلو۔"

"پلیز ڈیڈی! ایسے نہیں کریں۔" اس نے ان کے ہاتھ کھول دیے۔ "میں آپ کی بہت عزت کرتی ہوں ' لیکن.....؟"

"کیا لیکن۔۔۔؟" اسے چپ دیکھ کر وہ پھر گویا ہوئے۔

"تمہیں جاب کا شوق ہے' بیٹا یہاں ریزائن کردو' میں اپنے آفس میں جاب دوں گا' پے' چھٹیاں' ٹائمنگ سب تمہاری مرضی کا' چاہو تو لائف ٹائم ایگری منٹ پر سائن کروالو' بولو منظور۔" وہ ہنس دی۔

"سوچوں گی۔"

"اور کتنا سوچنا ہے۔" وہ سمجھا سمجھا تنگ آگئے تھے۔

☼ ☼ ☼

وہ ان کی اسٹڈی میں اندھیرا کیے خاموش بے زار بیٹھا تھا۔ انہوں نے اندر آکر لائٹ جلائی۔ اسے متاسفانہ دیکھتے رہے۔

"یہاں اندھیرے میں کیا کررہے ہو؟" وہ کچھ دیر چپ رہنے کے بعد بولا۔

"کچھ نہیں۔" وہ اس کے سامنے بیٹھے اسے تکتے رہے۔ روکھا پھیکا بے رونق چہرہ' ان کے دل کو کچھ ہوا بہت پیار سے بولے۔

"جاؤ اسے لے آؤ۔"

"کیوں؟ وہ راستہ بھول گئی ہے۔"

"دماغ خراب ہوگیا ہے تمہارا' شادی سے پہلے تم جانتے تھے' وہ جاب کرتی ہے' آئندہ بھی کرے گی' اب کیا تکلیف ہوگئی تمہیں؟"

"اب میں نے جاب چھوڑنے کا نہیں کہا تھا۔"

"ہاں اب اور حرکتیں جو شروع کردیتی تھیں تم نے' جیسے میں جانتا نہیں۔" اس نے ملتجی انداز میں انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

"ڈیڈی آپ بھی۔" چیئر دھکیل کر اٹھا۔

"ہاں میں بھی۔" وہ جتا کر بولے۔ "سدھر جاؤ تم اور ہمارے بچے لے کر آؤ' میرا نبیہا کا بالکل دل نہیں لگ رہا۔"

"انہیں آپ چھوڑ کر آئے تھے' لے آئیں۔"

"یہ جو تم ظاہر کرتے ہو نا کہ تمہیں کوئی فرق نہیں پڑرہا' بہت اچھی طرح جانتا ہوں' باپ ہوں تمہارا۔ رات کو بار بار اٹھ کر لان میں آجاتے ہو' بوتل بھر بھر پانی کمرے میں لے جاتے ہو' کبھی ٹیرس پر کبھی اسٹڈی میں اونگھ رہے ہو' اندھا نہیں ہوں میں' سب دکھائی دیتا ہے' تمہاری بے چینی' تمہارا اضطراب۔۔۔ جانے کون سی انا ہے' جو ٹوٹ نہیں رہی۔۔۔ میرب بھی یاد نہیں آتی تمہیں۔۔۔؟"

اس نے چونک کر دیکھا اور ہونٹ دانتوں میں رگڑتا گیا۔ "کاش اسی دن اس ڈھیٹ کو روک لیتا' منا کرلانا تو بہت مشکل کام ہے۔" اپنی انا کی نفی دنیا کا مشکل ترین کام ہے اور وہ دونوں اس وقت انا کی خود بنائی دیوار میں پھنس گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

دن بارش کی کن من بوندوں کی طرح جمع ہوگئے ذی الحج کا مہینہ آپہنچا۔ پانچ سال پہلے ستمبر میں بقرعید نہیں آئی تھی۔ البتہ شادی کے دو ماہ بعد سسرال میں پہلی عید بہت خوش گوار گزری۔ وہ عید' چاند رات ڈھیر شاپنگ۔ اسے تنگ کرنے کے لیے عداس بار بار لاؤنج میں بکرا لے آتا۔ اسے بچپن سے ہی جانوروں سے خوف آتا تھا وہ پہلے اسے گھورتی پھر نبیہا کے پیچھے چھپ جاتی۔

"ممی انہیں منع کریں۔" انہوں نے بہو کی طرف داری کرتے بیٹے کو ڈانٹا۔ پھر شمامہ کو پیار سے پچکارا۔

"بکرے نے تمہیں کیا کہنا ہے' بیٹا وہ تو خود بہت معصوم ہوتا ہے۔"

"ممی مجھے جانوروں سے بہت ڈر لگتا ہے۔" اس کے انداز پر میگزین میں گم صارم بے ساختہ ہنس پڑے۔ میگزین پلٹتے عداس کی جانب نگاہ سے اشارہ کیا۔

"اس گدھے کے ساتھ رہتے ہوئے بھی جانوروں کی عادت نہیں ہوئی بیٹا۔" اپنی عزت افزائی پر وہ ذرا بھی شرمندہ نہیں ہوا بلکہ چھت پھاڑ قہقہہ لگایا تھا۔ پھر جب ٹیرس پر بیٹھ کر مہندی لگانے لگی وہ بار بار انگلی کی

پور بھر کر اس کے چہرے کی جانب لے جاتا اور وہ چڑ جاتی۔ کھلا آسمان' ستارے' کہکشاں دھیمی ہوا' رات باتوں شرارتوں میں ہی گزر گئی اور قربانی کے بعد کیسے عجیب و غریب پکوان کی ضد کی تھی اور آج پانچ سال بعد ذی الحج کا چاند نظر آنے کے بعد صرف آنکھوں میں اس کی یاد کا پانی تیرتا تھا۔

کتنی پر رونق تھی پچھلی چاند رات۔ وہ ڈیڈی اور عوف تینوں مل کر اپنی پسند کے بکرے لائے تھے۔ عوف بہت دیر تک بکروں کے ساتھ کھیلتا رہا اور میرب ننھے ننھے قدم اٹھاتی' بکرے کے قریب جانے کو دل کرتا' مگر جیسے ہی وہ ہلتا وہ خوف کھا کر ماں کے سینے میں چھپ جاتی اور وہ ظالم... اس کے کھلے چمکتے بال' بالوں سے بکھرتی دلفریب مہک' میرب کو گود میں اٹھائے داخلی دروازے کی اسٹیپ پر بیٹھی دور دور سے انہیں مسکرا کر دیکھتی رہی۔ کتنی پیاری نکیاں میرب کے ہاتھ پر بنائی تھیں اور اس کی اپنی ہتھیلی کا ڈیزائن۔ آہ' اور میری نیند' کتنا خمار تھا اس روز۔

"یار اندر چلو' سلاؤ انہیں' مجھے نیند آ رہی ہے۔"

"تمہیں نیند آ رہی ہے' تو تم جا کر سو..." وہ جان کر چہکی۔ "ہم تو آج یہاں بیٹھ کر تارے گنیں گے اور عید کا انتظار کریں گے' کیوں میرب..." اس نے میرب کو ہلکا سا بھینچا۔ وہ ہنسی۔

"تارے گنوا تا ہوں تمہیں' چلو نا اندر ذرا۔" اس نے گھونسا دکھایا اور وہ ہنستے ہوئے دہری ہو گئی۔ ریشمی بال شانوں سے آگے آ گئے۔ پلازے کی فاؤنڈیشن کا سریا رکھا جا رہا تھا اور اس کے خیالوں کی رو جانے کہاں سے کہاں بھٹک رہی تھی بہت سا سریا رکھنے کی کھنک سے وہ چونکا۔ خیال بکھرا۔

"احتیاط سے یار۔" اس نے لیبر سے کہا تھا۔ اپنی پانی کی بوتل گھر بھول آیا تھا ایک طرف شدید پیاس دوسری جانب تلخ یاد نے حلق میں کانٹے اگا دیے۔

اس نے لیبر واٹر کین سے پانی لے کر وہاں ہی بیٹھ کر پیا۔ "یادیں بہت تکلیف دہ ہوتی ہیں۔" اس نے گلاس کین رنگ میں پھنساتے ہوئے سوچا تھا۔

☼ ☼ ☼

عید کے رش کے سبب سائٹس پر جانا خاصا دشوار تھا ہر طرف جانور نظر آتے۔ چھٹیاں ہونے سے پہلے انسپکشن مکمل کرنا تھی۔ اسی لیے آج وزٹ پر تھی۔ بیس منٹ میں لینٹر پڑ چکا تھا' مگر ابھی سیڑھیاں نہیں بنی تھیں۔ ورکرز پھٹے اور لکڑی کی سیڑھی سے کام چلا رہے تھے۔ وہ بھی اسی پھٹوں کی سلوپ پر کھڑی جانے کیا سوچ رہی تھی۔ دھواں مٹی سے گلے میں اچھو لگا۔ سنبھل نہ پائی دھڑام سے گر گئی۔ اس کے سر اور گردن کی پشت سے کچھ نیچے سریے کا کونا لگا تھا۔ خاصا خون نکلا۔ اسی وقت اسے ایمبولینس میں اسپتال پہنچایا گیا اور گھر اطلاع دی۔

"جس کا کام' اسی کو ساجھے۔" نگہت بھابھی نے سنتے ہی کہا۔ "میں تو پہلے ہی کہتی تھی مردمار کام ہے' آئے دن مزدوروں کی ٹانگ بازو ٹوٹتی رہتی ہے۔"

"چپ کر بدبخت..." فرحت کو اس کے بے جا تبصرے پر تاؤ آیا۔

"ٹوٹے تیرے ہاتھ' پیر' میری بچی کے کیوں ٹوٹیں... وہ تو بے چاری اس منحوس بے دید کو سوچ رہی ہو گی۔ سنبھل نہ سکی۔" پھر وہ دوسرا جملہ اپنے میاں سے کہا تھا۔

"سنتے ہو' فیصلہ لو' جان چھٹے میری بچی کی' ہر وقت اس کی سولی پر لٹکی ہے۔" امامہ کو جیسے ہی اس کے گرنے کا پتا چلا بین ڈالتی عدا اس کو کوستی فوراً" پہنچ گئی۔ خوب دل کی بھڑاس نکال کر مرتضیٰ سے کہا۔

"ابو جی! اب ہوش کرو گے' نوٹس بھجواؤ' میری پڑھی لکھی بہن کا کیا حشر ہو گیا' اس بدبخت نے قدر نہ کی۔ ہائے ہائے کوئی ان پڑھ ہوتا ہتھیلی کا چھالا بنا کر رکھتا۔" مرتضیٰ نے سر پکڑ لیا۔ گھر کی عورتوں پر ان کی ایک نہ چلتی تھی... سریا لگنے سے گردن پر چار ٹانکے لگے' سر کا زخم قدرے گہرا تھا' جسم پر معمولی خراشیں آئیں۔ اگلی صبح مرتضیٰ نے صارم احمد کو بتایا وہ بھاگتے آئے تھے۔ خاصی دیر بیٹھے رہے۔ وہ شمامہ کو بتا رہے

تھے۔

"مجھے ابھی بھائی صاحب نے بتایا میں فوراً" آگیا" وہ ایک پروجیکٹ کے سلسلے میں سائٹ پر گیا ہوا ہے، میں ابھی بتاتا ہوں اسے، دیکھتا ہوں کیسے نہیں آتا وہ گدھا۔" وہ دھیما سا مسکرائی۔

"میں ٹھیک ہوں، آپ فکر نہیں کریں۔"

"اللہ تمہیں ٹھیک رکھے بیٹا اور عقل بھی دے۔" وہ اس کے سر کا بوسہ لیتے چلے گئے تھے۔ امامہ نے ان کے جاتے ہی منہ بنایا۔

"تمہاری کے لیے ہی عقل مانگنا، اپنے بیٹے کو جیسے بہت تمیز ہے ہونہہ۔" شام کے وقت مدھم سی ہوا چل رہی تھی۔ انہیں اسپتال آئے چوبیس گھنٹے سے زیادہ ہو چکے تھے۔ زخم قدرے بہتر تھا کچھ ہی دیر میں اسے ڈسچارج کر دینا تھا۔ اس وقت اٹینڈنٹ کے طور پر امامہ اس کے پاس تھی۔ فرحت بچوں کو لیے گھر چلی گئی تھیں۔ وہ آنکھیں موندے گھڑی کی ٹک ٹک سن رہی تھی دل پوری شدت سے اسے پکار رہا تھا۔ اسے اندازہ تھا۔ اب تک اسے پتا چل گیا ہوگا، بس آرہا ہوگا، میں خود معافی مانگ لوں گی بس اک بار آجائے مجھے دیکھنے ملنے۔ امامہ نرسنگ روم کی طرف جانے کے لیے باہر نکلی غالباً" ڈسچارج بل لینا تھا۔ وہ ہاتھوں میں سرخ گلاب کا خوب صورت سا بکے پکڑے خاصا متفکر سا ریسیپشنسٹ سے روم کا پوچھ رہا تھا کہ امامہ آتی نظر آئی وہ کاؤنٹر سے ہٹ کر اس کی جانب بڑھا تاکہ روم میں جاسکے، مگر وہ اس سے بھی زیادہ تیز قدموں سے اس کی جانب بڑھی۔ لڑاکا عورتوں کی طرح کمر پر ہاتھ رکھ بھنوئیں نچائیں۔

"ہوں.... کدھر....؟ دیکھنے آئے ہو، مری ہے کہ بچ گئی.... چلو چلو، کھسکو یہاں سے...." اس نے چٹکیاں بجاتے اس باہر کا رستہ دکھایا۔ "ابھی بیٹھے ہیں اسے دیکھنے والے، تمہاری طرح نہیں دھکے مار، گھر سے باہر...."

"پلیز آپی! آپ ہٹیں درمیان سے، مجھے اس سے ملنا ہے۔"

"تا.... یہ آپ کسے کہا ہے۔" وہ تنک گئی۔ "اتنے منے کا کے نہیں ہو تم، جتنے بننے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"اچھا ٹھیک ہے امامہ جی۔ آپ پلیز مجھے روم میں جانے دیں۔"

"ارے واہ! ایسے ہی جانے دوں، تاکہ گلا دباؤ، بھاگ جاؤ، بے وقوف سمجھ رکھا ہے مجھے، نکلو۔ یہاں سے اور جا کر باریاں بھگتاؤ اپنی.... ملنا ہے اسے۔" اس نے غصے کو بمشکل کنٹرول کرتے آواز دبائی تھی۔

"دیکھیں، میں یہاں تماشا نہیں چاہتا، پلیز۔ مجھے اپنی بیوی سے ملنا ہے، اور کوئی روک نہیں سکتا۔" اسے اردگرد اٹھتی سوالیہ نظروں سے کوفت ہو رہی تھی۔ وہ سائڈ سے ہو کر نکلنے لگا وہ فوراً" ادھر ہو گئی۔

"اوہو....! بیوی والے.... وہ جو روز روز نئی ساتھ لیے پھرتے ہو، وہ کون ہیں، ایسی گری پڑی نہیں ہے میری بہن، اگلی تمہاری صورت بھی نہ دیکھے، فیصلہ لینے والی ہے وہ....." فیصلے کے نام پر اس کو جھٹکا لگا۔ جی میں آیا اسے دھکا دے اور روم میں چلا جائے لیکن اس وقت کچھ لوگ مسلسل انہیں ہی دیکھ رہے تھے۔

"میں نے آخر کیا کیا ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم، شرافت اسی میں ہے۔ یہاں سے چلو جاؤ، ورنہ یہ جو دیکھ رہے ہیں نا، ان ہی سے ٹھکائی کروا دوں گی.... سمجھے۔"

"اس قدر بے عزتی، اتنی انسلٹ اس کی برداشت جواب دے گئی پھول سمیٹے اور واپس چلا گیا۔ وہ اندر منتظر سی منتظر تھی....

✲ ✲ ✲

اسے گھر آئے بھی پانچ روز ہو گئے۔ فرحت نے میاں کو مخاطب کیا۔

"دیکھا میاں، آیا تمہارا داماد....؟ ابا کو بھیج فرض ادا ہو گیا، میں نے سوچا بابا آتا رہے گا، خوب جوتیاں تڑواؤں گی، پر نہ جی، ان کی تو ناک ہی بہت لمبی ہے، ہم بھی ایسے ویسے نہیں، تم کہو ان سے، فیصلہ کر دیں

ہماری بچی کا۔" مرتضیٰ تو مانو۔ آج پھٹ پڑے۔

"ہوش ٹھکانے ہیں تمہارے' ایسے فیصلے ہوتے ہیں۔"

"ہاں ایسے ہی ہوتے ہیں' اگلے جھکنے کو تیار نہیں' ہم جاکر معافی مانگیں چھوڑ کر آئیں' ہماری مرتی بچی اس نے آکر پوچھا تک نہیں' اور تم صلح صفائی کی بات کررہے ہو میاں۔"

"شمامہ کیا کہتی ہے؟" بہت دیر بعد انہوں نے پوچھا۔

"اس نے کیا کہنا ہے' اس میں اتنی عقل ہوتی تو پہلے ہی نہ آجاتی۔" امامہ نے کہا تو نگہت بھابھی بھی بولیں۔

"ہاں ہاں ابوجی' ڈھٹائی تو دیکھو' آکر حال تک نہ دیکھا' اتنے مردوں میں گری' ابھی کیا بگڑا ہے' جوان ہے رشتے بہت مل جائیں گے' بچے ہم رکھ لیں گے۔" مرتضیٰ نے سختی سے آنکھیں بھینچ لیں۔ علاوہ امامہ کے اسپتال آنے کا کسی کو کانوں کان پتا نہ تھا۔ شمامہ کا دل مکمل ٹوٹ گیا اسے کوئی امید نہ رہی تھی۔ بار بار خود کو کوستی کیوں نکلی گھر سے۔ امامہ ان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے قدرے قریب ہو کر بیٹھی۔

"ابو' ابھی تو گھر بیٹھی کو رو رہے ہیں' یہ نہ ہو کل کلاں اس کی قبر پر روئیں' ذرا سوچو' اگلے پہ عاشقی کا بھوت سوار ہے' اگر لے بھی گیا' کچھ کھلا پلا کر مار دیا۔ فون تک کرکے خیریت تک نہ پوچھی۔" وہ اندر تک بہت خوش تھی اور اس احمق کی عقل کو داد دیتی تھی جس نے فون تک کرکے اپنے آنے یا اس کے رویے کا کسی کو نہیں بتایا۔ ابا کو کچھ ڈگمگاتے دیکھ کر امامہ نے حد کردی اگلے دن میاں کے ساتھ جاکر وکیل سے خلع کے کاغذ لے آئی اور باپ سے کہا شمامہ نے منگوایا ہے پر کریں اور بھجوائیں۔ جب سائن کرنے کے لیے اسے بلایا وہ میرب کو لٹاکر مرے قدموں سے آئی۔ سائن تو کیا کرنے تھے دوسری نظر ڈالنے کی ہمت نہیں ہوئی وہ روتی ہوئی واپس پلٹ گئی۔ مرتضیٰ نے غصے میں کاغذ پھاڑ دیے۔ امامہ پہلے باپ سے بولی پھر اس کے پیچھے بھاگی۔

"پاگل ہوگئی ہے' کس کے لیے نین گنوار ہی ہے' چل اٹھ شاباش ہمت کرکے سائن کر' کل کو وہ کاغذ دے تو پہلے اس کے منہ پر مار....."

"آپی پلیز..... مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔" وہ گھٹنوں میں سر دیے ہچکیوں سے رونے لگی تھی۔

"مرضی ہے تیری..... تیرے ہی فائدے کی بات کررہی ہوں۔" امامہ شروع سے ہی اکھڑ بدتمیز تھی ہمیشہ چھوٹی بہن کو بچپن سے ہی دبا لیتی تھی اس کا خیال تھا یہ بات بھی منوالے گی مگر بچپن بچپن ہوتا ہے۔

✡ ✡ ✡

بہت بابرکت رات تھی۔ صبح کو لاکھوں لوگوں نے بیت اللہ شریف کا طواف کرنا تھا اور وہ چھت پر اپنی بے بسی پر چکرا رہی تھی۔ کتنی بار جی چاہا اسے فون کرے اور خوب روئے اور کہے "تم تو ایسے نہیں تھے۔" اس کی نظر آسمان پر اٹھی۔ "اللہ مجھے درست فیصلہ کرنے کی ہمت دے' مجھے معاف کردے۔" وہ دیوار پر کہنی ٹکائے کھڑی ہوگئی نگاہ صحن میں نوافل ادا کرتی پھوپھی اماں پر گئی۔ وہ ابا کی سگی بہن تھیں۔ جوانی میں بیوہ ہوگئی تھیں۔ بچے تھے نہیں ابا گھر لے آئے جب سے یہاں تھیں۔ خاموش اپنے کام سے کام۔ انہوں نے سلام پھیرا نگاہ اس سے مل گئی۔ وہ اٹھیں ٹھنڈا فالسے کا شربت بنا کر اوپر لے آئیں۔

"یہ لو بچے یہ پیو' ٹھنڈے دماغ سے سوچو۔"

"پھوپھی اماں کیا سوچوں' میرا دماغ پھٹ رہا ہے۔" وہ بے دم سی ہو کر ان کے قریب چارپائی پر بیٹھ گئی۔

"دیکھ شمے' چڑیا تنکا تنکا جوڑ گھونسلا بناتی ہے' منہ زور ہواؤں سے لڑتی گھونسلے میں دبکی رہتی ہے' اسے بھاری رکھنے کے لیے' حالانکہ کیا وزن اس کا۔؟ اس کے یقین پر اللہ گھونسلا ٹوٹنے نہیں دیتا' بھلے طوفان آئے' کبھی دیکھے درختوں سے گھونسلے جھڑتے.....؟" پھر کچھ توقف سے بولیں۔

"تجھے تیرے باپ نے پڑھایا لکھایا' تیرے پاس

ڈگری ہے' اللہ نہ کرے' کبھی ضرورت پڑے۔ جب میاں کو نہیں پسند ضرور دھکے کھانے ہیں' شمے نوکری وہ کرتی ہے جسے ضرورت ہو' تیرے پاس اللہ کا دیا سب ہے' اگر تو یہ نوکری چھوڑ دے ہو سکتا ہے کسی ضرورت مند کو مل جائے' اللہ نے بندوں میں ہی بندوں کا وسیلہ رکھا ہے۔"

"پھوپھی اماں..... میں نوکری چھوڑنے کے لیے تیار ہوں' بس وہ ایک بار آکر لے جائے' صرف ایک بار ڈانٹے' ڈپٹے' کھینچ کر لے جائے....."

"وہی ڈھاک کے تین پات' تو خود چلی جا' تیرا اپنا گھر ہے وہ..... اور دیکھ تیرے ساس سسر آئے اور فرحت سے بے عزتی کروا کر گئے' اسی ڈر سے وہ نہیں آتا ہو گا' آخر تیری ماں بہن کا مزاج کسی سے چھپ سکا ہے' میری بات مان اسے فون کر' چلی جا۔"

"کیسے چلی جاؤں۔؟" آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ "گھر سے لڑ کر نکلنا بہت آسان ہے پھوپھی مگر ان نشانوں پر لوٹ کر جانا بے حد مشکل۔"

"شمے ابھی اتنی دیر نہیں ہوئی کہ قدموں کے نشان ہی مٹ جائیں' خالی جگہیں زیادہ دیر خالی نہیں رہتیں' اور وہ تو پھر مرد کا دل ہے میری بچی۔" وہ ان کے کندھے سے جا لگی' فالسے کا گلاس جوں کا توں پڑا رہا۔

"تیری بھاوج اور بہن جو کچھ چاہ رہی ہیں نا' شمے وہ اتنا آسان نہیں ہے' طلاق یافتہ کو کوئی دو دن برداشت نہیں کرتا' اپنے ہی باپ کے گھر میں زندگی عذاب بن جاتی ہے' مجھے دیکھ سارے کام کر کے بھی کیسے زندگی گزار رہی ہوں' اور اگر خدانخواستہ ایسا ہو بھی گیا تیرا تو کچھ نہ کچھ ہو ہی جائے گا مگر میرب' لوگ نہیں کہیں گے' اس کی ماں نہیں بسی' وہ کیا بسے گی۔" وہ چونک کر سیدھی ہوئی دل دھڑ دھڑ کرنے لگا۔

☆ ☆ ☆
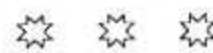
حج کی بابرکت سعادت حاصل کرنے کے بعد حاجی عید منا رہے تھے۔ اگلے روز یہاں عید تھی۔ ہر عید پر صارم کئی روز پہلے قربانی کے جانور لے آتے تھے لیکن اس بار دل بہت الجھا ہوا تھا۔ کتنی بار عد اس سے کہا چلو کوئی جانور دیکھ لاتے ہیں' اس نے ٹال دیا' اگر قربانی فرض نہ ہوتی تو شاید اس بار ان کی قربانی رہ جاتی' لیکن آج شام آفس سے واپسی پر صارم احمد طفیل کے ساتھ بکرا منڈی گئے اور کئی جانور لے آئے' جانور گیراج میں بندھوا کر اندر داخل ہوئے۔ وہ صوفے پر بہت بے کل پژمردہ سا پڑا تھا۔ اس بار عید اور اس کی ویڈنگ اینورسری قدرتی طور پر ایک ہی تاریخ کو تھی۔ یاد کا ہر پل ڈس رہا تھا۔ بچوں کی آوازیں گونجتیں' پچھلی اینورسری پر اس کی فرمائش نگاہ میں ٹھہر جاتی اور اب تو عید بھی شامل ہو گئی۔

"کیوں اذیت دے رہے ہو خود کو' اسے' ہمیں۔" وہ اندر داخل ہوتے ہی اسے دیکھ کر بولے۔ نبیہا ان کی آواز پر ثمینہ کو کچن میں ہدایت دیتیں باہر نکل آئیں۔ اور پاس بیٹھ کر پیار سے بولیں۔

"صبح عید ہے' تم ایک بار چلے جاؤ' میں یقین سے کہتی ہوں وہ بھاگ کر آجائے گی' ایک غلط فہمی تھی سو ختم ہو گئی۔"

"کیا تو تھا..... اس کی بہن.....؟" اس نے کل ہی سارا واقعہ ماں باپ کو بتایا تھا۔ پہلے تو استفسار پر ان کی ڈانٹ ہی سنتا رہا تھا۔

"دفع کرو اس جاہل کو' کتنی سستی ہے کال' ہزاروں کالز کرتے ہو دن بھر تمہارا کیا جاتا اگر ایک کال اسے کر کے سب بتا دیتے" جانے امامہ نے اسے کیا بتایا ہو گا' اب میں یا صارم اس کی بہن کی شکایت کرتے اچھے تو نہیں لگتے نا۔" وہ خاموشی سے سنتا رہا آج سامنے سے اٹھا نہیں تھا۔

"دیکھو میری جان' عورت جتنی بھی مضبوط ہو مگر پہل کی طاقت نہیں رکھتی بھلے اس کی غلطی ہو۔ تم مرد ہو' ہمت کرو۔" وہ اٹھا اور کمرے میں چلا گیا۔ نبیہا نے بے بسی سے صارم احمد کو دیکھا وہ پیشانی رگڑ رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

وہ آج صبح سے ہی کمرے میں تھی۔ اپنے آپ میں

مگن سی، اپنی چیزیں سنبھالتی۔ نوذی الحج کا اس نے اور اس کی پھوپھی نے روزہ رکھا تھا۔ روزہ کھلنے کے بعد وہ کمرے سے باہر نکلی ہی نہیں۔ بڑا بھتیجا کچھ پٹاخے لایا تھا۔ اور صبح عید ہونے کے اعزاز میں بار بار پٹاخہ چھوڑتا شور مچاتا۔ پانچ سال پہلے بھی ایسے ہی پٹاخے اور آتش بازی ہوئی تھی۔ آج کے دن اس کی مہندی تھی۔ اور عداس بار بار اسے فون پر ایک بار ملنے کی ضد کر رہا تھا۔ نکاح سے پہلے ایک بار دیکھنا چاہتا تھا۔

"کیوں؟" وہ جھلا گئی۔

"تمہارا پیلا پیلا روپ دیکھنا ہے، ممی کہہ رہی ہیں تم بہت خوب صورت لگ رہی ہو۔"

"پلیز، انسان بنو۔" اس نے ڈپٹا۔ اور آج جب سارا خون سوکھ کر زرد پڑ رہی تھی اب آکر کیوں نہیں دیکھ لیتا۔ اس نے سسکاری لی۔ پھر اپنے آنسو پونچھتے ہوئے اک فیصلہ کرتی اٹھی۔ ایک صاف کاغذ پر زیرزائن کی تحریر لکھی۔ دستخط کیے پرس میں رکھ لی۔ بچوں کو نہلا دھلا صاف کیا، خود تیار ہوئی۔ میرب کو سیریلیک کھلا سلا دیا۔ موبائل پر گیم کھیلتے عوف کے بال بناتے ہوئے کہا تھا۔

"جاؤ شاباش! نانا ابو سے کہو اپنی گاڑی کی چابی دیں، ہمیں کہیں جانا ہے۔" اس کی اپنی گاڑی میں سی۔ این۔ جی بند ہونے کی وجہ سے گیس ختم تھی۔

"تم پارلر جا رہی ہو؟" بھابھی نگہت کچھ کہنے آئی تھیں۔ اس کی تیاری دیکھ کر پوچھ لیا۔ وہ چپ رہی۔ "میاں نے تو تمہیں آکر دیکھنا تک نہیں پھر کس کے لیے تیاری...... خیر۔" انہوں نے زہریلا نشتر اتارا اور جاتے جاتے سنا گئی۔

"تمہارے بھائی ذرا آرام کرلیں، پھر ہم بھی نکلتے ہیں، کچھ رونق میلہ دیکھنے، بھائی کی طرف ہوتی آؤں گی، سنا ہے کافی بڑا بیل لائے ہیں۔" اس نے ان کی کسی بات کا جواب نہیں دیا۔ اپنی تیاری میں لگی رہی۔ امامہ بھی صبح سے آئی ہوئی تھی۔ رات کو میاں نے لینے آنا تھا۔

وہ بہت دیر سے سڑک پر گاڑی بھگاتا رہا۔ پھر ایک مال کے سامنے روکی۔ لائٹنگ میوزک، شور ہنگامہ ”پچھلے سال یہاں سے عوف، میرب کے کپڑے لیے تھے۔“ وہ سوچتا ہوا اندر داخل ہوا اور دو خوب صورت سوٹ پیک کروالیے۔ سامنے والے آؤٹ لیٹ پر لیڈیز ورائٹی تھی۔ ”سرخ رنگ ہمیشہ سے اس پر جچتا ہے۔“ وہ سوچ کر ادھر داخل ہوا اور نفیس موتیوں نگوں کے کام کی سرخ میکسی اس کے لیے خریدی پے منٹ کر گاڑی میں آگیا۔ اب وہ ایک مشہور بیکرز کے سامنے رکا تھا۔ ہمیشہ چیزیں یہاں سے لیتے تھے۔ شامہ کو بلیک فورسٹ کیک پسند تھا اور پچھلی ویڈنگ انور سری پر اس نے ایکسٹرا چاکلیٹ کرنچ کی ٹاپنگ کروائی تھی۔ آج بھی اس نے ویسا ہی کیک تیار کروایا۔ کیک کی ریپنگ کے دوران نگاہ کیس میں رکھے چاکلیٹس پر گئی۔ عوف اور میرب ان پر ہمکتے تھے۔ اس نے ایک پیکٹ نکالا اور کاؤنٹر پر رکھا۔ بل ادا کر کے باہر آگیا۔ پھر وہ ایک فلاور شاپ پر گیا اور اپنی پسند کا سرخ گلاب کا فل سائز بکے تیار کروایا تھا۔

”کیا ہو گیا ہے یار مجھے۔ کیا میں اسے لینے جا رہا ہوں۔“ اس نے گاڑی ٹرن کرتے سوچا اور میوزک آن کر لیا۔

گاڑی ان کے رہائشی علاقے میں داخل ہو چکی تھی۔ قدرے تنگ سڑک پر ڈالتے ماں کا خیال آیا۔

”بیٹا عورت پہل کی ہمت نہیں رکھتی، تم مرد ہو، ہمت کرو۔“ اس نے ساری انا بالائے طاق رکھے بریک براؤن گیٹ کے سامنے لگائی اور لحہ بھر سوچا۔

”او میرے اللہ! اس گھر کی خواتین.... اف“ امامہ کا سابقہ رویہ اسے جھرجھری دے گیا۔ ”کاش آج سوائے شمے کے تمام لارڈ خواتین کہیں گئی ہوئی ہوں، کاش پارلر ہی، اور....“ اس نے دانت پیسے ساری رات ان کی باری نہ آئے۔

وہ دعا مانگتا ہوا اترا پھر اسے کال کرنے کا خیال آیا۔ سیل نکال نمبر ملایا۔ پہلی ٹون پر کال ریسیو ہو گئی، لیکن بہت ملی جلی آوازوں کا شور تھا۔ عوف بہت زور سے بولا۔ ”ہیلو۔“ کتنے دن بعد اس کی آواز سنی تھی غالباً صرف اس لیے کہ اگر بچوں کی آواز سن لیتا تو پھر تو لحہ بھر بھی خود کو روکنا مشکل تھا۔ اب بھی ایسے ہی بے چین ہوا تھا۔

”عوف.... میری جان!“

”کون.... بابا جانی۔“

”ہاں یار، کہاں ہو آپ، بابا یاد نہیں آرہے۔“

”آرہے ہیں.... مما نے بتایا تھا آپ ترکی گئے ہوئے ہیں کب آئے اور اپنا موبائل کیوں نہیں لے کر گئے تھے۔“

وہ اس کی تفصیل سن کر لحہ بھر چونکا اور شامہ کو داد دیے بنا نہ رہ سکا۔ ”بڑی چالاک ہو تم۔ میں بھی حیران تھا بچے آخر اتنے دن میرے بغیر ٹکے ہوئے کیسے ہیں وہ استہزائیہ ہنسا اور اسے کہا۔

”یار آج ہی آیا ہوں اور آپ کی مما.... وہ گھر ہیں نا انہیں فون دو۔“

”بابا مما تو گھر ہیں، لیکن میں نانا ابو کے ساتھ مارکیٹ میں ہوں.... فون میرے پاس ہے۔“ مرتضیٰ بھی پہلے حیران ہوئے پھر انہیں باتیں کرتے دیکھ کر اللہ کا شکر ادا کیا۔

”اف.... ہو۔ اب جانے کون سی بلا گیٹ کھولے گی۔“ اس نے اسے جلدی گھر پہنچنے کی ہدایت کرتے فون بند کیا اور ہزاروں دعائیں بیل پر پھونک کر بجائی تھی۔ دروازہ بھائی جان نے کھولا، پہلا شگون اچھا تھا یک لخت حیران ہوئے پھر جیسے منوں بوجھ اترا اور خوش اخلاقی سے گلے لگ گئے۔ وہ اسے اپنے ساتھ اندر لے آئے ڈرائنگ روم میں بٹھایا۔

”میں.... میں شامہ کو بھیجتا ہوں۔“ وہ کہہ کر اندر کی جانب جانے لگے تب وہ تیزی سے کہتے ہوئے اٹھا۔

”بھائی میں آپ کے ساتھ ہی چلتا ہوں۔“ فرحت کچن میں شیر خرما بنا رہی تھیں۔ پھوپھی اماں برتن صاف کر کے، ٹیبل پر صبح کے لیے لگا رہی تھیں۔ نگہت بھابھی اور امامہ جلدی جلدی میوے کاٹنے کے چکر میں تھیں۔ جلدی فارغ ہوں اور نکلیں۔ بھائی

جان بند کمرے کی جانب اسے اشارہ کرتے خود دوسری جانب چلے گئے۔ وہ ناب گھما اندر آگیا تھا۔

صاف ستھرا کمرہ، بیڈ کے اوپر ایک تیار ہینڈ کیری اور اس کا پرس رکھا تھا۔ دائیں جانب پریس شدہ دوپٹا اور بائیں جانب پنس پونیاں لگائے پنک فراک میں اس کی ننھی پری۔ اس نے جھک کر نرمی سے پری کو چوما۔ ابھی سیدھا ہو رہا تھا کہ واش روم کا دروازہ کھل گیا۔ پل بھر کے لیے وہ سن سی ہوگئی تھی۔ شاید اس کا وہمہ ہے اس نے پلکیں جھپک کر یقین چاہا۔

"تت... تم!"

"جی..." وہ سیدھا ہوا اور مضبوطی سے جما کر قدم رکھتا اس کے مقابل جا کھڑا ہوا۔

"جی یہ میں ہی ہوں، عداس احمد، آپ کا شوہر اور محبوب ہونے کا اعزاز یافتہ... کیسی ہو مائی ڈیر ڈھیٹ وائف مس شمامہ العنبر سول انجینئر صاحبہ..."

قریب تھا کہ اسے چکر آجاتا اس نے نرمی سے عداس کی مضبوط کلائی کو تھام لیا۔ اس نے شرارتاً" اس کے چہرے پر ہلکا سا پھونکا مارا اور اپنے قریب کرلیا۔ وہ آنکھیں پھاڑے دیکھے گئی۔

"اب ایسے کیا دیکھ رہی ہو، شرم تو نہیں آتی، سارے شہر میں گھومتی ہو، میاں سے ملنے کا خیال نہیں آیا۔"

"میاں نے پکارا؟" اس کے سوال پر وہ ٹھٹکا۔

"کیوں تمہارے دل کا نیٹ ورک کام نہیں کرتا۔"

"نیٹ ورک کیوں... خود کیوں نہیں؟ ایک بار آکر دیکھا تک نہیں۔"

"آیا تھا میں... اسپتال، امامہ صاحبہ نے بتایا نہیں، انہوں نے میری کتنی عزت افزائی کی تھی، بس مجھ پر پھول چڑھانے کی کسر رہ گئی تھی۔" وہ حیران سی حیران تھی۔ روم کے باہر دیوار کے ساتھ گرا بکے اسے جھما کے کی صورت یاد آیا۔

"او مائی گاڈ..." اب اپنی بہن کو وہ کیا کہتی چپ کرگئی اور روندھی آواز میں لمبا سا "سوری" کرتے اس کے کندھے پر سر رکھ لیا۔

"اب پلیز رونے دھونے کا سیشن گھر جا کر کرلینا، وقت ضائع مت کرو۔" اس نے انگلی سے اس کے بال اٹھا کر کچھ پیچھے کیے۔ سپید گردن پر تازہ ٹانکے کھلنے کا نشان تھا۔

"بہت گہری چوٹ آئی تھی۔" لہجے میں درد تھا۔

"ہاں... چوٹ واقعی بہت گہری تھی عداس۔"

"چلو... چند دن میں زخم بھر جائے گا۔" وہ سنتے ہوئے الگ ہوئی اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"مندمل تو ہوجائے گا، مگر شاید اس کا نشان تاحیات رہے۔" آواز گلوگیر تھی، آنکھیں بھیگ گئیں۔ اس نے فوراً" ہمیشہ کی طرح ٹشو دیا۔

"نہیں، اول تو نشان رہے گا نہیں، اگر رہ گیا تو میری محبت میں اتنی طاقت ضرور ہے کہ کسی کو دکھائی نہیں دے گا۔" وہ مان رہ جانے پر مسکرادی اور وہ فوراً" شرارتی انداز پر اترا۔

"اچھا یہ تو بتاؤ ڈیر وہ گاڑی کس کی تھی؟ جس کے پیچھے اتنا کھڑاک کیا تم نے..."

"عداس... تم...؟" وہ سابقہ جون میں لوٹنے لگی تو اس نے اس کی دونوں نازک بانہیں مضبوطی سے تھام لیں۔

"ہاں جناب میں... محترمہ میرے ساتھ فارہ اس لیے تھی کہ ان کا آفس میرے انڈر زیر تعمیر ہو رہا ہے، کروڑوں کی آسامی خالی دن کی محنت سے وصول نہیں ہوتی اور تم بھی مان لو، تمہاری گاڑی خراب ہوگئی تھی، مجھے ورک شاپ سے فون آگیا تھا۔" اس کے منہ پھاڑے انداز پر اس نے اونچا قہقہہ لگایا اس بات سے قطع نظر کہ آواز پر فرحت کتنا بھڑکیں گی۔ نگہت بھابھی امامہ کے بے سروپا جملے اور... خیر۔ آواز کسی کو گئی یا نہیں البتہ میرب سہم کر اٹھی اور ریں ریں لگادی۔

☼ ☼

ناولٹ

مہوش افتخار

طوبیٰ ضروری سامان خریدنے بازار جاتی ہے تو اس کی ملاقات دس سال بعد نوفل جاہ سے ہو جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ایک بے حد خوب صورت لڑکی نگین ہوتی ہے۔ طوبیٰ گھر پہنچتی ہے تو دیکھتی ہے کہ عصمی پھپھو اور تائی جان بیٹھی ہوئی ہوتی ہیں۔ حسن مجتبیٰ کی جائداد کی وجہ سے طوبیٰ کے تایا جان اپنے بیٹے ضیا کی شادی طوبیٰ کے ساتھ کرنا چاہتے ہیں اور حسن مجتبیٰ کے انکار کی وجہ سے ناراض ہو جاتے ہیں۔

حسن مجتبیٰ ان سب کے سگے نہیں بلکہ واحد سوتیلے بھائی ہیں جنہیں ان کی والدہ مرحومہ نے اپنی یتیم بھتیجی ارجمند بیگم سے بیاہ دیا تھا۔ ان کی دو بیٹیاں طوبیٰ حسن اور ماہ نور حسن اور ایک بیٹا احمر حسن تھا۔ احمر کو اپنے باپ کے بزنس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی وہ پڑھنے کے لیے باہر گیا تو وہیں شادی کر کے سیٹل ہو گیا۔

حسن مجتبیٰ دل کے عارضے میں مبتلا تھے لیکن وہ سرجری بیٹیوں کی وجہ سے نہیں کروا رہے تھے طوبیٰ ان کو راضی کرتی ہے اور وہ پشاور سے واپسی پر سرجری کروانے کا وعدہ کر لیتے ہیں۔

نوفل جاہ کا کراچی میں اپنے ایک دوست کے ساتھ بہت بڑے پیمانے پہ اسپتالوں میں استعمال ہونے والی مشینری کا بزنس تھا۔ وہ بزنس کے سلسلے میں ایک اسپتال موجود ہوتا ہے کہ اچانک کچھ زخمی لائے جاتے ہیں۔

ان زخمیوں میں حسن مجتبیٰ بھی ہوتے ہیں۔ پشاور کے لیے ایئرپورٹ جاتے ہوئے ان کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے اور ڈاکٹرز کی تمام تر کوششوں کے باوجود حسن صاحب اور ان کا ڈرائیور دونوں ہی دم توڑ جاتے ہیں۔ نوفل جاہ سب کچھ بھلا کے نہ صرف میت کے ساتھ ان کے گھر جاتا ہے بلکہ فون کر کے اپنے گھر والوں کو بھی پہنچنے کا کہتا ہے۔ وہاں جا کر نوفل کو ماضی یاد آ جاتا ہے۔

حسن مجتبیٰ اور منصور جاہ ایک دوسرے کے پرانے دوست ہوتے ہیں۔ منصور جاہ گورنمنٹ کے ایک اعلیٰ عہدے پر فائز ہوتے ہیں۔ حسن مجتبیٰ کو کاروبار میں پیسے کی ضرورت پڑتی ہے تو وہ منصور جاہ کے ساتھ شراکت کر لیتے ہیں۔ دو خاندانوں کی آپس میں بہت دوستی ہوتی ہے۔ منصور جاہ کے دو بیٹے نوفل جاہ اور محب جاہ اور ایک بیٹی ضحیٰ ہوتی ہے۔ طوبیٰ من ہی من میں نوفل جاہ سے محبت کرنے لگتی ہے نوفل بھی اسے چاہتا ہے لیکن اظہار نہیں کرتا۔ منصور جاہ نے حسن مجتبیٰ کے مشورے پر ان کے گھر کے برابر پلاٹ پہ بنگلا تعمیر کروا لیتے ہیں۔ اور اپنی ساری جمع پونجی اس پر لگا دیتے ہیں۔ ان ہی دنوں اچانک منصور جاہ پر آفس میں اچانک فنڈز میں گھپلے کا جھوٹا الزام لگ جاتا ہے اور ان کو سسپینڈ کر دیا جاتا ہے۔ اس پریشانی میں حسن مجتبیٰ بجائے اپنے دوست کا ساتھ دینے کے ان سے اپنی بزنس پاٹنر شپ ختم کر دیتے ہیں۔ منصور جاہ اس صدمے کو جھیل نہیں پاتے اور ان کا انتقال ہو جاتا ہے۔ ان کے انتقال کے بعد حسن مجتبیٰ نوفل سے کہتے ہیں کہ منصور نے یہ شراکت خود ختم کی تھی اور ان کے دستخط بھی دکھا دیتے ہیں۔ نوفل پر اچانک بہت بڑی ذمہ داری آ جاتی ہے۔

اب آگے پڑھیے۔

تیسری قسط

"نوفل بیٹا یہ کیسی ضد ہے؟ میں ایسے خالی ہاتھ بیٹی کو کیسے رخصت کر سکتی ہوں، لوگ کیا کہیں گے؟"
ارحمند کے چہرے پہ پریشانی دیکھ کے نوفل ان کے قریب چلا آیا اور انہیں اپنے مضبوط بازو کے حلقے میں لے لیا۔

"ہم لوگوں کے خوف سے جب تک نکلیں گے نہیں نا اماں جان، تب تک ہم کسی بھی اچھے عمل کی داغ بیل نہیں ڈال سکیں گے۔" اس نے انہیں محبت سے اماں جان پکارا تو ارحمند کی نظریں حیرت سے اس کے چہرے پہ جم سی گئیں۔

"میں آپ کا داماد بعد میں اور بیٹا پہلے ہوں۔ آپ نے ساری زندگی مجھ میں اور احمر میں کوئی فرق نہیں کیا اور میں چاہوں گا کہ اب آپ بھی اس نئے رشتے کے تکلفات میں نہ پڑیں۔ بیٹے ماؤں سے کچھ لیتے ہوئے نہیں بلکہ انہیں دیتے ہوئے اچھے لگتے ہیں۔ رخصتی چاہے آج ہو یا کل، یہ بات طے ہے کہ طوبیٰ کو میری زندگی میں خالی ہاتھ ہی شامل ہونا ہے۔ اس لیے کم از کم اس مسئلے کو لے کر آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔" رسان سے انہیں قائل کرتا وہ دھیرے سے مسکرایا تو ارحمند کی آنکھیں جھلملا گئیں۔ پتا نہیں ان کی کون سی نیکی تھی جو اللہ تعالیٰ نے ان کی بیٹی کے نصیب میں نوفل جاہ جیسا سلجھا ہوا شریک سفر لکھ دیا تھا۔

"تم نے مجھے اپنی اماں جان کا درجہ دے دیا ہے۔ میرے لیے اس سے بڑھ کر اعزاز کی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔ لیکن کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ ہم یہ رخصتی چالیسویں کے بعد رکھ لیں؟"

"ایک بات کہوں بہن۔" عالی کی والدہ نے شائستگی سے کہا تو ارحمند بیگم کے ساتھ سبھی ان کی طرف دیکھنے لگے۔

"میں آپ کے دکھ کو سمجھ سکتی ہوں۔ بے شک آپ کا دکھ بہت بڑا ہے، لیکن نیکی کے کام میں تاخیر کو پسند نہیں کیا گیا۔ اور آپ تو یوں بھی بیٹی کی شادی جیسا بابرکت فریضہ انجام دے رہی ہیں۔ اس لیے اللہ کا نام لیں اور اس کار خیر کو پورا کریں۔ ولیمہ آپ لوگ بے شک چند ماہ بعد دھوم دھام سے رکھ لیں۔" وہ رسان سے گویا ہوئیں تو ارحمند دل سے قائل ہو گئیں۔

"ٹھیک ہے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" ان کی بات سے نوفل کے چہرے پہ اطمینان بھری مسکراہٹ بکھیر گئی۔

"لیکن ہم بچی کو رخصت کروا کے لے جائیں گے کہاں؟" صباحت کی فکر ان کی رضا مندی کی دلیل تھی۔

"اس کی آپ بالکل فکر نہیں کریں آنٹی۔ میں نے سب کچھ ارینج کر رکھا ہے۔" عالی نے ایک شرارت بھری نظر نوفل پہ ڈالی تو وہ اپنی مسکراہٹ چھپانے کو چہرہ جھکا گیا۔

"اچھا! تو یہ تم دونوں کی ملی بھگت تھی۔" صباحت نے مسکراتے ہوئے آگے بڑھ کر عالی کا کان پکڑا تو وہ سٹپٹا گیا۔

"قسم سے میرا نہیں، آپ کے لاڈلے کا پلان تھا یہ۔ میں تو صرف دوستی نبھا رہا ہوں۔" اس کی دہائی پہ سبھی ہنس پڑے تھے۔

"اللہ پاک تم دونوں کے درمیان یونہی اتفاق رکھے۔" صباحت اس کی پشت تھپتھپاتی ارحمند کی طرف پلٹی تھیں۔

"ہاں بھئی ارحمند! اجازت ہے پھر؟"

"بالکل بھابھی آپ کی اپنی بیٹی ہے۔" وہ حوصلے سے مسکرائیں تو صباحت نے آگے بڑھ کے انہیں خود سے لگا لیا۔

☆ ☆ ☆

متحوش سی طوبیٰ ارد گرد کا خیال کیے بغیر تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"کیا کر رہی ہیں آپی؟" ماہ نور نے گھبرا کے مہمانوں کی طرف دیکھتے ہوئے اس کا ہاتھ تھاما۔

"م... میں نے رخصتی نہیں کروانی۔" وہ روہانسی سی بولی تو ماہ نور حیران پریشان سی بہن کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"یہ آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں آپی۔ آپ کا نکاح ہو......"

"ایکسکیوزمی!" ماہ نور کے پیچھے ابھرنے والی آواز نے جہاں اس کی زبان کو بریک لگایا تھا، وہیں طوبیٰ بھی جیسے خود میں لوٹ آئی تھی۔ اس نے چونکتے ہوئے نظریں اٹھائی تھیں اور نوفل جاہ کی حسین محبت کو اپنے سامنے کھڑا دیکھ کے اس کا دل چاہا تھا کہ وہ چیخ چیخ کر اس شخص کی دھوکے بازی اپنی ماں سمیت سب پر واضح کر دے۔ طوبیٰ کو اپنی طرف متوجہ پا کے نگین کے لبوں پہ اک کاٹ دار مسکراہٹ آٹھہری تھی۔

"مبارک ہو مس طوبیٰ حسن۔ میں حقیقتاً" بہت لیٹ ہو گئی۔ ہے نا؟" طوبیٰ کی آنکھوں میں دیکھتی وہ ذو معنی لہجے میں بولی تو صورت حال سے انجان ماہ نور اخلاقاً" مسکرادی۔

"ارے نہیں، آپ تو بالکل صحیح موقع پہ پہنچی ہیں، آپی کی رخصتی بس ابھی ہونے والی ہے۔" اس کی بات پہ نگین نے زہر میں ڈوبی ایک نظر طوبیٰ کے چہرے پہ ڈالی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اپنے مقابل کھڑے اور اپنے مقابل آنے والے اس وجود کے پرخچے اڑا دے، جس نے اس کی بے خبری میں مانو اس کا دل ہی اس کے سینے سے نوچ نکالا تھا۔

ماہ نور نے ساکت کھڑی طوبیٰ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے اسے صوفے پر بٹھایا تھا۔

"آپ بیٹھیں آپی، میں ابھی آتی ہوں۔" نگین کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کرتی وہ اندر کی جانب بڑھ گئی تھی۔ اس کے منظر سے ہٹتے ہی نگین نے اپنے اندر اٹھتے نفرت کے طوفان کا رخ طوبیٰ کی جانب موڑ دیا تھا۔

"اگر مجھے علم ہوتا کہ تم سی معمولی لڑکی میری محبت پہ شب خون مارنے کی جرات کرے گی تو یقین مانو میں اس بھیگتی شام میں ہی تمہاری ذات کو مٹی میں ملا دیتی!" اس کی آواز میں سانپ کی پھنکار تھی۔ وہ پور پور نفرت میں ڈوبی نیلی ہوئی کھڑی تھی۔ اس کی نفرت طوبیٰ کو گنگ کر گئی تھی۔ وہ سنسناتے ہوئے دماغ کے ساتھ اس کا انگارے کی طرح دہکتا ہوا چہرہ دیکھے گئی تھی۔

"مگر یاد رکھنا! نوفل جاہ میرا تھا۔ میرا ہے اور میرا ہی رہے گا۔ تم اس کی کوئی مجبوری تو ہو سکتی ہو لیکن اس کی محبت کبھی نہیں بن سکتیں۔ تم ہمارے درمیان کبھی نہیں آسکتیں۔ سمجھیں!" دانت پیستی وہ ایک جھٹکے سے پلٹی تھی لیکن سامنے سے نوفل کو اپنی فیملی اور دیگر احباب کے ساتھ لان میں داخل ہوتا دیکھ کے وہ اپنی جگہ پہ جم گئی تھی۔ ایک غبار تھا جو نگین کو اپنے اندر اٹھتا محسوس ہوا تھا۔ جی چاہ رہا تھا کہ وہ اس شخص سمیت سب کچھ تہس نہس کر کے رکھ دے۔

تبھی مسکراتے ہوئے نوفل جاہ کی نظر سامنے کو اٹھی تھی اور طوبیٰ سے ذرا فاصلے پر نگین کو کھڑا دیکھ کے اس کی مسکراہٹ سمٹ گئی تھی۔ نظروں کے اس تصادم نے نگین کی آنکھوں میں شعلے سے بھر دیے تھے۔

عالی اور محب کے علاوہ ضحیٰ اور صباحت بھی اسے دیکھ چکی تھیں۔ اس کی یہاں موجودگی نے ان سب کو شاکڈ کر دیا تھا۔

"یہ یہاں تک کیسے پہنچ گئی؟" صباحت نے حیرت سے بیٹے کی طرف دیکھا۔ نوفل نے اک گہری سانس لی۔

"آپ لوگ چلیں، میں دیکھتا ہوں۔" وہ کہتا ہوا نگین کی جانب بڑھا تھا۔ اسے اپنی طرف آتا دیکھ کے نگین فاروق بھی دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی نوفل جاہ کے مقابل آٹھہری ہوئی تھی۔ طوبیٰ کی نظریں نا چاہتے ہوئے بھی ان دونوں پہ ٹھہری گئی تھیں۔

"تم نے تو مجھے اپنی شادی میں بلانے کی زحمت نہیں کی۔ مگر دیکھو میں خود ہی تمہاری اس ایمرجنسی شادی میں چلی آئی...... ایمرجنسی ہی نافذ تھی نا اس گھر میں 'بقول تمہارے'؟" لہجے میں طنز کی کاٹ لیے اس نے نوفل جاہ کو ہوٹل میں ہونے والی اس کی گفتگو کا حوالہ دیا تو نوفل نے ایک گہری نظر اس کے چہرے پہ ڈالی۔ وہ اس وقت جس جذباتی کیفیت سے گزر رہی تھی، نوفل کو اس کا باخوبی اندازہ تھا۔ جبھی اس نے خاموشی اختیار کیے رکھی تھی۔

"بہت برا کیا نوفل جاہ۔ بہت برا۔ ان دس سالوں میں کون سا ایسا لمحہ تھا جب میں نے اپنی محبت، اپنی ذات میں کوئی کمی تلاش نہیں کی۔ تمہاری بے اعتنائی کی وجہ میں، ہمیشہ خود میں کھوجتی رہی، جبکہ کھوٹ تو تمہارے اندر تھا۔ تم اس دو ٹکے کی لڑکی کی محبت...."

"بس!" نوفل کے برداشت کی حد جواب دے گئی تھی۔ "میرے خیال میں تمہیں اب چلنا چاہیے۔" وہ ٹھنڈے اور قطعی لہجے میں بولا تو نگین کا چہرہ اہانت کے احساس سے سلگ اٹھا۔

"میں تو یہاں سے چلی ہی جاؤں گی۔ لیکن یہ عزت افزائی میں ہمیشہ یاد رکھوں گی مسٹر نوفل!" قہر برساتی نظروں سے اسے دیکھتی وہ تیز قدموں سے باہر کی جانب بڑھ گئی تھی۔ نوفل نے اک گہری سانس لیتے ہوئے اپنے تنے ہوئے اعصاب کو پرسکون کرنے کی کوشش کی تھی۔

نگین سے باخیر و عافیت گلوخلاصی پہ صباحت اور ضحیٰ نے شکر کا کلمہ پڑھا تھا۔ اس کی یہ خاموش پسپائی عالی اور محب کے لیے بھی کافی حیران کن تھی۔

مہمانوں میں رخصتی کی اطلاع نے خوش گوار سی ہلچل مچا دی تھی۔ رجا، نادیہ، اسماتینوں کی خوشی دیدنی تھی۔

"نوفل بھائی نے تو آج مجنوں کو بھی مات دے دی.... ہم سمجھ رہے تھے کہ وہ تمہارا روپ دیکھ کر کف افسوس ملیں گے۔ لیکن انہوں نے تو ساری بازی پلٹ دی۔"

"اور نہیں تو کیا۔ کس نے سوچا تھا کہ ہم رجا کی شادی سے پہلے طوبیٰ کی طوفانی شادی کے چاول کھائیں گے۔" اسما نے لقمہ دیا تو ضحیٰ اور ماہ نور بھی ہنس پڑیں۔

ان سب کی شوخیاں اور شرارتیں طوبیٰ کا دم الجھانے لگی تھیں۔ اس کی پریشان نظریں اپنی ماں کی منتظر تھیں۔ لیکن جب انہوں نے آکر اس کا یخ بستہ ہاتھ تھاما تو طوبیٰ کے لب کچھ کہنے کی کوشش میں محض کپکپا کے رہ گئے تھے۔

"میں صرف اتنا کہوں گی کہ میری عزت تمہارے ہاتھ میں ہے۔" اسے خود سے لگاتے ہوئے وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی تھیں اور طوبیٰ کا ہر احتجاج اپنی موت آپ مر گیا تھا۔

قرآن پاک کے سائے تلے وہ جس وقت نوفل جاہ کے برابر گاڑی میں بیٹھی تھی، آنسوؤں کی ایک دبیز چادر تھی جس نے سارا منظر دھندلا دیا تھا۔ اس کا دل اپنی بے بسی اور ساتھ بیٹھے شخص کی بے حسی پہ شدت سے ماتم کناں تھا۔

☆ ☆ ☆

کمرے کا دروازہ کھلنے پر خوشبوؤں کے جھونکے نے طوبیٰ کا استقبال کیا تھا۔ وہ گھبرا کے دہلیز پہ ہی رک گئی تھی۔

"چلو بیٹا۔" صباحت کے نرم لہجے پہ طوبیٰ نے نچلا لب دانتوں تلے دباتے ہوئے اپنی ہمت مجتمع کی تھی۔

کمرے میں پہنچ کے وہ ایک لمحے کے لیے مبہوت رہ گئی تھی۔ سرخ گلابوں اور موتیے کے پھولوں کی خوب صورت سجاوٹ کے درمیان جا بجا جلتی موم بتیوں اور نیٹ کی مہین آرائش نے ماحول کو بے پناہ فسوں خیز بنا دیا تھا۔ عالی نے ان کے لیے شہر کے بہترین ہوٹل میں کمرہ ارینج کروایا تھا۔

"اف کتنی خوب صورت ڈیکوریشن ہے!" صباحت کے باہر نکلتے ہی ضحیٰ کھل کے مسکراتے ہوئے اس کی طرف پلٹی تھی۔ "تمہیں روم پسند آیا؟"

"ضحیٰ میرا دل گھبرا رہا ہے۔" اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے وہ روٹھے لہجے میں بولی تو ضحیٰ کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"دل کیوں گھبرا رہا ہے؟ نوفل بھائی کوئی غیر تو نہیں۔" وہ اس کے پاس کاؤچ پہ آبیٹھی۔ "پتا ہے، مجھے ابھی تک یقین نہیں آرہا کہ میرے بچپن کی دوست میری بھابھی بن چکی ہے۔ تم اس رشتے سے خوش ہو نا؟"

"پتا نہیں۔" وہ دل گرفتگی سے بولی تو ضحیٰ کے چہرے پہ بھی اداسی پھیل گئی۔

"میں سمجھ سکتی ہوں۔ پہلے انکل کی اچانک موت

۔ پھر احمر بھائی کا رویہ اور پھر یوں اچانک شادی۔ سب کچھ اتنی تیزی سے ہوا کہ تمہاری جگہ کوئی بھی ہوتا یونہی گم سم سا ہو جاتا۔" ضحیٰ نے اس کا ہاتھ پکڑا۔

"لیکن تم دیکھنا کہ اللہ کے حکم سے نوفل بھائی تمہاری ہر تکلیف کا اپنی محبت سے مداوا کر دیں گے..... تم نہیں جانتی، لیکن وہ تم سے بہت محبت کرتے ہیں طوبیٰ۔"

اس کی آنکھوں میں دیکھتی ضحیٰ دھیرے سے مسکرائی تو وہ چونک کر اس کا چہرہ تکنے لگی۔

"یہ تم سے کس نے کہا؟"

"بھائی نے خود بتایا ہے یار۔" وہ شوخ سی بولی تو طوبیٰ کے لبوں پر اک تلخ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اگر ایسی بات ہے تو وہ کون تھی جو آج **فنکشن** میں چلی آئی تھی؟" طوبیٰ کے سوال پہ ضحیٰ دھک سے رہ گئی۔ یہ کیا کہہ رہی تھی؟ یقیناً" نگین نے ان سب کی غیر موجودگی میں کوئی نہ کوئی فتور ضرور پھیلایا تھا جو طوبیٰ یہ سوال کر رہی تھی۔

"اس نے کچھ کہا ہے تم سے؟" ضحیٰ کے لہجے میں بولتے اندیشے طوبیٰ کی مسکراہٹ گہری کر گئے۔

"یہ میرے سوال کا جواب نہیں ضحیٰ۔"

"دیکھو طوبیٰ۔ وہ لڑکی ایک نمبر کی مکار ہے۔ تم پلیز اس کی کسی بھی بات پہ آنکھیں بند کر کے یقین مت" کبھی دروازہ کھول کے صباحت اندر چلی آئی تھیں۔ ماں کے چہرے پہ نظر پڑتے ہی ضحیٰ خاموش ہو گئی تھی۔

"اچھا بیٹا ہم جا رہے ہیں۔" صباحت، طوبیٰ کے قریب چلی آئیں تو وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اللہ پاک میرے بچوں کو ہمیشہ خوش رکھے۔"

انہوں نے اس کی پیشانی چومتے ہوئے خود سے لگایا تو طوبیٰ کی آنکھیں بھر آئیں۔ زندگی اب نجانے کس طور گزرنے والی تھی کجا کہ خوشی؟ دکھ سے سوچتے ہوئے اس نے اپنی پلکیں جھکالی تھیں۔

ضحیٰ کمرے سے باہر آئی تو اس کی نظریں نوفل کی متلاشی تھیں۔ اسے عالی کے ساتھ باتیں کرتا دیکھ کے وہ تیز قدموں سے ان کی طرف چلی آئی تھی۔

"بھائی! مجھے لگتا ہے۔ نگین نے طوبیٰ سے کچھ کہا ہے۔" اس کی بات پہ نوفل نے چونکتے ہوئے اسے دیکھا۔

"تمہیں ایسا کیوں محسوس ہوا؟" جواباً" ضحیٰ نے مختصراً" ساری بات اسے کہہ سنائی۔

"مجھے پتا تھا یہ لڑکی کوئی نہ کوئی گل ضرور کھلائے گی۔" ماں کے غصیلے لہجے پہ نوفل نے اک گہری سانس لی۔

"اوہو کچھ نہیں ہوتا۔ اس نے اگر کچھ کہا بھی ہوگا' تو تمہارا بھائی ہے نا۔ وہ خود ہی اگلے پچھلے سارے گلے دور کر لے گا۔" عالی قصداً" ہلکے پھلکے انداز سے بولا۔

"مگر بھائی....."

"فکر مت کرو ضحیٰ۔ اگر ایسی کوئی بات ہوئی تو میں اس کی غلط فہمی دور کر دوں گا۔"

گھر والوں کو خیرباد کہہ کے نوفل اپنے کمرے کی طرف چلا آیا تھا۔ اس کے اس اچانک اقدام نے یقیناً" طوبیٰ کی کبیدگی کو کچھ اور بڑھا دیا تھا۔ لیکن اسے اپنی محبت پہ بھروسا تھا۔ وہ آج ہر ادھوری سچائی مکمل کرنے کا خواہاں تھا۔

وہ اسے بتانا چاہتا تھا کہ وہ اس سے بے انتہا محبت کرتا ہے اور آج سے نہیں بلکہ تب سے کرتا ہے، جب وہ محبت کے مفہوم سے آشنا بھی نہ تھی۔ اس نے اگر ماضی میں کوئی تلخ قدم اٹھایا تھا تو کسی بددیانتی کے تحت نہیں بلکہ صرف اس لیے کہ وہ اس کی معصومیت کو اپنے حالات کی سختی کی بھینٹ نہیں چڑھانا چاہتا تھا۔ وہ اس کی ذات کو انتظار کی بھٹی میں نہیں جھونکنا چاہتا تھا اور بس۔

وہ طوبیٰ کے چہرے پہ اب اپنے نام کے رنگ دیکھنے کا خواہش مند تھا۔ وہ اس کی ستارہ آنکھوں میں اپنا عکس دیکھنا چاہتا تھا۔

☼ ☼ ☼

دروازہ کھلنے کی آواز پہ آئینے کے سامنے کھڑی طوبیٰ نے پلٹ کر پیچھے دیکھا تھا۔ نوفل کے چہرے پہ نگاہ

پڑتے ہی وہ رخ موڑ کے پھر سے اپنے کام میں مصروف ہو گئی تھی۔

نوفل نے ایک محظوظ نگاہ اس کی پشت پہ ڈالی تھی۔ طوبیٰ کی ہمیشہ سے یہ عادت رہی تھی کہ وہ جب بھی شدید ناراض ہوتی تھی خاموشی اختیار کر لیتی تھی۔ نوفل نے دروازہ بند کیا تھا۔ اور دھیرے دھیرے قدم اٹھانے لگا تھا۔ اسے لحظہ بہ لحظہ آئینے میں اپنی طرف بڑھتا دیکھ کے طوبیٰ کی ساری بے نیازی ہوا ہو گئی تھی۔ وہ دم سادھے اسے دیکھتی چلی گئی تھی، یہاں تک کہ وہ چلتا ہوا اس کے پیچھے آکھڑا ہوا تھا۔ دونوں کی نگاہیں آئینے میں ایک دوسرے پہ جم کے رہ گئی تھیں۔ بلیک ٹوپیس میں نوفل بے حد وجیہہ لگ رہا تھا۔ طوبیٰ کی دھڑکنوں میں ارتعاش سا برپا ہوا تھا۔ جبکہ نوفل اسے اپنی پسند کے لباس میں مہکتا دیکھ کے پلکیں جھپکنا بھول گیا تھا۔ وہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔

"کیوں اپنا روپ خراب کر رہی ہو؟ ابھی تو میں نے تمہیں جی بھر کے دیکھا بھی نہیں۔" وہ گمبھیر لہجے میں اس کے عکس سے مخاطب ہوا تو طوبیٰ کا دل دھڑک اٹھا۔ نا چاہتے ہوئے بھی اس کے عارض رنگین ہو گئے تھے۔ نوفل نے اس قوس و قزح کو بڑی دلچسپی سے دیکھا تھا۔ وہ نظریں چراتی اس کے پہلو سے نکل جانے کی خواہش میں جو ہی آگے بڑھی تھی نوفل نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ فضا میں یک لخت چوڑیوں کی جھنکار بکھر گئی تھی۔

"میرا ہاتھ چھوڑ دیں۔"

"یہ تم ہر وقت چھوڑنے چھڑانے کی باتیں کیوں کرتی رہتی ہو؟" نوفل نے شرارت سے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تو طوبیٰ کی بھنویں تن گئیں۔ مگر وہ بولی۔ کچھ نہیں۔ اس کی خاموشی پہ نوفل دھیرے سے ہنس پڑا۔

"اچھا بابا غصہ تھوک دو۔ میں مانتا ہوں کہ میں نے تم سے چیٹنگ کی 'اینڈ آئی ایم سوری فار دیٹ۔" اس کی بات طوبیٰ کے لبوں پہ تلخ مسکراہٹ بکھیر گئی۔

"آپ دھوکے کے علاوہ اور دے بھی کیا سکتے ہیں۔" اس کے لہجے کی کاٹ نوفل جاہ کی آنکھوں کی چمک ماند کر گئی۔

"کیا ہم پھر سے دوست نہیں بن سکتے؟" وہ پھیکی سی مسکراہٹ لیے بولا تو طوبیٰ کے چہرے پہ استہزائیہ رنگ پھیل گیا۔

"ہم پہلے بھی کبھی دوست رہ چکے ہیں کیا؟"

"دیکھو طوبیٰ......"

"دیکھنے کی مجھے نہیں' آپ کو ضرورت ہے۔ میں نہیں جانتی کہ آپ کے کس ذاتی مفاد نے آپ کو' آپ کی دس سالہ بے نیازی تلف کرنے اور مجھ سے شادی پہ اکسایا ہے۔ لیکن میرا آپ سے کوئی مفاد وابستہ نہیں۔ آپ بھول سکتے ہیں جو کچھ آپ نے کہا اور کیا تھا۔ لیکن میں کچھ نہیں بھولی۔ نہ آپ کا مجھے دھتکارنا اور نہ دھکیل کے مجھے میری ہی نظروں سے گرانا۔ اس لیے میرے سامنے کم از کم محبت کا ڈرامہ رچانے کی ضرورت نہیں! آپ کی محبت وہی ہے جو آپ کے عشق میں مبتلا ہو کے آپ کے نکاح تک میں پہنچ گئی تھی۔"

"لیکن پھر بھی دیکھ لو' نکاح میرا اس سے نہیں تم ہی سے ہوا ہے۔" اس کی آنکھوں میں دیکھتا وہ شوخی سے بولا۔

"ہونہہ اور اسی بات کا آپ شاید فائدہ اٹھانا چاہ رہے ہیں۔" کاٹ دار تاثر چہرے پر سجائے اس نے نوفل جاہ کے ہاتھ میں دبے اپنے ہاتھ کی جانب اشارہ کیا تو اس تمام عرصے میں پہلی بار نوفل کے لبوں سے مسکراہٹ غائب ہو گئی۔

"فائدہ؟ شاید تم بھول رہی ہو کہ بیوی ہو تم میری.... حق رکھتا ہوں میں تم پر۔" نوفل کا لہجہ اچانک ٹھہر سا گیا تھا۔

"میری اجازت کے بغیر آپ مجھ پہ کوئی حق نہیں جتا سکتے۔" وہ دو بدو بولتی نوفل جاہ کے لبوں پہ تمسخرانہ مسکراہٹ بکھیر گئی تھی۔ اس نے ایک طنزیہ نظر طوبیٰ کے چہرے پہ ڈالی تھی۔ اور اگلے ہی پل اپنے ہاتھ میں پکڑے طوبیٰ کے ہاتھ کو محض ایک جھٹکا دیا تھا۔ آن کی

آن میں وہ اس کے مضبوط بازوؤں میں تھی‘ بے یقینی کے مارے طوبیٰ کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔
”اب بتاؤ کس کی اجازت درکار ہے مجھے؟“ اس کی بھنورا سی آنکھوں میں جھانکتا وہ سرد لہجے میں بولا تو متحوش سی طوبیٰ کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ وہ اس کے بے حد قریب تھا‘ اتنا کہ طوبیٰ کی ہتھیلیاں پسیج گئی تھیں۔ اور زبان تالو سے جا لگی تھی۔ اس کی صبیح پیشانی پہ چمکتی بندیا اور گلابی لپ اسٹک سے سجے ہونٹوں کی لرزش نوفل جاہ کے ضبط کو آخری حد تک لے گئی تھی۔ لیکن وہ کمال حوصلے سے خود کو سنبھال گیا تھا۔ صرف اس لیے کہ وہ طوبیٰ حسن سے محبت کرتا تھا‘ اور جن سے محبت کی جاتی ہے انہیں تکلیف اور نقصان نہیں پہنچایا جا سکتا۔ لب بھینچے اس نے طوبیٰ کے وجود کو جھٹک دیا تھا۔
”اگر میں کوئی انا پرست اور مردانگی کے زعم میں ڈوبا انسان ہوتا تو اس وقت تمہاری ہر غلط فہمی چٹکیوں میں دور کر دیتا۔ مگر یہ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ میں ایسا نہیں!“ تلخ نظروں سے اسے دیکھتا وہ تیز قدموں سے ڈریسنگ روم میں غائب ہو گیا تھا اور پیچھے کھڑی طوبیٰ اس کی ساحرانہ مہک اپنی سانسوں میں لیے کاوچ پہ گر سی گئی تھی۔ نوفل جاہ کی قربت اس کے ہوش اڑا گئی تھی۔ وہ زندگی میں پہلی بار اس کے اتنے قریب تھی کہ درمیان میں بالشت بھر کا فاصلہ بھی نہ رہا تھا۔ یہ نزدیکیاں اسے پوری جان سے لرزا گئی تھیں۔ وہ زبان سے چاہے نفرت کے ہزاروں راگ کیوں نہ الاپتی رہتی مگر سچ تو یہی تھا کہ اس کا دل آج بھی اپنی زخم خوردہ محبت کو سینے سے لگائے بیٹھا تھا۔
اپنی کمزوری پہ اس کا دل بے اختیار بھر آیا تھا۔ وہ چہرے پہ ہاتھ رکھے بے آواز سسک اٹھی تھی۔
چند لمحوں بعد کمرے میں کھٹ پٹ کی آواز نے اسے سر اٹھانے پہ مجبور کر دیا تھا۔ نوفل کو نائٹ سوٹ میں دیکھ کے وہ لب کاٹتی سیدھی ہو بیٹھی تھی۔ نوفل اسے نظر انداز کیے بیڈ کی جانب چلا آیا تھا۔ ایک تکیہ اٹھاتے ہوئے اس نے خوب صورت کشنز اور گلابوں کی سرخ پتیوں سے مہکتی چادر کو ایک جھٹکا دیا تھا اور چادر اپنی تمام تر سجاوٹ سمیت زمین بوس ہو گئی تھی۔
طوبیٰ نے سہم کر نوفل کی طرف دیکھا تھا۔ اس کے تیور بری طرح اکھڑے ہوئے تھے۔ تکیہ بیڈ پہ پٹختے ہوئے وہ اس پہ نگاہ غلط ڈالے بنا سوئچ بورڈ کی جانب بڑھا تھا۔ اگلے ہی پل کمرہ ہر مصنوعی روشنی سے عاری صرف موم بتیوں کی ٹمٹماتی لوؤں سے جگمگا اٹھا تھا۔ مگر ماحول کی ساری فسوں خیزی کہیں غائب ہو گئی تھی۔
طوبیٰ نے ایک چور نظر نوفل جاہ پہ ڈالی تھی وہ اس کی موجودگی سے بے نیاز آنکھوں پہ بازو رکھے لیٹ گیا تھا۔ مضمحل نگاہوں سے اسے تکتے ہوئے طوبیٰ نے اپنا سر کاوچ کی پشت سے ٹکا دیا تھا۔ ارد گرد جلتی شمعیں دھیرے دھیرے پگھلنے لگی تھیں۔ ان دونوں کے دل بھی شب ہجران کے ساتھ جل کر خاک ہوتے رہے تھے۔ اور محبت دور بیٹھی انہیں اداس نظروں سے تکتی رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

نگین فاروق کے کمرے کا تنکا تنکا بکھرا ہوا تھا۔ نوفل اور اپنی یادگار تصویروں سے لے کر چھوٹے بڑے تحفوں تک اس نے ہر چیز کے ٹکڑے اڑا دیے تھے۔ وہ پچھلے کچھ دنوں سے اپنی فیملی کے ساتھ اسلام آباد گئی ہوئی تھی اور یہی وہ وقت تھا جب قسمت نے اپنی چال چل دی تھی۔
اس کی سہیلی کا فون تب آیا تھا‘ جب پانی سر سے گزر چکا تھا۔ وہ دیوانہ وار سب کو چھوڑ چھاڑ کے وہاں سے بھاگی تھی‘ لیکن وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا نوفل جاہ اپنی منزل کا انتخاب کر چکا تھا۔ اور وہ اپنی بارہ تیرہ سالہ محبت کا ماتم کرنے کو تنہا رہ گئی تھی۔
”نہیں بخشوں گی۔ میں تمہیں کبھی نہیں بخشوں گی نوفل جاہ!“ چیخ چیخ کر روتے ہوئے وہ پاگلوں کی طرح چلائی تھی۔ ”جس طرح تم نے میرا دل برباد کیا ہے اسی طرح میں تمہارا دل بھی اجاڑ دوں گی۔ میں

تمہارے گھر میں آگ لگا دوں گی۔ پرخچے اڑا دوں گی تمہاری محبت کے!" وحشت سے چیختے ہوئے اس کی گردن کی رگیں تن گئی تھیں۔ مگر گھر کی خالی چار دیواری میں اس کی آہ وبکا سننے والا کوئی نہ تھا۔

☆ ☆ ☆

طوبیٰ نے ایک سہمی ہوئی نظر کالے بکرے پہ ڈالی تھی اور پھر ڈرتے ہوئے اس پہ اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔ صدقے کا یہ بکرا صباحت نے خاص ان دونوں کے لیے منگوایا تھا۔ جسے ان کے حسن ولا آتے ہی ذبح کروایا گیا تھا۔

صباحت اور ارجمند کی خوشی دیدنی تھی۔ طوبیٰ نے آج کتنے دنوں بعد اپنی ماں کے چہرے پہ مسکراہٹ اور بھرپور اطمینان دیکھا تھا۔ اور یہ سب اس ایک شخص کا اعجاز تھا جس کے ساتھ اس کا نام جڑ گیا تھا۔ ان دونوں کے ساتھ ایک دوسرے کے لیے کتنا لازم وملزوم ہو چکا تھا اس حقیقت کا احساس طوبیٰ کو ان سب کے درمیان آ کے ہوا تھا' جہاں محض چند ہی گھنٹوں میں وہ ایک دوسرے کا حوالہ بن چکے تھے اور اس حوالے سے فرار اب کسی طور ممکن نہ تھا۔

"ضحیٰ! میری بیٹی کا گفٹ لاؤ۔" ناشتے کے بعد لاؤنج کی طرف آتے ہوئے صباحت نے ضحیٰ سے کہا تو وہ مسکراتے ہوئے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ چند لمحوں بعد وہ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں ایک مخملیں ڈبا تھا' جو اس نے لا کے صباحت کو دیا تھا۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے ڈبا کھول کے طوبیٰ کے سامنے کیا تو اس کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ اندر بے حد بھاری اور خوب صورت سیٹ تھا۔

"یہ میری طرف سے تمہارے لیے۔ اللہ پاک تمہارا قدم ہمارے گھر میں مبارک ٹھہرائے۔ سدا سہاگن رہو بیٹا!" اسے خود سے لگاتے ہوئے انہوں نے اس کی پیشانی چومی تو طوبیٰ کی آنکھوں میں نمی پھیل گئی۔ سامنے بیٹھے نوفل نے بے تاثر نظروں سے اس کی نم پلکوں کو دیکھا تھا۔

صباحت کے بعد ضحیٰ اور محب نے بھی ڈھیروں شرارتوں کے درمیان اسے اپنے اپنے تحفے دیے تھے۔ ان سب کی اس درجہ محبت پہ طوبیٰ کا دل بے اختیار بھر آیا تھا۔ کاش کہ اس ساتھ میں نوفل جاہ کی سچی محبت کا یقین بھی شامل ہوتا تو وہ اس پل خود کو دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی تصور کرتی۔ مگر شاید اس کی قسمت میں اپنے محبوب کی محبت تھی ہی نہیں۔ تبھی تو وہ آج اسے پا کر بھی تنہا تھی۔ اس کی آنکھیں بھیگتی دیکھ کر ضحیٰ نے پیار سے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

"اچھا یہ بتاؤ بھائی نے کیا گفٹ دیا ہے تمہیں؟" اس نے شوخ نظروں سے نوفل کو دیکھتے ہوئے طوبیٰ کی طرف دیکھا تو وہ بے اختیار گڑبڑا گئی۔ جبکہ نوفل کا دھیان اپنی جیب میں پڑی ڈائمنڈ رنگ کی طرف چلا گیا جو اس نے بہت ارمانوں سے اس کے لیے خریدی تھی۔ لیکن......

"اپنا دل!" محب نے شرارت سے بات اچکی۔

"میرے خیال میں گردے گفٹ کیے ہیں نوفل نے۔" عالی نے مصنوعی سنجیدگی سے قیاس آرائی کی تو سبھی ہنس پڑے۔

"بتاؤ نا طوبیٰ؟" ضحیٰ کے اصرار پہ طوبیٰ کی نظریں غیر ارادی طور پہ مدد کے لیے مقابل بیٹھے نوفل کی طرف اٹھ گئیں۔ یوں جیسے وہ سالوں پہلے اپنی ہر چھوٹی بڑی مشکل میں اس کے پاس دوڑی چلی آتی تھی۔

اسے اپنی طرف تکتا پا کے نوفل کے لبوں پہ ایک تلخ مسکراہٹ نمودار ہو کے غائب ہو گئی تھی۔

"اپنا آپ گفٹ کیا ہے میں نے اپنی پیاری بیگم کو۔" طوبیٰ کو گہری نظروں کے حصار میں لیے وہ گمبھیر لہجے میں بولا تو جہاں اس کا دل بے اختیار دھڑک اٹھا وہیں ان سب کی معنی خیز آوازوں نے طوبیٰ کا چہرہ گلابی کر ڈالا۔ وہ نچلا لب دانتوں تلے دبائے پلکیں جھکا گئی تھی۔

ان کے شور پہ نوفل ہنس پڑا تھا۔ صباحت اور ارجمند بھی بردبار سے نوفل کا یہ روپ دیکھ کے خوش گوار سی حیرت میں گھریں اسے مسکراتی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

"آپ تو بہت رومانٹک نکلے بھائی۔ میں تو آپ کو بہت شریف النفس قسم کا آدمی سمجھتا تھا۔" محب کے چھیڑنے پہ سبھی ہنس پڑے تھے۔

"بہت سستے میں چھوٹے ہیں آپ۔ یہ سخت زیادتی ہے میری دوست کے ساتھ۔" صحی کی صدائے احتجاج پہ نوفل نے مسکراتے ہوئے بہن کی طرف دیکھا تھا۔ اور پھر کچھ سوچ کر جیب میں ہاتھ ڈالا تھا۔

چھوٹی سی مخمل کی ڈبیا باہر آتے ہی ان سب کی تالیاں بے اختیار بجی تھیں۔ طوبیٰ نے گھبرا کے نظریں اٹھائی تھیں۔ نوفل جاہ کے ہاتھ پر نگاہ پڑتے ہی وہ حیران رہ گئی تھی۔

نوفل اپنی جگہ سے اٹھا تھا اور اعتماد سے چلتا ہوا طوبیٰ کے برابر آ بیٹھا تھا۔ اس کا ارادہ بھانپ کر محب نے تیزی سے اپنا موبائل اٹھایا تھا۔ وہ اس خوب صورت لمحے کو ہمیشہ کے لیے قید کر لینا چاہتا تھا۔

طوبیٰ کے پاس بیٹھتے نوفل نے بہت آرام سے ڈبیا کھولی تھی اور انتہائی سکون سے اس کا گود میں رکھا ہاتھ تھام کے اس کی انگلی میں انگوٹھی پہنا دی تھی۔ لاؤنج ایک بار پھر سب کی تالیوں سے گونج اٹھا تھا۔

صباحت اور صحی نے دل میں بے اختیار اللہ کا شکر ادا کیا تھا۔ نگین والی غلط فہمی یقیناً" دور ہو گئی تھی۔ دوسری طرف عالی کا بھی کچھ ایسا ہی خیال تھا۔ وہ موقع ملتے ہی نوفل کے گلے آ لگا تھا۔

"بہت مبارک ہو میرے دوست۔ لگتا ہے تم دونوں کے درمیان ہر نئی پرانی رنجش دور ہو گئی ہے۔" اسے خود سے لگائے وہ خوش گوار لہجے میں بولا تو نوفل جاہ کے لبوں پہ اک پھیکی سی مسکراہٹ آ ٹھہری۔

"اللہ تعالیٰ تمہارے دل اور گھر کو یونہی شاد و آباد رکھے..... میں تمہارے لیے بہت بہت خوش ہوں۔" اس نے جوش سے نوفل کے ہاتھ دبائے تو وہ اپنے چہرے پہ پھیلتی شکستگی چھپانے کو کھل کر مسکرا دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"ماہ نور!" صباحت کی آواز پہ چائے بناتی ماہ نور نے پلٹ کر دیکھا تھا۔ صباحت کچن کے دروازے میں کھڑی تھیں۔

"جی آنٹی۔"

"بیٹا عالی کی امی کے سر میں بہت درد ہے۔ اگر کوئی دوا ہے تو انہیں دے دو۔"

"میں ابھی دیتی ہوں۔" وہ بربز آہستہ کرتی آگے بڑھی تھی۔

"وہ اپنے کمرے میں ہیں۔" ان کی بات پہ وہ اثبات میں سر ہلاتی لاؤنج میں چلی آئی تھی۔ دراز میں سے دوا لے کر وہ تیز قدموں سے سیڑھیاں پھلانگتی اوپر آئی تھی۔ اس کا دھیان چولہے پہ رکھی چائے پر تھا۔

عجلت میں جونہی اس نے راہداری میں قدم رکھا تھا' وہ دوسری طرف سے آتے محب سے بری طرح ٹکرا گئی تھی۔

"آہستہ' آہستہ چلو لڑکی۔" محب کے ہاتھوں نے غیر ارادی طور پہ اسے سنبھالا تھا۔ ماہ نور کا چہرہ مارے خفت کے سرخ ہو گیا تھا۔

اس نے پیچھے ہٹنے کی کوشش میں تیزی سے سیدھا ہونا چاہا تھا۔ لیکن.....

"آہ!" اس کے لبوں سے نکلنے والی کراہ بے اختیار تھی۔ اس کے بال محب کی شرٹ کے بٹن میں پھنس گئے تھے۔

"ایک... ایک منٹ۔" وہ خود بھی اس عجیب سی صورت حال سے بوکھلا گیا تھا۔ ہاتھ بڑھاتے ہوئے اس نے اس کے لمبے بالوں کی الجھی لٹ کو اپنے بٹن میں سے نکالنے کی کوشش کی تھی۔ مگر دونوں ہی ایک دوسرے کی جان بخشی پہ آمادہ نظر نہ آتے تھے۔ شرمندگی کے باعث ماہ نور کی پیشانی پہ پسینہ پھوٹ نکلا تھا۔ محب جاہ کے کپڑوں سے اٹھتی کلون کی مہک اس کی گھبراہٹ میں اضافہ کر رہی تھی۔

"نکل' نکل گئی۔" محب نے پریشان ہو کے بالوں کو ہلکا سا جھٹکا دیا تو انہوں نے بٹن کی جان چھوڑ دی۔ ماہ نور بجلی کی سی تیزی سے پیچھے ہٹی تھی۔

"آئی ایم سوری محب بھائی۔" کانوں کی لوؤں تک

سرخ چہرہ لیے وہ نظریں چراتے ہوئے بولی تو محب کے لبوں پہ نا چاہتے ہوئے بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے دلچسپی سے لب کاٹتی ماہ نور کی طرف دیکھا تھا۔ لمبی گھنیری پلکیں جھکائے وہ گھبرائی سی بہت معصوم بہت اچھی لگ رہی تھی۔

"کوئی بات نہیں ہو جاتا ہے۔" اس کی خفت مٹانے کو وہ رسان سے بولا۔ تو وہ تیزی سے اس کے پاس سے گزرتی آگے بڑھ گئی تھی۔ بے اختیار محب نے پلٹ کر اس کی پشت کی طرف دیکھا تھا، جس پہ جھولتی ہوئی موٹی سی چٹیا اسے مسکرانے پہ مجبور کر گئی تھی۔

رخ موڑتے ہوئے اس کی نظریں یونہی اپنے بٹن سے جا الجھی تھیں۔ لیکن اس میں اٹکے چند ایک لمبے بال دیکھ کے اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے بیٹا؟" ارحمند کی آنکھوں میں حیرت پھیل گئی تھی۔ کچھ ایسی ہی کیفیت طوبیٰ اور ماہ نور کی بھی تھی، جو نوفل کی بات سن کے اس کا منہ تکنے لگی تھیں۔

"کیوں نہیں ہو سکتا۔ بیٹا ہے وہ تمہارا، حق رکھتی ہو تم اس پر۔" صباحت کے شگفتہ لہجے پہ ارحمند کے چہرے پہ بے بس سی مسکراہٹ اُبھری۔

"وہ تو ٹھیک ہے بھابھی۔ لیکن ہم آپ لوگوں کے ساتھ......"

"دیکھیں اماں جان۔" نوفل نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے انہیں ٹوکا تو طوبیٰ ایک بار پھر اس کے منہ سے اماں جان سن کے جز بز ہو کر رہ گئی۔ آج صبح حسن ولا آنے کے بعد جب اس نے نوفل کو ارحمند بیگم کو اماں جان پکارتے سنا تھا تو وہ ایک لمحے کے لیے حیران رہ گئی تھی۔ جو اخلاقی قدم اصولی طور پہ اسے صباحت بیگم کے حوالے سے پہلے اٹھانا چاہیے تھا، وہ بنا کسی پس و پیش کے نوفل جاہ اٹھا چکا تھا۔ وہ بھی بغیر کچھ جتائے۔ اور وہ نا چاہتے ہوئے بھی صباحت آنٹی کے سامنے شرمندہ ہو گئی تھی۔

"ایک بات تو طے ہے کہ میں آپ دونوں کو تنہا اس شہر میں نہیں چھوڑنے والا۔"

"مگر بیٹا میں کیسے ساری زندگی کے لیے بیٹی کے گھر جا کے بیٹھ سکتی ہوں؟ نہیں یہ کسی طور ممکن نہیں۔" انہوں نے قطعیت سے نفی میں سر ہلایا۔ نوفل انہیں دیکھتا پل بھر کو خاموش ہو گیا۔ تبھی ایک اور خیال اس کے ذہن میں آیا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ آپ ہماری انیکسی میں شفٹ ہو جائیے گا۔ وہ گھر کی مین بلڈنگ سے بالکل الگ ہے۔" اس کی بات پہ ارحمند نے بے بس نظروں سے اسے دیکھا۔

"مان جائیں آنٹی۔ آپ لوگوں کا اکیلے یہاں رہنا ممکن نہیں۔" غنی نے رسان سے کہا تو ارحمند ان سب کی اس درجہ محبت کے احسان تلے دب سی گئیں۔ اتنے پر خلوص لوگوں کا ساتھ تو شاذو نادر ہی کسی کو ملتا ہے۔ وہ بے حد خوش نصیب تھیں، جو انہیں نوفل جیسا داماد اور صباحت جیسی سمدھن ملی تھیں۔ ورنہ ان کے اپنے پیدا کردہ بیٹے نے تو نا صرف انہیں بے یارو مددگار چھوڑ دیا تھا بلکہ جاتے جاتے ان کا ذریعہ معاش بھی ختم کر گیا تھا۔

"ایک شرط پہ۔" ارحمند نے ان چاروں پہ نگاہ ڈالی۔ "میں وہاں کا کرایہ دوں گی۔" اور وہ چاروں ہی ایک دوسرے کو دیکھتے ہنس پڑے تھے۔

"یہ ممکن نہیں اماں جان۔"

"اگر یہ ممکن نہیں تو پھر میرا بھی وہاں جانا ممکن نہیں۔" ان کے قطعی لہجے پہ نوفل کو بالآخر ہتھیار ڈالنے پڑے تھے۔

"چلیں جیسے آپ مناسب سمجھیں۔ ہم یہ گھر بند کر کے غیاث کی فیملی کو یہیں رکنے کے لیے کہہ دیں گے۔ آپ کا جب دل چاہے چکر لگا لیا کیجیے گا۔" اپنے قابل بھروسا اور پرانے چوکیدار کے حوالے پہ ارحمند نے اثبات میں سر ہلایا تو طوبیٰ نے بے چینی سے ماں کو دیکھا۔ جو اسے کسی خاطر میں لائے بنا خود ہی سارے معاملات نوفل صاحب کے ساتھ طے کیے جا رہی

تھیں۔

"اب آپ بتائیں۔ کب سے شفٹنگ شروع کروائی جائے؟" نوفل نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا تو' طوبیٰ کا دل تیزی سے ڈوب کر ابھرا۔ وہ کسی طور اس کے ہمراہ کراچی جانے کے موڈ میں نہیں تھی۔ وہ اس سارے ڈرامے کا اب صرف ڈراپ سین چاہتی تھی اور بس!

"فی الحال تو یہ ممکن نہیں۔ ماہ نور کا آخری سمسٹر رہ گیا ہے۔ وہ فارغ ہو جائے' پھر ہی ہم یہاں سے شفٹ ہو پائیں گے۔" ارجمند کے جواب پہ طوبیٰ نے بے اختیار شکر کا کلمہ پڑھا تھا۔ کوئی تو سبیل نکلی تھی' اتنے بڑے اقدام کو روکنے کی۔

"اس میں تو چھ سات ماہ لگ جائیں گے۔ تب تک آپ لوگ یہاں تنہا کیسے رہیں گے؟" نوفل کے چہرے پہ پریشانی در آئی۔

"تنہا کہاں۔ غیاث کی فیملی' ڈرائیور' مالی سبھی تو ہوں گے۔ تم پریشان مت ہو۔" محبت سے کہتے ہوئے انہوں نے اس کا شانہ تھپتھپایا تو نوفل کی آنکھوں میں سوچ کی پرچھائیاں پھیل گئیں۔

✡ ✡ ✡

"مجھے آپ کے ساتھ کراچی نہیں جانا۔" نوفل کمرے میں آیا تو بیڈ پہ بیٹھی طوبیٰ کی سپاٹ آواز نوفل کو اس کی طرف دیکھنے پر مجبور کر گئی۔

"پھر کہاں جانا ہے؟" اس نے استہزائیہ انداز میں بھنویں اچکائیں۔

"کہیں بھی نہیں میں اپنا ایم ایس ادھورا نہیں چھوڑ سکتی۔"

"آئی سی اور میں اپنا بزنس چھوڑ کے یہاں تمہارے سرہانے بیٹھ جاؤں۔" نوفل کے طنزیہ لہجے پر طوبیٰ نے غصے سے اس کی طرف دیکھا۔

"آپ کو یہاں رکنے کے لیے کون کہہ رہا ہے؟" اس کی بات پر نوفل نے ٹھٹک کر اس کا چہرہ دیکھا۔

"اوہ.... تو یہ مجھ سے گلو خلاصی کا طریقہ نکالا گیا ہے

نات بیڈ (Not Bad) مسز نوفل جاہ!" دل جلاتی مسکراہٹ لیے وہ اس کے پاس آ بیٹھا تو طوبیٰ گڑبڑا سی گئی۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔" وہ پیچھے کو کھسکی تھی تبھی نوفل نے ہاتھ بڑھا کے اس کی کلائی تھام لی تھی۔

"پھر کیسی بات ہے۔" اچانک اس کی طرف جھکا وہ گمبھیر لہجے میں بولا تو طوبیٰ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اس کی پھیلی پھیلی سی آنکھیں نوفل جاہ کے قاتل خدوخال پہ جمی تھیں جو اس کے بے حد قریب تھے۔

"اگر چند لمحے مجھے مزید ان نظروں سے دیکھا تو اپنے کسی بھی عمل کا ذمہ دار میں نہیں ہوں گا۔" اس کی آنکھوں میں دیکھتا وہ لو دیتے لہجے میں بولا تو طوبیٰ نے گھبرا کے اپنی پلکیں جھکا لیں۔ اس کی حرکت نوفل کو دھیرے سے ہنسنے پہ مجبور کر گئی تھی۔ اس کی گمبھیر ہنسی کی آواز پہ نظریں جھکائے بیٹھی طوبیٰ کی دھڑکنیں تیز تر ہو گئی تھیں۔

"ہاں تو کیا کہہ رہی تھیں تم؟" اس کی نگاہیں طوبیٰ کی لرزتی پلکوں پہ جمی تھیں۔

"پہلے آپ پیچھے ہٹیں۔" اسے اپنی آواز حلق میں پھنستی محسوس ہوئی تھی۔

"رات تک تو تم بڑی طرم خان بنی ہوئی تھیں۔" نوفل نے ہاتھ بڑھا کے اس کے چہرے پر پھسل آنے والی لٹیں اس کے کان کے پیچھے اڑسیں تو طوبیٰ نے کسمسا کر پیچھے ہٹنا چاہا۔

"کراچی چلنے کی تیاری کرو.... میں تمہارا وہاں کی کسی یونیورسٹی میں ٹرانسفر کروا دوں گا۔" اس کی جانب جھکے جھکے وہ اچانک سپاٹ لہجے میں بولا تو طوبیٰ نے ایک جھٹکے سے اپنا چہرہ اٹھاتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ نظروں کے تصادم پہ نوفل جاہ اس کی کلائی جھٹکتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں اپنا گھر بار بے یار و مددگار چھوڑ کے کہیں نہیں جاؤں گی۔" اس کے دور ہٹتے ہی طوبیٰ کی زبان اور ہمت دونوں لوٹ آئی تھیں۔ نوفل نے بغور اس کی

آنکھوں میں دیکھا تھا۔

"ہوں.... تو تمہیں مجھ پہ بھروسا نہیں ہے۔ تمہیں لگتا ہے کہ میں تمہارا یہ گھر بیچ کھاؤں گا۔" اس پہ نگاہیں جمائے وہ انتہائی سرد لہجے میں بولا تو طوبیٰ نظریں چرا گئی۔

"میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔" گڑبڑا کر کہتی وہ نوفل جاہ کا صبر بری طرح آزما گئی تھی۔ وہ لب بھینچے آگے بڑھا تھا اور اسے دونوں بازوؤں سے جکڑ کر ایک جھٹکے سے اپنے سامنے کھڑا کر دیا تھا۔

"جو بات دل میں پال سکتی ہو نا' اسے منہ سے بھی کہنے کی ہمت پیدا کرو طوبیٰ صاحبہ!" اس کی آنکھوں میں گھورتا وہ غرا کر بولا تھا۔ اس کے چہرے کی سرخی طوبیٰ کی اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی سانس نیچے کر گئی تھی۔

"بہت شوق ہے نا تمہیں اپنے گھر کی حفاظت کا۔ تو ٹھیک ہے۔ تم اب اسی شہر میں رہو گی۔ ایک بات' دوسری بات.... تم مجھ سے جان چھڑانا چاہتی ہو نا۔ تو اب تم میرے ساتھ.... صرف میرے ساتھ' میرے گھر میں رہو گی۔ ماہ نور اور اماں جان کے چلے جانے کے بعد بھی تم یہیں رہو گی!" ایک ایک لفظ پہ زور دیتا وہ اس کی جان نکال لے گیا تھا۔

اس نے پھٹی پھٹی بے یقین نظروں سے نوفل کے تنے ہوئے چہرے کی طرف دیکھا تھا۔ مگر وہ اسے جھٹکتا' جیب میں سے موبائل نکال کے کوئی نمبر ملانے لگا تھا۔ طوبیٰ بے حس و حرکت کھڑی صرف اسے دیکھنے تک قادر رہ گئی تھی۔

"السلام علیکم ڈاکٹر کریم۔ کیسے ہیں آپ؟" دوسری طرف سے کال ریسیو ہوتے ہی وہ خوش دلی سے گویا ہوا تھا۔

"میں بھی بالکل ٹھیک ہوں۔" ان کی بات کا جواب دیتا وہ کمرے کے وسط میں آکھڑا ہوا تھا۔

"میں نے طے کیا ہے کہ آپ کے ہسپتال کے پراجیکٹ کو میں خود سپروائیز کروں گا۔ اس لیے آپ اپنے کہے کے مطابق میری رہائش کا بندوبست کروا دیجیے۔ میں ایک دو دن کے اندر اندر وہاں اپنی مسز کے ساتھ شفٹ ہونا چاہوں گا۔" اس پہ نگاہیں جمائے وہ بے تاثر انداز میں بولا تو بت بنی کھڑی طوبیٰ کی رنگت متغیر ہو گئی۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔" دوسری طرف سے یقیناً اس کا شکریہ ادا کیا گیا تھا۔ جبھی وہ مسکرا کر شائستگی سے بولا تھا۔ "میں آپ کی کال کا انتظار کروں گا۔ اللہ حافظ!" رابطہ منقطع کرتے ہوئے اس نے نہایت سکون سے موبائل جیب میں رکھا تھا۔ اور اس کی طرف دیکھے بنا' تیز قدموں سے کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

اس کے منظر سے ہٹتے ہی طوبیٰ بے بس سی بیڈ پہ گر گئی تھی۔ آنسو تیزی سے اس کی آنکھوں میں جمع ہونے لگے تھے۔ اگلے ہی لمحے وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی۔ پتا نہیں وہ نوفل جاہ کہاں جا چھپا تھا' جو اس کی چھوٹی سی تکلیف پہ بھی پریشان ہو جایا کرتا تھا۔ جو اس کی ہر خواہش صرف اس لیے پوری کیا کرتا تھا کہ اسے وہ روتی ہوئی اچھی نہیں لگتی تھی اور آج اس کی آنکھوں میں آنسو نہ دیکھ سکنے والا خود اسے رلا رہا تھا۔ اذیت پہنچا رہا تھا۔

"میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی نوفل!" خود ترسی کے عالم میں سسکتی وہ یہ بات بھول گئی تھی کہ نوفل جاہ کو اس نہج تک لانے والی بھی وہ خود ہی تھی۔

☆ ☆ ☆

نوفل کے اس فیصلے کو عالی اور محب کے ساتھ ساتھ صباحت اور ضحیٰ نے بھی پسند کیا تھا۔ طوبیٰ کی پڑھائی اور ہسپتال کے پراجیکٹ کی تکمیل تک لاہور میں رکنے کا فیصلہ ایک معقول تجویز تھی۔ جس سے مطمئن ہو کر باقی سب اپنی واپسی کی تیاریوں میں لگ گئے تھے۔ نوفل نے ارجمند بیگم کی' حسن ولا میں اپنی اور طوبیٰ کی رہائش کی تجویز کو' بہت سبھاؤ سے رد کر دیا تھا۔ اس کی خودداری ارجمند کو بے حد بھائی تھی۔

وہ اپنی بیٹی اور ان سب کے لیے نوفل کی اس درجہ فکرمندی اور محبت دیکھ کے اسے دعائیں دیتی نہ تھکتی

تھیں۔ کچھ یہی حال ماہ نور کا بھی تھا۔ وہ دیوانہ وار اپنے بہنوئی کے گرد چکراتی پھرتی تھی۔ ماں اور بہن کا یہ التفات طوبیٰ کو ایک آنکھ نہیں بھا رہا تھا۔ وہ اندر ہی اندر نوفل جاہ کے پورے منظر پہ چھا جانے پر کڑھتی رہتی تھی۔ اور اسی جلن نے اسے اچھا خاصا چڑچڑا بنا دیا تھا۔

"آپی، آپ کا یہ والا سوٹ بھی پیک کر دوں؟" ارحمند کی ہدایت پہ ماہ نور ساتھ ساتھ طوبیٰ کی بھی ضروری پیکنگ میں مصروف تھی۔ کیونکہ نوفل کے کہنے کے مطابق ایک آدھ دن میں انہیں بھی اپنے گھر میں شفٹ ہو جانا تھا۔

"ایسا کرو، سب کچھ اس میں ڈالو اور نکال باہر کرو مجھے۔" تیوریاں چڑھائے اس نے غصے سے کھلے ہوئے سوٹ کیس کی طرف اشارہ کیا تو اندر آتی ارحمند ٹھٹک کر دروازے میں ہی رک گئیں۔

"کیوں بھئی، یہ ناراض ہو رہی ہو بیٹا؟" انہوں نے بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھی طوبیٰ کو دیکھا تو وہ روہانسی سی رخ موڑ گئی۔

"آپی!" ماہ نور ہاتھ میں پکڑا ہینگر چھوڑتے ہوئے اس کی طرف بڑھی تو وہ گھٹنوں پہ پیشانی ٹکائے پھوٹ پھوٹ کے رو پڑی۔ اسے روتا دیکھ ماہ نور کی اپنی آنکھیں بھی جھلملا گئی تھیں۔ اس نے بے اختیار اسے خود سے لگا لیا تھا۔ ارحمند بھی آنکھوں میں نمی لیے بیٹیوں کے قریب چلی آئی تھیں۔

ماہ نور کو آہستگی سے ہٹاتے ہوئے انہوں نے طوبیٰ کو خود سے لگایا تو ان کے سینے سے لگتے ہی اس کے ضبط کا دامن چھوٹ گیا۔

"میں نے نہیں جانا اماں جان۔ میں نے آپ لوگوں کو چھوڑ کے کہیں نہیں جانا۔" وہ روتے ہوئے تڑپ کے بولی تو ارحمند کی آنکھوں سے بھی جھڑی لگ گئی۔

"بیٹیوں کو تو ایک دن جانا ہی ہوتا ہے۔ میری جان۔" اس کی پشت سہلاتے وہ حوصلے سے بولیں۔ طوبیٰ کے آنسوؤں میں شدت در آئی۔

"مجھے نہیں جانا۔ اس شخص سے کہیں چلا جائے ہماری زندگیوں سے، چھوڑ دے ہمارا پیچھا!" سسکیوں کے درمیان وہ بے زاری سے بولی، تو ارحمند نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے اسے خود سے الگ کیا۔

"ایسے نہیں کہتے بیٹا، شوہر ہے وہ تمہارا... اتنا چاہنے اور قدر کرنے والا شریک سفر تو نصیبوں والوں کو ملتا ہے میری جان..." اس کے بہتے اشک صاف کرتیں وہ نرمی سے بولیں تو، ماہ نور بھی اٹھ کر بہن کے دوسری طرف آ بیٹھی۔

"بالکل آپی۔ اتنا مان اور اتنی محبت تو احمر بھائی نے ہمیں کبھی خواب میں بھی نہیں دی جتنی کہ نوفل بھائی نے ان چند دنوں میں دے ڈالی ہے۔ آپ سچ میں بہت خوش قسمت ہیں۔ اب دیکھیں نا انہوں نے صرف آپ کی خاطر یہاں رہائش اختیار کر لی ہے۔ اتنا خیال کون اپنی بیوی کا کرتا ہے آپی؟" ماہ نور نے پیار سے اس کے بال سمیٹے تو طوبیٰ کے لبوں پہ اک زخمی مسکراہٹ در آئی۔

"اور تم کون سا دور جا رہی ہو۔ جب میری بیٹی کا دل چاہے گا آ جایا کرے گی۔" ارحمند نے مسکراتے ہوئے اسے اپنے بازو کے حلقے میں لیا تو طوبیٰ نے اک بوجھل سانس لیتے ہوئے اپنی تھکی ہوئی آنکھیں موند لیں۔

☆ ☆ ☆

"اچھا راپنزل۔" وہ سب جانے کے لیے تیار کھڑے تھے، جب مسکراتا ہوا محب ماہ نور کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ اس کی بات پہ ماہ نور پہلے حیران اور پھر جھینپ کر مسکرا دی تھی۔ اس کے چہرے پہ بکھرتا گلال محب کو بغور اسے دیکھنے پہ مجبور کر گیا تھا۔

"مجھے نہیں پتا تھا کہ تم بڑی ہو کر اتنی ٹھیک ٹھاک ہو جاؤ گی۔" محب نے محتاط سے الفاظ میں اس کی تعریف کی تو ماہ نور کی مسکراہٹ اس عجیب سی تعریف پہ گہری ہو گئی۔

"آپ کے کہنے کا مطلب ہے کہ میں بچپن میں ذرا بھی اچھی نہیں تھی؟"

"اچھی تو تھیں لیکن "رونڈو" بہت تھیں۔ محب کے مسکرا کر کہنے پر ماہ نور کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔ اس کی ہنسی محب کو ایک لمحے کے لیے مبہوت کر گئی تھی۔ وہ ایک ٹک اس کے خوب صورت چہرے پر پھیلتی روشنی کو تکتا رہ گیا تھا۔

"اپنا خیال رکھنا اچھی لڑکی۔" اس پہ نگاہیں جمائے وہ نرم لہجے میں بولا۔ محب کی آنکھوں میں ایسا کچھ تھا جو ماہ نور کی دھڑکنیں بے ترتیب کر گیا تھا۔

"آپ بھی اپنا خیال رکھیے گا۔" دھیرے سے کہتے ہوئے اس نے اپنا گلابی پڑتا چہرہ جھکا لیا تو محب کے لیے اپنے دل میں کروٹ لیتے اس نئے احساس کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ وہ اس سے الوداعی کلمات کہتا صباحت بیگم کے پاس آکھڑا ہوا جو روتی ہوئی طوبیٰ کو خود سے لگائے کھڑی تھیں۔

"میرے خیال میں تم وہ دنیا کی واحد بہو ہو جو اپنی ساس کے جانے پہ آنسو بہا رہی ہے' ورنہ آج کل کی لڑکیاں تو ساسوں کی آمد پہ آنسو بہاتی ہیں۔" صباحت کے شگفتہ لہجے پہ سب کے ساتھ ساتھ طوبیٰ بھی روتے روتے ہنس پڑی تھی۔

"کیا پتا آپ کی بہو بیگم بھی مگرمچھ کے آنسو بہا رہی ہو؟" ترچھی نظروں سے طوبیٰ کو دیکھتے ہوئے نوفل ماں سے مخاطب ہوا تو سبھی کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ جبکہ طوبیٰ کا چہرہ اس چوٹ پہ یک لخت پھیکا پڑ گیا۔

"میں جانتی ہوں میری بیٹی ایسی نہیں ہے۔" صباحت نے مسکراتے ہوئے اس کی پیشانی چوم لی تھی۔

"آپ ناحق ساس بہو میں پھوٹ ڈلوانے کی کوشش کر رہے ہیں بھائی۔ یہاں آپ کی دال نہیں گلنے والی۔" ضحیٰ نے اس کا بازو تھپتھپایا تھا۔

"یہاں ہم میں سے کسی کی بھی دال نہیں گلنے والی بہنا۔" نوفل نے ہنستے ہوئے ایک بار پھر وار کیا تو طوبیٰ غصے سے اسے دیکھتی رخ موڑ گئی تھی۔

ان سب کے چیک ان (اندر جانا) کرنے کے بعد نوفل دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا طوبیٰ کے پاس چلا آیا تھا' جو ایک طرف کھڑی آنسو صاف کر رہی تھی۔

"اگر تمہارا ڈرامہ ختم ہو گیا ہو تو گھر دیکھنے چلیں؟"

اس کی آنکھوں میں دیکھتا وہ استہزائیہ انداز میں مسکرایا تو لفظ "ڈرامہ" طوبیٰ کو سرتاپا سلگا گیا۔ اس نے کھا جانے والی نظروں سے نوفل کو دیکھا تھا اور بنا کوئی جواب دیے اماں جان کی طرف بڑھ گئی تھی۔

✡ ✡ ✡

"ماشاء اللہ۔ بہت خوب صورت گھر ہے بیٹا۔"

ادھمند ستائشی نظروں سے اردگرد دیکھتے ہوئے نوفل کی جانب پلٹیں۔

"نا صرف خوب صورت بلکہ مکمل طور پہ "فرنشڈ" (سجا سجایا) بھی۔" ماہ نور چہکی۔ "آپ تو بہت لکی ہیں آپی۔ گھر سجانے کے لیے کسی قسم کی بھاگ دوڑ کی ضرورت نہیں آپ کو۔" وہ طوبیٰ کو دیکھ کے مسکرائی تو اسے بھی مارے باندھے مسکرانا پڑا۔

نوفل جاہ کی ایک فون کال پہ شہر کے بہترین علاقے میں اتنا خوب صورت بنگلا اس کی رہائش کے لیے تیار کر دیا جائے گا اسے یقین نہیں آرہا تھا۔ اس کا سپاٹ انداز نوفل کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکا تھا۔ وہ اسے کچھ بھی جتائے بنا ماہ نور اور اماں جان کے ساتھ سارا راستہ ہنستا بولتا رہا تھا۔ انہیں گھر چھوڑ کے وہ ڈاکٹر کریم سے ملنے ان کے ہسپتال چلا گیا تھا اور پیچھے طوبیٰ اپنی ماں اور بہن کو نوفل جاہ کے گن گاتا سننے کے لیے تنہا رہ گئی تھی۔

✡ ✡ ✡

ملازم کو اپنا سامان بھی نوفل کے کمرے میں لے جاتا دیکھ کے لاؤنج میں کھڑی طوبیٰ کے لب سختی سے بھینچ گئے تھے۔ اس نے ایک کڑی نظر پورچ میں ٹہلتے نوفل جاہ پہ ڈالی تھی جو ہنس ہنس کے نجانے فون پہ کس سے بات کر رہا تھا۔

"ہونہہ دوغلے کہیں کے اندر کچھ باہر کچھ! پتا نہیں اپنی محبوبہ کو کیا کہہ کر مطمئن کیا ہے۔ جو وہ یوں چپ سادھ کر بیٹھ گئی ہے۔" وہ جلتی بھنتی صوفے پہ آبیٹھی تھی۔

ملازم کے باہر جاتے ہی وہ اسپرنگ کی طرح اچھلی تھی۔ اور تیز قدموں سے ماسٹر بیڈ روم میں چلی آئی تھی۔ اپنا سوٹ کیس اور دیگر سامان الگ کرتے ہوئے وہ ابھی آگے بڑھی ہی تھی کہ کمرے کا دروازہ کھول کے نوفل اندر چلا آیا تھا۔ اس پہ نظر پڑتے ہی وہ اپنی جگہ پہ رک گیا تھا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" اس کی پیشانی پہ بل آٹھہرے تھے۔

"میں دوسرے کمرے میں شفٹ ہو رہی ہوں۔"

"کس کی اجازت سے؟"

"مجھے کسی کی اجازت درکار ہے کیا؟" اس کی آنکھوں میں دیکھتی وہ بے خوفی سے بولی تو نوفل جاہ چلتا ہوا صوفے پر آبیٹھا۔ ٹانگ پر ٹانگ جماتے ہوئے اس کا چہرہ مکمل طور پر پرسکون ہو چکا تھا۔

"بالکل ہے۔ کیونکہ یہ میرا گھر ہے اور یہاں تم میری اجازت کے بغیر کچھ نہیں کر سکتیں۔" طوبیٰ کی طرف دیکھا وہ سپاٹ لہجے میں بولا تو اس کے چہرے پہ استہزائیہ مسکراہٹ در آئی۔

"اوہ! تو غلام بنانے کا ارادہ ہے مجھے۔"

"اگر بات میری عزت پہ آئی ہو تو میں یہ بھی کر سکتا ہوں۔ یہ ملازموں سے بھرا گھر ہے۔ تمہارے لیے بہتر یہی ہوگا کہ اس سامان کو اپنی جگہ پہ رکھو اور چپ چاپ اس کمرے میں پڑی رہو۔"

"میں....." طوبیٰ نے سلگ کر ابھی کچھ کہنا چاہا ہی تھا کہ دروازے پہ ہونے والی دستک کے باعث اس کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے تھے۔ اس نے ایک تیز نظر نوفل پہ ڈالی تھی اور جھنجلائی ہوئی بیڈ پہ جا ٹکی تھی۔

نوفل کی اجازت پہ ملازم چائے اور لوازمات سے سجی ٹرالی لیے اندر چلا آیا تھا۔

"یہ زبردست کام کیا ہے یار۔" وہ مسکرا کر سیدھا ہوا تو غریب ملازم کا چہرہ اتنی سی تعریف پہ ہی کھل اٹھا۔

"شکریہ سر۔ چائے بناؤں؟"

"نیکی اور پوچھ پوچھ۔" وہ دوستانہ انداز میں بولا تو طوبیٰ نے تپ کر منہ پھیر لیا۔

"ڈرامے باز!" چائے کی پیالیاں انہیں پیش کرنے کے بعد وہ باہر کی طرف بڑھنے لگا تو نوفل نے اسے پکار لیا۔

"یار شفیق 'ایسا ہے کہ میری بیگم کو میرے لیے اپنے ہاتھوں سے کھانا بنانا پسند ہے۔ اس لیے تم رانی کو صبح ناشتے کے لیے منع کر دینا۔" اس نے اس کی بیوی کا نام لیا تو وہ "جی سر" کہتا باہر نکل گیا۔

ملازم کے منظر سے ہٹتے ہی طوبیٰ نے کپ سائڈ ٹیبل پہ پٹخ دیا۔

"خام خیالی ہے آپ کی۔ میں آپ کے لیے کوئی کھانا نہیں بنانے والی!"

"اگر تم چاہتی ہو کہ ملازموں سے پوری طرح ہاتھ دھو لو تو بے شک مت بنانا۔" بسکٹ منہ میں رکھتے ہوئے وہ بے نیازی سے بولا تو طوبیٰ کی آنکھوں میں بے یقینی پھیل گئی۔

"آپ' آپ نہایت....."

"ہینڈسم ہیں۔ جانتا ہوں۔" اس کی بات اچکتے ہوئے وہ سکون سے مسکرایا تو طوبیٰ کے پیروں سے لگی اور سر پہ بجھی۔ دانت پیستی وہ ایک جھٹکے سے اٹھی اور دھم دھم کرتی جا کے باتھ روم میں بند ہو گئی۔

دروازے کی دھاڑ پہ نوفل نے سر جھٹکتے ہوئے چائے کا کپ لبوں سے لگا لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

کھانے کی میز پہ فاروق نظامی اپنی اہلیہ 'بہو بیٹوں اور دونوں بیٹیوں کے ساتھ موجود تھے۔ سب کے درمیان معمول کی گپ شپ جاری تھی۔ ایسے میں نگین کی مکمل خاموشی مسز فاروق کو بے چین کر گئی تھی۔

نوفل جاہ کی شادی کو ہفتہ ہو گیا تھا۔ لیکن نگین کا گم سم اور کھویا کھویا سا انداز تاحال برقرار تھا۔ اپنی چاند سی بٹی کا یہ حال دیکھ کر ان کے دل میں ایک ٹیس سی اٹھی تھی۔ بے اختیار شوہر کا بازو ہلاتے ہوئے انہوں نے انہیں اس کی طرف متوجہ کیا تھا جو معمول کے برعکس سادہ سے حلیے میں بہت پژمردہ سی 'پلیٹ میں برائے

نام کھانا لیے بیٹھی تھی۔
"دو نگین! ان کے پکارنے پہ اس نے سر اٹھا کے باپ کی طرف دیکھا تھا۔
"تمہاری چھٹیاں کب تک ہیں بیٹا؟"
"میں نے جاب سے ریزائن کر دیا ہے۔ میں اب لاہور میں ہی رہوں گی۔" اس کی بات پہ سب ہی نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ کہاں تو وہ لاہور واپسی کے نام پر ہی بھڑا اٹھتی تھی اور کہاں اس نے خود ہی کراچی چھوڑنے یعنی دوسرے لفظوں میں نوفل جاہ سے دستبرداری کا فیصلہ کر لیا تھا۔ بیگم فاروق کی آنکھوں میں پہلی حیرت اولین لمحوں کے بعد خوش گوار سی بے یقینی میں تبدیل ہو گئی تھی۔ وگرنہ بیٹی کے مزاج کو دیکھتے ہوئے وہ تو یہ سوچ کر ہی ہول جاتی تھیں کہ نجانے وہ کراچی جا کے کیا قیامت برپا کرنے والی تھی۔
"یہ تو بہت ہی اچھا فیصلہ کیا ہے تم نے۔" وہ خوش دلی سے بولیں تو نگین نے پانی کا گلاس اٹھاتے ہوئے طنزیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔
"چلیں آپ تو خوش ہوئیں۔" اس کا استہزائیہ لہجہ بیگم فاروق کو شرمندہ کر گیا۔ نگین پانی پی کے اٹھ کھڑی ہوئی۔
"کھانا تو ڈھنگ سے کھاؤ۔"
"کھا چکی۔" وہ ان کی طرف دیکھے بنا دروازے کی طرف بڑھ گئی تو ان کے لبوں سے بے اختیار اک اطمینان بھری سانس برآمد ہوئی۔
"شکر ہے۔ اس لڑکی کے سر سے اس نوفل کے عشق کا بھوت تو اترا۔"
"واقعی یقین نہیں آرہا۔" حیران بیٹھی مزنی کی تائید سیڑھیاں چڑھتی نگین کے لبوں پہ کاٹ دار مسکراہٹ بکھیر گئی۔
"بھوت تو اب سوار ہوا ہے ممی۔ آپ شاید یہ سمجھ رہی ہیں کہ میں نے یہ فیصلہ اپنی ہار مان کر کیا ہے۔ نہیں میری بھولی ماں قطعاً نہیں! میں اپنے گناہ گار کی ایک ایک حرکت پہ نگاہ رکھے ہوئے ہوں۔ نگین فاروق نے نہ تو کبھی کسی کی برتی ہوئی چیز لی ہے۔ اور نہ ہی اپنی چیز کبھی کسی کو برتنے دی ہے..... میں تو ڈوب چکی 'اب نوفل جاہ کی باری ہے۔ دیکھنا صرف اتنا ہے کہ اب کی بار وہ کیسے بچ جاتا ہے۔" نفرت کے احساس سے اس کا حسین چہرہ مسخ ہونے لگا تھا۔
الارم کی آواز پہ گہری نیند سوئی طوبیٰ ہڑبڑا کر جاگی تھی۔ ایک لمحے کے لیے تو اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ یہ کیسا شور ہے؟ نیند میں جھولتے ہوئے اس نے بے زاری سے اس شور کے مرکز کو تلاشنا چاہا تھا۔ چند سیکنڈ کی کوشش کے بعد اس کی نظر سرہانے رکھے ٹائم پیس سے ٹکرائی تو وہ بری طرح بھنا گئی۔ ہاتھ بڑھا کر اس کا گلا گھونٹتے ہوئے اس نے خونخوار نظروں سے اپنے مجرم کی طرف دیکھا تھا جو اس کی لاعلمی میں اس نقارے کو اس کے سرہانے سیٹ کر کے 'خود آرام سے بیڈ پہ پھیلا سو رہا تھا۔ اس کی ڈھونس طوبیٰ کا خون جلا گئی تھی۔
گھڑی واپس پٹختے ہوئے وہ دوبارہ لیٹ گئی تھی۔ لیکن صوفے کی سختی نے اسے کچھ ہی لمحوں میں پھر سے اٹھنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ویسے بھی شادی کے اولین دن سے مختلف قسم کے صوفوں پر سوتے سوتے اس کا جسم دکھنے لگا تھا۔ وہ بستر کی نرماہٹ کو ترس گئی تھی۔ مگر اس ظالم شخص کو ایک بار بھی اس کی تکلیف کا احساس نہیں ہوا تھا۔
بالآخر وہ جھنجلائی سی خود پہ سے کمبل جھٹکتی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ قہر برساتی نگاہوں سے نوفل جاہ کو گھورتی 'وہ بال سمیٹ کر باتھ روم میں جا گھسی تھی۔ منہ ہاتھ دھو کر اس نے اپنا حلیہ درست کیا تھا اور کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔ پورا گھر خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی کچن کی طرف چلی آئی تھی 'اندر سے آتی کھٹ پٹ کی آوازوں نے اسے وہاں کسی کی موجودگی کا احساس دلایا تھا۔ شفیق کا سوچ کر وہ قدرے جھجک کر اندر داخل ہوئی تھی۔ لیکن اس کے بجائے ایک عورت کو دیکھ کر وہ ریلیکس ہو گئی تھی۔

"سلام بیگم صبیحہ (صاحبہ)۔" اس پہ نگاہ پڑتے ہی وہ مودب سی بولی تو طوبیٰ آگے بڑھ آئی۔

"وعلیکم سلام۔ تم....؟"

"میں جی شفیق کی گھروالی ہوں۔ اس نے مجھے کہا تھا کہ آپ ناشتا خود بنائیں گی۔ مگر میں نے سوچا کہ کہیں آپ برا نہ مان جائیں۔ اس لیے اندر چلی آئی۔" اس نے جلدی سے وضاحت دی تو طوبیٰ مسکرادی۔

"اچھا کیا۔ اس لیے نہیں کہ میں برا مان جاتی بلکہ اس لیے کہ مجھے باتیں کرنے والا مل گیا۔" اس کے نرم لہجے پہ اس بے چاری کی گھبراہٹ میں بھی کمی واقعی ہوئی۔

"آپ تو بہت بھلی معلوم ہوتی ہیں جی۔" وہ مسکرا کر بولی تو طوبیٰ کے لب بھی مسکرادیے۔

"ایک کپ چائے ملے گی؟"

"کیوں نہیں جی۔ ابھی لیں۔" چائے پی کر طوبیٰ نے رانی کے ساتھ مل کر پراٹھوں اور آملیٹ کا ناشتا تیار کیا تھا۔ اس لیے نہیں کہ وہ نوفل سے خائف ہو گئی تھی۔ بلکہ اس لیے کہ اسے مفت میں بیٹھ کر نوفل جاہ کی روٹیاں توڑنا منظور نہ تھا۔

ناشتا بنا کر اس نے رانی سے ٹیبل لگانے کے لیے کہا تھا اور خود کمرے میں چلی آئی تھی۔ نوفل ابھی تک گہری نیند سو رہا تھا۔ طوبیٰ نے میز پہ پڑی گھڑی اٹھائی تھی اور چند سیکنڈ بعد کا الارم لگا کے اسے نوفل کے سرہانے رکھ دیا تھا۔ اگلے ہی لمحے کمرہ الارم کی آواز سے بج اٹھا تھا۔ طوبیٰ سینے پہ بازو لپیٹے ایک طرف کھڑی ہو گئی تھی۔

چند ہی ثانیے میں گھڑی کا شور رنگ لایا تھا۔ نوفل جاہ بے چینی سے کسمسایا تھا اور بالآخر اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ الارم بند کرتے ہوئے وہ جونہی سیدھا ہوا تھا۔ اس کی نظریں طوبیٰ سے جا ٹکرائی تھیں، جو بے تاثر چہرہ لیے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ وہ بالوں میں انگلیاں پھیرتا اٹھ بیٹھا تھا۔

"اس سے بھونڈا طریقہ نہیں ملا تھا تمہیں اٹھانے کا؟" اس نے طوبیٰ کی طرف دیکھا۔

"آپ سے ہی سیکھا ہے۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔ نوفل جاہ کے لبوں پہ استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"مجھے تو اور بھی بہت سے طریقے آتے ہیں۔ کہو تو وہ بھی سکھادوں؟" گہری نظروں سے اسے دیکھتا وہ معنی خیزی سے بولا تو طوبیٰ کا چہرہ جل اٹھا۔

"جا کر ان محترمہ کو سکھائیں۔" گڑبڑا کر کہتی وہ آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ نوفل نے حظ اٹھاتی نگاہوں سے اس کے سرخ چہرے کو دیکھا۔ "ان محترمہ کا نام نگین ہے۔ نگین فاروق۔"

"میں نے ناشتا بنا دیا ہے۔" اس کی بات ان سنی کیے وہ تپ کے اس کی طرف پلٹی تو نوفل کے لبوں پہ دل جلانے والی مسکراہٹ آ ٹھہری۔ طوبیٰ کا غصہ دوچند ہو گیا۔

"اور یہ مت سمجھیے گا کہ میں آپ کا حکم بجا لائی ہوں۔ میں ایک غیرت مند باپ کی بیٹی ہوں۔ آپ کے احسان جہاں تک ہو سکیں گے اتارتی رہوں گی۔" اس کا کڑوا انداز ایک بار پھر نوفل کو بری طرح چوٹ پہنچا گیا تھا۔ اس کے مسکراتے لب سختی سے ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے تھے۔

"تم جو کر رہی ہو یقیناً" بہت سوچ سمجھ کے کر رہی ہو گی۔ بس اب یہ دعا کرنا کہ تمہیں کبھی اپنے کیے پہ پچھتانا نہ پڑے طوبیٰ حسن!" اس کی آنکھوں میں دیکھتا وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا تو طوبیٰ اسے خاموشی سے دیکھ کر رہ گئی۔ نوفل خود پہ سے کمبل جھٹکتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"میرے کپڑے تیار کرو۔ مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے۔" سپاٹ لہجے میں کہتا وہ اس کے پاس سے گزر کے باتھ روم میں چلا گیا تو طوبیٰ لب چباتی نا چاہتے ہوئے بھی عجیب سی ادھیڑبن میں پڑ گئی۔

نوفل کے چلے جانے کے بعد طوبیٰ نے اپنی نگرانی میں ملازمین سے پورے گھر کی صفائی کروائی تھی۔ وہ مالی کے سرہانے کھڑی اسے لان سے متعلق چند ہدایات دے رہی تھی جب اس کے ہاتھ میں پکڑا فون بج اٹھا

تھا۔ "حسن ولا" کا نمبر دیکھ کے اس نے فون کان سے لگالیا تھا۔

"السلام علیکم اماں جان۔"

"وعلیکم السلام۔ کیسی ہے میری بیٹی؟"

"میں ٹھیک ہوں۔ آپ سنائیں؟" وہ چلتی ہوئی برآمدے میں رکھی کرسیوں پہ آبیٹھی۔

"اللہ کا شکر ہے... بھئی جس طرح سے تم جاتے ہوئے اداس تھیں مجھے تو لگا تھا کہ آج صبح نوفل کے ساتھ ہی آجاؤ گی۔" وہ مسکراتے لہجے میں بولیں۔ تو ان کی بات سنتی طوبیٰ چونک گئی۔

"کیا یہ صبح آئے تھے؟"

"اس نے تو آنا ہے تھا۔ ماہ نور کے ساتھ جو جانا تھا۔"

"کہاں جانا تھا؟" وہ بے اختیار سیدھی ہو بیٹھی۔

"نوفل نے تمہیں کچھ نہیں بتایا؟" ارجمند نے قدرے حیرت سے استفسار کیا تو طوبیٰ کا سر نفی میں ہل گیا۔

"نہیں تو۔"

"چلو کوئی بات نہیں... ایسا ہے کہ کل شام میں ماہ نور کی سہیلی فروا کا فون آیا تھا۔ اس کے ماموں نے ان دونوں کے لیے اپنے کسی دوست کی فرم میں انٹرن شپ کا بندوبست کروایا ہے مگر شرط یہ تھی کہ انہیں آج صبح وہاں جوائننگ دینی تھی۔ پھر رات میں نوفل نے سونے سے پہلے حال احوال کے لیے فون کیا تو ماہ نور نے اسے بھی ساری بات بتادی۔ بس جی پھر کیا تھا۔ اس نے اسے وہاں اکیلے جانے سے قطعی منع کردیا۔ اور صبح اب اسے خود لے کر گیا ہے۔ تاکہ وہاں کا ماحول دیکھ سکے۔ تھوڑی دیر پیشتر ماہ نور کا فون آیا تھا ہنس کرتا رہی تھی کہ جب تک نوفل بھائی نے فروا کے ماموں اور ان کے دوست سے بات نہیں کی، فرم کا خود جائزہ نہیں لیا تب تک اسے "وزیٹرز روم" (باہر سے آنے والوں کے لیے مختص کیا گیا کمرہ) سے بھی باہر نہیں آنے دیا۔" وہ بتاتے ہوئے خود بھی ہنس پڑیں تو طوبیٰ نے بے اختیار اپنا نچلا لب دانتوں تلے دبالیا۔ تو یہ وجہ تھی صبح کے لیے الارم لگانے کی اور وہ سمجھ رہی تھی کہ شاید اپنی من مانی کرنے کو نوفل نے اسے صبح سویرے جگادیا تھا۔ عجیب سی ندامت محسوس کرتے ہوئے اس نے اپنی پیشانی مسلی تھی۔

"اچھا اب ایک بات سنو۔ نوفل سے کوئی گلہ مت کرنے بیٹھ جانا۔ یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں۔ ویسے بھی جب ماہ نور کی نوفل سے بات ہوئی تھی تو تم شاید سو رہی تھیں۔" انہوں نے اپنے تئیں اسے سمجھانا چاہا تھا۔

"بے فکر رہیں نہیں کروں گی۔" وہ دھیرے سے بولی تو ارجمند مطمئن ہوگئیں۔ چند ایک باتوں کے بعد فون بند ہوگیا تو طوبیٰ نے بے دلی سے سیٹ ایک طرف ڈال دیا۔

"کیا ضرورت تھی اسے الٹے سیدھے اندازے لگانے کی؟" بے زاری بھری شرمندگی سے سوچتے ہوئے اس نے اردگرد دیکھا تھا۔ مگر پھر اس شخص کے بھی تو ہزاروں روپ تھے اب اسے کیا پتا کہ اس کے دماغ میں کیا چل رہا تھا؟

"مگر تم بھی تو اس کے حوالے سے اپنی سوچوں کو تھوڑا مثبت رخ دو۔" ایک آواز اس کے اندر سے آئی تو اس کے لبوں پہ اک تلخ مسکراہٹ در آئی۔

"یہ بے اعتباری بھی تو انہی کی عطا کردہ ہے۔"

"لیکن..."

"کوئی لیکن ویکن نہیں۔ وہ سب کے لیے شجر سایہ دار تھے اور بن سکتے ہیں سوائے ایک میری ذات کے۔" وہ اپنے دل کی آواز کو دباتی ملول سی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ مگر اس کے اندر پھیلا اضطراب کچھ اور بڑھ گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

دن کچھ آگے بڑھے تھے۔ نوفل جاہ نے تو جیسے ارجمند اور ماہ نور پہ کوئی جادو کردیا تھا۔ اس تمام عرصے میں کوئی دن ایسا نہ گزرا تھا جب وہ ارجمند سے صبح دعا لیے بغیر آفس گیا تھا۔ کوئی رات ایسی نہ تھی۔ جب

اس نے کراچی کے ساتھ ساتھ حسن ولا کی خبر گیری نہ کی تھی۔ اس کا احساس ذمہ داری کبھی کبھی طوبیٰ کو حیران کرنے لگتا تھا۔ حسن مجتبیٰ کے چالیسویں کا سارا انتظام بھی اس نے خود کیا تھا۔

کراچی سے صباحت ختم میں شرکت کی خواہش مند تھیں، لیکن انہی دنوں ضحیٰ کے امتحانات تھے جن کے پیش نظر طوبیٰ نے انہیں خود منع کر دیا تھا۔ ان سب سے طوبیٰ کی روز ہی بات ہوتی تھی۔ صباحت کا اصرار تھا کہ وہ دونوں اب کہیں گھومنے پھرنے کے لیے جائیں اور طوبیٰ اپنی یونیورسٹی دوبارہ شروع کرنے سے پہلے ایک چکر اپنے اصلی گھر بار یعنی کراچی کا بھی لگا جائے۔ لیکن نوفل ماں کی اس فرمائش کو مسلسل ٹالے دے رہا تھا۔ اور طوبیٰ ہر بار ان کی اس درجہ محبت کے آگے شرمندہ ہونے کو تنہا رہ جاتی تھی۔

بالآخر تنگ آکر اس نے یونیورسٹی دوبارہ جوائن کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ گھر فون کر کے اس نے ارجمند سے ڈرائیور کے ہاتھ اپنی گاڑی، کتابیں اور چند ایک اور ضروری چیزیں بھیجنے کے لیے کہا تھا۔ وہ کم از کم اپنے ذاتی کاموں اور آمد و رفت کے لیے نوفل جاہ کی محتاج نہیں ہونا چاہتی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ دونوں روزانہ کی طرح خاموشی سے ناشتے کی میز پہ ناشتے میں مصروف تھے جب دروازے پہ دستک دے کر شفیق اندر چلا آیا تھا۔

"سر باہر کوئی احمد گاڑی لے کر آیا ہے۔"

"احمد؟" نوفل نے اخبار پہ سے نظریں اٹھاتے ہوئے الجھ کر شفیق کو دیکھا تو طوبیٰ بول اٹھی۔

"ڈرائیور احمد۔ میں نے اپنی گاڑی منگوائی ہے۔"

اس کی بات پہ نوفل کے چہرے پہ ناگواری چھا گئی۔

"کس لیے؟"

"میں آج سے یونیورسٹی جوائن کرنا چاہتی ہوں۔"

"تو؟" نوفل نے بھنویں اچکائیں۔

"تو یہ کہ اس کے لیے مجھے اپنی کنوینس چاہیے۔"

شفیق کے سامنے نوفل کا تفتیشی انداز طوبیٰ کو بری طرح سلگا گیا تھا۔ اس کے جواب پہ نوفل نے پلٹ کر شفیق کو دیکھا تھا۔

"اس سے کہو کہ گاڑی واپس لے جائے۔"

"لیکن میں..." طوبیٰ نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر نوفل کی انتہائی سخت نظروں نے اس کی زبان تالو سے لگا دی تھی۔ وہ بے حد غصے میں تھا۔ طوبیٰ نا چاہتے ہوئے بھی خائف ہو گئی تھی۔

شفیق کے باہر نکلتے ہی نوفل نے پاس پڑا موبائل اٹھا کر کوئی نمبر ملایا تھا اور فون کان سے لگا لیا تھا۔

"وعلیکم السلام۔ کیسے ہو جمشید؟" اس کی بات پہ طوبیٰ نے چور نظروں سے اسے دیکھا۔

"اللہ کا شکر ہے۔ اچھا پھر اس گاڑی کا کیا بنا جو میں نے اس دن پسند کی تھی؟" اور طوبیٰ اپنی جگہ پہ ساکت رہ گئی تھی۔ تو کیا وہ اس کے لیے پہلے سے ہی گاڑی لینے کا ارادہ رکھتا تھا؟ بے یقینی سے سوچتے ہوئے اس کی نظریں اپنی پلیٹ پہ جم گئی تھیں۔

"آ... ہاں صحیح۔" وہ دوسری طرف کی بات سن کے گویا ہوا تھا۔ "ٹھیک ہے تم پہنچو شوروم۔ میں کچھ ہی دیر میں وہاں آتا ہوں۔" نوفل نے بات ختم کرتے ہوئے فون بند کیا تھا اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"جنہیں تم احسان گردانتی ہو طوبیٰ حسن، انہیں میں اپنا فرض سمجھتا ہوں اور مجھے اپنے فرائض کا بخوبی علم ہے۔ آئندہ مجھے ذلیل کرنے کی کوشش مت کرنا!" اس کی آنکھوں میں دیکھتا وہ انتہائی سرد لہجے میں بولا۔ تو طوبیٰ اس تمام عرصے میں پہلی بار اپنے کسی عمل کی وضاحت دینے کو بے چین ہو گئی۔

"ایسی بات نہیں ہے۔ میں نے تو صرف اپنی گاڑی کا سوچ کے اسے یہاں..."

"تم نے کیا سوچا تھا کیا نہیں، مجھے اس میں رتی برابر دلچسپی نہیں میں نے تم پر پہلے دن واضح کر دیا تھا کہ اپنی عزت پہ میں کوئی کامپرومائز (سمجھوتہ) نہیں کروں گا۔ کیا ثابت کرنا چاہتی تھیں تم اماں جان اور ماہ نور پہ اپنے گھر کے ملازمین اور یہاں کے نوکروں پہ کہ میں

تمہاری ذمہ داری اٹھانے کا اہل نہیں؟ میں تمہارے لیے اپنی جیب سے ایک گاڑی تک نہیں خرید سکتا؟"

"میرا یقین کریں میں ایسا کچھ ثابت نہیں کرنا چاہتی تھی۔" بے بسی سے کہتی وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"یقین اور تمہارا؟" نوفل نے استہزائیہ نظروں سے اس کا چہرہ دیکھا۔ "اس کا جسے میری صورت سے نفرت ہے۔ اور جس کی نظر میں اس شادی کی کوئی اہمیت نہیں جسے یاد ہے تو صرف اپنا درد اور اپنا رد کیے جانا' باقی اسے کسی حقیقت سے کوئی سروکار نہیں۔"

اس کی آنکھوں میں دیکھتا وہ بولتا چلا گیا تو طوبیٰ نظریں چرانے پہ مجبور ہو گئی۔ اس کا نگاہیں چراتا نوفل جاہ کے لبوں پہ زخم خوردہ مسکراہٹ بکھیر گیا.... وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا اس کے مقابل آکھڑا ہوا۔ اسے اپنے سامنے پا کے طوبیٰ کی بھنور اسی آنکھیں اس پہ جم گئی تھیں۔

"تم یقین کی دہائی دوبارہ کبھی مت دینا طوبیٰ احسن کیونکہ یہ لفظ تم جیسی بے یقین لڑکی کے منہ سے اچھا نہیں لگتا!" اس کی آنکھوں میں دیکھتا وہ کاٹ دار لہجے میں اپنی بات مکمل کر کے پلٹ گیا تو طوبیٰ کی پلکوں پہ چمکتی نمی اس کے رخساروں پہ پھسل آئی۔ اس نے شکوہ کرتی نظروں سے نوفل جاہ کی پشت کو دیکھا تھا جو لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا تھا۔

✡ ✡ ✡

"تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے؟" نگین کی سہیلی نے اسے یوں دیکھا تھا جیسے اس کی ذہنی حالت پہ شبہ ہو۔ وہ دونوں سہیلیاں اس وقت ایک کافی شاپ میں ایک دوسرے کے مقابل بیٹھی تھیں۔

"مجھے صرف یہ بتاؤ ایسی کوئی بندی ہے تمہاری نظر میں؟" اس کی بات ان سنی کیے نگین نے اپنی بات دہرائی تو عائزہ کے چہرے پہ پریشانی پھیل گئی۔

"خدا کا واسطہ ہے نگین کیوں خود کو تباہ کرنے پہ تلی ہو؟ نوفل جاہ نے اگر کسی اور کو چن لیا ہے تو تم بھی اس پہ لعنت بھیجو۔ تمہیں اچھے لڑکوں کی کمی ہے کیا؟"

"لعنت بھی بھیجوں گی مگر وقت آنے پر۔ فی الوقت تو میرا دل ہر لمحہ جل رہا ہے اور یہ آگ صرف تبھی بجھے گی جب اس پہ طوبیٰ احسن کے آنسو گریں گے۔" اس کی نظروں کے سامنے دلہن بنی طوبیٰ کا سراپا لہرایا تو اس کی آنکھوں میں وحشت ناچنے لگی جسے دیکھ کر عائزہ ڈر گئی۔

"تم اپنے پاؤں پہ کلہاڑی مارنے چلی ہو۔ میں.... میں آنٹی کو بتا دوں گی۔"

"میرا مرا ہوا منہ دیکھو گی اگر تم نے ایسا کچھ کیا تو!" نگین تیزی سے بولی تو عائزہ نے اپنا سر پکڑ لیا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ لیکن اگر تمہیں بدلہ ہی لینا ہے تو کوئی اور طریقہ سوچو۔ اس میں تو...."

"عائزہ! تم میری مدد کرو گی یا نہیں؟" اس کی بات کاٹتے ہوئے نگین نے قطعی لہجے میں سوال کیا تو عائزہ اپنی بچپن کی سہیلی کو غصے سے دیکھتی سیدھی ہو بیٹھی۔

"ٹھیک ہے پھر۔ اگر تم اپنی ذات کو لے کر اتنی لاپروائی کا ثبوت دے سکتی ہو تو پھر مجھے کیا۔ دیکھتی ہوں میں کسی کو۔"

"او تھینک یو۔ تھینک یو سوچ!" خوشی سے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے نگین کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔ "مجھے معلوم تھا' تم میرا ساتھ کبھی نہیں چھوڑو گی۔" اس کی آنکھوں میں دیکھتی وہ بڑے بھرپور انداز میں مسکرائی تو عائزہ کی نظروں میں اس کے لیے تاسف پھیل گیا۔ وہ سچ میں نوفل جاہ کے عشق میں پاگل ہو گئی تھی۔

✡ ✡ ✡

اسی شام چمچماتی نئی گاڑی مسز نوفل جاہ کے لیے ان کے گھر پہنچا دی گئی تھی۔ جسے دیکھ کے طوبیٰ کا دل بے اختیار بھر آیا تھا۔ نوفل نے اس کے لیے بہتر نہیں بلکہ بہترین چیز کا انتخاب کیا تھا' مگر اس انتخاب میں طوبیٰ کو محبت کے علاوہ دوسرا ہر رنگ نظر آ رہا تھا۔ وہ سچ میں اپنے فرائض احسن طریقے سے نبھانا جانتا تھا' مگر طوبیٰ کا المیہ یہ تھا کہ وہ اپنا نام اس کے فرائض کی فہرست

میں نہیں بلکہ اس کے دل کی ترجیحات میں اولین درجے پہ دیکھنے کی خواہاں تھی' اور چونکہ وہ نوفل جاہ کے دل کی حقیقت سے واقف تھی اس لیے اس کا نبھایا گیا ہر فرض اسے روشنی دینے سے قاصر تھا۔ محبوب کے در سے محب کو سوائے محبت کے 'باقی دنیا کی ہر نعمت ملے تو کیا ان نعمتوں میں بھی کوئی لطف کوئی خوشی محسوس کی جاسکتی ہے؟ نہیں۔ الٹا وہ آپ کے دل کو مزید بوجھل کرنے لگتی ہیں۔

نوفل جاہ کی محبت بن کے اس کی زندگی میں شامل ہونا اس کے گھر میں بسنا طوبیٰ کے لڑکپن کا خواب تھا۔ مگر اسے پاکر بھی نہ پانا اس کی بن کے بھی نہ بن پانا ایک ایسی اعصاب شکن حقیقت تھی جسے ہر آن جھیلتے جھیلتے وہ چند دنوں میں تھکن سے چور ہو گئی تھی۔

نوفل نے اس کا بینک اکاؤنٹ کھلوا کے چیک بک اور کارڈ دونوں اس کے حوالے کر دیے تھے۔ یونیورسٹی میں بھی اس کی شادی کی خبر سب میں پھیل چکی تھی۔ لہٰذا اس کی واپسی اور اپنی تعلیم مکمل کرنے کے فیصلے پر بھی ساری تعریف کا حق دار نوفل جاہ ہی ٹھہرا تھا۔ اس کی روشن خیالی اور بھرپور تعاون نے رجا' نادیہ اور اسما کے دل موہ لیے تھے۔ وہ تینوں اس کی قسمت پہ رشک کرتی نہ تھکتی تھیں اور طوبیٰ کے لیے ایسے میں اپنے لبوں پہ ایک مسکراہٹ سجانا بھی امتحان بن جاتا تھا۔

ابھی بھی وہ سب کے ساتھ کیفے ٹیریا میں بیٹھی تھی۔ جب موضوع گفتگو نوفل جاہ کی طرف مڑ گیا تھا۔ طوبیٰ کچھ دیر تو صبر سے سنتی رہی تھی اور پھر اس "نوفل نامے" سے بے زار ہو کے گھر جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اسے یونیورسٹی آتے ہوئے ڈیڑھ ہفتہ ہونے کو تھا۔ مگر نوفل جاہ کا ذکر اور اس کے حوالے سے چھیڑ چھاڑ جیسے روز کا معمول بن چکی تھی۔

"اتنی جلدی جارہی ہو؟" رجا نے اسے بیگ اور فائل اٹھاتے دیکھ کے اس کا چہرہ دیکھا۔ جس پہ چھائی کوفت کو وہ اس کی تھکن سمجھ کے چونک گئی تھی۔

"کیا بات ہے تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"بس یار سر میں درد ہو رہا ہے۔" اس نے یونہی ٹالنے کو بہانا بنایا تو نادیہ کے لبوں پہ شوخ سی مسکراہٹ در آئی۔

"میرے خیال میں نیند پوری نہیں ہوئی تمہاری۔" اس نے معنی خیز نظروں سے طوبیٰ کو دیکھا تو رجا اور اسما قہقہہ لگا کے ہنس پڑیں۔ جبکہ طوبیٰ کا چہرہ گلابی پڑ گیا۔

"بکومت!" اس نے نادیہ کو آنکھیں نکالیں۔ اور اپنی چیزیں اٹھا کے آگے بڑھ گئی۔

"بات تو سنو۔" مگر وہ ان کی پکار نظرانداز کیے چلتی چلی گئی۔ ڈپارٹمنٹ سے نکل کے اس کا رخ پارکنگ لاٹ کی جانب ہو گیا تھا۔ وہ چونکہ آج یونیورسٹی کے آف ٹائمنگ سے کافی پہلے نکل آئی تھی اس لیے اس طرف اکا دکا لوگوں کے سوا کوئی نہ تھا۔

اپنے دھیان میں وہ قدم اٹھاتی آگے بڑھ رہی تھی جب اچانک ایک طرف سے نکل کے کوئی اس کی راہ میں آکھڑا ہوا تھا۔ طوبیٰ بری طرح گھبرا کے پیچھے ہٹی تھی۔ اس نے بے اختیار ہی اپنا راستہ روکنے والے کی طرف دیکھا تھا اور جونہی اس کی نظر ضیا کے چہرے سے ٹکرائی تھی اس کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔

"کیا حال ہے مسز نوفل جاہ؟" اس کی خوف زدہ آنکھوں میں جھانکتا وہ استہزائیہ انداز میں مسکرایا تو طوبیٰ کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ اس نے سرعت سے ایک طرف سے نکلنا چاہا لیکن ضیا نے تیزی سے اپنا بازو پھیلا کے اس کا راستہ روک دیا۔

"آ... ہاں... اتنی جلدی بھی کیا ہے؟"

"کیا بدتمیزی ہے؟ ہٹو میرے سامنے سے!" اپنی گھبراہٹ پہ قابو پاتے ہوئے اس نے کڑی نظروں سے اسے گھورا تو ضیا کی بھنویں اوپر کو اٹھ گئیں۔

"بدتمیزی؟ ابھی تو میں نے بدتمیزی شروع بھی نہیں کی۔" اس کی بات پہ طوبیٰ نے سہم کر اس کی طرف دیکھا تو وہ خباثت سے مسکرا دیا۔

"بہت حساب نکلتے ہیں میرے' تم ماں بیٹیوں کی طرف۔"

"دیکھو ضیا اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تم یہاں اپنی من

مانی کے لیے آزاد ہو تو یہ تمہاری بہت بڑی بھول ہے۔ میری ایک پکار پہ یہاں دسیوں لوگ جمع ہو جائیں گے۔"

"تو پکارو نا۔ میں بھی تو یہی چاہتا ہوں کہ اس شہر میں ہر جگہ نوفل جاہ کی بیوی کا وہ تماشا لگے کہ وہ کمینہ کہیں منہ دکھانے کے قابل نہ رہے۔" وہ دانت پیستے ہوئے بولا۔ طوبیٰ کی رنگت زرد پڑ گئی۔

"تم لوگوں نے جس طرح بھرے خاندان میں ہمیں ذلیل کیا ہے، جس طرح میری عزت نفس پہ وار کیا ہے۔ میں اس ذلت و رسوائی کا بدلہ لے کر رہوں گا۔ بہت برا لگتا ہوں نا میں تمہیں؟" بات کرتا وہ اچانک اس کی طرف بڑھا تو طوبیٰ متوحش سے الٹے قدموں پیچھے ہٹی لیکن ضیا نے اس کی کلائی جھپٹتے ہوئے اس کی اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی سانس نیچے کر دی۔

"چھوڑو! چھوڑو مجھے!" وحشت زدہ پرندے کی مانند پھڑپھڑاتے ہوئے اس نے مدد طلب نظروں سے ارد گرد دیکھا مگر دور تک کسی کو نہ پا کے اس کی آنکھیں مارے خوف کے برسنے لگیں۔

"او۔ اور رو کہ اب یہی رونا تمہارا مقدر بننے والا ہے۔ تمہارے اس حسن، اس نفرت کو اپنے قدموں کی دھول نہ بنایا تو ضیا علی نام نہیں۔ بتا دینا اپنے اس شوہر کو کہ اپنی خوشیوں کے دن گننا شروع کر دے۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑنے والا!" اس کے چہرے پہ نظریں گاڑے وہ سفاکی سے اسے جھٹک کر آگے بڑھ گیا تو طوبیٰ اپنے کانپتے وجود کو سہارا دینے کے لیے لڑکھڑاتی ہوئی دیوار سے جا لگی۔

☆ ☆ ☆

گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے نوفل نے اپنی گھڑی کی طرف دیکھا۔ دوپہر کے دو بجنے کو تھے۔ معاً ایک خیال اس کے دل میں آیا، جس کے زیر اثر اس نے وہیں کھڑے کھڑے ماہ نور کو کال ملائی۔

"وعلیکم السلام۔ کیسی ہو؟" اس کی زندگی سے بھرپور آواز نوفل کے کانوں سے ٹکرائی تو اس کے لب بھی بے اختیار مسکرا دیے۔

"میں ٹھیک ہوں بھائی۔ آپ سنائیں؟"

"اللہ کا شکر ہے۔ اچھا یہ بتاؤ لنچ تو نہیں کیا؟"

"ابھی تو نہیں۔" ماہ نور چونکی۔

"کرنا بھی مت۔ ہم سب آج لنچ مل کر باہر کریں گے۔"

"یاہو!" ماہ نور کا نعرہ نوفل کی مسکراہٹ گہری کر گیا۔

"تم ہاف ڈے لیو لے لو۔ میں اماں جان کو پک کر کے تمہاری طرف آتا ہوں۔"

"اور آپی؟"

"وہ اپنی گاڑی میں آ جائے گی۔ تم جگہ سوچ کے اسے انفارم کر دو۔" نوفل دروازہ کھول کے اندر بیٹھتے ہوئے بولا تو ماہ نور نے خوشی خوشی اثبات میں سر ہلاتے ہوئے فون رکھ دیا۔

نوفل نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے حسن ولا کے راستے پہ ڈال دی۔ اپنی منزل پہ پہنچ کے اس نے ہارن دیا تو غیاث نے جھٹ سے گیٹ وا کر دیا۔ نوفل نے اپنے دھیان میں گاڑی آگے بڑھائی، لیکن جونہی اس کی نظر پورچ میں کھڑی طوبیٰ کی گاڑی سے ٹکرائی وہ چونک گیا۔

"طوبیٰ بی بی کب آئیں غیاث؟" باہر نکلتے ہوئے اس نے چوکیدار کی طرف دیکھا تو وہ اس کے قریب چلا آیا۔

"ابھی تھوڑی دیر پہلے آئی ہیں۔" اس کے جواب پہ وہ اثبات میں سر ہلاتا اندر چلا آیا۔ خلاف معمول نیچے خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ وہ ایک نظر کچن میں جھانکتا اوپر چلا آیا، لیکن اس سے پہلے کہ وہ ارجمند بیگم کو پکارتا، ان کے کمرے سے آتی طوبیٰ کے رونے کی آواز سن کے وہ اپنی جگہ پہ ساکت رہ گیا۔

"اماں جان اس نے نہ صرف میرا راستہ روکا بلکہ میرا ہاتھ بھی پکڑ لیا تھا۔"

"کیا؟" پریشانی سے بیٹی کی بات سنتی ارجمند نے دہل کر اپنا کلیجہ تھام لیا جبکہ باہر کھڑے نوفل کی پیشانی شکن

آلود ہو گئی تھی۔ یہ کس نے طوبیٰ کے ساتھ بدتمیزی کی جرات کی تھی؟ لب بھینچے اس نے غصے سے ایک نظر کھلے دروازے پہ ڈالی تھی۔

"تو تم نے کسی کو پکارا کیوں نہیں؟" انہوں نے بے چینی سے استفسار کیا۔

"وہاں کوئی بھی نہیں تھا اس وقت۔" اس کی آنسوؤں میں ڈوبی آواز نوفل کی سماعتوں سے ٹکرائی تو اس کی مٹھیاں سختی سے بھینچ گئیں۔ یہ گھٹیا حرکت آخر کس کی تھی؟ نوفل کو اپنا خون کنپٹیوں میں ٹھوکریں مارتا محسوس ہوا تھا۔

"تم... تم ٹھیک تو رہی نا؟ اس نے تمہارے ساتھ کوئی بدتمیزی تو نہیں کی؟" ارحمند کے سوال نوفل کا چہرہ دہکا گئے۔ وہ دانت جمائے دروازے کے بالکل قریب آکھڑا ہوا۔

"نہیں۔ لیکن اماں جان میں بہت ڈر گئی تھی۔ اس نے مجھے دھمکی دی ہے کہ وہ مجھے برباد کردے گا اور... اور نوفل کو..." وہ لب دبائے ان کی گود میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کے رو پڑی تو ارحمند نے گھبرا کے اس کے وجود کو اپنے بازوؤں میں چھپالیا۔

"اللہ نہ کرے... یا اللہ ہمارے حال پہ رحم کردینا!" اور نوفل کے لیے خود پہ مزید قابو پانا ممکن نہ رہا تھا۔ وہ بڑھا تھا اور کمرے میں داخل ہو گیا تھا۔

"کون تھا وہ؟" اس کی اچانک ابھرنے والی آواز پہ طوبیٰ اور ارحمند باقاعدہ کانپ اٹھی تھیں۔ ایک جھٹکے سے سیدھی ہوتے ہوئے طوبیٰ نے دروازے کی سمت دیکھا تھا۔ نوفل جاہ کو اپنے سامنے پا کے اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ اس کی سرخ نگاہیں طوبیٰ کے بھیگے ہوئے چہرے پہ جا ٹھہری تھیں۔

"میں پوچھ رہا ہوں کون تھا وہ؟" اس کی دھاڑ درو دیوار کو لرزا گئی تھی۔ طوبیٰ کی رنگت فق ہو گئی تھی۔ ارحمند بھی بری طرح پریشان ہو گئی تھیں۔ انہوں نے نوفل کو پہلی بار اتنے غصے میں دیکھا تھا۔

"ض... ضیا۔" بکھرتے لہجے میں ضیا کا نام نوفل جاہ کا دماغ گھما گیا تھا۔

"اس کی تو..." وہ دانت پیستا پلٹ کر باہر کی جانب لپکا تھا۔ اس کا ارادہ طوبیٰ اور ارحمند کی جان نکال لے گیا تھا۔ وہ نوفل کو پکارتی دیوانہ وار اس کے پیچھے بھاگی تھیں۔ مگر اس کے قدم ان کی ہر پکار کو نظرانداز کرتے تیزی سے اٹھتے چلے گئے تھے۔

گاڑی کے ٹائر اس کے جذبات کے زیر اثر بری طرح چرچرائے تھے۔ مگر وہ ہر چیز سے بے نیاز آندھی طوفان بنا وہاں سے نکل گیا تھا۔

✡ ✡ ✡

"ضیا... ضیا علی!" علی منزل میں اس کی آواز کی گونج دور تک سنائی دی تھی۔ ہر کوئی جہاں تھا پریشان سا اس آواز کے تعاقب میں خود ہی کھنچا چلا آیا تھا۔ سب سے پہلے باہر آنے والے علی مجتبیٰ تھے۔ نوفل جاہ کو اپنے لاؤنج میں کھڑا دیکھ کے وہ ایک پل کو حیران اور پھر بے تحاشا غصے میں آگئے تھے۔

"تم! تمہاری جرات کیسے ہوئی میرے گھر میں قدم رکھنے کی؟" تیز قدموں سے چلتے وہ اس کے مقابل آکھڑے ہوئے تو نوفل کی تند نگاہیں ان کے چہرے پر آٹھہریں۔ اس دوران تائی جان سمیت ان کی بہو بیٹیاں اور عصمی پھپھو جو اتفاقاً" آج بھائی کے گھر آئی ہوئی تھیں وہاں پہنچ گئی تھیں۔ نوفل کو دیکھ کے ان سب کی بھی وہی کیفیت ہوئی تھی جو تایا جان کی تھی۔

"ضیا کہاں ہے؟" علی صاحب کے غصے کو خاطر میں لائے بنا وہ سرد لہجے میں بولا تو اس کا انہیں یوں نظرانداز کرنا جلتی پہ تیل کا کام کر گیا۔

"میں نے پوچھا ہے کہ تمہاری جرات..."

"ضیا کہاں ہے؟" وہ ان سے بھی بلند آواز میں چلایا تو سب کے ساتھ ساتھ علی مجتبیٰ بھی دنگ رہ گئے۔ اسی وقت لاؤنج کا داخلی دروازہ کھول کے ضیا اپنے دھیان میں اندر داخل ہوا تھا۔ لیکن جونہی اس کی نظر نوفل جاہ پہ پڑی تھی وہ حیرت کی زیادتی کے باعث بوکھلا گیا تھا۔ نوفل جاہ اتنی جلدی اور اتنی اچانک وارد ہو جائے گا اسے اندازہ نہ تھا۔

ضیا کے چہرے پہ نظر پڑتے ہی نوفل عقاب کی طرح پلٹ کر اس پر جھپٹا تھا اور اس کے کچھ سمجھنے سے پہلے ہی اس نے کھینچ کر ایک گھونسا اس کے منہ پہ جڑ دیا تھا۔ ساری خواتین خوف زدہ ہو کے چلائی تھیں۔

نوفل نے دوسرا ہاتھ بھی اسی طاقت سے مارا تھا۔

"تمہاری اتنی جرات کہ تم نے میری بیوی کا ہاتھ پکڑا' اس کا راستہ روکا!" نوفل کا چہرہ شدت غضب سے دہک رہا تھا۔ علی مجتبیٰ بیٹے کو بچانے کے لیے آگے بڑھے تھے۔ مگر اسے نوفل کے عتاب سے بچانا تو دور وہ اس کے قریب بھی نہ پھٹک پائے تھے۔

ضیا البتہ دو ہاتھ پڑنے کے بعد خود کو سنبھال کر نوفل پہ حملہ آور ہوا تھا۔ اس کا ہاتھ بھی نوفل کے چہرے پہ پڑا تھا۔

"مجھے پتا تھا کہ تمہاری دم پہ پاؤں ضرور آئے گا۔ ابھی تو میں نے صرف ہاتھ پکڑا ہے۔ اس کمینی کو تو اگر میں نے اپنی ....." اور نوفل کو تو جیسے کسی نے شعلہ دکھا دیا تھا۔ وہ بھڑکا تھا اور ایسا بھڑکا تھا کہ اس نے ضیا کو دھنک کے رکھ دیا تھا۔ اس دوران نجانے کون ملازموں کو بلا لایا تھا۔ جنہوں نے کھینچ تان کے اسے نوفل کے شکنجے سے آزاد کروایا تھا۔ ضیا زخموں سے چور زمین پہ گر گیا تھا۔

نوفل نے تیزی سے چلتی سانس کے درمیان اپنے لبوں سے بہتا خون صاف کیا تھا۔

"یاد رکھنا ضیا علی۔ دوبارہ اگر تم نے میری بیوی کا نام بھی اپنی گندی زبان سے لیا تو میں تمہیں چیر کے رکھ دوں گا!" نفرت بھری نگاہ اس کے چہرے پہ ڈالتا وہ بت بنے گھر والوں کی طرف پلٹا تھا۔

"اور آپ سب بھی آج میری یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں۔ میں احمر حسن نہیں نوفل جاہ ہوں۔ عزت و غیرت کے نام پہ میں جان دینا اور لینا دونوں جانتا ہوں۔ آئندہ اگر آپ میں سے کوئی میری فیملی کے قریب بھی پھٹکا تو میں آپ کے خاندان کی بنیادیں ہلا کر رکھ دوں گا۔ یاد رکھنا علی مجتبیٰ کہ میں تمہارے اور تمہارے بیٹوں کے ٹیکس گھپلوں سے لے کر غیر قانونی پراپرٹی تک ہر چیز سے واقف ہوں اور آج سے نہیں عرصہ دراز سے واقف ہوں۔ مجھ سے دشمنی تم لوگوں کو بہت مہنگی پڑے گی۔ اس لیے میری فیملی سے دور رہنا!" انگلی اٹھائے وہ اپنی بات مکمل کرتا مضبوط قدموں سے نکلتا چلا گیا تو علی مجتبیٰ قہر برساتی نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گئے۔

وہ ان کے ملازمین کے سامنے ان کے گھر میں آ کے ان کی عزت دو ٹکے کی کر گیا تھا۔ مگر یہ بھی سچ تھا کہ نوفل جاہ ان کے بخیے ادھیڑنے کی پوری طاقت رکھتا تھا اور عقل مندی کا تقاضا یہی تھا کہ وہ اور ان کے بیٹے خاص طور پہ ضیا اب اس باب کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیتے۔

☆ ☆ ☆

نوفل کی حسن ولا میں واپسی ایک کہرام مچا گئی تھی۔ اس کے ہونٹوں سے بہتا خون اور چہرے پہ لگی چوٹ طوبیٰ کے پیروں تلے سے زمین نکال گئی تھی۔ ماہ نور بھی ماں کی کال پہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے گھر پہنچ چکی تھی۔

ارجمند کی ہدایت پہ طوبیٰ نے خود اس کے ہونٹوں اور گردن پہ آئے زخم صاف کر کے دوا لگائی تھی۔ اس کی لرزتی انگلیوں کا لمس نوفل کے غصے کو ہوا دے گیا تھا۔ اگر ارجمند اور ماہ نور نہ ہوتیں تو وہ اس کا ہاتھ جھٹکنے میں لمحہ نہ لگاتا۔ اسے طوبیٰ کی ہمدردی کی ضرورت نہیں تھی۔

دوا لگوا کر وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس نے ان تینوں کو اس بات کا ذکر کراچی تک پہنچانے سے سختی سے منع کر دیا تھا۔ ارجمند کے روکنے کے باوجود وہ طوبیٰ کی طرف دیکھے بنا باہر نکل گیا تھا۔ اس کا اجنبی انداز طوبیٰ کی آنکھیں نئے سرے سے بھر لایا تھا۔ وہ چپ چاپ جا کر اپنی گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔ اس وقت اسے سوائے نوفل کے زخموں کے اور کسی بات کا دھیان نہیں رہا تھا۔ سارا راستہ شدید پریشانی کے عالم میں طے ہوا تھا۔ ضیا اور نوفل کے درمیان کیا ہوا تھا کیا نہیں وہ سوچ

سوچ کے ہولتی رہی تھی۔ یہ فکر الگ کھائے جا رہی تھی کہ پتا نہیں نوفل حسن ولا سے نکل کر گھر گیا بھی تھا یا نہیں؟

لیکن اپنے گھر کے پورچ میں نوفل کی گاڑی دیکھ کے اس نے بے اختیار شکر کا کلمہ پڑھا تھا۔ وہ تیز قدموں سے سیدھی اپنے کمرے کی طرف چلی آئی تھی اور عجلت میں دروازہ کھول کے اندر داخل ہوگئی تھی۔ مگر جونہی اس کی نگاہ نوفل سے ٹکرائی تھی وہ بری طرح شرمندہ ہوگئی تھی۔ وہ شرٹ کے بغیر فون پہ کسی سے گفتگو میں مصروف تھا۔ نظروں کے ٹکراؤ نے نوفل کی پیشانی پہ بل ڈال دیے تھے۔

طوبیٰ خجل سی واپس پلٹنے کو تھی کہ تبھی اس کی نظر نوفل کی چوڑی پشت پہ لگے زخم اور اس کے گرد جمے خون پہ جا ٹھہری تھی۔ وہ پریشان سی اپنی جگہ پہ رک گئی تھی۔ اسے رکتا دیکھ کے نوفل نے ایک سرد نگاہ اس پہ ڈالی تھی اور دوبارہ فون کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"نہیں میں نہیں چاہتا کہ ضیا کی دوبارہ اتنی جرات ہو۔ اس لیے آج ہی ان باپ بیٹوں کو تھانے بلواؤ اور ایسے کان کھولو کہ اگلی بار یہ ایسی کسی بے ہودہ حرکت سے پہلے دس بار سوچے۔" وہ اپنے کالج کے دوست سلمان سے مخاطب تھا جو آج کل پولیس ڈپارٹمنٹ میں ایک بڑے عہدے پہ تعینات تھا۔ طوبیٰ غیرارادی طور پہ اس کی گفتگو کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔

"میں نے اس گھٹیا انسان کو ایسا سبق سکھایا ہے کہ ساری زندگی یاد رکھے گا۔" نوفل کی بات اسے چونکا گئی تھی۔ بے اختیاری کے عالم میں اس نے نوفل کے چہرے کی طرف دیکھا تھا جو اب بھی اس سے بے نیاز تھا۔ لیکن اس کے باوجود ایک اس کا وجود طوبیٰ کو ایک ایسی آہنی دیوار کی مانند لگنے لگا تھا جو ان کے اور زمانے کے سرد و گرم کے درمیان تن کے کھڑی تھی جس کے ہوتے ہوئے اللہ کے حکم سے کوئی انہیں نقصان پہنچانا تو دور چھو بھی نہیں سکتا تھا۔ بے اختیار ایک تحفظ کا احساس اسے اپنے اندر سرایت کرتا محسوس ہوا تھا۔

"ٹھیک ہے میں تمہیں اس کی ساری تفصیل سینڈ کرتا ہوں۔" نوفل اس کے احساسات سے انجان بولتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ رابطہ منقطع کرتے ہی اس نے ایک میسج لکھ کر بھیجا تھا اور پھر فون ایک طرف ڈالتا ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آکھڑا ہوا تھا۔ اس دوران اس نے ایک بار بھی طوبیٰ کی طرف نہیں دیکھا تھا یوں جیسے وہ کمرے میں موجود ہی نہ ہو۔

اسے زخم کا معائنہ کرتے دیکھ کے وہ خود ہی اس کی جانب چلی آئی تھی۔

"ٹھہریں میں ڈیٹول لاتی ہوں۔"

"کوئی ضرورت نہیں۔" اس کا سرد لہجہ طوبیٰ کو اسے دیکھنے پر مجبور کرگیا۔

نوفل خود ہی جا کر باتھ روم سے ڈیٹول اور روئی لے آیا۔ اسے بدقت تمام زخم پہ دوا لگاتا دیکھ کے طوبیٰ خود کو آگے بڑھنے سے روک نہیں پائی تھی۔

"لائیں میں لگا دوں۔"

"دور رہو۔" اس نے تنبیہی انداز میں اسے دیکھا۔

"دیکھیں آپ سے نہیں۔۔۔" بولتے ہوئے اس نے جونہی نوفل کے ہاتھ سے روئی لینا چاہی اس نے غراتے ہوئے ہاتھ میں پکڑی بوتل دیوار پہ دے ماری۔ طوبیٰ سہم کے الماری سے جا لگی۔

"کیا سمجھتی ہو تم خود کو۔۔۔ ہاں؟" اس کے دائیں بائیں بازو جمائے وہ دانت پیس کر بولا تو طوبیٰ کی آنکھیں مارے دہشت کے اس کے دہکتے چہرے پہ جم گئیں۔

"جب جی چاہے گا انسانیت کے جامے میں آجاؤ گی اور جب جی چاہے گا ایک غیرت مند باپ کی بیٹی کا دعوا کر کے مجھے نیچا دکھانے کھڑی ہو جاؤ گی؟" اس کی آنکھوں میں دیکھتا وہ غضب ناک لہجے میں بولا۔ طوبیٰ کی آنکھوں میں نمی پھیل گئی۔

"مگر میں تمہارے دوغلے رویوں کے تابع نہیں ہو سکتا۔ میرے خلاف اگر تم نے نفرت اور بدگمانی کا علم بلند کیا ہے نا تو اب ساری زندگی اسے ہی اٹھائے رکھنا۔ خبردار جو کبھی کسی موڑ پہ مجھ سے ہمدردی جتانے کی کوشش کی۔ مجھے تمہاری خیرات کی ضرورت

نہیں!" سخت نظروں سے اسے دیکھتا وہ پلٹ کر کمرے سے باہر نکل گیا تو طوبیٰ بے اختیار سسک اٹھی۔ نجانے کیوں لیکن کچھ غلط ہو جانے کا احساس اس کے اندر بہت شدت سے جاگا تھا۔

☆ ☆ ☆

دوپہر سے شام اور شام سے رات ہونے کو تھی مگر نوفل اس کمرے سے نہیں نکلا تھا' جہاں وہ غصے میں گیا تھا۔ طوبیٰ جلے پیر کی بلی بنی باہر چکراتی رہی تھی اس دوران ارجمند کی بھی دو تین کالز آچکی تھیں۔ اس نے انہیں تو مطمئن کر دیا تھا' مگر اب خود اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔ وہ صبح کا بھوکا پیاسا بغیر کوئی دوا لیے اندر بند پڑا تھا۔ تنگ آکر طوبیٰ نے گھر کی چابیوں سے دروازہ کھولنے کا ارادہ کیا تھا۔

آہستگی سے دروازہ کھولتے ہوئے اس نے اندر جھانکا تھا۔ کمرہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ دبے قدموں سے چلتی سوئچ بورڈ کی طرف آئی تھی اور جھجکتے ہوئے لائٹ جلا دی تھی۔ روشنی کی پھیلتے ہی منظر واضح ہو گیا تھا۔ نوفل بغیر شرٹ کے بیڈ پہ اوندھا پڑا تھا۔ اس کی پشت پہ لگی چوٹ کے گرد اچھا خاصا نیل واضح ہو گیا تھا۔ اس کا رخ چونکہ دوسری طرف تھا اس لیے طوبیٰ بنا آہٹ کیے اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی تھی۔

"ن..... نوفل!" اس نے زندگی میں پہلی بار اسے اس کے نام سے پکارا تھا۔ زبان نا چاہتے ہوئے بھی لڑکھڑا گئی تھی۔ مگر سوئے ہوئے نوفل پہ کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ ناچار طوبیٰ کو آگے آنا پڑا تھا۔

"نوفل۔ اٹھیں کچھ کھالیں پلیز۔" وہ جھجکتے ہوئے بولی تھی' لیکن وہ یونہی بے سدھ پڑا رہا تھا۔ طوبیٰ کو عجیب سا احساس ہوا تھا۔ ساری ہچکچاہٹ ایک طرف رکھتے ہوئے اس نے اس کے شانے کو چھوا تھا اور بری طرح گھبرا گئی تھی۔ وہ بخار میں جل رہا تھا۔

"نوفل!" پریشانی سے اسے پکارتے ہوئے اس نے اس کا بازو پھیلایا تھا۔ لیکن وہ ٹس سے مس نہیں ہوا تھا۔ طوبیٰ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔

وہ سیدھا باہر کی طرف بھاگی تھی۔ شفیق کو ڈاکٹر کو لانے کا کہہ کر وہ کچن میں آئی تھی۔ ایک پیالے میں ٹھنڈا پانی ڈال کر اس نے وہیں سے دو نیپکن پکڑے تھے اور تیز قدموں سے واپس کمرے میں چلی آئی تھی۔

اس کے سرہانے بیٹھ کر اسے سیدھا کرتے ہوئے طوبیٰ کی آنکھیں بے اختیار بھر آئی تھیں۔ وہ بالکل بے سدھ پڑا تھا۔ اسے یوں ہوش و حواس سے بیگانہ دیکھ کے طوبیٰ کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا تھا۔ اس کا ہونٹ سوجھ کے نیلا ہو گیا تھا۔ چہرے اور گردن پہ بھی چوٹ کے نشانات واضح ہو گئے تھے۔

طوبیٰ نے بے اختیار اپنا لب کاٹ ڈالا تھا۔ یہ سب کچھ اس کی وجہ سے ہوا تھا۔ بے آواز آنسو بہاتی وہ اسے ٹھنڈے پانی کی پٹیاں کرنے لگی تھی۔ چونکہ یہ ڈاکٹرز کی کالونی تھی اس لیے شفیق دس منٹ میں ہی برابر والے گھر سے ڈاکٹر عاصم کو لے آیا تھا۔

نوفل کے چیک اپ کے بعد انہوں نے سب سے پہلے اس کے زخموں کی ڈریسنگ کی تھی۔ انجکشن لگانے اور نسخہ لکھنے کے بعد انہوں نے طوبیٰ کو چند ہدایات دی تھیں اور پھر اسے تسلی دیتے ہوئے صبح آنے کا کہہ کر چلے گئے تھے۔

ان کے جانے کے بعد طوبیٰ نے سب سے پہلے اسے شرٹ پہنائی تھی۔ اس کوشش میں اسے دانتوں تلے پسینہ آگیا تھا۔ مگر وہ ہمت سے اپنے کام میں لگی رہی تھی۔

نماز کے ساتھ اس کی صحت کے لیے نفل ادا کر کے دعا مانگتے ہوئے وہ ایک بار پھر بے اختیاری کے عالم میں رو پڑی تھی۔ کیوں؟ وہ خود نہیں جانتی تھی۔

☆ ☆ ☆

رات کا نجانے کون سا پہر تھا جب نوفل کی آنکھ کھلی تھی۔ اس کا جسم اور سر بری طرح دکھ رہا تھا اور حلق میں پیاس کی شدت سے کانٹے سے پڑ رہے تھے۔

اپنے خشک لبوں پہ زبان پھیرتے ہوئے اس نے اٹھنے کی کوشش میں خود کو جنبش دینا چاہی تھی لیکن اپنے دائیں ہاتھ پہ ایک عجیب سا احساس پا کے وہ الجھ گیا تھا۔

بے اختیار گردن موڑتے ہوئے اس نے اپنی دائیں طرف دیکھا تھا اور ٹھٹک رہ گیا تھا۔ سائیڈ ٹیبل پہ جلتے لیمپ کی روشنی سیدھی کارپٹ پہ بیٹھے وجود پہ پڑ رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں دبا اپنا ہاتھ دیکھ کے نوفل ایک لمحے کے لیے پلکیں جھپکنا بھول گیا تھا۔ اپنی پیشانی گھٹنوں پہ ٹکائے وہ شاید بیٹھے بیٹھے ہی سو گئی تھی۔

اک گہری سانس لیتے ہوئے نوفل نے اپنا رخ موڑ لیا تھا۔

چھت کو ایک ٹک تکتے ہوئے وہ کتنی دیر یونہی بے حس و حرکت پڑا رہا تھا۔ مگر جب پیاس کی شدت سوا ہو گئی تھی تب مجبوراً اسے اٹھنا پڑا تھا۔ اس کی پوری کوشش کے باوجود اس کا ہاتھ ہل گیا تھا اور طوبیٰ ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھی تھی۔

"آپ.... آپ کو ہوش آگیا؟" اسے اٹھتا دیکھ کر وہ بے قرار سی اپنی جگہ سے اٹھی تو نوفل نے اس بے تکے سوال کے باوجود اس کی تسلی کو اثبات میں سر ہلا دیا۔

"یا اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔" اس کی زبان سے نکلنے والا شکرانہ بے اختیار تھا۔ اور ایسا ہی غیر ارادی اس کا اگلا قدم بھی، مگر نوفل اپنی جگہ حیران رہ گیا تھا۔

"شکر ہے بخار نہیں ہے اس وقت۔" اس کی پیشانی سے ہاتھ ہٹاتی وہ اپنے دھیان میں بولی تو اس کے چہرے پہ بکھرا اطمینان نوفل کو نظریں چرانے پہ مجبور کر گیا۔

"پانی پلاؤ مجھے۔" اس کے کہنے پہ اس نے جھٹ پانی کا گلاس بھر دیا۔

"لائیں میں پلا....." اپنے الفاظ اسے بے اختیار کل دوپہر کے واقعے کی یاد دلا گئے تو وہ جھجک کے نوفل کو تکتی خاموش ہو گئی۔ اس کے گلاس آگے بڑھانے پہ نوفل نے چپ چاپ گلاس تھام لیا۔

"آپ کے لیے کچھ کھانے کو لاؤں؟" خالی گلاس لیتے ہوئے اس نے نوفل کی طرف دیکھا تو وہ نفی میں سر ہلاتا پشت پہ رکھے تکیوں کے سہارے نیم دراز ہونے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر پیٹھ کا زخم اس کوشش میں حائل تھا۔

اس کے چہرے پہ تکلیف کے آثار دیکھ کے طوبیٰ خود کو آگے بڑھنے سے روک نہیں پائی تھی۔ اور عجیب بات یہ تھی کہ نوفل نے بھی اسے کچھ نہیں کہا تھا۔

اس کے تکیے برابر کر کے پیچھے ہٹنے پر، وہ خاموشی سے لیٹ گیا تھا۔ اس کی انگلیاں اپنی دکھتی کنپٹیاں سہلانے لگی تھیں۔ تبھی اسے اپنی پیشانی پہ ایک نرم ٹھنڈے ہاتھ کا لمس محسوس ہوا تھا۔ نوفل کی آنکھیں ایک جھٹکے سے کھل گئی تھیں۔

طوبیٰ کو اپنی دوسری طرف بیڈ پہ بیٹھا دیکھ کے وہ ایک پل کے لیے ساکت رہ گیا تھا۔ نگاہوں کے تصادم پہ طوبیٰ نے دھیرے سے نظریں چرا لی تھیں۔ نوفل چند لمحے اسے تکتا رہا تھا اور پھر خاموشی سے پلکیں موند گیا تھا۔

اس حادثے کے بعد بظاہر کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ لیکن کچھ تھا جس نے ان دونوں کے درمیان تنی رشتے کی ڈور کو بڑے غیر محسوس انداز میں نرم کر دیا تھا۔ یوں کہ انہیں پتا بھی نہیں چلا تھا اور زندگی سہل ہو گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

طوبیٰ لان میں کتابیں پھیلائے پڑھائی میں مصروف تھی۔ اگلے ہفتے سے اس کے امتحان شروع ہو رہے تھے۔ جس کی وجہ سے وہ آج کل گھن چکر بنی ہوئی تھی۔ گو کہ ارجمند روزانہ کی بنیاد پہ خود ان کا کھانا بنا کے بھیج رہی تھیں۔ مگر گھر اور اس کی ذمہ داریوں سے کنارہ کشی اختیار کر لینا اس کے بس میں نہیں تھا۔ ابھی بھی وہ رانی سے چائے بنا کے نوفل کو دینے کا کہہ کر لان میں آئی تھی۔

اسے بیٹھ کر پڑھتے ہوئے تھوڑی دیر ہی گزری تھی، جب نوفل چائے کا مگ اٹھائے، فون پر بات کرتا باہر

چلا آیا تھا۔

"ایسی بات نہیں ہے۔ اچھا لیں آپ خود بات کر لیں۔" طوبیٰ کی طرف آتے ہوئے اس نے فون اس کی جانب بڑھایا تو طوبیٰ نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"امی۔" نوفل کے جواب پہ اس نے سرعت سے موبائل اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

"السلام علیکم امی جان' کیسی ہیں آپ؟" وہ خوش دلی سے گویا ہوئی تو نوفل بے اختیار چونک گیا۔ یہ امی کب آنٹی سے اس کی امی کے عہدے پہ فائز ہوئی تھیں؟ طوبیٰ کو تکتے ہوئے اس نے تعجب سے سوچا تھا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ بتائیں ہمارے پاس کب آرہی ہیں؟" وہ مسکراتے ہوئے بولی تو نوفل اس کے گلابی لبوں سے نگاہیں چھڑاتا پلٹ کر لان میں ٹہلنے لگا۔

"میں نہیں آؤں گی۔ تم لوگ آؤ گے۔ فہد کا آسٹریلیا کا ویزا لگ گیا ہے اور زہرہ بہن چاہتی ہیں کہ وہ شادی کر کے جائے' تاکہ صفی کو بلانے میں کوئی مشکل نہ ہو۔"

"سچ!" وہ خوشی سے چہکی "یہ تو بہت اچھی خبر ہے امی۔ کب تک شادی کا ارادہ ہے؟"

"ایک ڈیڑھ ماہ کے اندر اندر جا رہی ہیں۔ تم لوگ آجاؤ گے تو تاریخ طے کریں گے۔ مگر نوفل کہہ رہا ہے کہ تم نہیں آسکتی اس کے ساتھ؟"

"کب کا پروگرام ہے ان کا؟" اس کی خفگی بھری نظریں دور ٹہلتے نوفل جاپہ جا ٹھہریں۔

"اگلے ہفتے کا۔"

"پھر تو وہ صحیح کہہ رہے ہیں۔ میرے پیپرز شروع ہو رہے ہیں امی۔" وہ بے چارگی سے بولی تو صباحت کا موڈ آف ہو گیا۔

"ایک تو یہ تم لوگوں کی فضول کی مصروفیات... بجائے یہ کہ تم مجھے دادی بننے کی خوش خبری سناؤ' تم مجھے پرچوں کی تاریخیں بتا رہی ہو۔" وہ خفگی سے بولیں

تو طوبیٰ کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔ اس نے گھبرا کے نوفل کی طرف دیکھا۔ جو مالی سے بات کر رہا تھا۔

"امی آپ بھی نا۔۔۔" وہ بس یہی کہہ پائی تھی۔

"کیا آپ بھی۔" صباحت مسکرائیں۔ "میں تو کب سے اس مبارک دن کا انتظار کر رہی ہوں، جب تم لوگ مجھے یہ خبر سناؤ گے۔"

"اچھا بس میں اب فون بند کر رہی ہوں۔" وہ خفت زدہ سی بولی تھی۔ صباحت قہقہہ لگا کے ہنس پڑیں۔

"بے شک بند کردو۔ مگر ایک بات تم بھی کان کھول کے سن لو اور اس نالائق کو بھی بتا دو۔ مجھے جلد از جلد اللہ کے حکم سے یہ خوشی کی خبر چاہیے۔ سمجھ گئی نا؟" وہ شرارت سے بولیں تو طوبیٰ مارے شرمندگی کے کانوں کی لوؤں تک سرخ پڑ گئی۔

نوفل مالی سے بات کر کے پلٹا تو اسے یوں ٹماٹر بنا دیکھ کے بے اختیار چونک گیا۔ اسے اپنی طرف آتا دیکھ کے طوبیٰ نے الوداعی کلمات کہتے ہوئے فون بند کر دیا۔

"آں۔۔ وہ۔ امی بتا رہی تھیں کہ آپ اگلے ہفتے کراچی جا رہے ہیں؟" خود کو سنبھالتے ہوئے اس نے بات بنائی تو نوفل نے اس کے چہرے کی سرخی کو تکتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تم اگر تھوڑی دیر کے لیے ٹائم نکال سکتی ہو تو میرے ساتھ بازار چلو۔ مجھے ماہ نور کے لیے گفٹ لینا ہے۔ لیکن چونکہ مجھے اس کی پسند کا اندازہ نہیں' اس لیے تم چل کے دیکھ لو۔" اس کی بات پہ طوبیٰ کو جھٹکا سا لگا۔

"او نو! ماہ نور کی تو پرسوں سالگرہ ہے۔ میں تو بالکل بھولی ہوئی تھی۔"

"تمہاری یادداشت کے کیا کہنے تم تو بہت کچھ بھول چکی ہو۔" نوفل نے استہزائیہ انداز میں ہنکارا بھرا۔

"کیا مطلب؟" وہ ٹھٹکی۔

"کچھ نہیں۔ چلنے کی تیاری کرو۔ مجھے اس کے لیے کیک کا آرڈر بھی دینا ہے۔" اپنی بات مکمل کرتا وہ پلٹ کر اندر کی طرف بڑھ گیا۔ تو طوبیٰ کی خاموش نگاہیں اس کی پشت پہ جا ٹھہریں۔

☆ ☆ ☆

ماہ نور کی آنکھ پھولوں کی دل فریب خوشبو سے کھلی تھی۔ مندی مندی آنکھیں کھولتے ہوئے اس نے تکیے سے سر اٹھا کے اپنے اردگرد دیکھا تھا۔ اور تبھی اس کی نظر سائڈ ٹیبل پہ پڑے بے حد خوب صورت اور بڑے سے بکے سے ٹکرائی تھی۔ اس کی الجھن خوش گوار حیرت میں تبدیل ہو گئی تھی۔ وہ بے اختیار اٹھ بیٹھی تھی۔

پھولوں کو اٹھاتے ہوئے اس نے میکانکی انداز میں انہیں سونگھا تھا۔ اور پھر کسی نام پتے کی تلاش میں ان کے اندر باہر حتی کے سائڈ ٹیبل پہ بھی دیکھ چھوڑا تھا۔ مگر کوئی کارڈ' کوئی چٹ نظر نہیں آئی تھی۔ بالآخر ارحمند سے پوچھنے کا سوچ کر وہ پھولوں کو واپس رکھتی اپنے بال سمیٹنے لگی تھی۔ تبھی اس کا موبائل بج اٹھا تھا۔

اسکرین پہ انجانا نمبر دیکھ کے وہ ایک لمحے کے لیے جھجکی بھی مگر پھر اس نے کال ریسیو کر لی تھی۔

"ہیپی برتھ ڈے راپنزل!" اس کے "ہیلو" کے جواب میں ایک گمبھیر لہجہ اس کی سماعتوں سے ٹکرایا تو ماہ نور کا دل خوش گوار حیرت کے زیر اثر دھڑک اٹھا۔

"تھینک یو۔ لیکن آپ نے میرا نمبر کہاں سے لیا؟"

"چاہ ہونی چاہیے میڈم۔ باقی سارے کام خود بہ خود آسان ہو جاتے ہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا تو ماہ نور کے لب بھی مسکرا دیے۔

"اچھا یہ بتاؤ پھول کیسے لگے؟"

"یہ آپ نے بھیجے ہیں؟" ماہ نور کی حیرت بھری نظریں پھولوں پر آٹھہریں۔

"بالکل۔۔۔ وہ اور بات ہے کہ ضحیٰ کے نام سے بھیجے ہیں۔" وہ شرارت سے بولا تو ماہ نور کھلکھلا کے ہنس پڑی۔ اس کی ہنسی کی آواز محب کے کانوں میں رس گھول گئی۔ اس کی نگاہوں کے سامنے چھم سے ماہ نور کا روشنیاں بکھیرتا خوب صورت چہرہ آٹھہرا جب وہ

ایئرپورٹ پہ اس کے مقابل کھڑی تھی۔
"تمہاری ہنسی بہت خوب صورت ہے۔" اس نے دھیرے سے دل کی بات آج برملا کہہ دی تو ماہ نور کی ہنسی کو بریک لگ گئی۔
"میرے خیال میں ہمیں نے تعریف کی تھی۔" اس نے شوخی سے چھیڑا۔ ماہ نور کی پلکیں جھک گئیں۔
"تھینک یو۔۔۔ پھولوں کے لیے بھی بہت شکریہ۔"
"مائی پلیژر۔" وہ لمحے بھر کو خاموش ہوا۔ "دیکھو ماہ نور! مجھے بات گھمانی پھرانی نہیں آتی۔ کیونکہ میں ایک کھرا بندہ ہوں، اور سیدھی بات پسند کرتا ہوں۔ تم بھی پلیز میری بات کا جواب بغیر کسی ہچکچاہٹ کے پوری ایمان داری سے دینا۔" اور ماہ نور حسن کا دل اچھل کے حلق میں آگیا۔ کیا جو وہ سمجھ رہی تھی محب جاہ وہی کہنے والا تھا؟ اس کی دھڑکن یک لخت تیز ہوگئی۔
"ماہ نور تم مجھے بہت اچھی لگی ہو۔ کیا تم مجھ سے شادی کروگی؟" اور ماہ نور کی سانس رک گئی۔ وہ کوئی بچی نہیں تھی جو اس کی نگاہوں کے بدلتے رنگ پہچان نہیں سکی تھی۔ مگر یہ رنگ اتنے کھرے اور گہرے تھے اس بات کا اسے اندازہ نہ تھا۔
"ماہ نور!" اس کی خاموشی سے گھبرا کے محب نے اسے پکارا تو وہ ایک گہری سانس لیتی اپنی ہمت مجتمع کرنے لگی۔
"میری قسمت کے فیصلے کا اختیار اماں جان کو ہے۔ اگر انہوں نے آپ کے رشتے کو قبول کرلیا تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" قرینے سے کہتی وہ محب جاہ کے اندر پھول ہی پھول کھلا گئی۔
"یعنی آپ کو بھی ہم برے نہیں لگتے۔" وہ دھیرے سے ہنسا تو ماہ نور کے لبوں پہ۔۔۔ بھینی بھینی سی مسکراہٹ آٹھہری۔ "چلیں پھر آپ کو باضابطہ طور پر اپنے نام کرنے کا بندوبست کرتے ہیں۔" شوخی سے کہتا وہ ماہ نور کا چہرہ گلابی کرگیا۔
"اب اللہ حافظ تو کہہ دو یار۔" اس کی شرارت بھری ہنسی گونجی تو ماہ نور شرمندہ ہوگئی۔
"اللہ حافظ۔"
"اپنا خیال رکھنا۔"
"آپ بھی۔" دھیرے سے کہتی وہ محب جاہ کے دل کے تار چھیڑ گئی تھی۔ گو کہ وہ ابھی بہت سی باتوں کا خواہش مند تھا، لیکن ماہ نور کی کیفیت کے پیش نظر اس نے رابطہ منقطع کردیا تھا۔
فون بند کرتے ہوئے ماہ نور نے بے یقینی سے پھولوں کو دیکھا تھا۔ کیا ابھی ابھی اس نے جو کچھ سنا تھا وہ حقیقت تھی؟ حیرت سے پلکیں جھپکتے ہوئے اس نے اپنے بازو پہ چٹکی کاٹی تھی۔ جو کچھ زیادہ ہی زور سے کٹ گئی تھی۔ لیکن "سی" کی آواز کے ساتھ ہی اس کے لب کھل اٹھے تھے۔ جھومتے دل کے ساتھ وہ پھولوں کو بانہوں میں سمیٹتے تکیے پہ گرگئی تھی۔

☼ ☼ ☼

نوفل کی کراچی روانگی کا دن پلک جھپکتے میں آگیا تھا۔ "حسن ولا" سے نکلنے سے پہلے وہ غیاث کو لمبی چوڑی ہدایات دینا نہیں بھولا تھا۔ طوبیٰ ارجمند اور ماہ

نور کے ساتھ اسے ائیرپورٹ چھوڑنے آئی تھی۔ ایک عجیب سا احساس تھا جو اسے صبح سے اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھا۔ اپنے اس احساس کو وہ خود بھی کوئی نام دینے سے قاصر تھی۔ شاید یہ دو ڈھائی ماہ کے ساتھ کا اثر تھا جو وہ ایک انجانے سے خالی پن کو اپنے دل کے درو دیوار پہ اترتا محسوس کر رہی تھی۔ وگرنہ اس کے علاوہ اور کیا وجہ ہوسکتی تھی نوفل جاہ کے لیے کچھ محسوس کرنے کی؟ بے دھیانی میں اس پہ نگاہیں جمائے طوبیٰ نے اپنے اس احساس کی توجیہہ تلاش کرنا چاہی تھی۔

نوفل اماں جان اور ماہ نور سے مل کے اس کے سامنے آکھڑا ہوا تھا۔

"میں جانتا ہوں کہ میرا ہونا نہ ہونا تمہارے لیے برابر ہے، پھر بھی میں چاہوں گا کہ تم اپنا خیال رکھنا۔ تنہا کہیں مت آنا جانا۔ جہاں بھی جانا ڈرائیور کو ساتھ لے کے جانا۔" اس کی آنکھوں میں دیکھتا وہ دھیرے سے بولا تو طوبیٰ کو آنسوؤں کا گولا اپنے حلق میں پھنستا محسوس ہوا۔

"یہ... یہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا تھا؟" اپنے اندر اٹکے آنسو زبردستی نیچے اتارتے ہوئے اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ نوفل جاہ کی نظریں اس کی نظروں سے بندھ سی گئی تھیں۔

"فی امان اللہ!" اس کے لبوں نے جنبش کی تو طوبیٰ کا دل چاہا کہ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے جانے سے روک دے۔ یا پھر خود بھی اس کے ساتھ اڑ جائے۔

"اللہ حافظ۔" بامشکل تمام اس سے نگاہیں چراتی وہ دھیرے سے بولی تھی۔ اس کے چہرے کو تکتے ہوئے نوفل نے کچھ کہنا چاہا تھا، مگر پھر لب بھینچے پلٹ کر اندر کی جانب بڑھ گیا تھا۔ اسے خود سے دور جاتا دیکھ کر طوبیٰ نے تڑپ کر اس کی سمت دیکھا تھا۔ لیکن وہ بنا پلٹے آگے بڑھتا چلا گیا تھا۔ یہاں تک کہ وہ طوبیٰ کی اداس نظروں کے سامنے سے اوجھل ہو گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

نگین نے بے یقینی سے ہاتھ میں پکڑے لفافے کو دیکھا تھا۔ "ہو گیا؟" اس نے عائزہ کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔" وہ کرسی سنبھالتے ہوئے بولی تو نگین کے چہرے پہ دبا دبا سا جوش پھیل گیا۔ تیزی سے لفافہ کھولتے ہوئے اس نے اندر موجود کاغذ نکالا اور پوری توجہ سے اسے پڑھنے لگی۔

"زبردست! تم نے تو کمال کر دیا میری جان!" خوشی سے جھومتے ہوئے اس نے پاس بیٹھی عائزہ کو خود سے لگالیا تو وہ پھیکی سی ہنسی ہنس دی۔

"اب کیا کرو گی؟" عائزہ الگ ہوتے ہوئے بولی۔ تو نگین زہرخند سی مسکرا دی۔

"میں طوبیٰ حسن کا اپنے گھر لوٹنے کا انتظار کروں گی۔ وہ دونوں جانتی تھیں کہ نوفل آج کل شہر سے باہر اور طوبیٰ "حسن ولا" میں تھی۔

"اور اگر وہ نوفل کے ساتھ ہی گھر لوٹی تو...؟"

"بے فکر رہو۔ میں نے شفیق سے کہہ دیا ہے۔ وہ اگر تھوڑی دیر کے لیے بھی گھر آئے گی تو وہ مجھے اطلاع کر دے گا۔"

"مجھے بس ایک بات کا ڈر ہے۔ کہیں یہ شفیق زبان نہ کھول دے کہ ہم اس سے مخبری کرواتے رہے ہیں۔"

"پیسے میں بڑا دم ہے میری جان۔ وہ ایسا کبھی نہیں کرے گا۔" مطمئن سی مسکراتے ہوئے اس نے ایک بار پھر ہاتھ میں پکڑے کاغذ کی طرف دیکھا۔

"چلو نوفل جاہ اب اپنا گھر بچانے کی تیاری کرو۔ میں تمہارے خواب نگر کا ہر خواب بکھیرنے آرہی ہوں۔" نوفل کے ہیولے پہ نظریں گاڑے وہ کھلکھلا کے ہنسی تھی۔ اور پھر ہنستی چلی گئی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ ملاحظہ فرمائیں)

☆ ☆

راشدہ علی

اُمیدِ صبح

آج پھر اس کی شامت آئی ہوئی تھی۔ یہ اس مہینے کا کوئی چوتھا واقعہ تھا جب سونامی ان کے آشیانے (نام نہاد) کا رخ کرنے آ رہا تھا۔ وہ صبح سے بوکھلائی پھر رہی تھی۔ کبھی یہاں کبھی وہاں.... کبھی اندر کبھی باہر.... کسی طور آرام نہ تھا۔ آخر بھنا نے دادی کے سر پر جا پہنچی۔ دادی اس کے تیور دیکھ کر ہی دہل اٹھیں۔

"وے کی ہویا...." (کیا ہوا؟)

"میری موت ہونے والی ہے۔" اس نے دانت کچکچائے۔ "عنقریب...."

"وے چنگا چنگا بول کڑیے.... (لڑکی) کیا اول فول بک رہی ہے۔" دادی کا ہاتھ تو کلیجے پر پڑا۔ فوراً لتاڑا۔ اس کا منہ مزید لٹک گیا۔

"میری بات کان کھول کر سن لے ہر کوئی...." اس نے وارننگ دینے کے انداز میں انگلی اٹھا کر کہا تو قریب استری کرتی تائی نے ذرا کی ذرا آنکھیں ٹیڑھی کر کے اسے گھورا۔ مطالعہ کرتی ماہین کی سماعتیں بھی یہاں ٹرانسفر ہوئیں۔ کچن میں برتن سیٹ کرتی بھابھی نے البتہ برتنوں کی کھنکھناہٹ یک دم بڑھا دی تھی۔

"اگر اب کی بار کچھ ہوا..." اس نے قصداً توقف کیا، پھر دادی کی آنکھوں میں اٹدتا سوال دیکھ کر بڑبڑائی۔ "میرا مطلب ہے کوئی ڈراما... تو میں سیدھے تختہ دار پر لٹک جاؤں گی۔"

"کس پہ لٹکے گی..." دادی کے پلے خاک نہ پڑا۔ دال کی پرات پرے کھسکائی۔

"سولی پر..." اس نے دانت کچکچائے۔ "مطلب خودکشی کرلوں گی۔"

"ہزار بار کی دی دھمکی..." تائی بڑبڑائیں۔

"کبھی وعدہ ایفا کر بھی لیا کرو زرنش..." ماہین کا مفت کا مشورہ۔ اس کا پارہ مزید چڑھا۔ بمشکل ضبط کیا۔ مٹھیاں بھینچیں کھولیں۔ پھر ٹھنڈے ٹھار لہجے میں پوچھا۔

"بنانا کیا کیا ہے... دیکھ کے..." جالے اتارتی زرتاشہ کے ہاتھ میں پکڑا ڈنڈا اس کے سر پر بجتے بجتے رہ گیا۔ ماہین نے انگلیاں پھیلائیں... اور دادی نے آنکھیں...

"پلاؤ بنالینا... ساتھ میں کسٹرڈ... سویوں کا ٹرائفل... اور ہاں ہلکا پھلکا سا کیک بھی بنالینا..." ماہین نے گنتی پوری کی۔

"ہٹ پرے... بھلا ہر ڈش اب میٹھی تھوڑی نا ہوگی... میرا خیال ہے چکن پلاؤ کے ساتھ قورمہ بروسٹ، کباب، رائتہ اور ہرے دھنیے کی چٹنی بنا لینا..."

"تائی..." مارے صدمے کے آواز بند ہوگئی۔ بمشکل تھوک نگلا۔ "صرف مہمان آرہے ہیں یا ساتھ میں جنج (بارات) بھی لا رہے ہیں۔"

"کی مطلب..." دادی نے ناک پر انگلی رکھی۔ پوتی کا روہانسا لہجہ سمجھ سے باہر تھا۔

"مطلب یہ کہ اتنا سارا مینیو ایک ساتھ... پورے جنجال پورے کے لیے ہوگا۔ حد ہے مہمان تشریف لا رہے ہیں یا مصیبتوں کا طوفان..."

"انسان بن... خیر سے اتنا تو کرنا پڑتا ہے۔ آخر تیرے رشتے واسطے آرہے ہیں۔ معمولی گل (بات) تھوڑی ہے۔" دادی نے فوری اسے لتاڑا۔ تائی کو بھی فوراً"موقع مل گیا۔

"دیکھ رہی ہیں اماں! اس کے لچھن... ایسا ہی رہا تو بن پائی آپ کی راج دلاری دلہن... ہک ہا... ایک ہمارا زمانہ تھا۔ کام پر کام کرتے تھکتے نہیں تھے اور یہ آج کی لڑکیاں... (اف ان کا پسندیدہ موضوع) اتی سی ڈشنز بنا کر ادھ موئی ہوئی جاتی ہیں۔"

اتی سی... زرنش کی آنکھیں مشرقاً" مغرباً" بڑھیں۔ (مطلب پھیلیں۔)

"اللہ کا خوف کریں تائی! اتنا بولیں جتنا قبر میں لے جاسکیں۔ جھوٹوں کے لیے تو جہنم میں بھی جگہ نہیں۔" وہ بڑبڑائی... تائی کی تیز سماعتیں فوراً" الرٹ ہوئیں اس سے قبل کہ گھمسان کا رن پڑتا وہ نو دو گیارہ ہوگئی۔

☼ ☼ ☼

پھر ہوا وہی جس کا ڈر تھا۔ مطلب مصیبت گلے آ گئی۔ زرنش صاحبہ جو پچھلے تین چار گھنٹوں سے کچن میں رونق افروز تھی۔ مہمانوں کی آمد کی اطلاع ملتے ہی بیا شابا سو بننے بھاگ کھڑی ہوئی۔ سب کچھ بھابھی جی کے سر چھوڑ کے۔ اپنا نیا نکور سوٹ (استری شدہ) پہنا... پونی ٹیل بنائی... کریم تھوپی... اور خدا جھوٹ نہ بلوائے تو آنکھوں میں بھر بھر کے کاجل بھی تھا اور ہونٹوں پر اناری سرخی بھی پھیری... تو یہ تھی اس کی تیاری... آئینے میں خود کا ناقدانہ جائزہ لیا اور مطمئن بھی ہوگئی۔ اپنے آپ پر کچھ زیادہ پیار آیا تو عاشقانہ نظر بھی اتاری۔ امید تھی اس بار بات بن ہی جائے گی۔

بھابھی کی سجائی ٹرے لے کر وہ ڈرائنگ روم کی طرف بڑھی۔ سرشار سی گردن اٹھائے۔ مہمان خصوصی کو دیدار کرانے (یا پھر شاید ڈرانے...) ٹھنک کر قدم اندر دھرا... پہلی نظر لڑکے پر پڑی تو شرم نے دوپٹے کی طرح گھیر لیا۔ مسکراہٹ مچلی اور گہری ہوئی۔ بولتے کمرے میں یک دم خاموشی چھائی۔ اس نے مہمانوں کو دیکھتے قدم آگے بڑھایا۔ دادی واری صدقے جانے لگیں۔ اس کی پاکستانی ہیروئنوں کو مات

دینی تیاری دیکھ کر۔۔۔ تائی کا سانس حلق میں اٹکا۔ البتہ چھوٹی چاچی قدرے اطمینان سے بیٹھی تھیں۔ دوسرا قدم آگے بڑھا۔ پھر تیسرا۔۔۔ پھر چوتھا۔۔۔ ہوا میں لرزا۔۔۔ کسی فولاد (ٹانگ) سے اڑا۔ (پھنسا) اور۔۔۔ دادی لرز کر گر پڑیں۔ تائی کا منہ کھلتا گیا۔

اس کے ہاتھ میں پکڑی ٹرے ہوا میں قلابازیاں کھاتی اس کے آگے آگے مہمانوں کی سیوا کرتے گری اور پیچھے پیچھے محترمہ۔۔۔ پورے وزن کے ساتھ زمین بوس ہوئی۔ گرم گرم چائے پاؤں پر پڑی، مہمان ومان بھول گئے۔ سرے سے۔۔۔ اس کے بعد اس کا پہاڑ سا دہانہ کھلا۔ دادی کو سکتہ ہونے لگا۔ مہمان الگ حیران۔۔۔ اور اس دہانے سے اتنی زوردار آواز بلند ہوئی کہ کمرہ لرز اٹھا۔ کیا زلزلہ آیا ہوگا۔ تائی باقاعدہ کئی فٹ اچھل کر دوبارہ صوفے پر گریں۔ مہمانوں کے ہاتھ پہلوؤں میں گرے۔ اس کے ایکشن پر ان کے ری ایکشن دیکھ کے دادی بے چاری کا رنگ نچڑ گیا۔

عباد صاحب اپنا کام کرکے (مطلب ٹانگ اڑا کر۔۔۔) کھسک گئے۔ اس کی ڈراؤنی چیخوں اور آہوں کو سننے کی ہمت کم از کم اس میں نہیں تھی۔ آنسو آنکھوں میں آئے تو کاجل کا کانپتا ہوا کانوں پر پینٹ ہونے لگا۔ کریم کی دبیز تہوں میں نالیاں گھڑنے لگیں۔ (آنسوؤں کی۔۔۔)

تھوڑی دیر بعد احساس ہوا۔ (جبکہ اب خاصی دیر ہو چکی تھی۔) مہمانوں پر نظر پڑی۔ دادی کے چہرے پر اڑتی ہوائیاں نظر آئیں تو آنسوؤں کا طوفان تھم گیا۔ دماغ نے کچھ کلک کیا تو۔۔۔ سب یاد آ گیا۔ روتے روتے ہنسنے کی ناکام کوشش کی تو منہ اور رفتے منہ ہو گیا۔

"یہ۔۔۔" بزرگ سی عورت نے لرزتی انگلی اس کی سمت اٹھائی۔ وہ ان کے بیچوں بیچ زمین پر ایستادہ تھی۔

"لڑکی ہے۔۔۔" تائی نے اعتراف جرم کیا۔ باقیوں میں سکت کہاں تھی۔ لڑکا چکرا کر رہ گیا۔ لڑکے کی والدہ محترمہ کے چہرے پر بھی فوراً "بارہ بجے"۔ ایک دوسرے سے آنکھیں ٹکرائیں اور۔۔۔ سناٹا چھاتا چلا گیا۔ وہ منہ بسورتے دادی کے کمرے سے نکلی تھی۔ امڈتے آنسوؤں کو آنکھیں جھپک جھپک کر دھکیلنے کی کوشش کی، لیکن وہ امڈتے ہی چلے گئے۔

☼ ☼ ☼

کمرے میں ہو کا عالم تھا۔ گھر کا ہر ذی نفس دم سادھے خاموشی کے قفل لگائے بیٹھا تھا۔ دادی کے ہاتھ میں پکڑی تسبیح بھی ساکت تھی اور لب اور آنکھیں بھی۔۔۔ بالکل اس کی دھڑکن کی طرح۔ تائی کی تیکھی آنکھیں مزید سکڑ رہی تھیں۔ ماتھے پر شکنوں کا مزید سے مزید گنجلک ہوتا جال۔۔۔ لب کچلتی، پاؤں ہلاتی ٹھس سے بیٹھی چاچی۔۔۔ یہاں سے وہاں۔۔۔ وہاں سے یہاں آتا عباد۔۔۔ کیا چہل قدمی کے لیے جگہ چنی گئی تھی اور ماحول بھی۔۔۔ اور تو اور محترم اس خاندان کے اکلوتے ڈاکٹر صاحب بھی تشریف فرما تھے۔ ماہین حسب معمول کسی کتاب میں غرق تھی۔ تایا ابا فردا "فردا" خاتون خانہ کے چہرے پڑھنے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔ ہوائیاں اڑتے چہرے اور ہاتھ مروڑتی زرنش آتے طوفان کی رفتار ملاحظہ کر رہی تھی۔

"کوئی چانس نہیں ہے۔" طویل ترین خاموشی کو بالآخر تائی نے توڑا۔ دادی نے دیدے گھمائے۔ "اس کے سدھرنے کی۔۔۔" تائی نے جملہ پورا کیا۔ زرنش کی سانس اٹکنے لگی۔ "دنیر سے پہلے کون سا شاہی صورت لے کر پیدا ہوئی تھی اوپر سے یہ لچھن۔۔۔"

"لچھ۔۔۔" زرنش کی سوئی اٹکی۔ دادی نے آنکھوں ہی آنکھوں میں خبردار کیا۔ تائی کے ابرو تن گئے۔

"چھن۔۔۔" خوب چبا کر کہا گیا۔ "خود کو بدلو لڑکی۔۔۔ یہ وطیرہ رہا تو دلہن بننے کے خواب بھول جانا۔"

دادی تڑپ اٹھیں یتیم و یسر پوتی کی نچڑی شکل۔۔۔ اوپر سے تائی کے لعن طعن دیکھ کے غصہ بھول گئیں۔ "خیر بول حمیدہ۔۔۔ قبولیت کی بھی کوئی گھڑی ہوتی ہے۔"

"آپ کی ہی شہ ہے۔۔۔ تب ہی تو یہ انداز ہیں محترمہ کے۔۔۔ آئے مہمان کا لحاظ کرنا بھول گئی۔ اپنا

اتیج خراب کیا سو کیا ہمارا نام بھی لٹیا میں ڈبو دیا۔ لوگ کیا کہیں گے کیا تربیت کی ہے ہم نے بچوں کی....“ دادی کو حمایت کرتے دیکھ کر تائی کو پتنگے لگ گئے۔ زرنش کے حلق میں آنسوؤں کا گولا پھنس گیا۔

”لل.... لیکن.... تائی.... میری غلطی تھوڑی تھی یہ۔ وہ تو عباد....“ آنسوؤں کی روانی نے بات مکمل نہ ہونے دی۔

”ہائے....“ تائی اچھل پڑیں.... ”سارا الزام میرے معصوم بچے پر ڈال دیا۔ وہ تو آرام سے بیٹھا تھا۔ تم آسمان پر نظریں ٹکائے کھڑی تھیں۔ نیچے دیکھ کر چلتی تو کچھ سمجھ میں پڑتا نا۔“ چکر کاٹتے عباد کے لبوں پر ذرا کی ذرا مسکراہٹ رینگی۔ زرنش سر تا پا جل اٹھی۔ ڈاکٹر صاحب نے شدید ترین بور ہو کے پہلو بدلا۔

”غلطی خیر اس کی بھی نہیں ہے۔“ دادی نے حمایت کرنے کی جسارت کی اور پھنس گئیں.... تائی یوں اچھلیں گویا ہزار والٹ کا کرنٹ لگا ہو۔

”کیا.... اس کی غلطی نہیں تھی تو کیا عباد کی غلطی تھی۔ حد ہوتی ہے ڈھٹائی کی بھی.... یہ تو شروع سے ہی ایسی ہے۔ عقل سے پیدل.... بے وقوف کہیں کی.... آپ خواہ مخواہ اس کی حمایت مت کریں۔ بس یہ آخری مرتبہ تھی۔ مزید برداشت نہیں ہے مجھ میں....“ تائی آگ بگولا ہوئی جا رہی تھیں۔ زرنش لب کچلتے ضبط کی انتہاؤں پر تھی۔ عباد کی گہری نگاہیں اس پر ٹکی تھیں۔ جو تائی کی آنکھوں میں گھومتے گھماتے آ ہی گئیں۔ پوری کی پوری آنکھیں حلقے سے نکال کر بیٹے کو تنبیہہ کی گئی۔ عباد بری طرح سٹپٹایا۔

”جانے دو حمیدہ! بچی ہے.... وقت کے ساتھ سمجھ جائے گی۔“ یتیم بھتیجی کو روتا دیکھ کر تایا ابا رہ نہ سکے۔ ہلکا سا منمنائے۔

”نہ جی.... میں تو جیسے سب کی دشمن ہوں۔ ہونہہ.... اور یہ بچی کسے کہا.... خیر سے محترمہ.... اور کتنی بڑی ہوں گی۔ یہ ہی عمر ہے نکل گئی تو پچھتائے گی۔“ تائی پھنکارتی تن فن کرتی کمرے سے غروب ہو گئیں۔ تایا نے گہرا سانس لیا۔ جو حلق میں ہی اٹک گیا۔ تائی اسی رفتار سے واپس آئی تھیں۔

”عباد! چلو.... رات بہت ہو گئی ہے۔“ عباد صاحب کانپ گئے۔ ”فوراً“ دم دباتے بھاگ اٹھے۔ چاچی نے بھی لمبی جمائی لے کر گھڑی پر نگاہ کی۔

”اچھا.... اماں.... چلتے ہیں۔ کافی دیر ہو گئی ہے۔“ اس سارے قصے سے انہیں کوئی سروکار نہ تھا۔ بھڑکتی آگ پر مزید تیل چھڑکنے کی بجائے خاموش رہنا مناسب سمجھا۔ ڈاکٹر صاحب بھی سرہلاتے اٹھ کھڑے ہوئے۔ تایا بھی افسوس سے سرہلاتے چل دیے۔ کمرے میں سسکتی زرنش اور دادی اکیلے رہ گئے تھے۔ اسے ہچکیاں بھرتے دیکھ کے دادی کا دل دکھ سے بھر گیا۔

”ادھر آ میری بچی.... نہ رو....“ انہوں نے اس کا سر اپنے کندھے سے ٹکایا تو وہ اتنا سا ہی سہارا پا کر مزید گریہ زاری کرنے لگی۔

”نہ.... نہ.... روتے نہیں۔ اللہ سے دعا کر.... سب ٹھیک ہو گا۔“ انہوں نے اس کا سر تھپتھپایا۔ اس نے سوں سوں کرتی ناک ہاتھ سے صاف کی۔ کبھی کچھ ٹھیک نہیں ہو گا دادی! بہت تلخی سے اس نے سوچا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ پیدائشی بدقسمت تھی۔ (بقول اس کے....) اس کے پیدا ہوتے ہی بابا چل دیے اور ان کے پیچھے پیچھے چند سال بعد اماں بھی۔ تب وہ آٹھ نو سال کی تھی۔ ناسمجھ اور انتہائی حد تک بے وقوف.... اس اچانک ملنے والے صدمے نے مزید کسر پوری کر دی تھی۔ ساری حسیات سلب ہو گئی تھیں۔ وہ ڈری ڈری سی گھر کے کونے کھدرے میں چھپی پھرتی۔ ایسے میں فقط دادی تھیں جنہوں نے اسے اپنے سینہ شفقت سے لگا لیا تھا۔ آخر کو چھوٹے بیٹے کی اکلوتی اولاد تھی۔ محبت اڈنا فطری تھی۔ ننھیال والوں نے تھوڑی بہت دنیاداری نبھانے کی کوشش کی بھی تو دادی نے صاف نا کر دیا‘ تب سے تائی اس کی جانی دشمن بن بیٹھی تھیں۔ کہاں اس فضول بوجھ سے جان چھٹنے لگی تھی‘

کہاں وہ ساری زندگی کے لیے مونگ دلنے بیٹھ گئی۔

بچپن تو جیسے تیسے بیت گیا۔ تھوڑی تلخیاں تھوڑی خوشیاں سمیٹتے۔ مگر اب جب وہ جوانی کی حدوں کو چھونے لگی تھی تو تائی کے خدشے اژدھے کی طرح سر اٹھائے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کے سر پر یہ ڈر کسی تلوار کی مانند کھڑا تھا کہ کہیں وہ کلموہی ان کے کسی بیٹے پر ڈورے ہی نہ ڈال دے۔ خیر زندگی بھر انہوں نے زرنش کو کوئی ایسا موقع فراہم کیا نہیں کہ وہ ان کے بیٹوں سے چند باتیں کر لیتی۔ الٹا وہ اسی کے رقیب ٹھہرے تھے۔

وہ خاندان بھر کی نالائق لڑکی تھی۔ کیا شان دار اکیڈمک ریکارڈ تھا اس کا۔ اچھے اچھوں کو انگشت بدنداں کر دیا تھا اس نے.... مڈل تو جیسے تیسے کر لیا میٹرک میں اتنے سال گزارے کہ استاد بھی ہاتھ جوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ انہوں نے پیشن گوئی کی تھی کہ وہ کبھی میٹرک نہیں کر سکے گی۔ لیکن ان کی تمام تر امیدوں کے برعکس اس نے تیسرے سال نہایت شان دار نمبروں سے میٹرک کر ہی لیا اور یہ نمبر اتنے شان دار تھے کہ وہ خاندان بھر سے منہ چھپائے چھپتی۔ البتہ ڈاکٹر صاحب سکتے میں چلے جاتے اس کی مارک شیٹ دیکھتے۔ "کوئی اتنے تھوڑے نمبر بھی لے سکتا ہے بھلا۔" وہ بے چارے آخری حد تک حیران ہوتے۔

چاچی کا تو اکلوتا چشم و چراغ (نام نہاد) تو بن ہی ڈاکٹر رہا تھا۔ اس کا تو خیر ذکر نہیں۔ تائی آل اولاد بھی پیدائشی ماسٹر نکلی۔ کیا نمبر لاتے۔ تائی کی گردن اکڑتی.... اور اس کی شان میں قصیدے شروع.... اسے اپنے رزلٹ سے زیادہ عباد اور حارث، ماہین کے رزلٹ سے ڈر لگتا۔ کم بخت اتنے نمبر لاتے کہ اس کا جینا مزید مشکل ہو جاتا۔ حالانکہ زرنش کا ان سے کیا مقابلہ.... مگر یہ مقابلہ ہر سال ہوتا۔ تین چار دن تو باتیں سنتے سنتے گزر جاتے۔ اس کا دماغ پک جاتا۔ اللہ اللہ کر کے معاملہ ٹھنڈا پڑتا تو وہ سکون کا سانس لیتی۔

میٹرک میں شان دار کارکردگی کے بعد اس نے تعلیم کو خیرباد کہہ دیا تھا۔ بلکہ سیدھی لات ماردی تھی۔ یہ تو خیر قصہ تھا اس کے شاندار ماضی کا....

اگلے چند دنوں تک گھر کی فضا خاصی مکدر رہی۔ آخر یہ کب تک چلتا۔ آہستہ آہستہ سب معمول پر آنے لگا۔ بالکل ویسے جیسے پچھلے کئی برسوں سے ہونے لگا تھا۔ اب وہ عادی ہو گئی تھی۔ اپنی بے عزتی کے بعد سب ٹھیک ہو جانے کی۔ وہ حسب معمول کچن میں گھسی طرح طرح کی ڈشز بناتی رہتی۔ جس کا اس میں کوئی ثانی نہیں تھا۔ یہ واحد ہنر تھا جس میں کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ گھر کا کوئی بھی فرد....

وہ تائی اور ان کی اولاد کے رویے سے خاصا الجھتی تھی۔ جانے انہیں اس سے کیا بیر تھا۔ خصوصاً" عباد جو اس کے ہر بنے بنائے کام کو بگاڑنے میں طاق تھا۔ وہ اس کا رویہ سمجھنے سے قاصر تھی۔ جانے کیا دشمنی تھی اس کی زرنش سے گھر کا واحد فرد جس سے اسے کوئی شکایت نہیں تھی۔ وہ ڈاکٹر صاحب تھے۔ چھوٹی چچی کے اکلوتے چشم و چراغ.... چار آنکھیں لیے بے چارے سے.... سوکھے سڑے (ڈھانچا نما) لمبی سی گردن لیے ڈاکٹر صاحب ہمہ وقت چشمہ چڑھائے، کسی نہ کسی ضخیم کتاب میں مستغرق نظر آتے۔ دنیا جائے بھاڑ میں.... وہ اپنے آپ میں مگن رہتے.... بے نیاز اور لاتعلق....

✵ ✵ ✵

کچھ دنوں بعد ان لوگوں کا فون آیا تھا۔ انہیں رشتہ درکار تھا۔ مگر اس کا نہیں بلکہ ماہین۔ وہ سن سی ہو گئی تھی۔ دادی اور تائی الگ حیران.... دادی کی تو خیر ہے، دونوں پوتیاں تھیں تائی نے خوب ناک چڑھائی تھی۔ کہاں زرنش سے جان چھڑانے کی تگ و دو کی تھی، کہاں وہ ان کی بیٹی کے گلے پڑنے لگے تھے۔ وہ بھی جہاندیدہ خاتون تھیں۔ کیا معاملہ سنبھالا تھا۔ دادی کے قریب بیٹھ کر وہ جھوٹے آنسو بہائے کہ بے چارہ شیطان بھی اس انسانی کارکردگی پر حیران رہ گیا ہوگا۔

"حد ہے اماں! یہاں کوئی گائیں بھینسیں بندھی ہیں جو پسند آگئی' مانگ لی۔ لڑکیوں کے بھی کوئی جذبات' احساسات ہوتے ہیں۔ کیا سوچے گی زرنش بھلا۔۔۔ نہ جی ایسے مطلبیوں کو تو بھولے سے بھی میں اپنی بیٹی نہ دوں۔۔۔ یتیم بچی کی بددعائیں لینی ہیں کیا۔" انھوں نے نادیدہ آنسو پلو سے پونچھے۔ زرنش کے دل پر چھریاں چل گئیں۔ ہزار نہس مکھ سہی۔ ایسے منہ مسترد ہونا اسے خوب کھلا تھا۔ دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں دبوچ ڈالا تھا۔ دادی نے تائی کو سمجھانے کی کوشش کی تو تائی نے توجہ نہ دی۔ ہاتھ سے مکھی اڑاتی چل دیں۔ بھلا کوئی پاگل تھوڑی تھیں۔ جب گھر میں اتنا اچھا رشتہ موجود تھا تو باہر جانے کی کیا تک بنتی تھی۔ انہیں شروع سے ڈاکٹر صاحب' ماہین کے لیے پسند تھے۔ بیٹے سیٹل تھے خیر سے۔۔۔ ماہین کا رشتہ ڈاکٹر سے ہو جاتا تو۔۔۔ سوچ کر ہی تائی کی دل کی کلی کھل اٹھتی۔ وہ ایسے ویسے رشتوں کو گھاس ڈالنے کی بھول نہیں کر سکتی تھیں۔ لگے ہاتھوں ساس اور زرنش کی ہمدردی بھی حاصل کرلی۔ جہاندیدہ جو ٹھہریں۔۔۔ انہیں مناسب وقت کا انتظار تھا' جب دیو رانی خود ڈاکٹر صاحب کے لیے ان کی ذہین و فطین بیٹی کا رشتہ طلب کرتیں۔

وہ یہ بھول بیٹھیں کہ قدرت حقیقی کے فیصلے انسانی تدبیروں سے کئی گنا زیادہ طاقت ور ہوتے ہیں۔ انسان کی ایک نہیں چلنے دیتے۔

☼ ☼ ☼

"زرنش۔۔۔!" پکار اتنی زوردار تھی کہ وہ دہل اٹھی۔ وہ جو نیم دراز اطمینان سے ڈائجسٹ کی ورق گردانی کر رہی تھی اچھل پڑی۔ رسالہ ہاتھ سے نکل کر دور جا پڑا۔ اس کے اٹھنے تک دادی کمرے کی دہلیز تک پہنچ آئی تھیں۔

"وے زرنش! کب سے آوازیں دے رہی ہوں۔ کہاں مرگئی ہے۔"

"کیا ہے دادی؟" اس نے تنک کر انہیں دیکھا۔

ساری کہانی کا مزا کرکرا ہو گیا تھا۔ ہیرو اور ہیروئن کا ملاپ اف ہو گیا نہیں۔ سسپنس۔۔۔

"چل جلدی سے تیار ہو جا۔" شہد آگیں لہجے میں دادی نے اسے کہا تو اس کی چھٹی حس زور سے الارم بجانے لگی۔

"کیوں۔۔۔" اس نے ابرو اچکائے۔ "پھر سے کوئی آرہا ہے کیا۔"

"ہاں۔۔۔ اب وقت نہ برباد کر اور شاباش۔۔۔ جلدی سے تیار ہو جا۔"

"کبھی نہیں۔۔۔ مر کر بھی نہیں۔"

"لتر کھائے گی مجھ سے۔۔۔" دادی نے دھمکایا۔

"ماریں۔۔۔" وہ بے دلی سے چارپائی پر ٹکی۔ "بس کریں اب ان چونچلوں کو۔ کسی کو پسند نہیں آنے والی میں۔"

"ہائے۔۔۔ کیا بدتمیز لڑکی ہے۔ لو بھلا کیوں پسند نہ آؤ گی۔ اتنی پیاری تو ہے۔" دادی نے پیار سے سر پر ہاتھ پھیرا جسے اس نے تلخی سے جھٹک دیا۔ "پیاری ہوتی تو اس دن وہ لوگ تھوک کر نہ جاتے۔"

"وہ تو خیر۔۔۔ نصیب کی بات ہے۔ چل چھڈ تو تیار ہو' میں کچن کے انتظام دیکھتی ہوں۔" دادی اس کا دکھ نظرانداز کرتے چل دیں۔ وہ مٹھیاں بھینچ کر رہ گئی۔ وہ بے دلی سے تیار ہونے لگی۔ باہر آئی تو حیران رہ گئی۔ گھر کا تو نقشہ ہی بدلا ہوا تھا۔ ماسی خوب جم کر صفائی کر رہی تھی۔ کچن میں مسلسل بولتیں دادی اور بھابھی۔۔۔ اس نے نظریں گھمائیں۔ اس کے بغیر۔۔۔ سب کام کر رہے تھے۔ حیرت تھی صد حیرت۔ گھومتے ہوئے کپڑے پہنتی تائی پر بھی نگاہ گئی تو ایک دھچکا یہاں بھی منتظر تھا۔ خطرناک حد تک سپاٹ چہرہ لیے وہ کسی پتھر کی طرح لگ رہی تھیں منہ پر بارہ کا ہندسہ سجائے۔۔۔ اور تو اور۔۔۔ ماہین نے بھی اسے دیکھ کر منہ پھیر لیا۔

الٰہی خیر۔۔۔ وہ گھبرا گئی۔ کیا ماجرا تھا۔ "کیا ہو رہا ہے۔" اس نے کچن میں سر گھسیڑا۔ دادی اسے دیکھ کر اچھل پڑیں۔

"نہیں... تو یہاں کیا کر رہی ہے۔ چل کمرے میں میک اپ خراب ہو جائے گا۔" کیا لہجہ تھا اور کیا الفاظ تھے۔ سب الٹا ہو رہا تھا۔ اس کے اتنے لاڈ... خیر سے کوئی شہزادہ تو نہیں آ رہا تھا۔ اس کا دل تیزی سے دھڑکا۔

"میک اپ..." ہونٹوں کو چھوا۔ بھلا یہ میک اپ (لپ اسٹک) کیسے خراب ہو گی۔ لیکن دادی نے اسے بھیج کے دم لیا۔ شام ہوتے ہی عقدہ کھل گیا۔ دادی کا لاڈ اور اسے دی جانے والی اہمیت طشت ازبام ہو گئی۔

اسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا اور ہاتھ میں جگمگاتی اس رنگ پر بھی نہیں جو کچھ دیر قبل چاچی نے اسے پہنائی تھی۔ تائی ضبط کی انتہاؤں پر تھیں اور وہ قدرت کی اس مہربانی پر... حیران بھی نہ ہو سکی۔

"ڈاکٹر صاحب..." اس نے بے یقین نظروں سے مدمقابل بیٹھے ڈاکٹر پر نگاہ کی۔ اس کے نصیب میں... قسمت اتنی مہربان بھی ہو سکتی تھی بھلا۔ کہاں وہ میٹرک' کہاں وسیم ڈاکٹر۔ ہائے... وہ بے ہوش ہونے کے قریب تھی۔ دادی لپک کر اس کے قریب آئیں۔

"وے زرنش... نی کڑیے... یہ کوئی ٹیم ہے بھلا بے ہوش ہونے کا... وے ہوش کر..."

ڈاکٹر صاحب کی مسکراہٹ گہری ہونے لگی۔ بے ریا اور الوہی مسکراہٹ... تائی اور بہن کو یہ منظر ایک آنکھ نہ بھایا تو کھسک لیں۔ چاچی ازلی مہربان مسکراہٹ کے ساتھ اس کا سر تھپتھپانے لگیں۔

"دراصل زندگی میں بھی ایسا ہوتا ہے... ایسا..." رات کو تنہا پلو سے ٹیک لگائے پورے چمکتے چاند کو دیکھتے اس نے حیرت سے سوچا۔ انسان کی زندگی میں بھی کہانی ہوتی ہے۔ زندگی سے ہی تو کہانی لی جاتی ہے۔ ہیپی اینڈ... جہاں ہر دکھ کا خاتمہ ہوتا ہے۔ اک نیا رستہ کھلتا ہے۔ تب ہی پچھلی زندگی کا ہیپی اینڈ ہو جاتا ہے۔ ہیپی اینڈ کہانی کے اختتام پر ہی نہیں ہوتا' بلکہ کسی محرومی یا صدمے کے بعد ملنے والی خوشی پر بھی ہو جاتا ہے۔

دادی نے اسے پکارا تو وہ اندر چل دی۔ دادی نے فرط محبت سے اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ "میں نے کہا تھا نا سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اللہ کوئی نہ کوئی راستہ ضرور نکالے گا اور دیکھو کیا راستہ نکالا ہے۔" دادی کے انگ انگ میں مسرت پھوٹ رہی تھی۔ پیارے بیٹے کی اکلوتی نشانی تاعمر آنکھوں کے سامنے رہنی تھی۔

"لیکن... یہ دادی... یہ سب اچانک..." پھانس نکل نہیں رہی تھی۔ اسے متذبذب دیکھ کر دادی حلاوت سے مسکرائیں۔

"اوپر والے کا فیصلہ تھا۔ لوگ کیا کرتے۔"

"پھر بھی دادی... وہ ڈاکٹر ہیں۔"

"ہاں ڈاکٹر ہے۔ اسی نے تو کہا ماں سے تیرا... تجھے پسند کرتا ہے۔"

"مجھے..." وہ خوش گوار حیرت میں گھر گئی۔ کیا گھنٹیاں بجی تھیں ارد گرد "ڈاکٹر صاحب..." خوشیوں کا کوئی انت نہیں تھا۔ "پسند کرتے ہیں۔" بے یقینی سے بے یقینی۔

"ہائے اللہ... شکریہ ڈاکٹر صاحب کے دل میں میری محبت ڈالنے کا۔" وہ چشم نم سے آسمان تکنے لگی۔ اسی وقت عباد وہاں سے گزرا تھا۔ اسے مسکرا کر اوپر دیکھتے پا کے اس کے قدم ذرا کو ذرا رکے۔ اندر کوئی آگ سی اٹھی تھی۔ تپش پر زرنش نے چونک کر دائیں اور دیکھا۔ عباد کو دیکھ کر سیدھی ہوئی۔ وہ سلگتا سا اس کے قریب سے گزر گیا۔ وہ کندھے اچکا کر رہ گئی۔ جانے وہ ایسا کیوں کرتا تھا۔ وہ آج بھی سمجھ نہیں پائی تھی۔

"ڈاکٹر صاحب کے سنگ خوب گزرے گی۔" وہ ہنسی اور آئندہ کی خوش گمانیوں میں کھو گئی۔ کتنے حسین ہوتے ہیں زندگی کے رنگ۔ کبھی کبھار کچھ مانگنے سے نہیں ملتا اور کبھی بن مانگے اتنا مل جاتا ہے کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔ بالکل زرنش کی طرح۔ اللہ اسی طرح مہربان ہوا کرتا ہے۔

☼ ☼

تنزیلہ ریاض

مہر کو کہانیاں سننے کا بے حد شوق ہے۔ اسکول کے فینسی ڈریس شو میں وہ شہزادی راپنزل کا کردار ادا کر رہی ہے، اس لیے اس نے اپنے پاپا سے خاص طور پر شہزادی راپنزل کی کہانی سنانے کی فرمائش کی۔ کہانی سناتے ہوئے اسے کوئی یاد آجاتا ہے، جسے وہ راپنزل کہا کرتا تھا۔

نینا اپنے باپ سے ناراض رہتی ہے اور ان کو سلام کرنا بھی گوارا نہیں کرتی، وہ ابا سے جتنی نالاں اور متنفر رہتی، لیکن ایک بات حتمی تھی کہ امی سے اسے بہت محبت تھی، لیکن اسے محبت کا مظاہرہ کرنا نہیں آتا تھا۔ اس کی زبان ہمیشہ کڑوی ہی رہتی۔ نینا اپنے خرچے مختلف ٹیوشن پڑھا کر پورے کرتی ہے۔ اس کی بہن زری ٹیلی فون پر کسی لڑکے سے باتیں کرتی ہے۔

سلیم کے محلے میں چھوٹی سی دکان تھی۔ چند سال پہلے میٹرک کا رزلٹ پتا کر کے وہ خوشی خوشی گھر واپس آرہا تھا کہ ایک گاڑی سے اس کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے اور وہ ایک ٹانگ سے معذور ہو جاتا ہے۔ ذہنی بیمار ہونے کی وجہ سے اس کی ماں نے مثبت قدم اٹھاتے ہوئے محلے میں ایک چھوٹی سی دکان کھلوادی، سلیم نے پرائیویٹ انٹر کر کے بی اے کا ارادہ کیا۔ سلیم کی غزل احمد علی کے نام سے ایک ادبی جریدے میں شائع ہو جاتی ہے، جو اس نے نینا کے ہاتھ بھجوائی تھی۔

صوفیہ کا تعلق ایک متوسط گھر سے تھا۔ وہ اپنی بہنوں میں قدرے دبی ہوئی رنگت کی مالک، لیکن سلیقہ شعاری میں سب سے آگے تھی۔ صوفیہ کی شادی جب کاشف نثار سے ہوئی تو پورے خاندان میں اسے خوش قسمتی کی علامتی مثال بنا دیا

گیا۔ کاشف نہ صرف چلتے ہوئے کاروبار کا اکلوتا وارث تھا' بلکہ وجاہت کا اعلا شاہکار بھی تھا۔ کاشف خاندان کی ہر لڑکی اور دوستوں کی بیویوں سے بہت بے تکلف ہو کر ملتا' جو صوفیہ کو بہت ناگوار گزرتا تھا۔ صوفیہ کو خاص کر اس کے دوست مجید کی بیوی حبیبہ بہت بری لگتی تھی۔ جو بہت خوب صورت اور ماڈرن تھی اور اس کی خاص توجہ کاشف کی طرف رہتی۔ حبیبہ کی وجہ سے کاشف اکثر صوفیہ سے کیے ہوئے وعدے بھول جاتا تھا۔ صوفیہ کے شک کرنے پر کاشف کا کہنا تھا کہ یہ اس کا کاروباری تقاضا ہے۔

بی بی جان' صوفیہ ——— کو کاشف سے جھگڑا کرنے سے منع کرتی ہیں' لیکن صوفیہ اپنے دل کے ہاتھوں مجبور تھی اور اکثر و بیشتر کاشف سے بحث کرنے لگتی جو کاشف کو ناگوار محسوس ہوتا۔ صوفیہ پریگننٹ ہو جاتی ہے' ور بی بی جان کاشف سے صوفیہ کا خیال رکھنے کو کہتی ہیں۔

شہرین نے ضد کر کے اپنے والدین کی مرضی کے خلاف جا کر سمیع سے شادی تو کرلی' لیکن پچھتاوے اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ حالانکہ سمیع اسے بہت چاہتا ہے' اس کے باوجود اسے اپنے گھر والے بہت یاد آتے ہیں اور وہ ڈپریشن کا شکار ہو جاتی ہے اور زیادہ ترپلز لے کر اپنے بیڈ روم میں سوئی رہتی ہے۔ سمیع نے اپنی بیٹی ایمن کی دیکھ بھال کے لیے دور کی رشتہ دار اماں رضیہ کو بلالیا جو گھر کا انتظام بھی سنبھالے ہوئے تھیں۔ سمیع اور شہرین دونوں ایمن کی طرف سے لاپروا ہیں اور ایمن اپنے والدین کی غفلت کا شکار ہو کر ملازموں کے ہاتھوں پل رہی ہے۔ اماں رضیہ کے احساس دلانے پر سمیع غصہ ہو جاتا ہے اور ان کو ڈانٹ دیتا ہے۔ شہرین کے بھائی بہن راستے میں ملتے ہیں اور سمیع کی بہت بے عزتی کرتے ہیں۔

سلیم نینا سے محبت کا اظہار کرتا ہے۔ نینا صاف انکار کر دیتی ہے۔ سلیم کا دل ٹوٹ جاتا ہے' لیکن وہ نینا سے ناراض نہیں ہوتا اور ان کی دوستی اسی طرح قائم رہتی ہے۔ نینا کے ابا بیوی سے سلیم سے نینا کی دوستی پر ناگواری ظاہر کرتے ہیں اور بیوی سے کہتے ہیں کہ اپنی آپا سے نینا اور سلیم کے رشتے کی بات کریں۔

زری کے نمبر پر بار بار کسی کی کال آتی ہے۔ اور زری ماں سے چھپ کر اس سے باتیں کرتی ہے۔

نینا کی اسٹوڈنٹ رانیہ اسے بتاتی ہے کہ ایک لڑکا اسے فیس بک اور واٹس اپ پر تنگ کر رہا ہے "آئی لو یو راپنزل" لکھ کر۔ نینا' سلیم کو بتا کر رانیہ کا مسئلہ حل کرنے کے لیے کہتی ہے۔

حبیبہ کے شوہر مجید کا روڈ ایکسیڈنٹ میں انتقال ہو جاتا ہے۔ وہ اپنا سارا پیسہ کاشف کے کاروبار میں انویسٹ کر دیتی ہے۔ اس کے اور کاشف کے تعلقات بہت بڑھ گئے ہیں۔ کاشف صوفیہ سے چھپ کر حبیبہ سے ملنے جاتا ہے اور صوفیہ کی آنکھوں پر اپنی محبت کی ایسی پٹی باندھ دیتا ہے کہ اسے اس کے پار کچھ نظر آنا ہی بند ہو جاتا ہے۔ حبیبہ کاشف پر شادی کے لیے دباؤ ڈالتی ہے۔ کاشف کے گریز اختیار کرنے پر اپنا روپیہ واپس مانگتی ہے اور یوں [illegible] ل فریب کہانی اپنے اختتام کو پہنچ جاتی ہے۔ کاشف انکار کر دیتا ہے۔ حبیبہ غصے میں کاشف کے تھپڑ مار دیتی ہے۔

شہرین' اماں رضیہ کے توجہ دلانے پر ایمن کی سالگرہ جوش و خروش سے ارینج کرتی ہے۔ سالگرہ کا تھیم "راپنزل" رکھتی ہے۔ سالگرہ والے دن شہرین کی امی اور بہنوں کے کوسنے' طعنے اور بددعائیں سارے ماحول کو داغ دار کر دیتی ہیں۔ شہرین سر کے درد کی شدت سے بے ہوش ہو جاتی ہے۔

سلیم کی بہن نوشین باجی کا انتقال ہو جاتا ہے۔ نینا کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی بیٹی مہر کو اپنے ساتھ گھر لے آئے' لیکن اس کی دادی ان لوگوں کو مہر سے ملنے سے منع کر دیتی ہیں۔

کاشف کے تعلقات رخشی سے بڑھنے لگتے ہیں جو ایک ناکام اداکارہ ہے۔ وہ کاشف کو فلم بنانے کے لیے آمادہ کر لیتی ہے اور اس چکر میں کاشف سے بہت سا پیسا وصول کر لیتی ہے۔ رخشی کے مزید رقم مانگنے پر کاشف کا رخشی سے بھی جھگڑا ہو جاتا ہے رخشی اخبار میں بیان دیتی ہے اور اس کی فوری گرفتاری کی اپیل کرتی ہے۔ اس خبر کو پڑھ کر صوفیہ کا بلڈ پریشر شوٹ کر جاتا ہے اور وہ ایک مردہ بچے کو جنم دیتی ہے۔

شہرین کو برین ٹیومر ہو جاتا ہے اور سمیع اس کی بیماری سے بہت پریشان ہے۔

اب آگے پڑھیے۔

چودھویں قسط

"میں نے تمہیں کہا تھا کہ ایمن کو لے آنا... میں اسے دیکھنا چاہ رہی تھی۔" شہرین نے سمیع کو کمرے کے دروازے سے اکیلا اندر داخل ہوتے دیکھ کر کہا تھا۔ سرجری میں چند گھنٹے ہی باقی تھے اور اب وہ واقعی ڈر رہی تھی۔ یہ بڑا مشکل تھا کہ گھبراتے ہوئے بھی سب کے سامنے حوصلے کو بلند رکھنا' لیکن وہ یہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ نرس نے کچھ دیر پہلے ہی اسے آپریشن تھیٹر کا مخصوص گاؤن پہنا دیا تھا اور اسے پہن لینے کے بعد اس کا دل مزید بیٹھنا شروع ہو گیا تھا۔ گزشتہ چوبیس گھنٹوں میں اس کے ساس سسر کے علاوہ' منور بھائی اور ان کی فیملی اس سے ملاقات کر چکی تھی۔ سب کے دل بوجھل تھے اور کہیں نا کہیں خدشات سب ہی کو ستا رہے تھے' لیکن کوئی ایک بھی شہرین کے سامنے حوصلے کا دامن نہیں چھوڑ رہا تھا۔

"اماں رضیہ لا رہی ہیں اسے... آہستہ آہستہ چلتی آ رہی ہیں دونوں" سمیع نے اس کی جانب سرسری سا دیکھتے ہوئے کہا۔ شہرین نے سر ہلایا۔ سمیع اس کے ساتھ ہی بیڈ پر بیٹھ گیا تھا۔ شہرین اپنے ہاتھوں کی جانب دیکھنے میں مگن تھی۔ ہتھیلیوں کی پشت پر نیلے سے نشان نمایاں تھے۔ اتنی ڈرپس اور ٹیسٹ وغیرہ کے لیے بلڈ سیمپلز لیے جاتے رہے تھے کہ یہ نشان مستقل ہو چلے تھے۔ دودھیا ہتھیلیوں پر یہ نشان بہت بدنما لگتے تھے۔ اس کی انگلی میں ایک انگوٹھی تھی جو اس کی بہت پسندیدہ تھی' لیکن اب اسے وہ بھی اچھی نہیں لگ رہی تھی۔

"کیا دیکھ رہی ہو؟" بالآخر سمیع نے خاموشی کو توڑ ڈالا تھا۔ کسی کو کچھ تو بولنا ہی تھا ورنہ دل تو اتنے ڈرے ہوئے تھے کہ لگتا تھا ملک الموت سامنے آ کھڑے ہوئے ہیں۔ شہرین کو ہی نہیں سمیع کو بھی ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ نزع کے عالم میں جی رہے ہیں۔ نزع کا وقت موت سے کہیں زیادہ ڈرا دینے والا ہوتا ہے اور وہ سب بہت ڈرے ہوئے تھے۔

"کچھ بھی نہیں... بس ایسے ہی... ان لکیروں کو دیکھ رہی ہوں... کہ شاید ان کی زبان سمجھ میں آ سکے" وہ عام سے انداز میں بولنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن حقیقت تھی کہ وہ بات کرنا ہی نہیں چاہتی تھی اب کسی سے... ایمن کو دیکھنے کی خواہش تھی اور بس پھر وہ چپ چاپ آنکھیں بند کر کے لیٹ جانا چاہتی تھی...

کتنے دن ہو چلے تھے انتظار کی سولی پر لٹکتے... اب تو یہ دل چاہ رہا تھا کہ آر یا پار... جو ہونا ہے ہو جائے بس... دوسری طرف سمیع کا اس سے بھی برا حال تھا۔ وہ مرد تھا... دنیا اس سے توقع کرتی تھی کہ وہ مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کرے گا اور مصائب سے گھبرا کر رو نہیں دے گا... حالات کسی قسم کے بھی ہوں وہ اپنے حوصلے کو سب کے سامنے قائم رکھے گا' جبکہ اس چکر میں اس کا دم نکلا جا رہا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا اگلے چوبیس گھنٹے کے لیے وہ کوئی نیند کی گولی کھا لے اور اپنے حواسوں کو تالا لگا کر کہیں آنکھیں موند کر پڑا رہے۔

وہ خود کو بہت بہادر سمجھتا تھا لیکن اسے اب جا کر سمجھ میں آیا تھا کہ حوصلہ وہ نہیں ہوتا جو اپنی ذاتی تکلیف میں کیا جاتا ہے۔ اصل حوصلہ تو وہ ہوتا ہے جو خود سے وابستہ جان سے پیارے رشتوں کی تکلیف میں کیا جاتا ہے... اور اس سے یہی حوصلہ کیا نہیں جا رہا تھا... جان تھی کہ نکلی جا رہی تھی... گھڑی کی ٹک ٹک کرتی سوئیاں وقت کا پہیہ نہیں گھما رہی تھیں بلکہ اس کو اپنے پنجوں میں جکڑے گول گول گھمانے میں مشغول تھیں۔

"سمیع میرا ایک کام کرو گے...؟" شہرین نے اسے مخاطب کیا تھا۔ اس کی آواز کسی کھائی سے آتی لگ رہی تھی۔ سمیع نے اسے دیکھا پھر ذرا سا رخ اس کی جانب موڑ کر جھکا تھا۔

"مر کر بھی... کہہ کر دیکھو۔" وہ بھی اسی کے انداز میں بولا تھا جیسے بولے بنا چارہ بھی نا ہو۔

"سمیع ادے کو بولنا مجھے معاف کر دیں... ان کو ناراض کر کے اچھا نہیں کیا میں نے... اور اپنی امی کو بھی بولنا مجھے معاف کر دیں... ان کا دل دکھا کر کبھی خوش نہیں رہے ہم... ان سے کہنا میرے خلاف ان کے دل میں جتنا بھی غصہ ہے اسے تھوک دیں... ان سے کہنا کہ اللہ کو میرے خلاف شکایتیں کرنا بند کر دیں... اللہ ماؤں کی سن

لیتا ہے۔۔۔"

وہ لاتعلق سے انداز میں بولی تھی۔ سمیع اسی کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اس کی بات مکمل ہونے پر اس نے چاہا کہ وہ کچھ کہے۔۔۔ اسے تسلی دے دے اس کی بات کو مذاق میں ٹال دے لیکن الفاظ اس کے حلق میں اٹک گئے تھے۔۔۔ اس نے کچھ نہیں کہا تھا بس اس کا چہرہ دیکھتا رہا' دیکھتا رہا پھر حلق میں اٹکا آنسوؤں کا گولا نگلتے ہوئے مسکرایا۔ ایسی مسکراہٹ کہ جس پر تکلیف کا گمان ہوتا تھا۔

"کیا چاہتی ہو بیگم۔۔۔ کیا رونے لگوں میں۔۔۔ میں نہیں کہوں گا کسی کو بھی کچھ۔۔۔ تم ایک ہفتے بعد جب ڈسچارج ہو گی تو یہ سب ڈائیلاگز خود ہی بولنا ان کے سامنے۔۔۔ مجھے تو ویسے بھی تمہاری ادے پسند کرتی ہیں نا میری خود کی امی۔۔۔ میں خواہ مخواہ آؤں تم لوگوں کے درمیان۔۔۔ خود ہی بھگتنا یہ معاملات۔۔۔" اس نے ماحول میں پھیلی افسردگی کم کرنے کی کوشش کی تھی۔ شہرین مسکرائی نا کچھ بولی۔

اسی دوران اماں رضیہ بھی ایمن کی انگلی تھامے اندر داخل ہوئی تھیں۔ وہ جان بوجھ کر ذرا تاخیر سے کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔ ایمن نے ان کی انگلی تھام رکھی تھی۔ سرخ سے فراک میں سفید موزے اور سیاہ جوتے پہنے وہ کسی سمجھ دار بچی کی طرح کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ یہ پہلی مرتبہ تھا کہ ایمن کو ہسپتال لایا گیا تھا۔ شہرین نے اسے دیکھا اور پھر اس کا دل جیسے بے چین ہوا تھا۔ ابھی تو اس نے اپنی بچی کو ٹھیک سے محبت کرنا بھی نا سیکھا تھا۔۔۔ اس کی چھوٹی چھوٹی خواہشات پوری کی تھیں نا اس کے لاڈ اٹھائے تھے۔۔۔ اپنی بیماریوں کے واویلوں میں اپنی ہی اولاد کو اگنور کرتی رہی تھی۔ اماں رضیہ کو دیکھ کر سمیع نے جگہ چھوڑی تھی کہ وہ شہرین کے ساتھ بیٹھ جائیں۔ ایمن نے ان کی انگلی نہیں چھوڑی تھی۔ وہ بہت تمیزدار بچی تھی اور اس کا سارا کریڈٹ اماں رضیہ کو جاتا تھا۔ انہوں نے ہی کی تھی ایمن کی تربیت۔۔۔

"کیسی ہو بیٹی۔۔۔ اماں صدقے جائے۔۔۔ کیا محسوس کر رہی ہو۔۔۔ کچھ کھانے کا دل تو نہیں چاہ رہا نا۔۔۔ جوس پینا ہے تو بتاؤ۔۔۔ میں تازہ بنا کر لائی ہوں" اماں رضیہ کا محبت کرنے کا اپنا ہی طریقہ تھا۔ سمیع کے ٹوکنے کے باوجود وہ جوس لے آئی تھیں۔

"اماں اب کچھ کھانا پینا نہیں ہو گا۔۔۔ اور آپ اصرار بھی مت کیجئے۔۔۔ ڈاکٹر ناراض ہوتے ہیں" سمیع نے کہا تھا۔ اس کی امی کی آمد کی اطلاعات ملتی رہی تھیں اسے۔۔۔ اس کے ابو نے فون پر بات بھی کی تھی اس سے۔۔۔ لیکن اس سب کے باوجود اماں رضیہ کی موجودگی سے بہت ڈھارس ملتی تھی اسے۔

"یہ ڈاکٹرز تو سمجھ نہیں آتے ہمیں بھیا۔۔۔ جوس پلانے سے بھی ناراض ہو جائیں گے۔۔۔ بچی کو اتنے دن سے باندھ کر رکھا ہے۔۔۔ کمزوری سے رنگ پیلا ہو گیا ہے۔۔۔ کچھ کھائیں پئیں گی تو طاقت آئے گی نا۔۔۔ آپریشن کوئی ان کی خالہ جی کا گھر ہے کیا۔" اماں رضیہ تنک کر بولی تھیں۔ شہرین مسکرائی۔ اتنا طویل جملہ یقیناً اس لیے بولا گیا تھا کہ وہ ہنستی' کچھ بولتی۔۔۔ وہ سب مل جل کر اسے تسلی دینے کی کوشش میں کیا کیا کر رہے تھے۔

"ایمن۔۔۔ یہاں آؤ چندا۔۔۔ مما کے پاس آؤ" اماں رضیہ نے شہرین کی توجہ ایمن کی جانب محسوس کی تو اسے پچکار کر بولی تھیں۔ وہ چند ثانیے تذبذب کے عالم میں ماں کا چہرہ دیکھتی رہی پھر آگے بڑھ آئی تھی اور اپنا ہاتھ اس کے سامنے کیا تھا۔ شہرین نے اس کا ہاتھ تھاما اور پھر اسے اپنی جانب گھسیٹ کر اسے گود میں بٹھا لیا۔ ایمن بھی چپ چاپ بیٹھ گئی تھی۔

"آپ یہاں رہتی ہیں؟" ایمن نے چونکہ بہت دن سے اسے دیکھا نہیں تھا۔ وہ اسے دیکھ کر خوش ہوئی تھی اور جو پہلا سوال ذہن میں آیا وہی پوچھ ڈالا تھا۔ اماں رضیہ سمیت وہ دونوں بھی ایمن کے اس سوال پر چپ رہ گئے تھے۔ اس سوال کا جواب کیا دیتے ہو۔۔۔ بچی کو کیا سمجھاتے۔۔۔ شہرین نے اس کے گال پر پیار کیا اور اسے اپنے
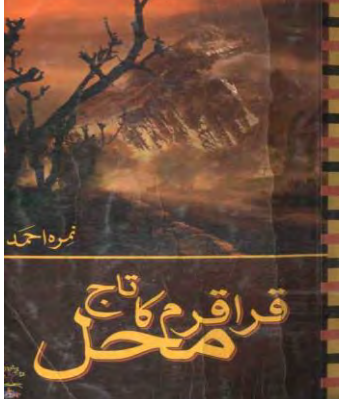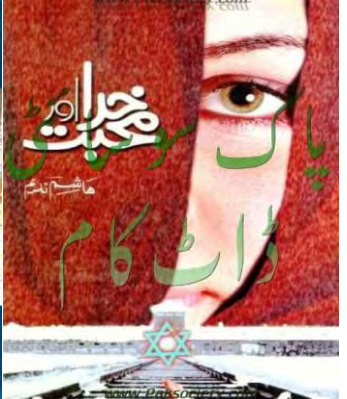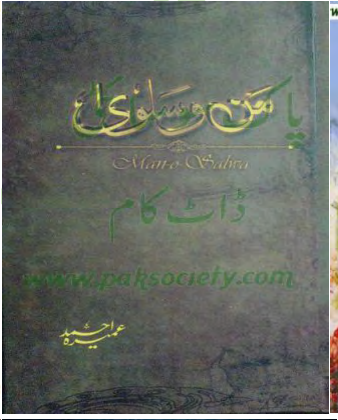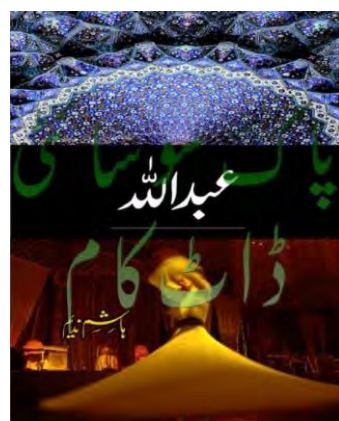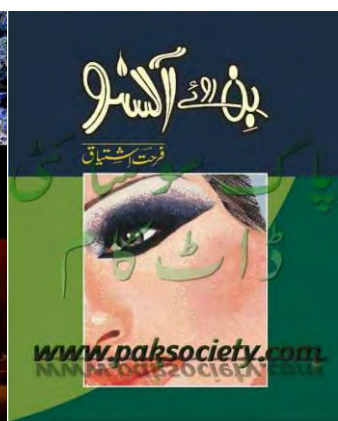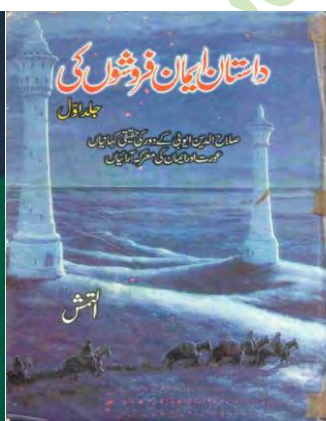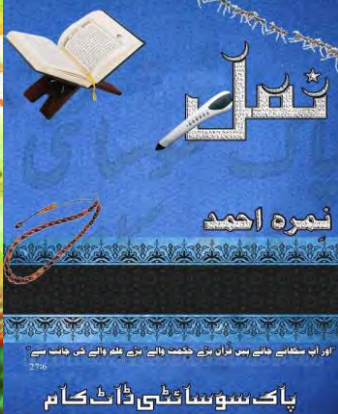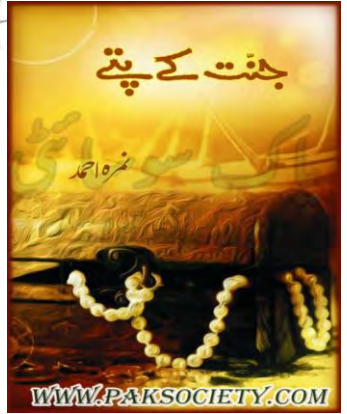
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

بازوؤں میں بھرلیا۔ انسان توانائی کا منبع ہے۔ انسانی لمس سے بڑا کوئی حوصلہ نہیں۔۔۔ شہرین نے اپنی ہی اولاد کے دم سے وہ حوصلہ کشید کرنے کی کوشش کی اور اسے ملا بھی۔۔۔ اس نے اس کے سنہرے نرم بالوں والے سر پر اپنی ٹھوڑی رکھ دی تھی۔ وہ رونا نہیں چاہتی تھی لیکن آنسو ٹپک پڑے تھے۔

"اماں رضیہ۔۔۔ میرا سب کچھ اللہ کے بعد آپ کے حوالے۔۔۔ سنبھال لیجیے گا" وہ اتنا ہی کہہ سکی تھی۔ اسی دوران نرس نے دروازہ کھولا تھا۔ وہ اپنے ساتھ وہیل چیئر بھی لائی تھی۔ شہرین کی حالت چونکہ بہت خراب نہیں تھی' اس لیے اسٹریچر کی بجائے اس کے لیے وہیل چیئر لائی گئی تھی۔ اماں رضیہ نے اپنی جگہ چھوڑی۔ سمیع نے اپنا سیل فون نکالا تھا۔۔۔

"ایمن میری طرف دیکھیں۔۔۔" اس نے بٹی کو مخاطب کیا تھا جو شہرین کی گود میں بیٹھی تھی۔ سمیع نے ایک ساتھ تین چار کلک کیے تھے۔ نرس عجلت میں دکھائی دیتی تھی۔ اس نے وہیل چیئر آگے کیا اور شہرین تھکے تھکے قدموں سے اٹھ کر اس پر بیٹھ گئی۔ نرس بستر کی جانب دیکھ رہی تھی کہ کوئی چیز رہ تو نہیں گئی۔ اماں رضیہ نے آگے بڑھ کر شہرین کی پیشانی چومی۔۔۔ اس پر کچھ پڑھ کر پھونکا اور باہر نکل گئیں' ان میں مزید ہمت نہیں تھی کہ کچھ کہتیں۔ ایمن بھی ان کے پیچھے نکل گئی تھی۔

"آپ کے پاس کوئی قیمتی چیز ہے تو اپنے ہزبینڈ کو دے دیجیے۔۔۔ یہاں مت چھوڑیں" نرس نے سرہانے کے نیچے ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے تاکید کی تھی۔ شہرین نے دوبارہ ہاتھوں کی جانب دیکھا۔

"چیزیں قیمتی کب ہوتی ہیں۔۔۔ قیمتی تو انسان ہوتے ہیں" اس نے دھیمی سی آواز میں کہا تھا۔ اس کی انگلیوں میں ایک انگوٹھی تھی۔ یہ انگوٹھی سمیع نے اسے تب دی تھی جب باضابطہ طور پر پرپوز کیا تھا اور یہ انگوٹھی اسے بہت پسند تھی۔ شہرین نے وہی انگوٹھی پہن رکھی تھی۔ اس نے وہ انگلی سے اتار کر سمیع کو دینی چاہی تھی۔ سمیع تھوڑا سا جھکا تھا اور پنجوں کے بل اس کے سامنے بیٹھ گیا تھا پھر اس نے انگوٹھی تھامنے کی بجائے اس کے ہاتھ تھام لیے تھے۔

"اور تم سے بڑھ کر کچھ بھی قیمتی نہیں ہے میرے لیے۔۔۔ گھبرانا مت۔۔۔ جب تک میں زندہ ہوں تمہیں کچھ نہیں ہونے دوں گا۔۔۔" اس نے چاہا تھا کہ وہ مزید کچھ کہہ پاتا لیکن ہمت ہی نہیں ہو رہی تھی۔ شہرین نے انگوٹھی اس کے ہاتھوں میں دے دی تھی۔ اب باتوں کا وقت بھی نہیں رہا تھا۔

"دعا کرنا۔۔۔ ساتھ خیریت سے آپریشن ختم ہو۔۔۔ زندگی نہیں" وہ اس کی جانب دیکھنے کی بجائے نرس کی طرف دیکھ کر بولی تھی۔ اس کے دیکھنے پر نرس نے اس کی وہیل چیئر کو دھکا دے دیا تھا۔۔۔ سمیع پیچھے رہ گیا تھا وہ آگے بڑھ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"نہنا کہاں ہے؟" امی نے زری کی جانب دیکھتے ہوئے آہستگی سے پوچھا تھا۔ اس نے گردن نفی میں ہلانے کے ساتھ آنکھوں سے بھی اشارہ کیا کہ وہ نہیں جانتی۔ میت لے جانے میں کچھ دیر ہی باقی تھی۔ سلیم کے سب بھائی اور ابو چند لمحوں میں گھر کے صحن سے میت اٹھانے کے لیے اندر آیا ہی چاہتے تھے اور نہنا کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ رشتہ داروں کے علاوہ سارا محلہ بھی فی الوقت ان کے صحن اور گھر کے باہر گلی میں موجود تھا۔ سلیم سے محبت کرنے والے بہت سے لوگ تھے۔ وہ ساری گلی کے لوگوں کی آنکھ کا تارا تھا۔ ایک طرف اس کی جواں مرگی کا غم تھا تو دوسری جانب اس ناگہانی موت کا افسوس تھا۔

سب کے لبوں پر ایک ہی سوال تھا۔۔۔ "آخر ہوا کیا؟"

"اور ایسا کیا غم لاحق تھا اس معصوم انسان کو جو اسے اس انتہائی اقدام پر مجبور کر گیا؟" المیہ یہ تھا کہ اس کے ماں باپ، بہن بھائی بھی نہیں جانتے تھے کہ اس سوال کا کیا جواب دیں... وہ بے چارے تو خود ہکا بکا رہ گئے تھے جوان بیٹے کی ایسی المناک موت پر... انہوں نے تو کبھی سخت لہجے میں بھی بات نا کی تھی اپنے بیٹوں سے... وہ کچھ نہیں جانتے تھے اور جو جانتے تھے وہ بہتے اشکوں کے ساتھ میت کے سامنے ہی بیٹھے تھے۔ صوفیہ، حلیمہ، زری کے ساتھ ہی بیٹھی تھیں۔ ان کا دل بھی بھانجے کی المناک موت پر شدت غم سے پھٹا جا رہا تھا لیکن انہیں افسوس اس بات پر بھی تھا کہ ایسی حرام موت میں کہیں نا کہیں وہ بھی اپنے پورے خاندان سمیت ذمہ دار تھیں۔ گزشتہ رات ہونے والا ایک واقعہ ایک ایسے حادثے کو جنم دے گا یہ تو کسی کے وہم و گمان میں بھی نا تھا۔

"صوفیہ... نینا کدھر ہے... اسے کہو دیکھ لے بھائی کو ایک دفعہ... پھر نہیں نظر آئے گا... اب نہیں نظر آئے گا کبھی... بلاؤ اسے صوفیہ۔" خالہ نے انہیں دیکھتے ہوئے دہائی دی تھی۔ لفظ "بھائی" پر زری اور امی کی نظریں ٹکرائی تھیں اور پھر وہ دونوں ہی عجیب سے تاسف میں ڈوب گئی تھیں۔ نینا تو میت کو ہاسپٹل سے لانے سے بھی کہیں پہلے منظر سے غائب ہو گئی تھی۔

صوفیہ نے اشکبار آنکھوں کے ساتھ ادھر ادھر دیکھا... وہ وہاں نہیں تھی۔ انہیں بے حد دکھ ہوا... یہ ان کا دل جانتا تھا کہ آج انہیں دکھ تو تھا، لیکن دل ہی دل میں ایک ندامت آمیز تاسف غالب تھا، جوان کے اعصاب کو ہتھوڑے، برسا رہا تھا۔ چند مہینوں کے دوران ان کی بہن کو یہ دوسرا بڑا دکھ ملا تھا۔ پہلے بیٹی کا دکھ سہا تھا اور اب بیٹا چلا گیا تھا... ان کی اس بہن نے کتنا کچھ کیا تھا ان کے لیے... ان کے ہر دکھ میں ان کی یہ بڑی بہن ان کے کام آتی رہی تھیں اور جس کا صلہ انہیں یہ ملا تھا کہ انہی کے شوہر اور بیٹی کے نازیبا رویے کے باعث ان کی بہن کی جوان اولاد نے حرام موت کو گلے لگا لیا تھا... انہیں خود پر بھی غصہ تھا... اس سارے واقعے میں وہ خود بھی تو کہیں نا کہیں قصوروار تھیں۔

"کیا بگڑ جاتا میرا... اگر میں کاشف کو بتا دیتی کہ نینا نے آپا کا دودھ پیا ہے... اس کا سلیم سے وہ تعلق نہیں ہے جو وہ سمجھتے ہیں... زیادہ سے زیادہ ڈانٹ دیتے مجھے... ناراض ہو جاتے مجھ سے... بچہ تو ناحق اپنی جان سے نا جاتا... کاشف آپ کو ناراض نا کرنے کے چکر میں کتنے لوگ ناراض کیے میں نے۔" وہ بہتے اشکوں کے ساتھ سوچ رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"آپ کے لیے ایک سرپرائز ہے..." صوفیہ نے خوشی سے بوجھل لہجے میں کاشف کو بتایا تھا۔ وہ بالآخر دبئی جا رہی تھی۔ دولہا بھائی نے اس کے اور زرمین کے ٹکٹس خرید لیے تھے۔ اس نے خود کاشف کو فون کیا تھا۔ کاشف کو اندازہ نہیں تھا کہ سرپرائز کیا ہو سکتا ہے۔ وہ تو اپنی جانب سے ناراض ہو کر مطمئن بیٹھا تھا کہ اب صوفیہ کچھ عرصہ تنگ نہیں کرے گی اور تب تک اس کو پاکستان سے آئے ہوئے دو سال مکمل ہو جائیں گے تو وہ خود تین ماہ کے لیے چھٹی پر چلا جائے گا۔ گھر بار سیٹ کر کے، زرمین کا ایڈمیشن کروا دے گا تو ایک اور بہانہ مل جائے گا صوفیہ کو دبئی نا رکھنے کا۔ اس نے انتہائی پلاننگ کے ساتھ ہی صرف ان دونوں کے کاغذات بنائے تھے کہ صوفیہ کبھی بھی اپنی اولاد کو اکیلا چھوڑ کر نہیں آئے گی۔

"ہم اتوار کی صبح آ رہے ہیں... فلائٹ نمبر نوٹ کر لیں۔" وہ شوخی سے بھرپور لہجے میں بولی جیسے یہ اطلاع سن کر کاشف تو خوشی سے جھوم اٹھے گا جبکہ کاشف کے حواس تھرا اٹھے۔ اس کی ساری بساط الٹی ہو گئی تھی۔

"کیا آ آ آ... کیسے... کیا کو نین کا پاسپورٹ مل گیا... یہ کیسے ممکن ہے... ویزا کیسے ملا؟" وہ حیران تھا۔ یہ تو

ممکن نہیں تھا کہ وہاں بیٹھے ویزا حاصل کر لیتی صوفیہ۔
"کونین کی فکر نا کریں آپ... ہمیں ایئرپورٹ سے لینے آنے کی تیاری کریں... اور یہاں سے کچھ منگوانا ہے تو بتائیں... ابھی دو دن ہیں..." وہ بے تحاشا خوش تھی۔
"ارے کیسے فکر نا کروں کونین کی... مجھے پتا چلنا چاہیے کہ اس کا ویزا کیسے لیا تم نے... کہیں کسی نے یہ تو نہیں کہہ دیا کہ ایئرپورٹ پر ویزا مل جائے گا... اب نہیں ہوتا ایسا... پاکستانیوں کو نہیں ملتا ایئرپورٹ پر ویزا" وہ تنگ کر بولا تھا۔ صوفیہ کے لہجے کی شوخی زہر لگ رہی تھی اسے۔
"کونین کی بات باجی سے کر لی ہے میں نے... وہ اسے رکھ لیں گی... پھر جب اس کے کاغذات..." اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ کاشف نے اس کی بات کاٹ دی۔
"کیا بکواس ہے... دماغ درست ہے تمہارا... اولاد تمہاری ہے۔ اور رکھ باجی لیں گی... وہ کیوں رکھیں گی بھلا" وہ بھپر کر بولا تھا۔ صوفیہ کو اس کے انداز نے ڈرا سا دیا۔ وہ اس کے غصے سے بہت گھبراتی تھی۔ کاشف نے پہلے تو کبھی کونین سے کسی انسیت کا اظہار کیا نہیں تھا اور اب وہ ناراض ہو رہا تھا۔
"آپ ناراض کیوں ہو رہے ہیں... باجی کو کوئی اعتراض نہیں ہے کاشف... وہ کونین کو رکھنے کے لیے تیار ہیں" وہ ذرا سا سہم کر بولی۔ لہجے میں منمناہٹ سی آگئی تھی۔
"لیکن وہ کیوں رکھیں گی کونین کو... ایسے کیسے رکھ سکتا ہے کوئی کسی کی اولاد... وہ تمہاری اولاد ہے بھی یا نہیں... مجھے بتاؤ صوفیہ وہ تمہاری ہی بیٹی ہے نا...؟" وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر پوچھ رہا تھا۔ صوفیہ تو ہل کر گئی۔ کیا وہ اس پر شک کر رہا تھا۔
"کاشف... آپ اس طرح سے بات کیوں کر رہے ہیں... میں تو سمجھ رہی تھی آپ بہت خوش ہوں گے ہماری آمد کا سن کر" وہ روہانسی ہوئی تھی۔
"صوفیہ میں خوش کیسے ہو سکتا ہوں... تم خود سوچو تم کس قدر حماقت کا مظاہرہ کر رہی ہو... اپنی اولاد چھوڑتا ہے کوئی ایسے کسی کے پاس... بچی ذات کا معاملہ ہے۔" وہ لہجے کو ذرا معتدل کر کے بولا تھا۔ صوفیہ نے اسے پریشان کر ڈالا تھا۔
"میں بھی تو دل پر پتھر رکھ کر چھوڑ رہی ہوں کاشف... آسان بات کہاں ہے یہ..." کاشف نے اس کی بات کاٹی۔
"صوفیہ تم مجھے حیران کر رہی ہو... بھلا اتنی سی بچی کو تم چھوڑ آؤ گی وہاں... وہ لوگ جانے کیا سلوک کریں بچی کے ساتھ... بیٹی ہے وہ بیٹی... لوگ اپنی بیٹیاں ایسے غیروں کے حوالے نہیں کر دیا کرتے۔" وہ تنگ کر بولا تھا۔ صوفیہ کو برا بھی لگا اور مزید رونا بھی آیا۔
"اتنے دن سے بھی تو یہ بیٹیاں غیروں ہی کے پاس تھیں... کب سے پڑی ہوں میں یہاں باجی کے گھر... دولہا بھائی ہی پورا کر رہے ہیں ہمارا... وہی سنبھال رہے تھے ہمیں" صوفیہ نے وضاحت دی تھی۔
"اب کب تک اس بات کا احسان جتاتی رہو گی... واپس آ کر ڈال دوں گا دو پھولوں کی مالا اس مہاتما کے گلے میں... لیکن اپنی بیٹی نہیں چھوڑ سکتا ایسے کسی کے پاس... تم وہاں موجود ہو تو اور بات ہے... ایسے تن تنہا... چھوٹی سی بچی ہے وہ" کاشف کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کسی طرح صوفیہ سے اپنی بات منوا ہی لے جبکہ صوفیہ بھی اسی کوشش میں تھی کہ کاشف اس کی بات مان لے۔
"میں ماں ہوں کاشف... میری بھی تو ہمت ہے... لیکن میری محبت بھی تو دیکھیں... آپ کے پاس آنے کی خاطر کیا ہے یہ فیصلہ... تین مہینے کی بات ہے... صرف تین مہینے کی... پاسپورٹ ملتے ہی کاغذات بنوا لیں گے۔

اور پھر آکر اسے لے جائیں گے" وہ اسے سمجھانے کی مزید کوشش کرتے ہوئے بولی تھی۔ لہجہ مسلسل گلوگیر تھا۔
"اور یہ تین مہینے... کیسے رہے گی وہ... اتنی سی بچی تو اپنی خوراک تک کے لیے بھی ماں کی محتاج ہوتی ہے صوفیہ... کیا پاگل پن کر رہی ہو تم..." کاشف کا غصہ اس کے رونے سے کم ہونے کے بجائے بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ زچ ہو رہا تھا۔
"آپ کیوں فکر کرتے ہیں... باجی ہیں نا... سب انتظام کرلیا ہے میں نے..." اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ کاشف مزید جھلایا اور اس کی بات کاٹی۔
"خبردار... اب یہ مت کہہ دینا کہ باجی مدر ٹریسا میری بیٹی کو دودھ بھی پلا دیں گی... یعنی وہ غریب غرباء اب اس احسان تلے دبائیں گے مجھے... پہلے ہی کیا کم ہو رہا ہے میرے ساتھ... اور کتنا ذلیل کرواؤ گی تم مجھے... پہلے وہ اتنے مہینوں سے تمہیں سنبھالنے کا احسان جتا رہی ہیں... اب یہ طعنہ ساری زندگی سنوانے کا بندوبست کردو کہ وہ میری اولاد کو دودھ بھی پلائیں گی... بس کردو صوفیہ... بس کردو... تمہاری وجہ سے پہلے ہی ایسے لوگوں کو منہ لگانا پڑتا ہے جن کی شکل نا دیکھوں میں کبھی... اب یہ احسان لے کر ان غریب ٹٹ پونجیوں کے تلوے چاٹنے پر نا لگا دینا مجھے... کوئی ضرورت نہیں ہے میری بچی کو کسی کی گود میں ڈالنے کی... خبردار جو تم نے یہ کیا تو... اماں زندہ ہوتیں تو پوچھتیں تم سے... ہمارے خاندان میں نہیں ہوتیں ایسی باتیں... سمجھ رہی ہو نا... اس لیے تھوڑا انتظار کرو اور وہیں رہو" وہ حتمی لہجے میں بولا تھا۔
"یہ کب کہہ رہی ہوں میں... باجی کیوں پلائیں گی دودھ... وہ تو ڈبے کے دودھ پر پل رہی ہے... جس کے پیسے آپ ہی بھجواتے ہیں اور آپ کے پاس اگر نہیں بھی پیسے تو میں ہی بھجواؤں گی نا... آپ کیوں شرمندہ ہوتے ہیں۔ ان کے گھر رہ رہی ہوں لیکن خرچ تو بھجواتے ہیں نا آپ... ایسے مت سوچیں۔" صوفیہ نے فٹافٹ بات سنبھالی تھی۔ اس نے یہ بات تو ابھی تک اسے نہیں بتائی تھی کہ کونین ماں کا دودھ نہیں پیتی۔ ابتدائی ایک دو ہفتوں کے بعد تو کونین کے دودھ نا پینے کے باعث صوفیہ اب اس قابل نہیں تھی کہ بچی کی خوراک کا بندوبست کرپاتی۔ قدرتی عمل تھا۔ دودھ خشک ہو چکا تھا اور کونین مکمل طور پر باجی کے آسرے پر تھی لیکن کاشف کے اس طرح بھڑکنے پر صوفیہ نے بات بنائی تھی۔
"ایسے مت سوچوں... ویسے مت سوچوں... تو پھر کروں کیا... بھنگ پی کر سو جاؤں... اور تمہیں احمقانہ کام کرنے کی کھلی چھوٹ دے دوں" وہ غرایا۔ صوفیہ کے گال آنسوؤں سے تر ہو چکے تھے۔
"کاشف... آپ کو صرف اپنی بچی کی فکر ہے... میری نہیں... میں نے بھی تو آپ ہی کی خاطر کیا جو بھی کیا... کتنی بار کہوں... نہیں رہا جاتا مجھ سے یہاں... آپ کے بغیر... اب تو میں ٹکٹ لے چکی ہوں... اور میں آؤں گی بھی... آپ کی مرضی... دل چاہے تو ہمیں ایئرپورٹ سے ریسیو کرلیجیے گا... دل نا چاہے تو یونہی ایئرپورٹ پر لاوارثوں کی طرح چھوڑ دیجیے گا... میں بھی وہاں زرمین کے ساتھ کسی گاڑی کے نیچے آکر جان دے دوں گی... آپ سنبھال لیجیے گا۔ اپنی دلاری کونین کو"
صوفیہ نے گلوگیر لہجے میں جملہ ادا کیا اور پھر کچھ سنے بغیر فون بند کردیا تھا۔ اسے عجیب سا لگا تھا۔ کاشف نے اتنے دن سے کبھی کونین کے لیے اتنی جذباتیت کا مظاہرہ نہیں کیا تھا جس کا صوفیہ کو افسوس بھی ہوتا تھا کہ وہ بیٹے کا خواہش مند تھا اور بیٹی سے لاتعلقی برت رہا ہے، لیکن اب یکدم جب وہ اسے چھوڑ کر جا رہی تھی تو اس کے دل میں محبت جاگ اٹھی تھی۔ صوفیہ نہایت بجھے ہوئے دل لیکن مصمم ارادے کے ساتھ فون بند کرکے پڑوسیوں کے گھر سے واپس آئی تھی۔ اسے دبئی جانا ہی تھا۔

☼ ☼ ☼
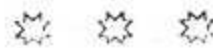
"سب ٹھیک ہے سمیع صاحب!" ڈاکٹر صاحب نے میز کی دوسری جانب بیٹھتے ہوئے مسکرا کر کہا تھا۔ اسے لگا اس کی جان میں جان آگئی ہو "آپ کو مبارک ہو... سرجری کامیاب ہوئی ہے" وہ اسے خوش خبری سنا رہے تھے اور اسے لگا وہ حوصلہ کھو دے گا۔ جانے کتنویں مرتبہ اس نے اپنی بچی کھچی ہمت مجتمع کی تھی۔ وہ عورت نہیں تھا ورنہ آرام سے دو آنسو بہالیتا۔ کوئی اس کے دل سے پوچھتا کہ بعض اوقات عورت ہونا کتنی بڑی نعمت اور مرد ہونا کس قدر حوصلے کا کام ہو جاتا ہے۔ اسے بس چٹان کی طرح نظر آنا چاہیے۔ اس کے وجود میں پڑی دراڑوں میں سے آنسو نام کا چشمہ ابلے گا تو باعث ہتک ہوگا۔ آنسو چاہے خوشی کے ہی کیوں نا ہوں مرد ان کو کھل کر نہیں بہا سکتا۔ سو سمیع نے بھی نہیں بہائے تھے۔ اس نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے سر ہلایا تھا۔

"میں آپ کو کچھ ایڈوائز کرنا چاہتا ہوں... دیکھیں سمیع صاحب کینسر کا علاج کوئی راکٹ سائنس نہیں ہے... یہ بہت تکلیف دہ اور طویل طریقہ کار ہے اس میں مریض کے ساتھ ساتھ اس کے پیاروں کے اعصاب کا بھی مسلسل امتحان ہوتا ہے... آپ کو اپنے اعصاب بہت مضبوط رکھنے ہیں تب ہی آپ مریض کی مدد کر پائیں گے۔"

وہ اسے سمجھا رہے تھے۔ یہی باتیں کراچی میں اس کو ڈاکٹر رضی نے بھی اسے کہی تھیں۔ سرجری سے چند دن پہلے ان کی ملاقات چند ایسے مریضوں اور ان کے اہل خانہ سے بھی کروائی گئی تھی جو اس قسم کے عارضوں میں مبتلا رہنے کے بعد صحت یاب ہوئے تھے۔ ان سب کے پاس شیئر کرنے کو ایک دوسرے کو ایڈوائز کرنے کو بہت کچھ تھا لیکن فی الحال سمیع شہرین سے ملنا چاہتا تھا... اسے دیکھنا چاہتا تھا۔

"میں شہرین سے مل لوں...؟" اس نے ڈاکٹر صاحب کا جملہ مکمل ہوتے ہی سوال کیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے سر ہلایا۔

"آپ دیکھ لیجیے انہیں ایک دفعہ... لیکن پہلے خود کچھ کھائیں پئیں۔ ان سے زیادہ تو آپ بیمار لگ رہے ہیں" ڈاکٹر صاحب نے مسکرا کر کہا تھا، سمیع نے بھی مسکرانے میں ان کا ساتھ دیا اور کیا کہہ سکتا تھا وہ... اس نے کئی دن سے شیو نہیں کی تھی اور گزشتہ چوبیس گھنٹے سے وہ گھر بھی نہیں گیا تھا۔ اس کا حلیہ کافی میلا ہو رہا تھا۔

"آپ دیکھ لیں اپنی وائف کو... لیکن وہ جلد ہوش میں نہیں آئیں گی... اگلے چوبیس گھنٹے اہم ہیں... اور اصل امتحان اس کے بعد شروع ہوگا... اس لیے میں آپ سے کہہ رہا ہوں کہ اپنا خیال رکھیں... کینسر کے مریض کو ہمت دلاتے رہنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ خود بہت باہمت ہوں... سمجھ رہے ہیں نا آپ...؟" وہی باتیں وہی جملے... سمیع کو اب اس تکرار سے الجھن ہونے لگی تھی لیکن وہ کچھ نہیں بولا تھا۔

"شہرین بالکل ٹھیک ہو جائے گی نا ڈاکٹر؟" اس نے وہی سوال دہرایا جو وہ تقریباً" ہر اس ڈاکٹر سے پوچھتا جن سے ملتا تھا۔

"ان شاء اللہ... آپ دل میں خدشات اور وسوسے مت پالیں... سب کچھ قدرت پر چھوڑ دیں..." انہوں نے بات ادھوری چھوڑ کر چھت یعنی آسمان کی جانب اشارہ کرتے ہوئے مزید کہا تھا۔

"اللہ مسبب الاسباب ہے... اس کا کام وہ جانے... ہم خواہ مخواہ عالم فاضل بن کر اسے نصیحت کرتے اچھے لگیں گے بھلا... ہمارا کام ہی نہیں ہے یہ... آپ صرف اپنا کام کریں... اس کے کام میں دخل مت دیں... وہ آپ سے، مجھ سے بہتر علم والا ہے... نہیں؟" وہ فقرہ مکمل کر کے ایسے اس کی رائے لے رہے تھے۔ سمیع کو ان سے بات کر کے اچھا لگا۔ اس نے یہ بات محسوس کی تھی کہ ٹیومر تشخیص ہو جانے کے بعد جتنے بھی ڈاکٹرز اسے ملے تھے ان سب کا رویہ زندگی کی طرف بہت مثبت تھا۔ وہ سب اچھے کاؤنسلر تھے۔

"اب گھر جائیں۔ جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں کہ آپ کی وائف جلدی ہوش میں نہیں آئیں گی... اس لیے

آپ گھر جا کر اطمینان سے گھنٹا دو گھنٹا سوئیں... پھر شیو کریں' ڈریس اپ ہوں... پھر واپس آئیں ہم نہیں چاہتے ہماری مریضہ آپ کو دیکھ کر مایوس ہوں آپ اچھے ہینڈسم آدمی ہیں... مرد کی اچھی صورت شکل کا فائدہ اس کی گھر والی کو بھی تو ہونا چاہیے۔" ڈاکٹر صاحب مسکراتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ سمیع کو ہنسی آئی تھی۔ اسے ان کی تجویز اچھی لگی۔ اسے واقعی فریش اپ ہونے کی ضرورت تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ ایک خوش کن منظر تھا۔

پانچ سال کی ایک بچی اپنے ہم عمر ایک بچے کے ساتھ صحن میں بنے چبوترے کے اوپر ٹانگیں لٹکائے بیٹھی تھی۔ چبوترے کی ساتھ ساتھ گملے پڑے تھے جن میں مختلف اقسام کے ننھے منے پودے تھے۔ شام کا وقت تھا اور ایک دو تتلیاں نجانے کہاں سے ان پودوں پر چہل قدمی کی غرض سے آٹکی تھیں لیکن اس بچی کی ساری توجہ اس چڑیا کی جانب تھی جو ایک بڑے گملے کے کنارے پر بیٹھی تھی۔ وہ ٹکٹکی باندھے اسی کی جانب دیکھ رہی تھی۔

"نینا میں تمہیں ایک چیز دکھاؤں؟" اس بچے نے اچانک اس بچی کو مخاطب کیا تھا۔ اس کے بولنے پر چڑیا نے پر پھیلائے تھے اور ایک لمحے میں اپنی جگہ چھوڑ کر اڑ گئی تھی۔ اس بچی نے برا سا منہ بنا کر اس بچے کو دیکھا۔

"جی نہیں... سلیم حلیم... لے کر اڑا دیا بلبل کا بچہ" اسے غصہ آیا تھا۔

"وہ بلبل کا بچہ تھا؟" اس بچے نے معصوم سے انداز میں پوچھا۔ اس بچی نے پھر ناک چڑھائی۔

"نہیں... ہاتھی کا۔"

"ہیں نینا... ؟" اس بچے کو یقین نہیں آیا تھا۔

"اس کا مطلب ہاتھی کا بچہ چھوٹا ہوتا ہے تو بلبل کا بچہ ہوتا ہے؟" وہ تذبذب میں گھر کر سوال کر رہا تھا۔ اس بچی نے گھور کر اسے دیکھا اور پھر "اونہہ" کہہ کر ہنکارا ابھرا تھا۔

"اچھا ناراض مت ہو... میں تمہیں ایک چیز دکھاتا ہوں" وہ اس کے قریب ہوا تھا اور اپنی ہتھیلی اس کے سامنے پھیلائی تھی جس میں کچھ سکے دبے تھے۔

"کیا ہے...؟" نینا کو کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ وہ بچہ کافی پرجوش تھا۔

"یہ چار روپے ہیں... دو روپے یہ... اور دو روپے یہ والے... سارے مل کر بنے چار" وہ دونوں سکوں پر باری باری انگلی رکھ کر بولا تھا۔

"تمہیں کس نے دیے یہ پیسے" اس بچی نے ٹانگیں ہلاتے ہوئے سوال کیا تھا۔ اسے ابھی بھی پیسوں میں دلچسپی پیدا نہیں ہوئی تھی۔

"میں نے امی سے لیے ہیں... اس کا ہم گولا گنڈا کھائیں گے... ابھی تھوڑی دیر میں آئیں گے گولے گنڈے والے انکل... ایک تم لینا... ایک میں لوں گا" وہ اسے تفصیل بتا رہا تھا۔ باہر گلی میں سر شام ہی مختلف چھابڑی والے اور خوانچہ فروش اپنا اپنا مال لے کر آجاتے تھے۔ محلے کے سارے بچوں کے لیے یہ سب چیزیں بڑی دلچسپ تفریح ثابت ہوتی تھیں۔ نینا نے ناک چڑھائی۔

"مجھے نہیں کھانا گولا گنڈا... میرا سارا منہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ اور سرخ سرخ بھی۔" اس نے انکار کر دیا تھا۔

اس بچے نے سکوں والی مٹھی بند کر دی۔

"اچھا... پھر تم کیا کھاؤ گی...؟" وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔

"میں کھوئے والی قلفی کھاؤں گی... مجھے وہی اچھی لگتی ہے" نینا نے فیصلہ کر لیا تھا۔

"وہ تو تین روپے کی آتی ہے۔ اگر تم قلفی کھاؤ گی تو چار روپے میں سے ایک ہی روپیہ بچے گا پھر میں کیا کھاؤں گا گولا گنڈا تو دو روپے کا آتا ہے۔" وہ بچہ منہ لٹکا کر بولا نینا پر اثر نہیں ہوا تھا۔

"تمہاری مرضی... لیکن مجھے قلفی ہی کھانی ہے" اس نے دوٹوک لہجے میں کہا تھا اور چبوترے سے چھلانگ مار کر اتری تھی۔ اس بچے نے بھی جست لگانے میں دیر نہیں کی تھی۔ ایک ہی ثانیے میں وہ اس کے پیچھے تھا۔

"اچھا رکو... تمہیں قلفی کھانی ہے نا... کھا لینا۔" اس نے اس کا ہاتھ پکڑا تھا۔ وہ بچی پلٹی تھی۔

"ٹھیک ہے۔" اس نے جیسے احسان جتایا۔

"تم خوش ہو نا؟" وہ پھر سوال کر رہا تھا۔ نینا نے اثبات میں سر ہلایا اور مسکرائی۔ اس کے مسکرانے پر وہ بچہ بھی مسکرایا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ بچی تین روپے کی کھوئے والی قلفی کھا رہی تھی جبکہ اس بچے نے ایک روپے کا لالی پاپ لے لیا تھا۔ وہ اسے خوش کرنے کے لیے ہر قربانی دینے کو تیار تھا۔ منظر بدل گیا تھا۔

اب سخت دوپہر کا عالم تھا۔ ایک پندرہ سولہ سال کی لڑکی بے چینی کے عالم میں ایک کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ اسی کی عمر کا ایک لڑکا بستر پر آڑا ترچھا لیٹا تعلیم و تربیت کا نیا شمارہ کھولے پوری طرح اس میں گم تھا۔

"سلیم کے بچے... ہر وقت لیٹے رہتے ہو یوں ہی؟" اس نے آتے ہی اس کے ہاتھ سے میگزین جھپٹ لیا تھا۔

"نہیں... کبھی کبھی درخت سے بھی الٹا لٹک جاتا ہوں... پھر دنیا سیدھی سیدھی لگنے لگتی ہے" وہ چڑ کر بولا تھا۔ نینا ہنسی۔

"نوشی باجی اسی لیے تمہیں بندر کہتی ہیں" اس بچے نے منہ بنایا۔

"لوگ تو نیوٹن کو بھی سیب کے گرنے سے پہلے احمق کہتے تھے... سیب کے گر جانے کے بعد وہ نیوٹن بنا تھا... اس لیے سلیم دی گریٹ لوگوں کی باتوں کی پروا نہیں کرتا" وہ ناک سے مکھی اڑانے والے انداز میں بولا۔

"اوہ سلیم بن نیوٹن دی گریٹ... اٹھو اور میری بات سنو۔" اس بچی کو اس قسم کی باتیں جلدی سمجھ نہیں آتی تھیں۔ وہ اس کے بستر پر بیٹھی تھی۔ وہ بچہ بھی اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"دیکھو... تم ہمیشہ کام کے وقت ہی یاد کرنا مجھے" اس نے جتایا تھا۔ نینا پر اثر نہیں ہوا۔

"ہاں تو تم جیسے لوگ ایسے وقت ہی کام آتے ہیں ورنہ ہمیں کیا غرض تم جیسوں سے۔" اس نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ اس سے پہلے کہ وہ بچہ مزید کچھ کہتا۔ نینا نے ہاتھ سے اسے روکا تھا۔

"اچھا... اب چپ کر کے میری بات سنو... میری ایک فرینڈ ہے اسکول میں... اس کے بھائی کی شادی تھی... اس نے لال پیلے نیلے رنگ کے ڈریسز بنوائے تھے پھر ان کے ساتھ میچنگ جوتے اور جیولری بھی لی تھی۔" اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ سلیم نے اس کی بات کاٹی۔

"تو مجھے یہ سب کیوں بتا رہی ہو... جب نوشی باجی کی شادی ہوگی تو تم بھی لال پیلے نیلے ڈریسز بنوا لینا... جوتے جیولری بھی لے لینا" اس نے اس کے مسئلے کا حل نکالا تھا۔ نینا نے ناگواری بھرے انداز میں منہ کا زاویہ بگاڑا۔

"یخ مجھے نہیں پسند ایسے کھٹے میٹھے کلرز..." وہ ناپسندیدگی سے بولی۔

"اچھا تو پھر مت بنوانا... میں کیا کروں" سلیم نے سوالیہ انداز میں اسے دیکھا۔

"تم صرف میری بات سنو... تو ہوا یوں کہ اس نے اتنا کچھ لے لیا تو اس کی امی کے پاس اسے میچنگ پرس دلوانے کے پیسے نہیں بچے... وہ بہت پریشان تھی... میرے پاس بریک میں بیٹھی ہر وقت یہی رونا روتی رہتی تھی... ایک دن تو بے چاری۔" وہ کوئی لمبا ہی قصہ شروع کر بیٹھی تھی۔ سلیم نے اسے ٹوک دیا۔

"اوہو... لب لباب بتاؤ نا... وقت کیوں ضائع کر رہی ہو... پہلے رنگ برنگی داستان شروع کر دی... اب رونا دھونا سنانا شروع کر دیا... دوست کی بات سنا رہی ہو... یا اسٹار پلس کا ڈرامہ" وہ چڑ رہا تھا۔

"جاؤ نہیں سننا تو نا سہی... آئے بڑے کہیں سے مصروف آدمی... اونہہ... جیسے ہو نا ویسے ہی رہا کرو... زیادہ ہیڈ ماسٹر نا بن جایا کرو... جا رہی ہوں میں۔" وہ سخت ناراض ہو گئی تھی اور اپنی جگہ چھوڑنے کے لیے اٹھنا چاہا تھا۔

"اچھا اچھا... ناراض مت ہو۔" سلیم نے اس کا ہاتھ پکڑا۔

"سناؤ جو بھی سنانا ہے... اچھا پھر تمہاری سہیلی رونا شروع ہو گئی... تم نے اسے آنسو صاف کرنے کے لیے ٹشو پیپر دیا اس نے پکڑ لیا پھر اس نے آنسو صاف کیے اور ٹشو پیپر پھینکنے کے لیے ڈسٹ بن کی جانب گئی... ڈسٹ بن دروازے کے پیچھے تھا۔ اس نے دروازے کو دھکیلا... پھر ڈسٹ بن کو پاؤں سے آگے گھسیٹا اور پھر..." وہ مزاحیہ انداز میں اس کے قصے کو مزید طول دے رہا تھا۔ نیناں نے اس کے کندھے پر ایک زور کا تھپڑ لگایا پھر خجل سا ہو کر مسکراتے ہوئے بولی۔

"بدتمیز لڑکے... میں یہ بتانا چاہ رہی تھی کہ اس نے سب کچھ لے لیا تھا لیکن اس کے پاس پرس نہیں تھا... میں نے اسے زری کا ایک اچھا سا سنہرا پرس دیا تھا کہ بھائی کی شادی پر استعمال کر کے واپس کر دینا..."

"بیڑا غرق... اب زری کو پتا چل گیا ہے اور وہ تم سے لڑ رہی ہے... ہے نا؟" وہ ایک نتیجے پر پہنچا تھا۔ نیناں نے پھر اسے تھپڑ لگایا۔

"نہیں... اسے پتا نہیں چلا... وہ شام کو اپنی کسی سہیلی کے گھر جا رہی ہے اور آدھے گھنٹے سے وہی پرس ڈھونڈ رہی ہے... اور میں بھی اس کے ساتھ مل کر ڈھونڈ رہی ہوں" جملہ مکمل کرتے اس کے لہجے میں تاسف بھی در آیا تھا۔

"اچھا تو محترمہ... میرے لیے کیا حکم ہے... میں اب کیا جا کر زری کو تسلی دوں" وہ طنزیہ انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"سلیم پلیز تحریم کے گھر سے وہ پرس لا دو نا... زری کو پتا چل جائے گا کہ وہ میں نے تحریم کو دیا ہوا ہے تو وہ ابا کو میری شکایت لگا دے گی... اور ابا کا تو پتا ہے تمہیں... ایویں ڈانٹنا شروع ہو جائیں گے" وہ درخواست کر رہی تھی۔ سلیم جانتا تھا نیناں کسی چیز سے نہیں گھبراتی سوائے اپنے ابا کی ڈانٹ ڈپٹ سے۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اچھا چلا جاتا ہوں تم اسے کال کر دو کہ پرس نکال کر رکھے" وہ فوراً بستر سے اتر آیا تھا۔

"پیدل جاؤ گے؟" نیناں نے پوچھا تھا۔

"نہیں... تمہارے ابا کی مرسیڈیز کھڑی ہے نا باہر... اس پر چلا جاتا ہوں" اس نے طنزیہ انداز میں جواب دیا اور باہر نکل گیا باہر سخت گرمی تھی۔ سورج آگ اگل رہا تھا لیکن وہ اس کی خاطر اس کی سہیلی کے گھر جانے کو تیار تھا تاکہ اسے ڈانٹ نا پڑے اور منظر پھر بدلا تھا۔

انیس سال کا علیم وہیل چیئر پر لاچار سا بیٹھا تھا سخت سردیوں کے دن تھے۔ دل چاہتا تھا رضائی میں دبکے پڑے رہو لیکن وہ بیڈ پر بیٹھنے کی بجائے وہیل چیئر پر بیٹھا اپنے گود میں لیپ ٹاپ رکھے کاغذات کا فولڈر ٹانگوں پر رکھے لحاف صرف پاؤں پر ڈالے بیٹھا کچھ ٹائپ کرنے میں مصروف تھا۔ نیناں اس کے کمرے کا دروازہ کھول کر بے دھڑک انداز داخل ہوئی تھی۔

"میرا کام کر دیا؟" اس نے آتے ہی پہلا سوال کیا تھا۔ سلیم کے چہرے پر سخت مایوسی تھی۔

"یار... ابھی تک نہیں ہو سکا... مشکل کام ہے" وہ اس کی جانب دیکھے بنا بولا تھا۔ نیناں نے مایوسی سے سر ہلایا۔

"کسی کام کے نہیں ہو تم سلیم... نکمے ہو بالکل... سارا دن آرام کرتے ہو... ایک کام نہیں ہوتا تم سے" وہ ہمیشہ کی طرح ناراض ہو رہی تھی۔ سلیم نے اسے گھور کر دیکھا۔

"چار گھنٹے ہو گئے ہیں تمہاری اس اسائنمنٹ کو مکمل کرنے میں لگا ہوا ہوں... ان کاغذوں میں غرق بیٹھا ہوں

.... ٹائپ کر کر کے انگلیاں تھک گئی ہیں.... کھانا بھی نہیں کھایا ابھی تک.... لیکن ایک پیراگراف ہی لکھ پایا ہوں .... اور تم مجھے نکما کہہ رہی ہو' جاؤ پڑے ہیں یہ سب پیپرز اور تمہارا لیپ ٹاپ' میں نہیں کر رہا کچھ بھی" وہ سخت بر امان کر بولا تھا۔ نینا کو اس کا انداز ناگوار لگا۔

"سلیم کے بچے.... تمہاری یہ مجال.... میرا کام کرنے سے انکار کرو.... ٹھہر جاؤ.... میں ابھی خالہ کو بتاتی ہوں.... وہی کان کھینچیں گی تمہارے" وہ اسے دھمکاتی ہوئی اپنی جگہ سے اٹھی تھی۔ سلیم نے منہ کا زاویہ بگاڑا۔

"ارے جاؤ.... جس کو مرضی بتاؤ.... میں بھی خالو کو بتا دوں گا کہ وہ چڑیل جو ہر روز ان کی سوزوکی پنکچر کر جاتی ہے۔ اس کا نام نینا ہے۔"

"اف.... اتنی بدتمیزی.... بس ختم ہو گئی تمہاری میری.... اب شکل نہیں دیکھوں گی تمہاری.... ویسے تو وہ پہلے ہی دیکھنے کے قابل نہیں ہے.... لیکن اب تم انتظار کرنا میرا.... کبھی بات نہیں کروں گی تم سے.... میں نے تو سوچا تھا کہ اس بندے کی جنرل نالج اچھی ہے چلو اس سے مدد لے لیتی ہوں لیکن تم تو سر ہی چڑھ گئے۔" وہ دروازے تک چلی گئی تھی اور مسلسل بڑبڑانے میں مصروف تھی۔ سلیم کچھ نہیں بولا لیکن وہ مسلسل کچھ ٹائپ کرنے میں مصروف تھا۔

"آخری پانچ منٹ ہیں تمہارے پاس.... سوچ کر بتا دو چلی جاؤں یا کھڑی رہوں" ایک دو منٹ کی خاموشی کے بعد نینا نے دروازے کے عقب سے سوال کیا تھا۔ سلیم کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"جاؤؤؤؤ.... کھانا جاؤ۔" وہ چلایا تھا۔

"ایک بار پھر سوچ لو.... میں پانچ تک گن رہی ہوں" وہ بھی اسی استقامت سے بولی تھی اور پھر ساتھ ہی گنتی گنتی شروع کی تھی۔

"آواز نہیں آرہی" سلیم نے اس کی گنتی شروع ہوتے ہی کہا تھا۔ اس کے باوجود نینا نے پانچ تک گنا اور اس کے جواب کا انتظار کرنے لگی تھی۔ چند منٹ خاموشی چھائی رہی.... سلیم منتظر تھا کہ وہ کچھ بولے گی لیکن اسے کوئی آواز سنائی نہیں دی تھی۔ وہ بھی کچھ نہیں بولا تھا۔ مزید چند منٹ ایسے ہی گزر گئے تھے.... سلیم کی توقع کے برعکس اب کوئی آواز نہیں آئی۔ اس نے دروازے کی جانب دیکھا لیکن اسے کوئی نظر بھی نہیں آیا تھا۔

"اوہو.... کیا واقعی چلی گئی ہو.... نینا او نینا.... مس کو نین، کاشف نثار صاحب میں نے کہا سنتی ہو۔" وہ اسے پکار رہا تھا لیکن باہر بالکل سناٹا تھا.... سلیم کو یکدم ہی احساس ہوا تھا کہ وہ واقعی چلی گئی تھی۔ اسے افسوس ہوا۔ اس نے کاغذ اور لیپ ٹاپ سائڈ پر رکھے تھے' پھر لحاف ٹانگوں سے ہٹایا تھا اور وہیل چیئر گھسیٹ کر دروازے تک آیا تھا۔ وہ دروازے کے پیچھے کھڑی مسکرا رہی تھی۔ اسے دیکھ کر کھلکھلا کر ہنسی۔

"اندر آجاؤ چڑیل.... میری آرام و سکون کی دشمن.... کر مر تو رہا ہوں تمہارا کام.... لکھ دی ہیں ساری سکینڈے نیوین ممالک کی معاشی صورت حال.... خود بھی کوئی اخبار پڑھ لیا کرو۔ کبھی.... ڈگری تم نے لینی ہے.... مشکل میں بے چارہ ایف اے پاس سلیم پڑ گیا ہے۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے مگر لاچاری سے بولا۔ اسے ناراض کرنے کا تصور نہیں کر سکتا تھا وہ۔ نینا مغرورسے انداز میں مہارانیوں کی طرح کمرے میں آگئی تھی۔

"میں جانتی تھی تم مجھے ناراض کر ہی نہیں سکتے" وہ جتا کر بولی تھی۔

"میں واقعی تمہیں ناراض نہیں کر سکتا" وہ ایسے بولا تھا جیسے اس بات پر خوش بھی نا ہو لیکن اسے تسلیم کیے بغیر چارہ بھی نا تھا۔

"اور میں کب ناراض کر سکتی تھی تمہیں سلیم...." نینا نے سوچا تھا۔ وہ اپنے بستر پر آڑی ترچھی لیٹی تھی.... یادوں کا ایک سیلاب تھا جو اعصاب کو جھنجھوڑے چلا جا رہا تھا۔

ایک کے بعد ایک منظر' اس کے ساتھ گزارا گیا وقت' اس کو دیے گئے طعنے' اس کے ساتھ لگائے گئے قہقہے' اس کے شکوے' اس کے گلے' اس کی ہمدردی' اس کی محبت... کیا کیا نہیں تھا جو ان دونوں کے درمیان مشترکہ تھا... وہ کبھی اسے بھائی نہیں کہتی تھی اور وہ اسے کبھی بہن نہیں کہتا تھا... کئی بار وہ اسے چڑانے کو آئی لو یو کہتا کیوں کہ وہ کہتی تھی اسے "محبت" سے چڑ ہے...

وہ دونوں ایک دوسرے سے بے تکلف تھے' لیکن وہ دونوں جانتے تھے کہ ان کے درمیان رشتہ کیا تھا اور اس رشتے کا احترام بھی کرتے تھے وہ... نینا یہ تو جانتی تھی کہ ابا اس کی سلیم سے بے تکلفی پر خائف رہتے تھے اور چونکہ اسے ابا کو چڑانے میں مزا آتا تھا تو وہ جان بوجھ کر بھی سلیم کی دکان پر بلاوجہ چلی جایا کرتی تھی لیکن یہ تو کبھی نہیں سوچا تھا اس نے کہ زری بھی ایسی کسی غلط فہمی کا شکار ہو جائے گی' جبکہ سلیم تو ہمیشہ اسے ہی پسند کرتا تھا۔ اس سے عمر میں چھوٹا ہونے کے باوجود وہ اس کے خواب دیکھتا تھا۔

"زری اچھا نہیں کیا تم نے... اس کی محبت کو تسلیم کرنا تو دور کی بات... تم نے اسے اپنی ہی نظروں میں گرا دیا۔" اپنے بستر پر چت لیٹے نینا نے جانے کتنویں بار خود کلامی تھی۔ گھر میں کوئی نہیں تھا۔ سب لوگ خالہ کے گھر تھے۔

"کلمہ شہادت۔" اس کی سماعتوں نے سنا جنازہ لے جانے کا وقت ہو گیا تھا۔ اس نے سرہانہ سر کے نیچے سے نکالا اور اسے اپنے منہ پر رکھ لیا تھا۔

"اچھا تو تم نے بھی نہیں کیا سلیم... ایسے نہیں ہار مان لیتے... ایسے نہیں ہار مانتے... میں بھی تو گزار ہی رہی ہوں یہ زندگی... تمہاری بھی گزر جاتی... لیکن یہ سب...؟" اس نے ایک بار پھر خود کلامی کی تھی۔ دماغ تھا کہ ماؤف ہو چلا تھا۔ اسے خود پتا نہیں چلا تھا کہ آنسو اس کی گالوں پر رقص کرنے لگے تھے۔

☆ ☆ ☆

"کہاں جا رہی ہو بیٹی...؟" صوفیہ نے اپنی اس بیٹی سے پوچھا تھا جو ہمیشہ ان سے ناراض ہی رہتی تھی۔ سلیم کو دفنائے ہوئے پورے بارہ گھنٹے بھی گزر چکے تھے اور گھر کے تینوں افراد میں سے کسی کی ہمت نہیں ہوئی تھی کہ وہ نینا کو تسلی کا ایک حرف بھی کہہ پاتے۔ امی نے ایک دفعہ بھی سلیم کی میت کے پاس بیٹھے نہیں دیکھا تھا اور نہ ہی انہوں نے اسے تسلی دی تھی۔ وہ "فورا" ہی وہاں سے اپنے گھر آگئی تھی اور امی نے اسے ایک بھی آنسو بہاتے نا دیکھا تھا۔ جنازے سے پہلے بھی انہوں نے زری کو بھیجا تھا کہ وہ اسے بلا لائے لیکن وہ نہیں آئی تھی۔ انہیں بہت فکر تھی اس کی...

وہ جب آپا کے گھر سے سب خاندان والوں کو رخصت کرنے کے بعد آئی تھیں تو سوچا تھا کہ کچھ دیر اس کے پاس بیٹھیں گی۔ اس کا غم بانٹنے کی کوشش کریں گی لیکن وہ اپنے بستر میں ہمیشہ کی طرح سر نیہوڑائے پڑی تھی۔ وہ اسے کچھ کہہ ہی نا پائی تھیں اور اب وہ تیار ہو کر باہر نکل رہی تھی۔ اس کا حلیہ دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا کہ معمول کے مطابق یونیورسٹی کے لیے نکل رہی ہے۔ انہوں نے اسے مخاطب کیا تھا۔ اس نے مڑ کر انہیں دیکھا۔ امی کو اس کی آنکھوں سے خوف آیا۔

اس کی آنکھوں میں شکوہ تھا نا دکھ... جیسے کچھ ہوا ہی نا ہو... اتنی بے تاثر آنکھیں جیسے کسی زندہ انسان کی نا ہوں... وہ اس قدر نارمل نظر آنے کی اداکاری کیوں کر رہی تھی۔ وہ ایک بار ان کے گلے لگ کر رو لیتی تو کتنا اچھا ہوتا۔

"یونیورسٹی... روز ہی جاتی ہوں آپ کو یقین نہیں ہے تو بے شک ساتھ چل کر دیکھ لیں۔" وہی بے دھڑک

انداز جو سامنے والے کو جلا کر رکھ دے' وہی طنز وہی تلخی.... مگر کچھ تھا جو انہیں چونکا رہا تھا۔ صوفیہ اس کی ماں نا ہوتی تو شاید اس بات کو نظرانداز کر دیتیں اور یقین کر لیتیں کہ اسے دکھ کی وہ آنچ محسوس نہیں ہوئی جو باقی سب کو جھلسائے دے رہی تھی۔ لیکن آج انہیں نظر آ رہا تھا وہ نارمل نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ نارمل نہیں تھی۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ اس کو دکھ نا ہوتا.... وہ کیوں اپنا دکھ ظاہر نہیں کر رہی تھی۔ صوفیہ کو اس کے انداز نے ڈرایا تھا۔

وہ کیوں جی بھر کر ان سے جھگڑا نہیں کر لیتی.... وہ کیوں اپنے ابا کے خلاف دو چار جملے نہیں کہہ دیتی وہ کیوں زری کو الزام نہیں دیتی کہ جو کچھ ہوا اس کی وجہ سے ہوا.... وہ چیخ چلا لیتی تو انہیں بھی سکون مل جاتا.... وہ تو انہیں مزید بے سکون کر رہی تھی حادثہ جب توقع کے مطابق نہیں ہوتا تو زیادہ نقصان کا باعث بن جاتا ہے۔

''آج مت جاؤ.... آج تو دعا میں شامل ہو جاؤ کل بھی نہیں تھیں تم۔'' انہوں نے بڑے دلار اور درخواست بھرے انداز میں کہا تھا۔

''آپ کل کی بات کرتی ہیں غلط فہمی ہوئی ہے آپ کو.... مجھے تو لگتا ہے میں کبھی تھی ہی نہیں.... کبھی نہیں تھی.... کبھی محسوس ہوا ہے میرا وجود آپ کو.... نہیں ہوا ہو گا۔'' اس نے استہزائیہ انداز میں کہا تھا۔ امی نے سر جھکایا۔ وہ غلط کب کہہ رہی تھی۔ اسے نظرانداز تو کرتی رہی تھیں وہ.... لیکن وہ اولاد تو تھی.... اور اگر وہ بھی وہی کر بیٹھتی جو سلیم نے کیا تھا تو.... وہ اسے کھونا نہیں چاہتی تھیں۔

''آپ پریشان مت ہوں.... میں خودکشی نہیں کروں گی.... آپ اور ابا جو مرضی کرتے رہیں لیکن میں کوئی ایسا کام نہیں کروں گی جس کی وجہ سے آپ کو لوگوں کے الٹے سیدھے سوالوں کے جواب دینے پڑیں کیوں' کیسے' کس لیے جیسی چیزوں کے لیے میری وجہ سے کبھی پریشان نا ہوں گی آپ امی ڈارلنگ۔'' وہ جوتوں کے تسمے باندھتے ہوئے سفاک انداز میں بولی تھی۔ امی ابھی بھی کچھ نہیں بولیں.... ان کے اعصاب بہت ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھے۔ ان کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔

''آج مت جاؤ.... مجھے ٹھیک نہیں لگتیں تم.... مت جاؤ آج'' انہوں نے اس کی جانب دیکھے بنا کہا تھا۔

''یہی تو دکھ ہے امی.... آپ کو کبھی ٹھیک لگی ہی نہیں میں.... اب تو بچا نا نہیں کچھ.... وہ جسے ٹھیک لگتی تھی وہ بھی چلا گیا.... چلو جو اللہ کو منظور.... اللہ کے ہی کام ہیں.... خیر کبھی تو ملاقات ہو گی نا اللہ سے.... کبھی تو پتا چلے گا کہ آخر کیا گناہ سرزد ہو گئے تھے ہم سے.... اچھا میں نکلتی ہوں پھر.... دعا میں شامل ہوتی تو تب اچھی لگتی جب میری دعا قبول ہوئی ہوتی.... ہمارے پاس وہ ٹکٹ ہی نہیں جس سے سندیسے اللہ تک پہنچتے ہیں.... ہم کیا کریں کسی کے لیے دعا بھائی.... ہمیں آپ دنیا کے دھندے نبٹانے دیں.... اس سلیم کی وجہ سے کل کا دن بھی ضائع ہو گیا'' وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی ایسے جیسے کسی غیر کے متعلق بات کر رہی ہو۔ امی کا دل اس کی بے سروپا باتوں پر مزید بھر آیا تھا۔

''نینا.... یوں مت کر نینا.... میری بچی.... اپنے دکھ کو دل میں مت رکھ تھوڑا سا رو لے'' امی خود کو سنبھال نا سکی تھیں انہیں رونا آ گیا تھا۔ نینا نے ان کو بغور دیکھا پھر وہ ہنسی تھی اور پھر اس کی ہنسی قہقہے میں بدل گئی تھی۔

''امی.... تھوڑا سا رو لوں....؟'' وہ سوال کر رہی تھیں پھر مزید استہزائیہ انداز اپنا کر بولی۔

''کہیں آپ یہ تو نہیں سوچ رہیں کہ نا رونے کے باعث میرا دماغ چل گیا ہے.... او ہو امی جان فلمیں کم دیکھا کریں.... یہ سب حقیقی زندگی میں نہیں ہوتا.... آپ کا خیال ہے میں رو نہیں رہی تو میرا برین ورین ہیمبرج ٹائپ کچھ ہو جائے گا.... میرے ناک کان سے خون نکلے گا اور میں پھڑک کر مر جاؤں گی۔'' وہ بغور ان کی جانب دیکھ کر بول رہی تھی۔

"کچھ نہیں ہوتا بھائی... بکواس باتیں ہیں ساری... فلموں ناولوں والی... مجھے تو ایک عرصہ ہو گیا اپنا غم اپنے دل میں دبا کر رکھتے ہوئے۔ مجال ہے کبھی اس بات پر چھینک بھی آئی ہو... بس اپنے نصیب ہی ٹھنڈے ہیں... ورنہ تو سنا ہے لوگ ناخن ٹوٹ جانے پر بھی غش کھا کر گرتے ہیں تو اگلا سین ہسپتال کے بیڈ پر ہوتا ہے۔ جہاں سب لوگ سرخ پھولوں کے بکے لیے موجود ہوتے ہیں... اف... چل بھئی نینا نکل... بہت کام ہیں۔" وہ واقعی ایسے بات کر رہی تھی جیسے خود سے کر رہی ہو۔ امی چاہتے ہوئے بھی کچھ کہہ ہی نہیں پائی تھیں۔ وہ تو ہوش و خرد سے بیگانہ لگ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

اس نے پہلا قدم اندر رکھا تھا۔ صحن میں سناٹا تھا۔ وہ کل سارا دن یہاں نہیں آئی تھی اور اب اپنی سیڑھیاں اترتے ہی جانے کیسے اس کے قدم اسی جانب گئے تھے۔ وہ سرپھری تھی غصیلی تھی اور جلد باز بھی... سلیم کی خودکشی نے اسے توڑ کر رکھ دیا تھا اور جانے اس کا خمیر کسی مٹی سے بنایا گیا تھا... جتنا ٹوٹتی تھی اتنا سخت ہوتی جاتی تھی... رونے کی بات پر روتی نہیں تھی اور جب سب ہنستے تھے تو دل چاہتا تھا کہ رونے لگے... کبھی کبھی اسے لگتا تھا وہ پاگل ہو چکی ہے... ایک سلیم ہی تو تھا جو اس کے پاگل پن کو سمجھتا تھا اور اب وہ بھی نہیں رہا تھا۔

"نینا... میری بچی اب آئی ہو... اب تو ختم ہو گیا سب" خالہ کی نظر کھڑکی سے پڑی تھی اس پر... انہوں نے اپنے کمرے سے ہی آواز دی اسے... وہ تھکے تھکے قدموں سے ان کے کمرے کی جانب بڑھی۔ وہی حوصلہ وہی ہٹیلا پن جو وہ اپنے گھر اپنی ماں کے سامنے دکھا کر آئی تھی یہاں چٹختا محسوس ہوتا تھا۔ خالہ حال سے بے حال اپنے بستر پر بیٹھی تھیں۔ نینا نے انہیں کبھی ایسے نہیں دیکھا تھا۔ انہیں میلے کپڑوں سے 'الجھے بالوں سے چڑ تھی اور اب وہ کیسے بے دم نظر آتی تھیں۔ دو اولادوں کو گزشتہ چھ مہینوں میں سپرد خاک کرنا آسان نہیں ہوتا۔ نینا چپ چاپ ان کے پاس بستر پر آبیٹھی۔ انہوں نے اسے گلے سے لگا لیا تھا۔

"یہ میرا سلیم... یہ میری سلیمہ۔" وہ اکثر نینا کو بانہوں میں بھر کر کہا کرتی تھیں۔

"دیکھ کیا حرکت کی اس نے ہمارے ساتھ... ایسے بھی کرتا ہے کوئی...؟" خالہ تاسف سے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی تھیں۔ نینا نے آنکھیں چرا لیں۔ وہ خود کو ان کا قصوروار سمجھتی تھی۔

"ایسا کیوں کیا نینا اس نے... کیا غم تھا اسے... مجھے تو بتاتا... لیکن یہ سب... ایسی حرام موت... کیوں کیا نینا اس نے ایسا... مجھے رات بھی کچھ الجھا ہوا لگا تھا لیکن مجھے ہی سمجھ نا آئی... میں نے کھانے کی ٹرے رکھی تو کہنے لگا بھوک نہیں ہے... میں سمجھی دال پکی ہے اس لیے نہیں کھا رہا... پوچھا میں نے کہ کچھ منگوانا ہے تو علیم سے منگوا دوں... بولا نہیں بھوک نہیں ہے... جانے کس چیز کی پریشانی تھی کہ بھوک اڑی ہوئی تھی... ست سا تھا... مگر یہ سب... اس طرح!"

وہ گلوگیر لہجے میں کہہ رہی تھیں۔ ان کا الگ ہی ملال تھا جبکہ نینا کے پاس الفاظ ہی نہیں تھے۔ وہ کیا کہتی 'کیا دلاسا دیتی... چند لمحے پہلے تو اپنی امی کے سامنے تقریر کر آئی تھی۔ اب تو اسے خود حوصلے کی ضرورت تھی۔

"نینا... تیرے ساتھ تو ہر بات کر لیتا تھا... تجھے تو ہو گی کچھ خبر... کیا مسئلہ تھا اس کا کبھی تو کہا ہو گا اس نے کچھ مجھے تو بتا نینا... کس غم نے جان لے لی میرے بچے کی...!"

وہ منت بھرے انداز میں اس سے سوال کر رہی تھیں جو جواب دیتی تو بھی مسئلہ تھا۔ چپ رہتی تو بھی مسئلہ تھا کیونکہ اصل حقیقت تو وہی جانتی تھی کہ سلیم کو حقیقی غم تو اس بات کا تھا کہ زری کسی اور کو پسند کرتی تھی اور ابا بھی اس کی شادی وہاں کرنے کے لیے راضی ہو گئے تھے۔ رات والے واقعے نے اس کے دکھ اور رنج کو اس قدر دو

آتشہ کر دیا تھا کہ وہ اپنے اعصاب سے لڑ ہی نہیں پایا۔۔۔ وہ حساس تھا، زودرنج تھا لیکن یہ سب کر جائے گا۔۔۔ یہ تو نینا کے گمان میں بھی نا تھا۔

"روتلو" نینا اکثر اسے کہا کرتی بالخصوص جب بھی زری کا ذکر آتا وہ اتنا الجھ جاتا کہ نینا بھی اس کے ساتھ دکھی ہو جاتی تھی۔ زری ہمیشہ سے ابا کی طرح خالہ اور ان کی فیملی سے چڑتی تھی۔ نینا کی طرح اسے ان میں گھلنے ملنے کی عادت نہیں تھی جس پر وہ اکثر نینا سے شکوہ کرتا تھا۔

"زری بڑی ہے تم سے۔۔۔ اس لیے زیادہ بات نہیں کرتی تم سے" وہ یہی کہہ پاتی تھی اس کے سامنے جبکہ وہ اس رائے کو رد کر دیتا۔

"نہیں۔۔۔ جیسے خالو مجھے پسند نہیں کرتے ایسے ہی زری بھی پسند نہیں کرتی مجھے" وہ منہ لٹکا کر کہا کرتا تھا۔

"ہاں تو تم میں ایسی کیا خاص بات ہے کہ زری جیسی لڑکی تمہیں پسند کرے۔۔۔ اونہہ" وہ طنزیہ ہنکارا بھر کر جواب دیتی اور بات مذاق میں ختم ہو جاتی۔

"نینا کبھی بتایا تھا اس نے کچھ۔۔۔ کوئی بات کوئی مسئلہ۔" خالہ نے اسے پھر مخاطب کرتے ہوئے سوال کیا تھا۔

نینا اب بھی چپ رہی تھی لیکن اب کی بار اس سے صبر نہیں ہوا تھا۔ اس کی آنکھ سے ایک آنسو ٹپکا۔۔۔ جسے روکنے کی کوشش میں دوسرا بھی ٹپک پڑا تھا اور پھر آنسوؤں کا ایک سلسلہ تھا جو اس کے گالوں کو بھگونے لگا تھا۔

"اچھا نہیں کیا خالہ اس نے۔۔۔ کبھی معاف نہیں کروں گی اسے۔۔۔ کبھی نہیں۔۔۔" وہ سسک رہی تھی۔ خالہ نے اسے مزید سختی سے اپنی بازوؤں کے حلقے میں بھینچا۔

"ایسے مت کہہ نینا۔ ایسے مت کہہ۔۔۔ اسے تو رب سے بھی معافی نہیں ملنی۔۔۔ ایسی حرام موت کو جانے کیوں گلے لگا لیا" خالہ بھی اس کے ساتھ سسکنے لگی تھیں۔۔۔ عمر بھر کا ملال تھا جو انہیں ان کی اولاد کے ہاتھوں ملا تھا۔ نینا کو ان کے پرملال لہجے پر مزید رونا آیا۔

وہ اب مسلسل رو رہی تھی۔ اس نے دل پر باندھا جبر کا وہ فیتا کاٹ ڈالا۔۔۔ کتنی دیر بند باندھے جا سکتے ہیں آنسوؤں پر۔۔۔ کب سے تو وہ لڑ رہی تھی خود سے۔۔۔ کب سے تو بہادری تیور دکھا رہی تھی سب کو۔۔۔ اب ان کے سامنے کیسے جبر کرتی جن کے ساتھ دل کے تار جڑے تھے۔ المیہ یہ تھا کہ ان کے ساتھ اسے کوئی الفت محسوس نہیں ہوتی تھی جو واقعی اس کے "اپنے" تھے۔

☼ ☼ ☼

اسے ٹھیک چوبیس گھنٹے بعد ہوش آیا تھا لیکن دوائیوں کے اثر کی وجہ سے وہ دوبارہ غنودگی میں چلی گئی تھی۔ مزید کئی گھنٹے یہی سلسلہ چلتا رہا پھر وہ کچھ بات کرنے کے قابل ہوئی تھی۔ سرجری چند گھنٹوں کی تھی لیکن اس نے بالکل بدل کر رکھ دیا تھا۔ اس کے چہرے پر سوجن نمایاں تھی اور رنگت بالکل زرد ہو گئی تھی۔ انفوژن مسلسل جاری تھی شاید اسی وجہ سے دو دن میں ہی اس کا جسم بھی پھول سا گیا تھا لیکن بہرحال سرجری نا صرف توانائی کا بلکہ اعصاب کا امتحان بھی تھا۔ شہرین ہوش میں آکر بھی ہوش میں نہیں تھی۔ سمیع سمیت کوئی بھی اسے زیادہ مخاطب نہیں کر رہا تھا۔ وہ خود بھی اس قابل نہیں تھی کہ زیادہ بات کر سکتی۔ اس کے باوجود سب مطمئن اور خوش تھے۔ ایک بہت بڑا مرحلہ سر ہو گیا تھا۔ سب کی جان میں جان آگئی تھی۔ سب ہی کیمو سمیت دوسرے مراحل کے لیے پہلے سے زیادہ پرامید ہو گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

"بہت دن ہوئے تمہاری بیوی نے کوئی واویلا نہیں مچایا" حبیبہ نے شیشے کا پائپ پکڑتے ہوئے ایک بڑا سا کش

لیا تھا اور دھواں کاشف کی جانب چھوڑتے ہوئے استہزائیہ انداز میں کہا تھا۔ سیب کے فلیور کی مہک ذرا کاشف کے ارد گرد رقصاں ہوئی۔ اس کے اپنے ہاتھ میں ووڈکا کا چھوٹا سا گلاس تھا جو چند لمحے پہلے ہی کاؤنٹر سے لیا گیا تھا۔

"میری بیوی واویلا مچانے والی عورت نہیں ہے.... بہت سمجھ دار اور ذہین ہے وہ" کاشف نے ایک ہی گھونٹ میں سارا محلول اپنے حلق میں انڈیلا۔ اس کا حلق اتنا کڑوا نہیں ہوا ہوگا جتنا حبیبہ کا ہو گیا۔

"اچھا تو پھر بات کیوں نہیں مان لیتے اس کی.... بے چاری روئے چلے جا رہی ہے کب سے کہ سیاں جی یا تو میرے پاس آجاؤ یا مجھے اپنے پاس بلوالو" وہ طنزیہ انداز میں بولی تھی۔ کاشف نے سر جھٹکا۔

"ارے کیسے مان لوں اس کی بات.... میری جان کو ایک عذاب تھوڑی لاحق ہے.... ایک تم بھی تو ہو میری جان کا عذاب.... جو مجھے اس کا نہیں ہونے دیتیں.... دوسری وہ خود ہے، جو مجھے مکمل تمہارا نہیں ہونے دیتی.... بے چارہ کاشف کرے تو کیا کرے" حبیبہ نے ایک اور پف لیا پھر کھنکار کر بولی۔

"تم کسی ایک کا مکمل ہو کر دیکھو تو سہی...." اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ کاشف نے اس کی بات کاٹی۔

"نا.... مکمل تو میں کسی کا بھی نہیں ہو سکتا.... اچھی چیز مکمل کسی کو مل جائے تو اپنی قدر کھو دیتی ہے۔ میرا حوصلہ بھی تو دیکھو میں نے آدھا آدھا خود کو تم دونوں میں بانٹ رکھا ہے" وہ ناک سے مکھی اڑانے والے انداز میں بولا تھا۔

"یہ بات کبھی اس کو بھی تو کہو.... میں تو کب سے سن رہی ہوں کہ تم "آدھے" میرے ہو.... کبھی اس کو بھی تو کہو کہ اس کے بھی "آدھے" ہی ہو.... وہ تو سمجھتی ہے پورے اسی کے ہو۔"

حبیبہ کی عادت نہیں تھی اس موضوع پر اتنی تفصیل سے بات کرنا لیکن جب سے اسے پتا چلا تھا صوفیہ پھر دبئی آرہی ہے اسے جلن ہونے لگی تھی۔ اس کی موجودگی میں کاشف اسے بہت اگنور کرتا تھا اور اس کی توجہ بھی بٹ جاتی تھی۔ ایک سال سے وہ کاشف کے ساتھ ریلیشن شپ میں تھی اور بنا شادی کے وہ دونوں ایک ہی گھر میں رہ رہے تھے۔ حبیبہ اس بات پر بھی معترض نہیں تھی لیکن صوفیہ کی دبئی آمد اسے چڑانے لگتی تھی۔ وہ دل سے چاہتی تھی کہ صوفیہ وہیں رہے۔

"وہ بہت محبت کرتی ہے مجھ سے.... یہ سن کر مر جائے گی.... میرے بچوں کا کیا ہوگا پھر انہیں کون پالے گا" کاشف نے ہمیشہ کی طرح بات مذاق میں اڑا دی تھی۔

"اتنی جلدی نہیں مرے گی وہ.... ایسے اچھے نصیب کہاں میرے" حبیبہ جل کر بولی تھی، کاشف کو اس کے انداز پر ہنسی آئی۔

"اتنا ہینڈسم جیون ساتھی ہے تمہارا.... تمہارے ساتھ بیٹھا زندگی کے مزے اڑا رہا ہے اور تم اپنے نصیبوں پر شک کر رہی ہو۔" وہ نیم سنجیدگی سے بولا تھا۔

"یہ جملہ گرامر کی اصطلاح سے بھی چیک کر لیا جائے تو غلط ہی نکلے گا.... تم میرے ساتھ تو ہو.... میرے ساتھ بھی ہو لیکن جیون ساتھی نہیں ہو.... گرامر کی زبان میں جیون ساتھی "شوہر" کو کہتے ہیں۔ شوہر کا مطلب تم ڈکشنری میں چیک کر لینا" وہ سابقہ انداز میں بولی تھی۔

"اوہ میری جان.... تم کب سے ان باتوں میں الجھنے لگیں.... زندگی یہی ہے، جو ہے.... یہ شوہر بیوی بچے گھر داری .... تمہیں بجتی نہیں ہیں یہ باتیں.... کیوں بور کرتی ہو" یہ وہ جملہ تھا جو کاشف ہمیشہ اس سے کہتا تھا اور حبیبہ کو اب پروا بھی نہیں رہی تھی۔ وہ حالات کے بہاؤ سے خوش تھی۔

"میں خود بھی الجھنا نہیں چاہتی.... اسی لیے کہہ رہی ہوں کہ اسے وہیں رہنے دو.... اسے سمجھاؤ کہ خواہ مخواہ بد دعائیں نا لے میری" وہ اکتا کر بولی تھی۔ وہ بحث سے بہت اکتانے لگی تھی۔ اس نے یہ بھانپ لیا تھا کہ بحث سے

کاشف بے زار ہو جاتا تھا اور وہ اسے خود سے بے زار ہوتا نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اس کا ماننا تھا کہ محبت ایسی باتوں سے مرجھانے لگتی تھی اور پھر وہ بحث کرتی بھی تو کس بنیاد پر کیونکہ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ بے بنیاد تعلقات میں اعتبار محبت تو لاکھوں کا ہو سکتا ہے لیکن اختیار ایک رتی کا نہیں ہوتا۔

"تم ایسی باتوں کو ذہن پر سوار مت کیا کرو یار... جب تم عام عورتوں کی طرح ری ایکٹ کرتی ہو نا تو ذرا بھی اچھی نہیں لگتی۔ تم تو ایک بہادر عورت ہو جس نے مجھ جیسے آدمی کو اس طرح اپنے جال میں پھنسا رکھا ہے کہ مجھے کچھ اور سجھائی ہی نہیں دیتا... یہ جلن و حسد جچتا نہیں تم پر۔" وہ اب اس کے چہرے کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"عورت اور بہادری دو متضاد چیزیں ہیں کاشف... عمارت کتنی ہی بلند و بالا کیوں نا' اس کی بنیاد میں مٹی ہوتی ہے... جلن مجھے ہی نہیں ہوتی... اسے مجھ سے کہیں زیادہ ہوتی ہے اور میں تو برداشت کر ہی لوں گی... مجھے مل بانٹ کر کھانے کی عادت ہے... اصل مسئلہ تو تمہاری زوجہ کو ہو گا جو یہاں آجائے تو ہر وقت تمہارے اعصابوں پر سوار رہ کر میری زندگی مشکل کرے گی۔" حبیبہ کے انداز میں لاچاری بھی جھلکنے لگی تھی۔ محبوب کو محبت کے واسطے کب تک دیے جا سکتے ہیں۔

"ارے آجانے دو اسے یار... وہ وہاں رہ کر میرے اعصاب پر زیادہ سوار رہتی ہے... تین مہینے کی بات ہے... تمہیں پتا ہی ہے اس کا پرمیننٹ ویزا نہیں ہے... تین مہینے کے بعد میں خود جا کر وہاں کوئی گھر وغیرہ سیٹ کروں گا... زرمین کا ایڈمیشن کروا دوں گا اسکول میں... ظاہر ہے پھر صوفیہ بچی کے اسکول کی وجہ سے بار بار آنے کی ضد نہیں کیا کرے گی۔"

"اور دوسری بیٹی... اس کا کیا سوچا ہے؟" حبیبہ نے طنزیہ انداز میں کہا تھا۔

"اس کا اس کی ماں ہی سوچے گی... صوفیہ ویسے بھی اسے ساتھ نہیں لا رہی..." کاشف نے ناک چڑھائی تھی۔

"کیوں... تمہاری بیوی ایک بچی پال کر ہی تھک گئی... اور تم نے اجازت کیسے دی... تم تو کہتے تھے تمہارے سسرال والے بہت پس ماندہ حال ہیں... صوفیہ تو ان کی اولاد تھی... اسے رکھنا تو سمجھ میں آتا ہے... تمہاری اولاد کیوں رہے ان کے پاس... پہلے تمہاری بیوی کو پالا اور اب تمہاری اولاد کو بھی وہی پالیں گے... غیرت مند مرد سسرال والوں کو اتنا لاچار نہیں کیا کرتے۔"

حبیبہ کے لہجے میں طنز اور چہرے پر استہزائیہ مسکراہٹ بڑھی تھی... کاشف کو برا لگا۔ کبھی کبھی حبیبہ طنز کرنے اور طعنے دینے میں حد سے کراس کر جایا کرتی تھی اور حبیبہ کو کہہ دینے کے بعد احساس ہوا کہ محبوب کو ایسے طعنے کون دیتا ہے۔

"میں تو اس لیے کہہ رہی تھی کہ اتنی چھوٹی بچی ماں کا دودھ پیتی ہے... اسے ماں کی ضرورت ہوتی ہے اور صوفیہ صاحبہ کو شوہر کی یاد اس قدر ستا رہی ہے کہ وہ دودھ پیتی بچی کو اپنے میکے چھوڑ کر آنے کو تیار ہیں۔" اس نے جلدی سے بات سنبھالی۔

"پہلی بات یہ کہ کونین اپنی نانی کے گھر نہیں خالہ کے گھر رہے گی... اور دوسری بات وہ ماں کا دودھ نہیں پیتی... ڈبے کے دودھ پر پل رہی ہے... جس کے لیے پیسے میں ہی بھجواتا ہوں۔" کاشف نے تنگ کر کہا۔

"ماں کا دودھ کیوں نہیں پیتی کونین... تمہیں صوفیہ کو سمجھانا چاہیے تھا... اب تو میڈیکل سائنس..." وہ جانے کون سا نیا قصہ شروع کرنے والی تھی کہ کاشف نے انتہائی بری شکل بنا کر اس کے آگے ہاتھ جوڑے۔

"دیکھو حبیبہ... ختم کرو اب... کونین کی ماں کی مرضی... مجھے نہیں پتا... اور بند کرو اس ٹاپک کو... تم بھی سکون سے رہو، مجھے بھی رہنے دو... اور اسے بھی آلینے دو... اس کے سر پر فی الحال ضد سوار ہے... اترنے دو

اس کا یہ بخار..... میں سب ٹھیک کرلوں گا۔"
وہ اس کے سوالوں سے عاجز آکر بولا تھا۔ حبیبہ خاموش رہی تھی۔ اسے کون سا صوفیہ کو نین یا زرمین سے کوئی ہمدردی تھی..... وہ تو بس جلاپے میں ذکر کر بیٹھتی تھی اور پھر خود ہی تھک جاتی تھی۔ اس کا دل جل جل کر خاک ہو رہا تھا لیکن یہ کون سا پہلی بار ہوا تھا..... اس نے سر جھٹکا تھا۔ "زندگی یوں گزرنی لکھی ہے تو یوں ہی سہی" ایک اور کش لیتے ہوئے اس نے سوچا تھا۔

☆ ☆ ☆

"نینا..... کیا سوچ رہی ہو؟" زری نے اس کے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ وہ کاغذات لیپ ٹاپ پھیلائے جانے کس سوچ میں گم تھی جب زری نے اسے مخاطب کیا۔ نینا نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ سلیم کو گئے کتنے دن ہو چلے تھے اور یہ پہلی مرتبہ تھا کہ زری نے اسے اس طرح مخاطب کیا تھا۔ وہ کتنی زرد اور کمزور لگتی تھی۔ آنکھوں کے گرد حلقے بھی نمایاں تھے۔ نینا کے برعکس وہ ایسی ہی تھی جب کسی ذاتی مسئلے میں الجھ جاتی تھی یا کسی بات پر واقعی پریشان ہوتی تھی تو پھر اس کے چہرے پر اس پریشانی کے اثرات بہت جلدی نمایاں ہونے لگتے تھے۔
"کچھ نہیں..... یہ تھیسز ہے..... اس کو ہی دیکھ رہی ہوں..... کل اپنے پروفیسر کو دکھاؤں گی..... پھر سپروائزر سے ڈسکس کرنا ہے..... اس کے بعد فائنلی سبمٹ ہوگا..... وائیوا وغیرہ کی ڈیٹ فائنل ہوگی..... کافی کام جمع ہو گئے ہیں..... ان ہی کے متعلق سوچ رہی ہوں۔" اس نے تفصیلی جواب دیا تھا۔
"چائے پیو گی؟" زری نے پوچھا تھا۔ کتنے دن ہوئے تھے وہ اسے کسی کام کے لیے بھی نہیں کہتی تھی۔ نینا نے انکار میں سر ہلایا۔
"نہیں..... بس اب تو میں سوؤں گی..... یہ سمیٹ ہی رہی تھی۔" نینا نے کاغذات اکٹھے کرنے شروع کر دیے تھے۔ چند لمحے ایسے ہی خاموشی کی نظر ہو گئے۔
"تم مجھ سے ناراض ہو نینا.....؟ زری نے ہی پوچھا تھا۔ نینا نے کاغذات سے توجہ ہٹا کر اسے دیکھا پھر ساری ہمت مجتمع کی۔ اداکاری کرنے کے لیے ہمت تو درکار تھی۔
"نہیں زری..... ناراضی کس بات کی....." وہ لاتعلقی بھرے انداز میں بولی تھی جیسے کچھ ہوا ہی نا ہوا حالانکہ دونوں گھروں کو ہی نہیں سارے محلے کو بھی یقین تھا کہ سلیم کے جانے سے نینا کی زندگی میں ایک بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا تھا۔ وہ کھڑکی نما دکان جہاں سے سارا محلہ فیض یاب ہو رہا تھا' اب بند ہو گئی تھی تو ساری گلی جیسے بجھ سی گئی تھی۔
"نینا..... ایسے مت کرو..... میں پہلی ہی بہت شرمندہ ہوں..... مجھے نہیں پتا تھا سلیم یہ سب کرلے گا۔" اسے خاموش دیکھ کر زری نے پھر کہا تھا۔ اس کا لہجہ گلوگیر لگتا تھا۔ نینا نے ایک نظر اسے دیکھا پھر دیکھتی رہی اور پھر دوبارہ سے کاغذات سمیٹتے ہوئے بولی۔
"نہیں زری..... تم زیادہ مت سوچو..... ہر شخص اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے..... سلیم کی حماقتوں کے لیے تم کیوں شرمندہ ہوتی ہو..... چھوڑو..... بھول جاؤ جو بھی ہوا۔" اس کے لہجے میں ذرا بھی طنز نہیں تھا لیکن زری بھی اس کی بہن تھی۔ اس کے مزاج سے واقف تھی۔ اس نے یک دم اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔
"نینا..... سچی مجھے نہیں پتا تھا کہ وہ تمہارا رضاعی بھائی ہے..... مجھے بہت غصہ آگیا تھا اس رات..... میں نے ابا کے سامنے پتا نہیں کیا کیا کہہ ڈالا..... میں ناراض تھی تم سے..... اس لیے..... سلیم کو دیکھ کر مجھے برا لگا..... مجھے سخت غصہ آگیا تھا جب تم دونوں مل کر اظفر کو برا بھلا کہنے لگے..... پتا نہیں مجھے کیا ہو گیا تھا۔" وہ بات کرتے کرتے رو

پڑی۔ نینا کو اس کے رونے پر دکھ بھی ہوا۔

"اچھا چلو جو ہوا سو ہوا... کہا نا بھول جاؤ... وقت تو پلٹ کر آنہیں سکتا... یہی ہو سکتا ہے کہ ہم سب کچھ بھول جائیں... تم مت سوچو زیادہ۔" نینا نے سپاٹ لہجے کے ساتھ اسے تسلی دی لیکن زری نے اس کا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا۔

"مجھ سے بھولا ہی تو نہیں جا رہا... میں سوتی ہوں تو نیند بھی نہیں آتی، مجھے وہی رات یاد آنے لگتی ہے جب سلیم یہاں آیا تھا... مجھے اندازہ ہی نہیں تھا کہ وہ تمہیں بہن سمجھتا ہے... میں نے اتنا کچھ کہہ ڈالا... میرا کیا قصور ہے نینا... کبھی امی نے بتایا ہی نہیں... ان کو بتانا تو چاہیے تھا نا... پھر تم نے بھی..." اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ نینا نے اس کی بات کاٹ دی۔

"میں نے کیا... میں نے بھی کیا زری... میں نے تو کبھی یہ نہیں کہا کہ میں سلیم کو پسند کرتی ہوں... یا اس سے..." نینا نے بھی جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی۔

"تم کہتی تھی نینا... کئی بار کہتی تھی کہ سلیم کی بہت اہمیت ہے تمہاری زندگی میں۔ تم اس کو ویلیو کرتی تھی ہمیشہ..." زری نے وضاحت دی تھی۔ نینا نے تیوریاں چڑھائیں۔

"ہاں تو ویلیو تو تمہیں بھی کرتی ہوں... تم بھی اہم ہو میرے لیے۔ اسے ویلیو کرنے کا مطلب یہ تو نہیں تھا کہ میں اسے شادی کرنا چاہتی ہوں... تمہارا ذہن جانے کون سے زاویے پر گھومتا رہتا تھا... اور تم مجھے اس کی گرل فرینڈ سمجھی تھیں...؟" اس نے سوچا تھا وہ اس موضوع پر کبھی دوبارہ زری سے بات نہیں کرے گی لیکن اس نے خود ہی یہ موضوع چھیڑ دیا تھا تو وہ شکوہ کیے بنا رہ بھی نا پائی تھی۔

"میں نے سنا تھا... نینا... وہ تمہیں آئی لو یو کہتا تھا... میں نے خود سنا تھا وہ کہتا تھا..." اسے یقین دلانے کو زری نے دوبارہ جملہ دہرایا تھا۔ نینا ذرا بھی متاثر نا ہوئی۔

"ہاں تو... وہ جانتا تھا میں چڑتی ہوں لفظ محبت سے... وہ محبت بھری شاعری کرتا تھا... افسانے لکھتا تھا... مجھے سناتا رہتا تھا اور پھر مجھے چڑانے کو آئی لو یو بھی بولتا رہتا تھا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ مجھ سے..." اس نے پھر جان بوجھ کر جملہ چھوڑ دیا۔ زری ابھی تک تاسف اور ملال میں گھری تھی۔

"میں کیا کرتی نینا... مجھے غلط فہمی ہو گئی ہو گی لیکن سلیم کا انداز ہی ایسا تھا... وہ بہت دکھ بھرے لہجے میں تمہیں کہہ رہا تھا۔ بس میں..." وہ اس قدر تاسف کا شکار تھی کہ اس سے بات بھی نا ہو پائی تھی۔ اس نے چند لمحے پھر خاموشی کی نذر کیے لیکن نینا کے چہرے پر طنزیہ سوال بکھرے تھے۔

"میں ایک رات امی کے کہنے پر تمہیں بلانے گئی تھی نا خالہ کے گھر... تب میں نے سنا تھا وہ تم سے... اور تم نے بھی کہا تھا اس سے... میں نے خود سنا تھا۔" زری نے اسے وہی سارا قصہ سنا ڈالا تھا جو اس کے اس اندھے یقین کی وجہ بنا تھا۔ نینا خاموشی سے سب سنتی رہی پھر اس کے خاموش ہو جانے پر بولی۔

"پتا نہیں تم کس رات کا ذکر کر رہی ہو لیکن وہ واقعی بہت مرتبہ مجھے چڑانے کو آئی لو یو کہہ دیتا تھا۔ مجھے نہیں یاد کہ میں نے کبھی اس سے ایسا کہا ہو، لیکن تمہیں واقعی غلط فہمی ہوئی زری... اور میں یہ بات بتانا نہیں چاہتی تھی لیکن صرف تمہارا ذہن صاف کرنے کو بتا رہی ہوں کہ وہ تمہیں پسند کرتا تھا۔ تم سے شادی کرنا چاہتا تھا۔" نینا نے نا چاہتے ہوئے بھی اسے بتا ڈالا تھا۔ اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔

"ہیں۔" اسے بڑا ہی عجیب لگا۔ یہ تو اس کے گمان سے کہیں بڑھ کر تھا لیکن وہ منہ سے کچھ نہیں بولی تھی مگر نینا اس کے چہرے کے تاثرات پڑھ سکتی تھی۔

"اسے پتا تھا تم اسے پسند نہیں کرتیں... اس بات میں اور بھی بڑی قباحتیں تھیں۔ تم اس سے عمر میں بڑی

تھیں۔۔۔ اس سے کہیں زیادہ خوش شکل تھیں۔۔۔ اس سے زیادہ پڑھی لکھی تھیں۔۔۔ ان کے اور ہمارے اسٹیٹس میں فرق تھا۔۔۔ پھر وہ معذور تھا۔۔۔ کریانے کی دکان چلاتا تھا۔۔۔ ابا بھی ناپسند کرتے تھے اسے۔۔۔ وہ سخت احساس کمتری کا شکار رہتا تھا۔۔۔ اور بس تمہیں اور ابا کو متاثر کرنے کی پلاننگز کرتا رہتا تھا۔۔۔ اچھا انسان تھا وہ زری۔۔۔ سادہ سا مخلص۔۔۔ بے ضرر۔۔۔"

نینا کو ایک بار پھر اس کا چہرہ یاد آیا۔ اس نے گہری سانس بھری تھی۔ "چلو۔۔۔ اب تو گیا۔۔۔ بے چارہ۔۔۔ اس کے نصیب۔۔۔" وہ یہی کہہ پائی تھی۔ زری کو اس کے انکشاف نے مزید حیران کر دیا تھا لیکن اسے اچھا لگا کہ نینا اب اس سے ناراض نہیں تھی۔

"تم مجھ سے ناراض تو نہیں ہونا۔۔۔" وہ پوچھ رہی تھی۔ نینا مسکرائی پھر اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔ زری نے پھر سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"نینا پلیز۔۔۔ اظفر کے لیے بھی دل سے ناپسندیدگی نکال دو۔۔۔ وہ بہت اچھا ہے۔" وہ کہہ رہی تھی۔ اس کی توقع کے برعکس نینا کے چہرے کے تاثرات ذرا بھی نہیں بدلے تھے۔ وہاں ذرا بھی ناپسندیدگی نہیں تھی۔

"چلو اگر تم نے فیصلہ کر ہی لیا ہے کہ گڑھے میں چھلانگ کر ہی اس کی گہرائی کا اندازہ لگاؤ گی تو پھر جو تمہارے نصیب۔۔۔ جب یہ طے ہے کہ ہر بات کے آخر میں ہم نے نصیبوں کو ہی کوسنا ہے۔۔۔ قسمت کو ہی الزام دینا ہے تو پھر وہ سب کر کے دینا چاہیے جو ہمارا دل چاہ رہا ہے۔۔۔ اس سے یہ ہوتا ہے کہ ہمیں گالیاں دیتے ہوئے لحاظ رہتا ہے ورنہ تو۔۔۔ چلو۔۔۔ اللہ خوش رکھے تمہیں۔۔۔ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔۔۔ گڈ لک۔"

وہ اپنے مخصوص انداز میں کہہ رہی تھی۔ زری اسی بات پر خوش ہو گئی تھی۔ اس نے نینا کو گلے لگا لیا۔ نینا کا چہرہ سپاٹ رہا تھا۔ لیکن زری کے لیے یہ کافی تھا کہ اس نے اپنے تعلقات اس کے ساتھ ٹھیک کر لیے تھے۔

✲ ✲ ✲

شہرین تیزی سے روبہ صحت تھی اور سمیع کے لیے یہ احساس ہر چیز سے بڑھ کر تھا۔ پیسہ پانی کی طرح بہہ رہا تھا لیکن علاج اچھا ہو رہا تھا اور اس کے مثبت اثرات بھی نظر آ رہے تھے اگرچہ کیمو کے بداثرات بھی ظاہر ہو رہے تھے۔ زندگی نارمل ہونے لگی تھی۔

وہ لاہور میں ہی شفٹ ہو گئے تھے۔ سمیع کو دوبارہ سے سیٹ ہونے میں بہت محنت کرنی پڑ رہی تھی۔ شہرین کی امی اپنے شوہر اور بیٹوں کے دباؤ کے باوجود شہرین سے ملنے کے لیے آتی رہتی تھیں۔ شہرین کو ان سے مل کر خوشی ہوتی تھی لیکن سمیع تو ان کا احساس مند ہو گیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اپنے میکے والوں سے تعلق ہی دراصل شہرین کو تیزی سے صحت مند ہونے میں مدد کر رہی ہے۔ اس نے اپنے امی سے بھی درخواست کی تھی کہ وہ جب بھی شہرین سے ملنے کے لیے آئیں تو گلے شکوے گھر ہی چھوڑ کر آئیں۔ ہر چیز ٹھیک ہو رہی تھی لیکن ایک چیز تھی جو شہرین کو پریشان کرنے لگی تھی۔

اس روز اتوار تھی۔ شہرین نے فرمائش کی وہ گھر کے کھانے کی بجائے باہر سے کچھ کھانا چاہتی ہے تو سمیع اسے اور ایمن کو لے کر سر شام ہی باہر آ گیا۔

"وہ ایک بڑی مال کا فوڈ کورٹ تھا جہاں بہت سے بچے بھی آئے ہوئے تھے۔"

"میں جوس لوں گا۔۔۔" ایک بچے نے اپنی ماں کو مخاطب کر کے کہا تھا جو عین ان کی عقب والی میز پر بیٹھے تھے۔ وہ بچہ ایمن سے بھی چھوٹا لگتا تھا۔

"کون سا جوس۔۔۔؟" اس کی ماں نے سوال کیا۔

"اسٹرابیری کا۔" اس بچے نے اپنی پسند فوراً بتائی تھی۔ اس کی ماں نے سرہلایا پھر دوسرا سوال کیا۔
"اسٹرابیری جوس کا کلر کون سا ہوتا ہے؟"
"ریڈ۔" اس بچے نے ایک بار پھر فوراً جواب دیا تھا۔
"دیٹس لائک آ گڈ بوائے" اس کی ماں مسکراتی ہوئی اپنی جگہ سے جوس لانے کے لیے اٹھی تھی۔
"آپ جوس پیو گی ایمن۔۔۔؟" شہرین نے بھی ایمن سے سوال کیا تھا۔ اس نے اثبات میں سرہلایا۔
"کون سا جوس پیو گی۔۔۔؟" یہ ایک غیرارادی کوشش تھی۔ شاید وہ فوڈ کورٹ میں بیٹھے ان ماں بچے سے مرعوب ہو گئی تھی۔ ایمن نے کندھے اچکائے۔
"بتاؤ نا۔۔۔ کون سا فروٹ پسند ہے آپ کو؟" شہرین پوچھ رہی تھی۔ ایمن نے پھر کندھے اچکائے۔
"میٹھے والا۔۔۔ وہ جو میٹھا ہوتا ہے۔" اسے اپنی پسند بتانی نہیں آرہی تھی۔ شہرین کو اچھا نہیں لگا' وہ اب اتنی بڑی تو ہو چکی تھی کہ پھلوں کے نام بتا سکتی۔۔۔ رنگ پہچان سکتی لیکن وہ صرف ذائقے پہچانتی تھی۔ اس نے سمیع کی جانب دیکھا۔ وہ اپنے موبائل پر کچھ دیکھ رہا تھا۔
"ہمیں شہرین کے لیے کوئی اسکول سلیکٹ کرلینا چاہیے اب۔۔۔ مزید وقت ضائع کرنا بے وقوفی ہو گی۔" شہرین نے کہا تھا۔ سمیع مسکرایا۔
"ہاں بس اس سال کروادیتے ہیں۔۔۔ تم ذرا اچھے سے ری کور کرلو۔۔۔ پھر دیکھ لو کہاں کروانا ہے۔۔۔ رجسٹریشن شروع ہوتے ہی کروادیں گے۔" سمیع نے تسلی دی۔
"ہاں دیکھو نا۔۔۔ اسے پھلوں سبزیوں کے نام تک نہیں پتا۔۔۔ رنگ بھی پراپرلی نہیں پہچانتی۔۔۔ صرف ذائقوں کی خبر ہے۔۔۔" شہرین کچھ پریشان ہوئی تھی۔ اس کے پیچھے بیٹھے بچے نے اسے احساس کمتری میں مبتلا کردیا تھا۔ اس کی بچی اپنی عمر کے باقی بچوں سے پیچھے رہ گئی تھی۔
"اوہو۔۔۔ میڈم۔۔۔ پریشان مت ہوں۔۔۔ سب کچھ آتا ہے ایمن کو بھی۔۔۔ کلرز ولرز سب پتا ہے۔۔۔ تم ذہن پر زور مت دو۔۔۔ اب سب کچھ ٹھیک ہو رہا ہے۔۔۔ ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔۔۔" اس نے اسے تسلی دی تھی۔
"پریشانی تو خود بخود ہو جاتی ہے نا۔۔۔ اچھے اسکولز ٹیسٹ بیس پر ایڈمیشن دیتے ہیں۔۔۔ یہ مارچ میں پانچ کی ہو جائے گی۔۔۔ اور پانچ سال کے بچے کو کسی بڑی نرسری میں ایڈمیشن نہیں ملتا۔۔۔ ٹیسٹ تو تیار کروانا پڑے گا نا۔۔۔ تم مجھے یاد کروانا میں ایک بار پھر بات کروں گی بھابھی سے کہ رانیہ کی ٹیوٹر کو بولیں۔۔۔ وہ اگر مینج کر سکے۔۔۔ رانیہ کے ساتھ پڑھ لیا کرے۔۔۔ ورنہ پک اینڈ ڈراپ کے ایشوز ہوں گے۔۔۔" وہ خود ہی ساری پلاننگ کرتی جارہی تھی۔
"اچھا کرلیں گے بات ٹیوٹر سے بھی۔۔۔ ابھی اپنی باتیں تو کرلیں۔۔۔" وہ اسے ٹالتے ہوئے بولا تھا۔
"میں اب مزید ایمن کو اگنور نہیں کرنا چاہتی سمیع۔۔۔ میں اس پر بہت توجہ دینا چاہتی ہوں۔" اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ سمیع نے اپنا رخ اس کی جانب کیا۔
"مجھے تو لگتا ہے۔۔۔ تمہیں اب خود پر بھی توجہ دینی چاہیے۔" اس کا انداز لائٹ سا تھا لیکن شہرین کو بہت محسوس ہوا۔ ایک لمحے کے لیے وہ چپ سی ہو گئی۔ اس نے نادانستہ طور پر اپنے وجود پر نظر ڈالی تھی۔ کتنی بدل گئی تھی وہ۔۔۔ دوائیاں کھا کھا کر وزن بے تحاشا بڑھ چکا تھا۔ چہرہ ہمہ وقت پھولا ہوا سا لگتا تھا۔ کیمو کے اثرات نمایاں ہونے لگے تھے۔ اس کی رنگت پہلے سے ماند پڑ گئی تھی اور کسی قدر سیاہی مائل ہو چلی تھی۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے ہو گئے تھے۔ سر کے بال اور بھنویں جھڑ گئی تھیں۔ وہ باہر نکلتے ہوئے اسکارف سے سر اور پیشانی ڈھک کر نکلتی

تھی۔ یہ وہ شیریں تو نہیں تھی جس سے سمیع نے اپنے خاندان کی ناراضی مول لے کر محبت کی شادی کی تھی۔

"بہت بری لگنے لگی ہوں نا میں۔۔۔۔ تمہارے ساتھ چلتے ہوئے تمہاری اماں لگتی ہوں۔" اسے سب بھول گیا کہ وہ ایمن کے متعلق کیا بات کر رہی تھی' یاد رہا تو یہ کہ سمیع نے اسے اشاروں اشاروں میں ٹوک دیا تھا۔

"یہ نہیں کہہ رہا میں۔۔۔۔ میرے کہنے کا مطلب تھا کہ صرف ایمن ہی اگنور نہیں ہو رہی۔۔۔۔ تم اپنے آپ کو بھی اگنور کر رہی ہو۔۔۔۔ میری خاطر تھوڑا سا خیال رکھا کرو اپنا۔۔۔۔" وہ محبت بھرے لہجے میں ہی کہہ رہا تھا لیکن شیریں بجھ سی گئی تھی۔ وہ پہلے جیسی بالکل نہیں رہی تھی۔

"کیا سمیع بدل رہا ہے؟۔۔۔۔ میرا بھدا سراپا۔۔۔۔ ہمارے تعلقات میں دراڑیں تو نہیں ڈال رہا۔" اس نے یاسیت میں گھر کر سوچا تھا۔ سمیع اپنے سیل فون پر مصروف ہو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"کب تک یاد آتے رہو گے سلیم۔۔۔۔" اس نے آسمان کی جانب دیکھتے ہوئے جیسے خود کلامی کی تھی۔ گھر میں وہ اتنا نارمل نظر آنے کی کوشش کرتی تھی کہ پھر باہر کی دنیا میں نارمل نظر آنے کے لیے اس کی ساری ہمت جواب دے جاتی تھی۔ ابا کے ساتھ تو پہلے بھی بات چیت کم تھی لیکن امی کے اور زری کے ساتھ وہ ٹھیک طریقے سے بات کرتی تھی۔ کوئی طنز' طعنہ۔۔۔۔ شکوہ۔۔۔۔ اب کچھ باقی نہیں تھا۔

اس نے سب سے جذباتی طور پر لاتعلقی اختیار کر لی تھی۔ وہ سب کو ان کے حال پر چھوڑ کر مطمئن نظر آنے کی خوب اداکاری کرتی تھی' لیکن سلیم کی یاد کبھی کبھی اسے بہت ستانے لگتی تھی۔ بالخصوص شام کے وقت جب وہ اپنی چائے کا کپ اٹھا کر اس کی دکان پر اپنی امی ابا کے خلاف شکایتیں کیا کرتی تھی' اس کی دکان سے اس کی اجازت کے بغیر چیزیں اٹھا اٹھا کر کھایا کرتی تھی۔۔۔۔ اپنے دل کی بھڑاس نکالا کرتی تھی۔ سلیم بے چارہ جب بھی کچھ کہنے کی کوشش کرتا تو وہ اسے چپ کروا دیتی کہ۔ تمہاری بات پھر کبھی سن لوں گی۔۔۔۔ ابھی میری بات سن لو۔

وہ ساری باتیں اپنے دل میں اپنے ساتھ ہی لے کر چلا گیا۔ نینا کو سب کچھ یاد آتا تھا تو پھر موقع محل دیکھے بنا آنسو بھی بہہ نکلتے تھے۔

اس روز بھی وہ بس اسٹاپ کے انتظار میں بس اسٹاپ پر شیڈ کے نیچے بیٹھی تھی۔ زری کی بات پکی ہو گئی تھی حیرانی والی بات تھی لیکن اظفر واقعی زری سے شادی کر رہا تھا۔۔۔۔ یہ سب کیسے ممکن ہوا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کیونکہ وہ اب کسی معاملے میں دلچسپی نہیں لیتی تھی۔ صبح کو یونیورسٹی چلی جاتی۔ حالانکہ اب وہاں کوئی اہم کام نہیں رہ گیا تھا۔ وائیوا کی ڈیٹ آ چکی تھی۔۔۔۔ سب کلاس فیلوز گھر بیٹھ کر وائیوا کی تیاری میں مگن تھے اور وہ گھر سے جان چھڑا کر یونیورسٹی میں ماری ماری پھرتی رہتی۔۔۔۔ شام کو واپس آتی تو کھانا خود ہی گرم کر کے کھا لیتی۔۔۔۔ زری یا امی کچھ کھانے کو دے دیتیں تو وہ کھا لیتی۔۔۔۔ پہلے جیسے طعنے۔۔۔۔ طنز کے نشتر جیسے اسے چلانے بھول گئے تھے۔

اگرچہ کوئی مخاطب کرتا تو بات کرتی۔۔۔۔ زری مشورہ مانگتی تو وہ بھی دے دیتی۔۔۔۔ لیکن اس انداز میں کہ زری شرمندہ ہو جاتی۔۔۔۔ نینا کے بس دو کام رہ گئے تھے۔ گھر میں ہوتی تو سوئی رہتی۔۔۔۔ اور جب سب سو جاتے تو اٹھ کر بیٹھ جاتی۔۔۔۔ چھت کو تکتی رہتی۔۔۔۔ زیادہ اداسی ہوتی تو ٹیرس پر جا کر بیٹھ جاتی۔۔۔۔ حالانکہ موسم ٹھنڈا ہو چلا تھا مگر اس پر کچھ اثر ہی نہیں ہوتا تھا۔۔۔۔ نارمل نظر آنے کے چکر میں ابنارمل ہوئی جا رہی تھی۔

زری نے اس روز بتایا کہ اس کی اور اظفر کی بات پکی ہو گئی ہے تو وہ چند لمحے تو جیسے کوئی بات کرنا ہی بھول گئی۔۔۔۔ پھر اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا۔۔۔۔ اسے اب کسی کو نہیں ٹوکنا تھا۔۔۔۔ اس نے مسکراتے ہوئے اسے مبارک دے دی تھی لیکن اگلے روز سلیم سارا دن اسے یاد آتا رہا۔۔۔۔ بس اسٹاپ پر بیٹھے بس کا انتظار کرتے اس کا صبر جیسے

ختم ہوگیا تھا۔۔۔ آنسو گالوں پر پھسل آئے تھے۔

"آپ رو رہی ہیں۔۔۔؟"

اس کی بہت ہی قریب سے کسی نے کہا تھا۔ وہ چونکی اور سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ جانے کہاں سے آگیا تھا۔

"جی ہاں۔۔۔ کوئی اعتراض۔۔۔؟" اس نے تنک کر کہا تھا۔ خاور عرف پوعین اس کے سامنے کھڑا تھا۔

"نہیں۔۔۔ آپ کیجیے شوق پورا۔۔۔ میں نے تو یوں ہی پوچھ لیا تھا۔" وہ اس کے ساتھ ہی بینچ پر بیٹھ گیا تھا۔ نینا کو بہت ناگواری محسوس ہوئی۔

"مہربانی۔۔۔" اس نے سابقہ انداز میں کہا تھا۔ خاور نے اس کی لہجے اور انداز کو بغور دیکھا پھر اس کی جانب رخ موڑ کر بولا۔

"دیکھیں۔۔۔ آپ کو میری کسی پرانی بات پر غصہ ہے تو دل سے نکال دیں۔۔۔ یقین کریں میں نے وہ بات مذاق میں کہی تھی۔۔۔ میں قطعاً بھی سنجیدہ نہیں تھا۔۔۔ لیکن آپ نے شاید میری بات کو سنجیدہ سمجھ لیا۔" نینا نے ایک نظر اسے دیکھا۔۔۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھی۔ نینا کو وہ اور بھی برا لگا۔ وہ کیا جتانا چاہ رہا تھا۔ کیا وہ اس کے "پرپوزل" کو ابھی تک یاد رکھے ہوئے تھی۔

"کون سی بات۔۔۔؟ مجھے تو کچھ یاد بھی نہیں۔۔۔ پتا نہیں کیا کہہ رہے ہیں آپ۔۔۔" وہ ناک چڑھا کر بولی تھی۔

خاور کے چہرے پر مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"اچھی بات ہے۔۔۔ میں خود بھی ایسی باتیں یاد نہیں رکھنا چاہتا۔۔۔" وہ ایک بار پھر وضاحت دے رہا تھا لیکن چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

"مجھے سلیم کے انتقال کا بہت افسوس ہوا۔ اچھا انسان تھا وہ۔۔۔ تو شین بھابھی بہت تعریف کیا کرتی تھیں اس کی۔" چند لمحے خاموشی میں گزارنے کے بعد اس نے کہا تھا۔ نینا کو اب اس کی موجودگی سے کوفت ہونے لگی تھی۔ وہ چلا کیوں نہیں جاتا تھا۔۔۔ یا پھر بس آنے میں اتنی تاخیر کیوں کر رہی تھی۔

"ظاہر ہے تعریف ہی کرتی ہوں گی۔۔۔ بھائی تھا وہ ان کا۔۔۔" اسے کچھ تو کہنا ہی تھا۔

"آپ کی زندگی میں تو کافی خلا پیدا ہو گیا ہو گا نا۔۔۔ آپ کی بہت جمتی تھی ان کے ساتھ۔۔۔" وہ سہلاتے ہوئے بولا تھا جیسے تعزیت کرتے ہوئے مناسب الفاظ تامل رہے ہوں۔ اسے پتا نہیں چلا تھا اس نے اپنی شامت کو آواز دے ڈالی تھی۔

"کیا مطلب۔۔۔ کیا کہنا چاہ رہے ہو تم۔۔۔ دوبارہ کہنا ذرا۔۔۔ مطلب کیا ہے اس بات کا؟" وہ گود میں پڑا بیگ اٹھا کر کھڑی ہوئی اور اس کے مدمقابل آکر غراتے ہوئے بولی۔ خاور بوکھلا سا گیا۔ وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ آس پاس زیادہ رش تو نہیں تھا لیکن پھر بھی بس کے انتظار میں لوگ کھڑے تھے۔

"میرا مطلب تھا۔۔۔ آپ کی بہت دوستی تھی نا۔۔۔ مجھے بھابھی نے بتایا تھا۔۔۔" اس نے بعجلت وضاحت دی تھی۔

"مری ہوئی بھابھی کا نام لے لے کر جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔ بھابھی نے یہ بتایا۔۔۔ بھابھی نے وہ بتایا۔۔۔ ارے تمہاری بھابھی کیا سارا وقت میری باتیں کرتی رہتی تھیں۔۔۔ یہ کیوں نہیں کہتے کہ تمہارے اندر کا کیڑا تمہیں سکون نہیں لینے دے رہا۔۔۔ تمہاری گندی سوچ تمہیں اکسا رہی ہے کہ مجھ سے پوچھ لو۔۔۔ میرا کیا تعلق تھا سلیم کے ساتھ۔۔۔ کہہ دو تم بھی کہ وہ یار تھا میرا۔ دے دو تم بھی الزام کہ میرا اس کا چکر چل رہا تھا۔۔۔ چھوٹی سوچ والے گندے لوگ۔۔۔ اونہہ۔۔۔ اپنی اوقات میں رہا کرو۔۔۔ تم سے دوبارہ ہنس کر بات کیا کرلی۔۔۔ آگئے کہیں سے منہ اٹھا کر ہمدردیاں جتانے۔۔۔ آپ کی زندگی میں تو بڑا خلا پیدا ہو گیا ہو گا۔۔۔" اس نے جملے کے آخر میں منہ بگاڑ کر اس کی نقل اتاری تھی۔ وہ ہکا بکا اس کی شکل دیکھ رہا تھا۔

"خود جو مرضی کرتے رہیں۔ دوسروں پر الزام سے نہیں چوکیں گے۔۔۔ خبردار جو دوبارہ میرے راستے میں آئے تو۔۔۔ ہو پیچھے اب۔۔۔ علاج کرنا آتا ہے مجھے اس ہمدردی کا۔۔۔"

وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر دانت چباتے ہوئے بول رہی تھی۔ خاور چند لمحے اس کی جانب دیکھتا رہا پھر کچھ کہے بنا وہاں سے چلا گیا تھا۔ نینا کو اس کے جانے کے بعد ہوش آیا۔۔۔ وہ دوبارہ بینچ پر بیٹھ گئی تھی۔ اس کی ہتھیلیاں نم ہو چلی تھیں اور ہارٹ بیٹ معمول سے تیز چل رہی تھی۔ اس کی پیشانی سے بھی پسینہ پھوٹنے لگا تھا۔ اسے لگا جیسے وہ اپنے حواس میں نا ہو۔۔۔ اس نے ہتھیلی کی پشت سے پیشانی صاف کی۔۔۔ غصہ اس کے پورے وجود کو جھلسا رہا تھا اور ایسا غصہ اس نے پہلے کبھی کسی پر نہیں کیا تھا۔۔۔ اس پر اس قدر خفا کیوں ہو گئی تھی وہ۔۔۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

✲ ✲

ناولٹ
بشریٰ ماہا
عیدِ محبت

خواب ہی خواب کب تلک دیکھوں
کاش تجھ کو بھی اک جھلک دیکھوں

وہ ہمیشہ نقاب میں رہتی تھی پھر چاہے وہ جون کی تپتی، لو برساتی دوپہر ہو یا ستمبر اکتوبر کی حبس بھری صبح۔ میں نے پچھلے دو سالوں میں کبھی اسے نقاب کے بنا نہیں دیکھا تھا۔ سیاہ رنگ کے سادہ عبایا میں اس کا وجود اور سیاہ رنگ ہی کے اسکارف میں اس کا چہرہ نا جانے کیوں مجھے اس کی طرف کھینچتا تھا۔ حالانکہ میں اس طرح کی مڈل کلاس ذہنیت والی لڑکیوں کی طرف دوسری نگاہ اٹھا کر دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔ لیکن کچھ خاص تھا اس میں۔۔۔ جو میں چاہ کر بھی نظرانداز نا کر پا رہا تھا۔

یہ شاید اس کی آنکھیں تھیں، بے حد سیاہ گہری اداس مگر شفاف۔ جیسے جھیل میں بہتا شفاف پانی۔ ایک بات جو میں نے نوٹ کی وہ اس کی آنکھوں میں رہنے والی مستقل نمی تھی۔ شاید وہ بہت غریب فیملی سے تعلق رکھتی تھی اور یہ نمی اس غریبی کی ہی عطا کی ہوئی تھی جو اس کی آنکھوں میں دور سے ہی دکھائی دیتی تھی۔

میں ہر بار کوشش کرتا تھا اس سے بات کرنے کی لیکن ہر بار اس کے سامنے ہمت دم توڑ دیتی تھی۔ وجہ اس کی شخصیت میں جھلکتا غرور یا اعتماد تھا۔ اس کے سامنے میری زبان چپ ہو جاتی تھی جیسے منہ میں زبان ہو ہی نا۔ میری اس کیفیت سے میں خود ہی واقف تھا، میں جو اپنے دوستوں سے کوئی بات نہیں چھپاتا تھا یہ بات ان سے کبھی شیئر نہیں کر سکتا تھا۔ شاید اس لیے کہ میں اس معصوم اور پاک دامن لڑکی کا نام بھی کسی اور کی زبان پہ آئے، یہ برداشت ہی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ بھی میرے سامنے اور میرے حوالے سے۔

وہ ایک بے حد گرم دوپہر تھی، چڑیاں بھی گرمی سے بچنے کے لیے کسی گھنے درخت کے سائے میں بنے اپنے گھونسلے میں آرام کر رہی تھیں۔ سر اکرام کی دی ہوئی اسائنمنٹ کو مکمل کرنے میں وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا تھا۔ جب میں فارغ ہوا تو تھکن سے برا حال تھا۔ میں نے بے اختیار اپنے ہاتھ میں بندھی ہوئی گھڑی پہ نظر دوڑائی، میں اپنا سامان سمیٹ کر بیگ میں ڈالے جس وقت لائبریری سے نکل رہا تھا تب تک پوری یونیورسٹی خالی ہو چکی تھی۔

حیرت کا شدید جھٹکا مجھے اس وقت لگا تھا جب اپنی کار پارکنگ سے نکالتے ہوئے میں نے اسے لیب سے نکلتے دیکھا۔ اتنی دیر وہ یونیورسٹی میں کیا کرتی رہی تھی مجھے سمجھ نہیں آسکا تھا۔ میں کار سے نکل کر اس کی طرف بڑھا کیونکہ آج ہڑتال تھی اور پوائنٹ وہ مس کر چکی تھی۔ سو ایسے میں اسے اکیلے چھوڑ کے جانا مجھے مناسب نہیں لگ رہا تھا۔

"ایکسکیوزمی مس! کیا میں آپ کی ہیلپ کر سکتا ہوں؟" وہ سکھ چین کے گھنے درخت کے نیچے کھڑی کسی کا انتظار کر رہی تھی کہ میری آواز پہ چونکی۔

"جی نہیں شکریہ۔۔۔!" وہ بنا میری طرف دیکھے، بنا کسی تاثر کے بولی تھی۔

اس کے انداز میں کچھ ایسا تاثر تھا کہ میں دوبارہ اصرار نہیں کر سکا تھا۔ اور پلٹ گیا۔

اس کی آنکھوں کی طرح اس کی آواز بھی بہت خوب صورت تھی، جیسے کوئل کی کوک۔۔۔ یا پھر چوڑیوں کی کھنک۔۔۔ یا پھر کسی بہتے جھرنے کی چرخ۔۔۔ اس وقت میرے ذہن میں کوئی صحیح مثال نہیں آسکی تھی۔ میں بمشکل اسے اپنے ذہن سے نکالتا گھر پہنچا، تھکن سے اس قدر برا حال تھا کہ لیٹتے ہی گہری نیند کی وادیوں میں کھو گیا۔

☆ ☆ ☆
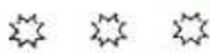
کیمپس میں حجاب ڈے کی تیاریاں زور و شور سے چل رہی تھیں۔ کسی نے حجاب پہ پوئم لکھی تھی تو کوئی تقریر کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ ہمارے کیمپس کی خاص بات یہ تھی کہ ہم ہر ڈے پورے جوش سے مناتے تھے۔ پھر چاہے وہ کلر ڈے ہو یا فلاور ڈے، حجاب ڈے یا فرینڈ شپ ڈے، مجھے یہ سب تقریبات ہمیشہ سے ہی بہت پسند تھیں۔ اور حجاب تو ویسے بھی مجھے بہت بناوٹی چیز لگتی تھی۔ آج کے

فنکشن کا ایک حصہ ہے جس میں بے تحاشا بول سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ بحث مقابلہ میں بھی میں نے اپنا نام بنا دیکھے لکھوا دیا تھا۔

اور میں یہ نہیں جانتا تھا کہ اپنے تمام تر دلائل کے باوجود میں یہ مقابلہ بری طرح ہار جاؤں گا۔ کیونکہ اس دن فنکشن میں میرے مقابل وہ تھی جس کے بارے میں میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ وہاں اسے اپنے مقابل دیکھ کر میں بے اختیار چونکا تھا۔ اس دن پہلی بار اس نے یعنی حوریہ فاطمہ نے مجھے دیکھا تھا نظر اٹھا کر، ورنہ آج سے پہلے اس نے کبھی میرے چہرے کی طرف، جو خوب صورتی میں اپنی مثال آپ ہے، اس چہرے کو دیکھنے کی کوشش تک نہ کی تھی۔

اگر مجھے پتا ہوتا کہ میرے مقابل وہ ہوگی جس کے سامنے مجھے لفظ بھول جاتے ہیں، جس کے سامنے میں چاہ کر بھی بات نہیں کر پاتا تو میں کبھی اس مقابلے میں حصہ نہ لیتا۔ آج سے پہلے میں ہر مقابلہ جیتتا آیا تھا اور یہی وجہ تھی کہ میرے ہال میں آنے سے ایک شور سا اٹھا تھا، میرے دوست میری حالت سے بے خبر میرے حق میں نعرے لگا رہے تھے جبکہ میری ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ چکی تھیں۔

میری نظروں کے سامنے سے ہر منظر ہٹ گیا تھا، نظر آ رہا تھا کچھ تو صرف اس کی آنکھیں، میرا سکتہ اس کی آواز نے توڑا تھا۔

"ہاں یہ سچ ہے کہ حیا آنکھ میں ہوتی ہے لیکن کیا ضروری ہے کہ آپ کی طرف اٹھنے والی آنکھ میں بھی حیا ہو، پاکیزگی ہو، آج کا مرد جس کے لیے عورت صرف وہی ہے، جو اس کی ماں ہے، بہن ہے، بیٹی ہے یا پھر بیوی ہے۔ باقی سب عورتیں اس کے لیے لطف و سرور حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔ کیا اس سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ آپ کے وجود کو عزت سے دیکھے؟ نہیں ہرگز نہیں یہی وجہ ہے کہ آج سے ہزاروں سال پہلے ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں پردے کا حکم فرمایا، ہماری کتاب قرآن شریف ہمیں یہ درس دیتی ہے۔ تو پھر پردے سے، حجاب سے انکار کیوں، عورت کے حجاب کو مسئلہ کشمیر سے زیادہ گمبھیر بنایا جا رہا ہے....." وہ دکھ سے بولتی سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"میں آپ کی بات سے متفق ہوں، لیکن جیسے کہ آپ نے کہا ہے کہ حیا دیکھنے والے کی آنکھ میں ہوتی ہے تو اس کا حجاب سے کیا تعلق؟ اور کیا یہ ضروری ہے کہ جو لڑکی حجاب کرتی ہو اس کی آنکھ میں حیا بھی ہو؟ میں یہ سوچتا ہوں کہ حیا اور حجاب کا کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ کیونکہ کچھ لڑکیاں حجاب کے باوجود مردوں کو اتنا گھور گھور کے دیکھتی ہیں تو وہ مرد کیا کریں پھر۔ کیا وہ بھی حجاب کریں؟" میں نے تمسخر اڑاتے ہوئے کہا۔

ایک طرح سے میں اس کے حجاب کا مذاق اڑا رہا تھا۔

"مس حوریہ! حجاب سے زیادہ ضروری حیا ہے اگر وہ دیکھنے والی کی نگاہ میں ہے تو اسے کسی حجاب کی ضرورت نہیں ہوتی۔ حجاب تو خود کسی مرد کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا گھٹیا طریقہ ہے۔" میں نے اپنی بات پہ زور دیتے ہوئے کہا۔

"میں آپ کی بات سے متفق نہیں ہوں تابش احسان....."

حیا کے ساتھ حجاب بھی اتنا ہی ضروری ہے، عورت اور اس کی خوب صورتی غیر مردوں کے لیے ایک ایسا شر ہے، جس سے کوئی انکار ہی نہیں کر سکتا اور پھر کوئی چاہے کتنا ہی پارسا کیوں نا ہو خوب صورتی اسے متوجہ کر ہی لیتی ہے، اور اس شر سے بچنے کے لیے جہاں مرد کو نگاہ جھکانے کا حکم ہے، وہیں عورت کو بھی اپنا آپ چھپانے کا حکم ہے۔ اور نقاب ایک ڈھال ہے، حجاب ایک ہتھیار ہے، جو عورت کو مرد کی گندی نظروں سے بچاتا ہے، حجاب وہ واحد طریقہ ہے جو ان مردوں کو جہنم کا ایندھن بننے سے بچاتا ہے جو عورت کی وجہ سے جہنم میں جھونک دیے جائیں گے قیامت کے دن۔

آج کا مرد چاہے کچھ بھی کہے، عورت کچھ بھی سوچے، لیکن حجاب اور حیا دونوں ہی ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔" وہ اپنی بات ختم کر کے اسٹیج

سے جا چکی تھی' ہال تالیوں سے گونج رہا تھا اور میں جانتا تھا کہ وہ بہترین طریقے سے مجھے ہرا چکی ہے۔

☆ ☆ ☆

شانزے سے حوریہ فاطمہ کے بارے میں ملنے والی معلومات کے زیر اثر میں اب تک شاک میں تھا' حیرت سی حیرت تھی۔ میں جو لوگوں کو پہلی نظر میں دیکھ کر پہچان لینے کا دعوا کرتا تھا' اس وقت میرے سارے دعوے دھرے رہ گئے تھے' سارے پلان جو میں نے اسے اپنے دام میں پھنسانے کے لیے اپنائے تھے سب اپنی موت آپ مر گئے تھے' حوریہ فاطمہ شہر کے مشہور انڈسٹریلسٹ شاہنواز کی اکلوتی بیٹی تھی' ڈاکٹر اسد احمد کی اکلوتی بہن۔ جس کی سادگی کو میں نے کیا رنگ دے ڈالا تھا۔

وہ ایک بار پھر مجھے مات دے چکی تھی اور اس بات سے انجان تھی' آخر چیز کیا تھی وہ اور یہی سوال تھا جو میرے ذہن میں ہتھوڑے برسا رہا تھا اور جس کا جواب لینے میں اس کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا' وہ اس وقت اپنی کار کا دروازہ کھولے جانے کے لیے بالکل تیار کھڑی تھی جب میں اس کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا۔ وہ میری اس حرکت پہ ناگواری سمیٹے دیکھ رہی تھی لیکن مجھے پرواہی کب تھی۔

"کون ہو تم حوریہ فاطمہ؟" میں سپاٹ انداز میں سب کچھ فراموش کیے اس سے مخاطب تھا۔

"یہ کیسا سوال ہے اور یہ کیا بدتمیزی ہے۔" وہ میری اس حرکت کی طرف اشارہ کرتی بولی۔ "چھوڑیں میرا راستہ مجھے دیر ہو رہی ہے۔"

"میں تب تک تمہارا راستہ نہیں چھوڑوں گا جب تک تم مجھے حقیقت نہیں بتاؤ گی' پھر چاہے اس سے تمہارا کردار مشکوک ہوتا ہے تو ہو' آئی ڈونٹ کیئر۔" میں اپنی بات پر اڑا رہا۔

"کیسی حقیقت.....!" وہ چونکی۔

"تمہاری آنکھوں کی نمی کے پیچھے کیا راز پوشیدہ ہے؟"

"آپ کیا کریں گے جان کر۔" وہ کمزور پڑی۔

"ان سوالوں کے پیچھے میرا سکون چھپا ہے حوریہ۔" میں بے چین ہوا تھا۔

"اوکے بیٹھیں کار میں۔" وہ اشارہ کرتی کار میں بیٹھ گئی تھی جب کہ میں حیران سا اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پہ بیٹھ گیا۔ اس نے کار ایک پارک میں روکی اور خاموشی سے چلتی ایک بینچ پہ بیٹھ گئی۔ میں بھی اس سے کچھ فاصلے پہ بیٹھ گیا۔ میں پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھا۔ اور وہ سامنے لگے برگد کے بوڑھے پیڑ کی طرف دیکھتی بولنا شروع ہو گئی۔

☆ ☆ ☆

میں اپنی زندگی کے پندرہ سال بعد اپنے ملک کی سرزمین پر قدم رکھ رہی تھی' وہاں جہاں میں نے جنم لیا تھا جہاں کی سرزمیں پہ میرے اپنے بستے تھے۔

لیکن اس کے باوجود مجھے اس میں کوئی اٹریکشن محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ کیونکہ میں یہاں آنا ہی نہیں چاہتی تھی' نا میں پاکستان کو اپنا ملک سمجھتی تھی' میں اپنی پیدائش کے فقط دو ماہ بعد اپنی پھپھو جن کو میں ماما جان بولتی ہوں ان کے ساتھ کینیڈا چلی گئی تھی۔

میری پیدائش کے وقت میری ماما کی طبیعت بہت خراب تھی تب ہی پھپھو مجھے اپنے ساتھ لے گئیں' پھپھو کی کوئی اولاد نہ تھی' تبھی انہوں نے مجھے اپنے ساتھ لے جانے کا سوچا۔ انہوں نے مجھے ہمیشہ بہت پیار دیا' لاڈ اٹھائے' ان کی ڈیتھ کے بعد انکل نے میری پاکستان واپسی کی ٹکٹ بک کروا دی۔ ان کا کہنا تھا کہ اب وہ میری ذمہ داری نہیں سنبھال سکتے' میں جو وہاں کے معاشرے کی عادی ہو چکی تھی۔ میرا لائف اسٹائل' دوست' پارٹیز سب کچھ وہاں کے رنگ میں رنگ چکا تھا۔ میں واپس آ کر سخت افسردہ تھی۔ میں نے دو دن سے کھانا پینا بند کر دیا تھا۔

اماں جو ایک بے حد شفیق عورت تھیں' ایک امیر کبیر آدمی کی بیوی ہونے کے باوجود ان کے انداز میں

اس قدر عاجزی تھی کہ میں حیران رہ گئی تھی۔ اور بابا وہ بے حد ہینڈسم تھے 'ڈیشنگ اور اسٹائلش۔ اسد بھائی جونیورو سرجن تھے اور مجھ سے بارہ سال بڑے تھے 'ان سب نے مجھے بہت پیار سے ویلکم کیا 'یوں جیسے میں ہمیشہ سے ان کے درمیان تھی 'اگر مجھے اس معاشرے کی اتنی عادت نا ہوتی تو میں خود کو اپنے مخلص رشتوں کا ساتھ پا کر بہت خوش قسمت سمجھتی۔ لیکن بات یہی تھی کہ میری عادتیں بگڑ چکی تھیں۔

☆ ☆ ☆
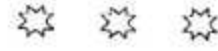
میں لاؤنج میں بیٹھی اس وقت فسٹ ایئر کی انگلش کی پوئٹری بک پڑھ رہی تھی۔ جب ایک خوب صورت مگر قدرے پینڈو ٹائپ لڑکی کاٹن کے ڈھیلے ڈھالے سوٹ میں 'اپنے لمبے سلکی بالوں کی چوٹی بنائے' بڑے سے دوپٹے کو اچھی طرح پھیلائے" میری طرف بڑھی۔

"جی آپ کون....؟" اس سے پہلے کہ وہ میرے گلے لگتی میں نے ہاتھ آگے بڑھا کے جلدی سے پوچھا۔

"میں انشراح افضل ہوں۔ وہ اپنے نرم ملائم ہاتھوں میں میرا ہاتھ گرم جوشی سے دبائے میرے پاس بیٹھ گئی۔ "اب تم سوچ رہی ہوگی کہ انشراح کون ہے تو میں بتاتی چلوں کہ میں تمہارے تایا افضل احمد کی اکلوتی بیٹی اور عبدالباری کی اکلوتی بہن ہوں 'اور عبدالباری میرے بھائی ہیں 'انہیں بھی نہیں جانتی تم۔" وہ میری حیرت بھانپتے فٹ سے بولی تھی۔

"چلو کوئی بات نہیں جان جاؤ گی۔" وہ شرارت سے بولی 'غالباً" وہ بولنے کی شوقین تھی 'میں نے دل میں سوچا 'لیکن پھر بھی مجھے وہ اچھی لگی تھی 'وہ محبت سے مجھ سے باتیں کر رہی تھی 'اور مجھے اس کا انداز اچھا لگ رہا تھا 'شاید خون کی کشش تھی ورنہ مجھے اس ٹائپ کی لڑکیاں پسند نہیں تھیں۔

"اتنے دن ہو گئے اور تم ہم سے ملنے بھی نہیں آئیں۔ امی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے ورنہ وہ خود تم سے ملنے آجاتیں۔" اس نے شکوہ کیا۔

یوں جیسے ہم بچپن کے دوست ہوں 'میں حیرت سے اسے تکے جا رہی تھی 'جبھی وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"شکایت ان سے ہی کی جاتی ہے 'جو اپنے ہوں 'دل کے قریب ہوں 'اب اگر تم یہ سمجھ رہی ہو کہ تمہارے اس طرح دیکھنے سے میں بولنا بند ہو جاؤں گی تو تم غلط ہو۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں تم کہہ سکتی ہو۔" میں مسکرائی۔

"اوہ تو پھر چلو جلدی سے تیار ہو جاؤ 'دو گلی چھوڑ کر تو ہمارا گھر ہے۔" وہ ایک دم بولی۔

"لیکن میں تو تیار ہوں۔" میں نے کچھ سوچ کر اپنی بلیک جینز اور ریڈ ٹاپ پہ نظریں ڈالیں اور کھڑی ہو گئی۔

"اوہ اچھا... چلو چادر تو لے لو۔"

"میں چادر وغیرہ تو نہیں لیتی 'تمہیں لے جانا ہے تو ایسے ہی لے چلو ورنہ مرضی ہے۔" میں ناراض ہوتی دوبارہ صوفے پہ بیٹھ گئی۔

"اچھا چلو جیسے تمہاری مرضی 'لیکن پلیز چلو۔" وہ فوراً" رضا مند ہو گئی۔ یوں جیسے اگر ایک لمحہ کی بھی تاخیر کی تو وہ مجھے گھر نہیں لے جا پائے گی۔ میں اس کے انداز پہ مسکرا دی۔

کچھ ہی دیر بعد ہم افضل ولا کے سامنے کھڑے تھے۔ بلیک کلر کا خوب صورت گیٹ 'منی پلانٹ کی خوب صورت بیل سے ڈھکا ہوا تھا 'اور لان خوب صورت پودوں اور پھولوں سے آراستہ تھا 'میں مکینوں کے ذوق کو سراہتی انشراح کے پیچھے پیچھے گھر کے لان میں پہنچی۔ جہاں اس وقت افضل چاچو اور شائستہ چچی ٹاک شو دیکھنے میں مگن تھے 'دبلی پتلی اور خوب صورت شائستہ چچی کو دیکھ کے ہرگز یہ اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ انشراح کی ماں ہیں۔

میں پر تکلف مسکراہٹ لبوں پہ سجائے چچی چچا سے ملی 'جو مجھے اپنے گھر دیکھ کر خوش گوار حیرت کا شکار تھے۔

"اور بیٹا 'کیسی ہو آپ 'اور پاکستان پسند آیا آپ کو؟"

چچی نے مجھے اپنے پاس بٹھا کر پوچھا۔ جبکہ انشراح اپنی کوکنگ سے متاثر کرنے کے لیے کچن میں چلی گئی تھی۔

"میں اچھی ہوں چچی جان، لیکن معذرت کے ساتھ کہنا چاہوں گی کہ مجھے پاکستان بالکل پسند نہیں آیا، یہاں کے لوگ اتنے بدتمیز ہیں کہ لڑکیوں کو ایسے گھورتے ہیں جیسے پہلی بار دیکھا ہو۔" میں نے صاف گوئی سے کہا، جبکہ چاچو میری بات پہ قہقہہ لگا کے ہنسے تھے۔

"جب آپ دعوت نظارہ بن کے ایسے گھروں سے نکلتے ہیں تو پھر لوگوں کے گھورنے کا شکوہ کیوں کرتے ہیں۔" چاچو کی ہنسی کو بریک بھی اسی آواز کو سن کر لگے تھے اور میں نے بھی ٹھٹک کر اس آواز کی سمت دیکھا تھا۔

میرے سامنے کھڑا وہ شخص مردانہ وجاہت کا شاہکار تھا۔ بلاشبہ میں نے اپنی زندگی میں اس شخص سے زیادہ ہینڈسم مرد نہیں دیکھا تھا۔ جو اپنی خوبصورت آنکھوں میں ناگواری لیے دیکھ رہا تھا۔ مجھے سمجھ نہیں آیا تھا کہ پہلی ہی ملاقات میں وہ مجھ سے اتنا روڈ کیوں ہوا تھا۔ میں نے نگاہوں میں الجھن لیے چاچو کی طرف دیکھا۔

"حوریہ فاطمہ، یہ عبدالباری ہے، میرا بیٹا اور معذرت کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ یہ پاکستان کی برائی بالکل نہیں سن سکتا۔" چاچو نے اس کے روڈ انداز کا ازالہ کرنا چاہا۔

"اٹس اوکے چاچو، میں چلتی ہوں۔ ماما کو بتائے بغیر آ گئی تھی وہ پریشان ہو رہی ہوں گی۔" میری طبیعت جو اس کے بدتمیز انداز کو برداشت نا کرپائی تھی، اس کے سبب میں خود کو غیر آرام دہ محسوس کر رہی تھی، لیکن ان کے خلوص کے پیش نظر میں نے معذرت طلب نظروں سے دیکھا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

چاچی نے مجھے روکنے کی کوشش کی مگر میں ساری مروت بالائے طاق رکھ کر بنا کچھ مزید سنے تیز تیز قدم اٹھائے چلی آئی۔ عبدالباری کا طنزیہ لہجہ مجھے پسند نہیں آیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"حور... میں تم سے سخت ناراض ہوں... جس طرح اس دن تم ہمارے گھر سے اٹھ کر چلی گئی تھیں ماما بابا کو اتنا دکھ پہنچا تھا، لیکن بجائے تم معذرت کرنے کے... پورا مہینہ گزر گیا ہمارے گھر تک نہیں آئیں۔" وہ میرے حوالے سے سخت مایوسی کا اظہار کر رہی تھی۔

"اوہ یار تمہیں تو پتا ہے نا میں نے ابھی کالج جوائن کیا ہے پڑھائی کی اتنی مصروفیت تھی کہ باوجود کوشش کے میں وقت نہیں نکال سکی۔" میں ریموٹ سے ٹی وی آف کر کے اس کو مناتے ہوئے بولی تھی۔

"اوہ... تو آج تو فری ہو نا... چلو پھر آج چلو گھر..." وہ ساری ناراضی بھلائے خوشی سے بولی۔

"نہیں یار، تم سب بہت اچھے ہو، لیکن اب میں دوبارہ تمہارے گھر نہیں چلنا چاہتی۔" میں نے صاف انکار کیا۔

"لیکن کیوں...؟" وہ حیران ہوئی۔

"وجہ تمہارا بھائی عبدالباری... جس قدر بدتمیز ہے نا، میں اس کی شکل بھی دوبارہ نہیں دیکھنا چاہوں گی۔" مجھے پھر اس کی وہ ناگواری سے دیکھتی نظریں یاد آ گئی تھیں اور میں غصے سے بولی تھی۔

"تم بھائی کے بارے میں کس طرح بات کر رہی ہو..." وہ فوراً ناراض ہوئی۔

"جو سچ ہے وہی کہہ رہی ہوں۔" میں نے بنا پروا کیے کہا۔

"اوکے بس ٹھیک ہے پھر... جو میرے بھائی کی برائی کرے ایسی لڑکی سے میں بھی بات کرنا نہیں چاہوں گی۔" وہ غصے سے کہتی مجھے ہکا بکا چھوڑ کر پلٹ گئی تھی، جب کہ میں اس کے انداز پہ اب تک حیران بیٹھی اسے روک بھی نہ سکی۔

☆ ☆ ☆

انشراح ایک ہفتہ گزر جانے کے بعد بھی اس سے سخت ناراض تھی وہ اس کی کوئی کال ریسیو کر رہی تھی نا

میسج کا جواب دے رہی تھی انشراح اس کی دوست تھی اور اس کی ناراضی حوریہ فاطمہ باوجود کوشش کے نظر انداز نہیں کرپا رہی تھی۔ انشراح ایک مخلص دوست تھی.... اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ اس کے گھر جاکر اسے مناتی اور یہ کام حوریہ کے لیے بے حد مشکل تھا۔ اس ہی شش و پنج میں ایک ہفتہ مزید گزر گیا تھا۔ وہ سوچوں میں گم تھی جب ساجدہ بیگم دروازہ ناک کرے اس کے پاس آئی تھیں۔

"مام.... آپ یہاں خیریت؟ کوئی کام تھا تو مجھے بلا لیتیں۔" حور نے ماما کی طرف محبت سے دیکھا۔ یہ ان کی محبت ہی تھی جس کی وجہ سے اسے **ایڈجسٹ** ہونے میں آسانی ہوئی تھی۔

"نہیں کام تو کوئی نہیں تھا چندا.... آج افضل بھائی نے ہمیں ڈنر پہ انوائٹ کیا ہے.... تمہارے پاپا۔ آتے ہی ہوں گے تم جلدی سے ریڈی ہو جاؤ۔"

"لیکن ماما میرا بالکل موڈ نہیں ہو رہا کہیں جانے کا۔" حور منہ بناتے بولی۔

"بیٹا وہ تمہارے چاچو کا گھر ہے.... وہ تمہارے اعزاز میں یہ ڈنر دے رہے ہیں اور تم ہی نہ جاؤ.... کتنا برا لگے گا انہیں تم خود سوچو۔" انہوں نے حور کو پیار سے اپنے ساتھ لگاتے سمجھایا۔

"ماما میں وہاں ایزی فیل نہیں کرتی وہ لوگ مجھے پسند بھی نہیں کرتے۔" اس نے دل کی بات بتائی۔

"ایسا کیوں کہہ رہی ہو تم...." وہ چونکیں۔

"بہت محبت کرتے ہیں وہ سب تم سے.... جب تم پیدا ہوئی تھیں تب مجھے کتنے ہی مہینوں تک اپنا بھی ہوش نہ تھا۔ تب تمہارے چاچو کی فیملی نے ہی تمہیں سنبھالا اور پھر بعد میں تمہاری پھپھو جب آئیں اور انہوں نے میری حالت دیکھی تو تمہیں ایڈاپٹ کر لیا۔ تم تو چلی گئیں لیکن افضل بھائی اور شائستہ بھابھی تمہیں کبھی بھولے نہیں۔ وہ تمہیں بھی انشراح کی طرح ہی چاہتے ہیں میری جان۔" ماما دھیمے دھیمے بولتیں اسے سمجھا رہی تھیں۔ ان کے انداز میں چاچو چاچی کے لیے بہت محبت تھی۔

"او کے ماما میں ریڈی ہوتی ہوں۔ آپ بھی جلدی سے تیار ہو جائیں۔ ایسا نہ ہو ہم لیٹ ہو جائیں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ وہ ماما کو بتا نہ سکی تھی کہ اسے شکایت چاچو چاچی سے نہیں ان کے لاڈلے سے تھی۔

وہ ڈارک بلو شرٹ اور بلیک جینز میں اپنے لمبے سیاہ ریشمی بالوں کو ہیر بینڈ میں قید کیے بہت پیاری لگ رہی تھی۔ اس نے خود کو تنقیدی نظروں سے دیکھا اور پھر اپنی تیاری سے مطمئن ہو کر ماما پاپا کے پاس آگئی تھی۔ وہ لاؤنج میں بیٹھے حور کا انتظار کر رہے تھے۔

"چلیں پاپا...." اس نے انہیں متوجہ کیا اور وہ مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

چاچو کے گھر داخل ہوتے ہی حور کا سب سے پہلا سامنا اس ہی شخص سے ہوا تھا جس کو نہ دیکھنے کی وہ دل ہی دل میں دعا کرتی آئی تھی۔

اس دن کے برعکس آج عبدالباری کے چہرے پہ بڑی بھرپور مسکراہٹ تھی۔ وہ بڑی گرم جوشی سے تایا ابو کہتا پاپا سے بغل گیر ہوا اور مما سے دعا لینے کے لیے ان کے آگے سر کو جھکا دیا تھا جب کہ حوریہ فاطمہ کو تو جیسے اس نے دیکھا ہی نہ ہو۔

"بیٹا سلام کرو باری کو۔" پاپا نے اس سے یوں کہا جیسے حور بہت اہم بات بھول گئی ہو۔

مجبوراً پاپا کی خاطر حور کو اس مغرور انسان کو سلام کرنا پڑا تھا جب کہ وہ اسے نظر انداز کرتا پاپا ماما کو لے کر اندر چلا گیا تھا۔ حور اپنی توہین پہ پیر پٹختی ان کے پیچھے پیچھے اندر چلی آئی تھی۔

باری کے برعکس چاچو چاچی حور سے بڑی محبت سے ملے تھے۔ ان کے چہرے سے یہ بالکل ظاہر نہیں ہو رہا تھا کہ وہ حور کی اس دن والی حرکت سے ناراض ہیں۔ وہ اسے کسی شہزادی کی طرح پروٹوکول دے رہے تھے۔

"چاچو انشراح نظر نہیں آرہی کہاں ہے؟"

"بیٹا آج کے ڈنر کی ساری تیاری انشراح نے کی ہے کچن میں ہوگی مل آؤ تم۔" جواب چچی نے دیا اور وہ

سرہلاتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

انشراح اس سے خفا تھی۔ اب مجھے اسے منانا ہے یہ ہی سوچتی وہ کچن میں آئی تھی 'لیکن کچن سے آتی آوازوں نے اس کے قدم وہیں روک دیے تھے وہ ساکت سی وہ آوازیں سنتی رہی۔

''اف انشراح تم نے کس نمونے سے دوستی کرلی ہے..... وہ تمہاری دوستی بالکل ڈیزرو نہیں کرتی۔ نہ اسے ڈریسنگ سینس ہے اور نہ ہی کسی سے بات کرنے کی تمیز۔ اور ماما پاپا انہیں تو نا جانے کیا ہو گیا جو اس بدتمیز لڑکی پہ محبتیں لٹا رہے ہیں۔'' وہ نخوت سے منہ بناتا بول رہا تھا اور تب ہی انشراح کی نظر باری کی پشت پہ کھڑی حوریہ فاطمہ پہ پڑی تھی۔ اور اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ ''حور.....''

انشراح کے انداز پہ باری نے پلٹ کر دیکھا۔ اس کے چہرے پہ شرمندگی کا کوئی رنگ نہیں آیا تھا۔ وہ حور کی طرف ایک چبھتی نظر ڈال کے تیز تیز قدم اٹھاتے وہاں سے چلا گیا تھا۔ حوریہ فاطمہ کی آنکھیں تذلیل کے شدید احساس سے ڈبڈبائی تھیں۔ آنسو پلکوں میں لیے حور چپ چاپ وہاں سے پلٹ آئی تھی۔

اگر اسے چاچو چاچی کے خلوص کا احساس نہ ہوتا تو وہ وہاں ایک لمحے کے لیے بھی مزید نہ رکتی۔ لیکن وہاں رک کر ڈنر کرنا..... اور مسکرا مسکرا کے سب سے باتیں کرنا مشکل ترین ہونے کے باوجود یہ سب حور نے کیا تھا۔ وجہ ان سب کی محبت تھی۔ اور خود کو کمرے میں قید کر کے وہ پھوٹ پھوٹ کے رو دی تھی۔

وہ گھٹیا انسان ہوتا کون تھا مجھے یوں بے عزت کرنے والا؟ آخر سمجھتا کیا تھا وہ خود کو..... اسے کس نے یہ اجازت دی تھی کہ وہ میرا یوں تماشا بنائے۔ آخر کس حق سے وہ میری ذات پہ کیچڑ اچھال رہا تھا؟ چار مہینے ہونے آئے تھے اسے پاکستان آئے..... آج تک ماما پاپا نے میری ڈریسنگ پہ اعتراض نہیں کیا کبھی تو وہ کون ہوتا ہے۔

عبدالباری تمہیں حوریہ فاطمہ کبھی معاف نہیں کرے گی..... اس نے دل ہی دل میں عہد کیا اور روتے روتے سو گئی۔

☼ ☼ ☼

صبح اس کی آنکھ لیٹ کھلی تھی اس لیے اس نے کالج کی چھٹی کرلی تھی۔ رات بھر رونے کی وجہ سے آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور جلن بھی ہو رہی تھی۔ ماما کے پوچھنے پر اس نے سر درد کا بہلنہ کیا۔

''تائی امی' تایا ابو کہاں ہیں..... انہوں نے آج میرے ساتھ آفس جانا تھا۔'' عبدالباری عجلت میں بولتا اندر آیا تھا اس کا دھیان اپنے فون پہ تھا اس لیے وہ حور کو وہاں بیٹھے نہ دیکھ سکا۔ اس لیے جب اس کی نظر حوریہ پہ پڑی تو وہ چونکا تھا اس کی گہری کالی آنکھیں اس وقت رونے کی وجہ سے سرخ ہو رہی تھیں اور گال بھی بھیگے ہوئے تھے جیسے وہ کچھ دیر پہلے بھی روتی رہی ہو۔ باری کو اپنی رات والی باتوں پہ شرمندگی ہوئی۔

''تم بیٹھو باری میں تمہارے تایا ابو کو بلا کے لاتی ہوں۔'' ماما اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتی کمرے میں چلی گئیں۔

حور اس کی رات والی باتیں بھولی نہیں تھی اس لیے اس نے بنا مروت کا مظاہرہ کیے اسے وہاں چھوڑ کے جانے کے لیے قدم اٹھائے تھے اور تب ہی عبدالباری نے اسے آواز دے کر روکا۔

''آئم سوری حوریہ فاطمہ میں کل رات کچھ زیادہ ہی بول گیا تھا۔'' وہ اس کی طرف دیکھتے سپاٹ انداز میں بولا۔

حوریہ ایک لمحے کے لیے اسے نظر انداز کیے جانے لگی تھی لیکن پھر کچھ سوچ کر وہ رکی تھی اور اس کی طرف دو قدم بڑھی تھی۔

''اگر آپ یہ سوچ کر سوری کر رہے ہیں کہ مجھے آپ کی باتوں سے دکھ پہنچا ہو گا تو یہ آپ کی بھول ہے..... مسٹر عبدالباری نہ میرے نزدیک آپ کے ان لفظوں کی کوئی اہمیت تھی اور نہ ہی آپ کے اس سوری کی..... انفیکٹ میرے نزدیک تو آپ کی بھی کوئی اہمیت نہیں..... اس لیے نیکسٹ ٹائم مجھے مخاطب

کرنے کی غلطی نہیں کیجیے گا۔" وہ طنز اور غصے کے ملے جلے تاثرات لیے بولی اور اگلے ہی لمحے وہاں سے چلی گئی۔

جب کے عبدالباری اسے حیرت سے دیکھتا رہ گیا تھا۔ وہ چہرے سے جتنی معصوم دکھائی دیتی بدتمیزی میں اس سے کہیں آگے تھی اور اس بات کا احساس آج باری کو اچھی طرح سے ہو گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

اسے اب پاکستان آئے ایک سال ہو چکا تھا۔ اب وہ خود کو یہاں کافی حد تک ایڈجسٹ کر چکی تھی انشراح سے اس کی دوستی مزید گہری ہوتی چلی گئی تھی۔ اور رہا باری تو وہ اسے اب بھی سخت ناپسند تھا۔ ماما جان کی طبیعت اب اکثر خراب رہنے لگی تھی حور بہت پریشان تھی۔ سالوں بعد اسے ان کا ساتھ ملا تھا۔ اب وہ انہیں کھونا نہیں چاہتی تھی۔ ان دنوں وہ ماما سے قریب ہوتی چلی گئی تھی اسے ماما میں ایک بہت اچھی سہیلی مل گئی تھی۔ انشراح کے ہوسٹل شفٹ ہونے کے بعد ماما ہی وہ واحد انسان تھیں جس سے حور کی گہری دوستی تھی۔

ان دنوں ماما کو بھیا کی شادی کرنے کا شوق ہو رہا تھا۔ اور اس سلسلے میں انھوں نے اسد بھائی سے ان کی ماموں زاد فاریہ کے رشتے کی بات کی تھی۔ انہیں کوئی اعتراض نہ تھا۔ ماما پاپا بہت خوش تھے شادی کی تیاریاں عروج پہ تھیں۔

اسد بھائی کی شادی کے لیے ماما جان نے حوریہ فاطمہ کے لیے پاکستانی ڈریسز ڈیزائن کروائے تھے ان کی خواہش پہ حوریہ فاطمہ نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ حور اپنے سے پہلے ماما پاپا کی خوشی کا سوچتی تھی۔

اسد بھائی کی شادی میں صرف دو ہفتے رہ گئے تھے۔ انشراح اپنے چوتھے سمسٹر سے فارغ ہو کے پہلی فرصت میں گھر آئی تھی۔ اس کی کسی فنکشن کی بھی تیاری مکمل نہ تھی۔ کسی سوٹ کے ساتھ میچنگ ایئر رنگز نہ تھے تو کسی سوٹ کی میچنگ چوڑیاں نہیں تھیں

اور سب سے بڑھ کر اس کی لائٹ گرین اور گولڈن کلر کی میکسی جس میں کاپر کلر کا شیڈ آرہا تھا اس کے میچنگ سینڈلز نہ تھے۔ انشراح حور کی طرف چلی آئی۔

ولیمہ میں پہننے کے لیے انشراح اور حور دونوں نے ایک جیسی فراک لی تھی جس کا دوپٹا فراک کی چولی کے ساتھ جڑا تھا اور دیکھنے میں یوں لگتا تھا جیسے ساڑھی پہنی ہو لیکن ساڑھی سے پیارا لک آتا تھا۔

"حور شاپنگ پہ جانا ہے مجھے۔ بھائی لے کے تو جا رہے ہیں لیکن... اکیلے شاپنگ کرنا زہر لگتا ہے مجھے پلیز تم چلو نا ساتھ۔ وہ خوشامد کرتے ہوئے بولی۔

"اوکے... لیکن ایک شرط پہ... صرف ہم دونوں جائیں گے میرے پاس گاڑی ہے تو پھر تمہارے بھائی کے جانے کی کیا ضرورت۔"

"یار بھائی کے بنا نہیں جاتی میں کہیں... یہ کیسی

شرط ہے۔" وہ جھنجلائی۔

"او کے پھر اپنے بھائی کے ساتھ چلی جاؤ۔۔۔ میں چچی کے پاس جا رہی ہوں۔"

"حوریہ فاطمہ تم بہت مغرور لڑکی ہو آئندہ بات نہیں کرنا مجھ سے۔" اب کی بار وہ سچ میں ناراض ہو گئی تھی۔

"اچھا بس اب یہ طعنے بعد میں دینا۔ لیٹ ہو رہے ہیں ہم۔"

وہ دونوں عبدالباری کے ساتھ مال فورم آئی تھیں۔ انشراح کو اپنی میچنگ سینڈلز مل گئی تھیں۔ کاپر کلر کی ایک نازک سی ہیل کی سینڈل حور کو بھی بہت پسند آگئی تھی اور اس نے وہ خرید لی تھی۔ "ایک تو تمہاری ہائٹ پہلے ہی اتنی زیادہ ہے اوپر سے یہ پہن کر پوری عالم چنا لگو گی۔" انشراح نے مذاق اڑایا۔

"تم کیا جانو میری ہائٹ کتنی پرفیکٹ ہے۔۔۔ اور یہ پہن کے تو میں کتنی لش لگوں گی۔" اس نے انشراح کی بات کو ناک سے مکھی کی طرح اڑا کے نظرانداز کیا۔

"تمہیں خوب صورت دکھنے کا بہت شوق ہے نا حوریہ فاطمہ۔" عبدالباری نے عجیب انداز میں اسے دیکھ کر پوچھا۔

"خوب صورت دکھنے کا شوق نہیں ہے۔۔۔ بس اپنی نظر میں میں پرفیکٹ لگنا چاہتی ہوں میں۔" وہ سنجیدگی سے بولی تھی۔

"او کے کچھ کھاؤ گی تم دونوں؟" عبدالباری نے بنا بحث کیے بات بدل دی تھی۔

"بھائی شکر ہے آپ نے پوچھ لیا مجھے تو اتنی سخت بھوک لگی ہے میں تو ڈنر کروں گی۔۔۔" انشراح نے جھٹ سے کہا جب کہ اس کے انداز پہ حور اور باری دونوں مسکرا دیے تھے۔ رات کے دس بج گئے تھے ان کو گھر پہنچتے پہنچتے ٹریفک رش نے حور کے سر میں درد کر دیا تھا۔ عبدالباری نے انشراح کو ڈراپ کر کے گاڑی حوریہ فاطمہ کے گیٹ کی طرف موڑ دی تھی۔۔۔

"شکریہ۔۔۔ آپ اتنے بھی برے نہیں ہیں جتنا آپ کو میں سمجھ رہی تھی۔" حوریہ نے کار سے اترتے ہوئے کہا۔

"تم اچھی لڑکی ہو میں بھی غلط سمجھا تھا تمہیں۔۔۔" عبدالباری نے مسکراتے ہوئے بولا تھا۔

"فرینڈز!" عبدالباری نے دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔

"یقیناً"۔" اور اس دن لاکھ اختلافات کے باوجود ان دونوں کی دوستی ہو گئی تھی۔ عبدالباری کو اس کی بہت سی عادتوں پر اعتراض تھا۔ لیکن پھر بھی وہ اسے اچھی لگی تھی کیوں یہ وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔

☆ ☆ ☆

دو ہفتے بھی شادی کی تیاریوں میں پر لگا کر اڑ گئے تھے۔۔۔ گھر میں خوشی کے شادیانے بج رہے تھے۔۔۔ اسد اس گھر کا اکلوتا بیٹا تھا اس کی شادی کی تیاریوں میں ہر چیز کی پرفیکشن کا دھیان رکھا گیا تھا۔۔۔ مہندی کا فنکشن خوب دھوم دھڑکے کے ساتھ سیلیبریٹ کیا جا رہا تھا۔ حوریہ فاطمہ گولڈن کلر کی میکسی میں وہاں موجود ہر لڑکی سے زیادہ خوب صورت لگ رہی تھی۔ اس کے لمبے سیاہ سلکی بال جنہیں اس نے کرلی لک دے رکھی تھی بے انتہا حسین لگ رہے تھے اس نے میک اپ کے نام پر صرف لپ اسٹک لگائی تھی اور آنکھوں میں گہرا کاجل، جیولری کے نام پر بھی صرف گولڈن بڑے بڑے آویزے پہنے تھے۔ اس ذرا سی تیاری میں بھی وہ چاند کا ٹکڑا لگ رہی تھی۔۔۔ انشراح اور دیگر کزنز کے ساتھ مل کر اسد کو خوب تنگ کرتی وہ نجانے کتنے دلوں میں گھر کر گئی تھی۔۔۔

انشراح اور اس کی دیگر کزنز نے اب ڈھولک سنبھال لی تھی۔۔۔ خوب رونق اور ہلا گلا مچا ہوا تھا۔۔۔ حوریہ انہیں پہلے حیرت سے ڈھول بجاتا اور گانے گاتا دیکھتی رہی اور آخر میں مذاق اڑانا شروع ہو گئی تھی۔۔۔ جب کہ لڑکیاں اس کے مذاق کی پروا کیے بغیر اب لڑکوں سے مقابلے کی تیاریوں میں مصروف تھیں۔

"حوریہ فاطمہ تم نے میری فرینڈ کو دیکھا ہے؟" وہ اسٹیج پر بیٹھی سب کو دیکھ رہی تھی جب عبدالباری نے اسے چونکا دیا تھا۔

"کون سی فرینڈ؟" اس نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔

"وہ لڑکوں جیسی ہے دکھنے میں ہمیشہ جینز اور ٹی شرٹ میں ہوتی ہے کینیڈا سے آئی تھی دو سال ہونے والے ہیں۔" عبدالباری نے سنجیدہ آواز میں تفصیل بتائی تھی۔۔۔ حوریہ نے ایک دم اس کے چہرے کی طرف دیکھا تھا اس کے چہرے پر چھائی سنجیدگی کو دیکھ کر اسے ہنسی آئی تھی۔

"ہنس کیوں رہی ہو دیکھا ہے تو پلیز بتاؤ نا۔" اس کی سنجیدگی اب بھی برقرار تھی۔

"آپ مذاق بھی کرتے ہیں مجھے حیرت ہو رہی ہے جان کر۔۔۔ میں نے تو آپ کو ورنہ ہمیشہ سڑو ہی سا دیکھا تھا۔ ویسے مجھے سڑو سے عبدالباری نہیں پسند آپ ایسے ہی نہیں رہ سکتے ہمیشہ۔" اس نے فرمائش کی۔

"پھر تم ایسی بن جاؤ تو میں بھی ہمیشہ ایسا ہی رہوں گا۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا گہرے لہجے میں سنجیدگی سے بولا۔

"کیا مطلب؟" حور نے نا سمجھی سے پوچھا۔

"کچھ نہیں تم یہ بتاؤ مجھے بھائی کیوں نہیں کہتیں اتنا بڑا ہوں میں تم سے۔" اس نے فوراً بات بدلی تھی۔

"کیونکہ آپ میرے بھائی نہیں ہیں صرف فرینڈ ہیں اور فرینڈز کو بھائی نہیں کہا جاتا۔" وہ صاف گوئی سے بولتی اسے مسکرانے پہ مجبور کر گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

آج ولیمہ کا فنکشن تھا وہ وائٹ کلر کی موتیوں سے بھری فراک پہنے بالوں کو پشت پہ کھلا چھوڑے نفاست سے کیے گئے میک اپ میں نظر لگ جانے کی حد تک پیاری لگ رہی تھی۔۔۔ وہ اپنی دوستوں کے جھرمٹ میں بیٹھی باتوں میں مشغول تھی جب ماما اس کے پاس آئی تھیں۔۔۔ "حوریہ فاطمہ بیٹا ذرا ادھر آنا مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔۔۔"

"جی کہیں ماما؟" وہ ان کے پیچھے پیچھے دلہن کے کمرے تک آ گئی تھی۔ جہاں پاپا پہلے سے موجود تھے وہ حیران ہوئی تھی۔

"بیٹا میں اور تمہارے پاپا چاہ رہے کہ آج اسد کے ولیمہ میں تمہاری اور عبدالباری کی منگنی کا اعلان کر دیں۔ لیکن اگر تمہاری مرضی ہو تو۔۔۔ اگر تم کسی اور کو پسند کرتی ہو تو بھی بتا سکتی ہو ہم برا نہیں مانیں گے آخری فیصلہ تمہارا ہی ہو گا بیٹا۔" ماما نے اسے وہاں اپنے پاس صوفے پر بٹھاتے ہوئے پیار سے کہا تھا وہ حیرانی سے ان کی شکل دیکھتی رہ گئی تھی۔ ابھی پرسوں ہی تو عبدالباری اسے پسند آیا تھا ابھی تو ان کی دوستی ہوئی تھی ابھی تو وہ دل کی خواہش بنا تھا محبت کی کونپل ابھی تو پھوٹی تھی ابھی تو محبت پھوار بن کر اس کے وجود پر برسی تھی۔۔۔ کیا وہ اتنی خوش نصیب تھی کہ محبت کے اس سفر میں بنا کسی ہجر کے اسے ملن کی نوید سنائی جا رہی تھی اسے اپنی سماعت پہ یقین نہیں آیا تھا۔

"عبدالباری بہت اچھا لڑکا ہے۔ وہ تمہارے لیے پرفیکٹ میچ ہے۔ وہ تمہیں خوش رکھے گا' افضل اور بھابھی بھی تم سے بے حد محبت کرتے ہیں۔ انشراح سے بھی تمہاری گہری دوستی ہے اور عبدالباری کی آنکھوں میں میں نے خود تمہارے لیے پسندیدگی دیکھی ہے۔ تم بہت خوش رہو گی۔" پاپا نے اسے گم سم دیکھ کے سمجھایا۔

"آپ لوگوں نے میرے لیے سوچا ہے اچھا ہی سوچا ہو گا۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں آپ کی خواہش پہ پاپا۔" وہ سر جھکا کر مدھم آواز میں بولتی ان کو سرشار کر گئی تھی۔ انہوں نے محبت سے بیٹی کو سینے سے لگا لیا تھا۔ ایسی بیٹیاں ہی ماں باپ کا فخر ہوتی ہیں۔

اور پھر سب لوگوں کی موجودگی میں چچی جان نے اس کی انگلی میں عبدالباری کے نام کی انگوٹھی پہنا دی۔ شرم و حیا کے دھنک رنگ اس کے چہرے پہ بکھر گئے تھے۔ خوشی سے اس کا چہرہ چاند کو مات دے رہا تھا۔ عبدالباری نے اسے دیکھتے اس کے من موہنے روپ کو نگاہوں کے راستے دل میں اتار لیا تھا۔ وہ ان دونوں کی زندگی کا حسین دن تھا۔

۞ ۞ ۞

فاریہ بھابھی کے آنے سے گھر کی رونق میں اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ بہت اچھی اور محبت کرنے والی تھیں۔ فاریہ کی صورت میں حوریہ کو بڑی بہن مل گئی تھی۔ اور خود فاریہ بھی اسے چھوٹی بہنوں کی طرح ہی چاہتی تھی۔ کینیڈا یاد نہیں آتا تھا۔ وہ پاکستان آنا اپنی زندگی کا سب سے اچھا فیصلہ قرار دے چکی تھی۔ عبدالباری سے اس کی دوستی گہری سے گہری ہوتی چلی گئی تھی۔ اس کا سیکنڈ ایئر کا رزلٹ آچکا تھا۔ اس نے پورے بورڈ میں دسویں پوزیشن لی تھی۔ وہ بہت خوش تھی۔

عبدالباری نے اسے ڈارک بلو کلر کا بہت پیارا سوٹ جس پہ سفید اسٹون کا کام تھا گفٹ کیا تھا۔

عبدالباری نے اس کی پسند کی ڈھیر ساری شاپنگ بھی کرائی تھی۔ پھر وہ اسے اپنے پسندیدہ ترین پکنک پوائنٹ سیکم پوائنٹ لے آیا تھا۔ شام کے سائے جب گہرے ہونے لگے تو وہاں سے نکلنے لگے۔

"ایک بات پوچھوں حور۔" وہ اسے پیار سے حور بلاتا تھا۔ وہ تھی ہی اتنی حسین.... کسی پری کی طرح پیاری۔

"جی پوچھیں۔" وہ سیل رکھ کر اس کی طرف متوجہ ہوئی جو اپنی نگاہیں سامنے مرکوز کیے ہوا تھا۔

"تم اس انگیجمنٹ سے خوش تو ہو نا۔" وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا بولا۔

"آپ کو یہ خیال اب آیا ہے.... جب ہماری منگنی کو چھ مہینے ہو گئے ہیں۔" وہ حیرت سے بولی۔

"خیال تو روز آتا تھا پر اس ڈر سے کہ اگر تم نہ بولو گی تو میرا دل ٹوٹ جائے گا۔ کبھی ہمت نہیں کر سکا پوچھنے کی۔"

"دل تو اب بھی ٹوٹ سکتا ہے۔" وہ شرارت سے بولی۔

"نہیں اب یقین ہو گیا نہیں ٹوٹے گا۔"

"ہاہا لوگ خواب دیکھ رہے ہیں۔" اس نے باری کو چھیڑا۔

"جب اتنا حسین ہم سفر ہو تو خواب تو خود ہی آنکھوں میں سج جاتے ہیں۔" جواباً" باری نے گہری نظروں سے دیکھ کر کہا۔

اس کے جواب پہ حوریہ فاطمہ بلش ہوئی تھی اس کے سفید سفید گال یک دم گہرے سرخ ہوئے تھے۔ اور اس کی نظریں فوراً" باہر کی طرف مرکوز ہوئی تھیں۔

"اف حوریہ فاطمہ آپ شرماتی بھی ہیں۔" وہ محظوظ ہوتے بولا۔

"جی نہیں میں کیوں شرماؤں گی۔"

"تم شرما رہی ہو۔" باری کو مزا آرہا تھا اسے تنگ کرنے میں۔

"ہاں شرما رہی ہوں آپ اس طرح کی باتیں کریں گے تو بندے کو شرم تو آئے گی نہ۔" وہ خفا ہوتے ہوئے بولی۔

"کس طرح کی باتیں...." وہ معصومیت سے بولا۔

"پلیز نہیں کریں نہ باری۔" وہ شرماتے ہوئے بولی۔

"ایک بار پھر سے کہنا۔" اسے اس کے منہ سے اپنا نام سن کے اچھا لگا تھا۔

"آپ بہت برے ہیں۔" وہ تنگ آکر آنکھیں موند کے بیٹھ گئی۔ جب کہ ہونٹ اس کے خود بخود مسکرانے لگے۔

۞ ۞ ۞

باہر آسمان پہ بادل تیزی سے اکٹھے ہو رہے تھے۔ غالب گمان تھا کہ یہ سیاہ گھٹا ضرور برسے گی۔ دسمبر کا مہینہ چل رہا تھا اور اگر بارش ہوتی تو یقیناً" کراچی کا موسم بھی ٹھنڈا اور خوش گوار ہو جاتا۔ آسمان پہ چھائے گہرے بادلوں کو دیکھتی وہ اپنی بالکونی میں کھڑی شام کی چائے انجوائے کر رہی تھی۔ موڈ تو ویسے ہی آج کل اس کا خوشگوار رہتا تھا ابھی بھی وہ دل ہی دل میں کچھ گنگنا رہی تھی۔ جب اس کی توجہ موبائل نے اپنی طرف کھینچی تھی۔ موبائل اسکرین پہ انشراح کالنگ

کے الفاظ جلتر نگ بجا رہے تھے۔ اس نے کال ریسیو کر کے سلام کیا۔

"حور! امی اتنی بیمار ہیں۔ تم خیریت ہی پوچھ آتیں۔ پتا بھی ہے میں پڑھائی میں مصروف دوسرے شہر میں ہوں۔" وہ شکایت کرتے ناراض ہوئی تھی۔

"کیا ہوا چچی جان کو...؟" ان کی طبیعت کی خرابی کا سن کر وہ فوراً" گھبرا گئی تھی اور گرم گرم چائے کا کپ اس کے ہاتھوں کو جلاتا گر گیا تھا۔ "اوئی...." اس کے منہ سے بے ساختہ چیخ نکلی تھی۔ دوسری طرف انشراح فوراً" پریشان ہوئی تھی۔

"کچھ نہیں بس ذرا سا ہاتھ جل گیا۔" اس نے جلن برداشت کرتے ہوئے کہا۔

"اف ایک تو تم بھی نا جاؤ جلدی سے برنال لگاؤ۔ میں بعد میں بات کرتی ہوں۔" وہ محبت بھری فکرمندی سے بولی۔ جب کہ جلے ہوئے ہاتھ کو حور نے ٹھنڈے یخ پانی سے دھویا۔ اور پھر اپنی شال لے کے ماما سے اجازت لے کر چاچو کی طرف چل گئی۔ اس کے پہنچتے پہنچتے ہلکی ہلکی برسات شروع ہو چکی تھی۔

"السلام علیکم چچی جان...." وہ ان کے کمرے میں آکر محبت بھرے انداز میں بولی۔ "میں بہت ناراض ہوں آپ سے۔ آپ نے مجھے بتایا تک نہیں کہ آپ کی طبیعت خراب ہے۔" وہ ناراض ہوئی۔

"بس بیٹا موسمی بخار ہے۔ سوچا کیا پریشان کروں تمہیں۔"

"اتنا تیز بخار ہے۔ دوائی نہیں لی آپ نے؟" وہ فکرمندی سے بولتی کمرے میں بکھرا پھیلاوا سمیٹنے لگی۔

"بیٹا چھوڑو اسے تم میرے پاس بیٹھو۔" انہوں نے آتے ساتھ اسے کام میں لگتے دیکھ کے کہا۔ پانچ منٹ میں حور نے کمرے کو بالکل صاف کر دیا تھا۔ "چچی آپ رکیں میں آپ کے لیے چائے بنا کر لاتی ہوں۔ پھر ڈھیر ساری باتیں کریں گے۔ سردی بھی بڑھ گئی ہے۔ اور اب تو بارش بھی تیز ہو گئی ہے۔" وہ پیار سے بولی۔

"اوہ آج تو بڑے بڑے لوگوں نے کچن کو شرف بخشا ہے۔" وہ چائے کو کپ میں نکال رہی تھی جب عبدالباری کی آواز پر چونکی تھی جب کہ وہ اب کاؤنٹر پر بیٹھ گیا تھا۔ "ایک کپ چائے مل سکتی ہے مجھے۔" وہ اسے دیکھتا ہوا بولا۔

"اوہ یہ کیا ہوا ہے تمہارے ہاتھ پہ؟"

حوریہ فاطمہ کا' چائے دینے کے لیے بڑھا ہاتھ چونک کر دیکھا تھا اور کپ لے کر سائیڈ پہ رکھ دیا تھا۔

"چائے گر گئی تھی ذرا سا جل گیا ہے۔" وہ لاپروائی سے بولی تھی جب کہ عبدالباری کے چہرے پہ فکرمندی تھی۔

"تم پاگل ہو یار.... برنال لگایا تھا تم نے؟ نہیں لگایا ہو گا۔" وہ اب کچن کے کیبنٹ سے فسٹ ایڈ باکس نکال رہا تھا اور حوریہ فاطمہ نے اسے محبت سے دیکھا۔ اس کا فکر کرنا حور کو اچھا لگا تھا۔

وہ اب آہستہ آہستہ اس کے ہاتھ پہ برنال لگا رہا تھا۔ حور کے اندر تک ٹھنڈک کا احساس اتر رہا تھا۔ اس احساس کے آگے ہر تکلیف بھول جاتی ہے کہ کوئی ہمیں اتنا چاہتا ہے کہ اسے ہماری تکلیف پہ تکلیف ہوتی ہے' کوئی ہماری خود سے زیادہ پروا کرتا ہے' کسی کے لیے ہم دنیا میں سب سے زیادہ اہم ہیں اور یہ کہ کسی کی ہر خوشی ہم سے وابستہ ہے۔ حور کو بھی اس کی محبت کے آگے ہر تکلیف بھول چکی تھی۔

"کیا سوچ رہی ہو لاپروا لڑکی.... اتنے غور کے دیکھ رہی ہو۔ نظر لگانے کا ارادہ ہے۔" وہ شرارت سے بولا۔

"اتنے بھی ہینڈسم نہیں ہیں کہ میری نظر لگے۔" وہ فوراً" انکاری ہوئی۔

"ہاں پتا چل رہا ہے' تمہاری نظروں کو میں پڑھ چکا ہوں کہ کتنا ہینڈسم اور حسین ہوں۔" وہ شوخ ہوا۔ حور کی کلائی اس کے ہاتھ میں تھی۔

"پلیز اب ہاتھ تو چھوڑ دیں۔ چچی جان انتظار کر رہی ہوں گی اور چائے بھی ٹھنڈی ہو رہی ہے۔" وہ اس کی قربت سے گھبرا کر بولی۔

"ایسے کیسے چھوڑ دوں۔ یہ ہاتھ میں نے چھوڑنے کے لیے تو نہیں تھاما۔" وہ آج موڈ میں تھا۔

"اچھا کیا ہے... پلیز۔" وہ روہانسی ہوئی۔

"ہاہاہا..." اس کی صورت دیکھ کر باری کا بڑا جاندار قہقہہ نکل گیا۔ "اچھا جاؤ کیا یاد کرو گی۔" اس نے اس کی کلائی اپنی گرفت سے آزاد کر دی۔ اور حوریہ ایک لمحے کی دیر کیے بغیر چائے کی ٹرے اٹھا کر بھاگ گئی۔

☼ ☼ ☼

"بیٹا تم نے اتنی محنت کی، باری باہر سے کھانا لے آتا۔" چچا جان نے کھانوں سے سجی مہک میں بسی ٹیبل کو دیکھتے پیار سے کہا۔

"چاچو باہر سے تو آجاتا مگر گھر کا ذائقہ تو نہیں ملتا نہ اس میں اور میں نے جتنی محبت سے کھانا بنایا ہے۔ باہر والے تو نہیں بناتے نا۔" وہ محبت سے بولی تھی۔

"ہاں بالکل حوریہ فاطمہ۔ پھر محبت کا ذائقہ کیسے محسوس کرتے ہم۔" وہ شرارت سے بولا۔ جب کہ وہ نظر انداز کیے ماما کو سوپ دینے چلی گئی تھی۔

"بیٹا اتنی محنت کی تم نے۔ کب سے لگی ہو تھک گئی ہو گی۔" چچی جان تشکر بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولیں۔

"تھکن کیسی چچی جان۔ اپنوں کے لیے کام کر کے بھی تھکا ہے کوئی اور پھر یہ تو میں نے اپنے شوق سے کیا ہے۔" اس نے سوپ انہیں پلاتے ہوئے کہا۔

"ماشاء اللہ بہت ذائقہ ہے تمہارے ہاتھ میں بیٹا۔" حوریہ نے پھر چچی کو میڈیسنز دیں اور لائٹ آف کر کے چلی آئی۔ چچا اسٹڈی میں چلے گئے تھے۔ جب کہ ڈائننگ ٹیبل بالکل صاف تھی۔ وہ برتنوں کی ٹرے لے کر جب کچن میں آئی تو حیران رہ گئی تھی۔ باری گندے برتن دھو رہا تھا۔

"یہ کیا کر رہے ہیں آپ۔" وہ حیران ہوتے بولی۔

"میں کر لوں گی ہٹیں آپ۔" وہ فوراً اسے ہٹانے لگی۔

"میڈم آپ نے جتنا کرنا تھا کر لیا ہے آپ وہاں بیٹھ کر ڈنر کریں۔ تب تک میں اس کام سے فارغ ہو جاؤں گا۔ پھر آپ کو اپنے ہاتھ کی بنی مزے دار چائے پلاؤں گا۔" وہ کچن میں رکھی ڈائننگ ٹیبل کی کرسی پہ اسے بٹھاتے ہوئے بولا۔ وہ جب تک کھانے سے فارغ ہوئی باری تب تک چائے بنا چکا تھا اور اس کا اور اپنا کپ لیے وہیں کرسی پہ بیٹھ گیا۔

"باری آپ یہ سب.... میرا مطلب ہے اتنا پرفیکٹلی کر رہے ہیں کیسے...." وہ حیران ہوئی۔

"جناب یہ میں پہلی بار نہیں کر رہا۔ ان فیکٹ مجھے کھانا بنانا بھی آتا ہے۔ ماما کی طبیعت اکثر خراب رہتی ہے اور اسی وجہ سے میں اور انشراح دونوں ہی کچن کے کاموں میں ماہر ہو چکے ہیں۔ پاپا اور خود ماما کو پسند نہیں کہ کچن میں کسی میڈ کو رکھیں۔" وہ تفصیل سے بولا۔

"یہ تو ٹھیک ہے لیکن آپ مرد ہیں اور اس طرح کچن کے کام.... میں بہت سرپرائز ہوئی ہوں۔"

"حور مرد ہوں تو کیا ہوا۔ جب ہماری عورتیں.... صبح سے شام تک ہمارے لیے کام کرتی ہیں، ہمارا خیال رکھتی ہیں تو ہم مرد بھی کبھی ان کی مدد کر دیں تو کیا برائی ہے۔ رہی کچن کے کاموں کی بات تو.... تو کوئی کام چھوٹا بڑا نہیں ہوتا۔ نہ ہی ہمیں گھر کے کسی بھی کام کو کرتے شرم محسوس کرنی چاہیے۔ گھر کے کام صرف عورت کے لیے نہیں ہوتے۔ مرد کا بھی فرض بنتا ہے کہ اس کی مدد کرے اس کا ہاتھ بٹائے۔" وہ اس وقت اتنی اچھی باتیں کرتا اس کے دل میں اتر رہا تھا۔ حور کو اپنے نصیب پر رشک آیا تھا۔ وہ اتنا اچھا، محبت اور احساس کی مٹی سے گندھا مرد، اس کا **ہمسفر** تھا۔ یہ احساس ہی خوش ہونے اور اپنے نصیب پر رشک کرنے کے لیے کافی تھا۔

"چائے اچھی ہے۔" سپ لیتے اس نے تعریف کی۔

"مجھے پتا ہے۔" وہ شوخ ہوا۔

"ایک بات بتاؤں۔ آپ بہت الگ ہیں۔ بہت منفرد، بہت کم لوگ آپ جیسے ہوتے ہیں۔ آپ خاص ہیں کیوں کہ آپ احساس کی دولت سے مالا مال ہیں۔" وہ خلوص دل سے بولی۔

"مطلب تم امپریس ہو گئی ہو مجھ سے۔" وہ خوش ہوا۔

"جی نہیں اتنی جلد امپریس نہیں ہوتی میں۔" وہ انکار کرتے ہوئے بولی۔
"ایک دن تم امپریس ضرور ہو گی۔ وہ پر یقین انداز میں بولا۔
"دیکھتے ہیں۔" وہ چیلنجنگ انداز میں بولی۔

☼ ☼ ☼

لاکھ مجھ کو نا پسند کرے کوئی
ایک رتی نہیں بدلنے کی میں

دن تیزی سے گزرتے جا رہے تھے۔ سردی جس تیزی سے آئی تھی اتنی تیزی سے گزر بھی گئی تھی۔ بہار کا موسم شروع ہو چکا تھا۔ ہر طرف رنگوں اور پھولوں کی بہار تھی۔ آج پندرہ مارچ تھی عبدالباری کی سالگرہ کا دن۔۔۔ اتفاق سے آج سنڈے تھا۔ سب نے چھٹی کی اور عبدالباری کی سالگرہ کو بھرپور طریقے سے انجوائے کرنے کے لیے مبارک ویلج پکنک کا پروگرام بنا لیا تھا۔ برتھ ڈے کی ساری تیاری انشراح اور حوریہ نے مل کر کی تھی۔ اور کیک بھی گھر میں بیک کیا تھا۔
لمبے سفر کے بعد وہ لوگ بالآخر مبارک ویلج پہنچ گئے تھے۔ سفر کی ساری تھکان دور تک پھیلے صاف شفاف نیلے پانی خوب صورت سمندر کو دیکھتے ہی ختم ہو چکی تھی۔

بلاشبہ وہ کراچی کا خوب صورت ترین پکنک پوائنٹ تھا۔ ایک ایسی جگہ جہاں آ کر کوئی بھی پاکستان سے محبت میں گرفتار ہو سکتا ہے۔ حوریہ فاطمہ سب کچھ بھلا کر اس کے سحر میں کھو چکی تھی۔
"کتنی حسین جگہ ہے نہ یہ انشراح۔ پہلی ہی نظر میں اپنا بنا لینے والی۔" وہ خوشی سے چہکتے ہوئے بولی تھی۔

"ہاں ہے تو واقعی حسین۔" انشراح بھی اس کے حسن میں کھوئے بولی۔ "آؤ اس پتھر پر بیٹھ کے پک بناتے ہیں انشراح۔" اس نے پانی کے بیچ میں پہاڑی پتھر کی طرف اشارہ کیا۔
"اگر ایسے میں کوئی لہر آ کے تم دونوں کو بہا کے لے جائے تو۔" باری نے انہیں خوف زدہ کرنے کی کوشش کی۔
"تو کیا ہوا۔ آپ ہیں نہ!" حوریہ پر اعتماد لہجے میں بولی تو باری اس کے یقین پر دل ہی دل میں مسکرایا۔
اس نے دونوں کی تصویریں لے لیں تو دونوں نیچے اتر آئیں۔
"اوہ یاد آیا امی بلا رہی تھیں تم دونوں کو۔" باری نے کہا تھا۔
"اوہ اچھا آپ لوگ باتیں کریں میں ابھی آتی ہوں۔" انشراح یہ کہتے ہوئے چلی گئی۔
"صبح سے میری برتھ ڈے کے لیے اتنی محنت کرنے کے بجائے اگر تم مجھے وش بھی کر دیتیں تو مجھے خوشی ہوتی حور۔" وہ اس کے ساتھ ٹھنڈی ریت پر چلتے ہوئے بولا۔ انداز میں خفگی تھی اور چہرے پہ سنجیدگی۔
"وش کرنا ضروری تھا میں نے رات کو میسج تو کیا تھا آپ کو۔" وہ اس کی ناراضی دیکھ کے حیران ہوئی۔
"تم ہر بات مجھ سے میسج پہ کرلی ہو۔ میں تمہارے لیے کیا یہ اہمیت رکھتا ہوں کہ تم ایک میسج کر کے خود کو فری سمجھو۔" اس کی خفگی بڑھی تھی اور ساتھ میں قدموں کی رفتار بھی۔ وہ دونوں چلتے چلتے بہت دور نکل آئے تھے۔ حور نے اپنی رفتار تیز کر کے اس کے برابر چلنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن نہیں چل سکتی تھی مجبوراً" اس نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے روکا تھا۔
"آئم سوری۔۔۔ عبدالباری کا ہاتھ اب بھی اس کے ہاتھ میں تھا جبکہ نگاہ جھکی ہوئی تھی۔
"کیا یار اب بھی سوری کہہ رہی ہو اب تو وش کر دو۔" اس نے ساری ناراضی بھلائے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔
"سالگرہ مبارک ہو۔" وہ نگاہیں جھکا کے شرما کر بولی تھی۔ لبوں پہ خود بخود ایک شرمگیں مسکراہٹ چھا گئی تھی۔
"اف مجھے یقین نہیں آ رہا تم۔۔۔ حوریہ فاطمہ۔۔۔ تم

مجھ سے شرما رہی ہو۔" وہ مسکراتے ہوئے حیرانی سے بولا۔

"اچھا مجھے گفٹ بھی چاہیے۔" اس کی خاموشی محسوس کرکے وہ کچھ دیر کے لیے وقفے سے بولا۔

"کیسا گفٹ..." وہ حیران ہوئی۔

"حور تم میرے آئیڈیل سے بالکل الگ ہو... لیکن میں پھر بھی تم سے بے حد محبت کرتا ہوں۔ اتنی کہ تم جس طرح بھی مجھے ملو مجھے قبول ہے۔ لیکن کیا یہ نہیں ہو سکتا تم میرے لیے خود کو بدل لو۔ خود کو اس رنگ میں رنگ دو جو مجھے پسند ہے۔" وہ اس کی سلیولیس نئی شرٹ اور جینز کی اشارہ کرتے بولا جس کے پائنچے حوریہ فاطمہ نے پنڈلیوں تک فولڈ کیے ہوئے تھے۔

حوریہ فاطمہ نے آہستہ سے نرمی سے اس سے ہاتھ چھڑا لیے تھے اور اس کے آگے چلتے وہ آہستہ سے بولی تھی۔

"عبدالباری آئی ایم سوری لیکن میں کسی کے لیے بھی خود کو بدل نہیں سکتی۔ میں جیسی ہوں ویسے خود کو بہت پسند ہوں۔ اگر آپ کو میرا ساتھ قبول ہے تو ایسے ہی مجھے بھی قبول کرنا ہوگا۔ میں کیسے کسی کے لیے اپنی شناخت بدل لوں۔"

اس کے بعد باری نے مزید کوئی سوال نہیں کیا تھا وہ خاموشی سے اس کے پیروں کے نشانوں پہ چلتا اس کی طرف بڑھا تھا۔

محبت میں محبوب کی پسند سے زیادہ تو کچھ بھی اہم نہیں ہوتا۔ وہ اسے سمجھا سکتا تھا زبردستی نہیں کر سکتا تھا اس کے لیے سب سے اہم حوریہ فاطمہ کی خوشی تھی پھر چاہے وہ کسی چیز میں بھی ہو۔

☆ ☆ ☆

گھر میں حوریہ فاطمہ اور عبدالباری کی شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں۔ چچی جان کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی تھی اس لیے ان کی خواہش پر حوریہ فاطمہ کی دوران تعلیم ہی شادی طے ہو رہی تھی ابھی وہ تھرڈ ایئر میں تھی اسے اور عبدالباری کو کوئی اعتراض نہیں تھا سب بہت خوش تھے۔ حوریہ فاطمہ کی ساری شاپنگ مما اور فاریہ بھابھی ہی کر رہی تھیں اس لیے وہ پر سکون تھی جون کا ٹھڈ چل رہا تھا گرمی اپنے عروج پہ تھی وہ لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی دیکھتے ہوئے ٹھنڈے جوس سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ جب انشراح آئی آج کل اس کی چھٹیاں تھیں وہ میڈیکل کے فورتھ ایئر میں تھی اور آج کل لیاقت نیشنل سے انٹرن شپ کر رہی تھی۔

"میرے پاس ایک مزے کی خبر ہے۔" انشراح نے تجسس پھیلایا۔

"اچھا وہ کیا جلدی بتاؤ۔" وہ آنکھوں میں چمک بھرے فوراً اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"سنڈے کو بھائی کا حیدر آباد کی ٹیم کے ساتھ ہاکی میچ ہے کیا ارادہ ہے۔" اس نے شرارت سے کہا۔

"رئیلی... میرا تو بڑا نیک ارادہ ہے اور تمہارا..." اس نے انشراح سے پوچھا۔

"تم جہاں ہم بھی حور میڈم وہاں۔" وہ گنگنائی۔

"چلو پھر ٹھیک ہے، لیکن باری کو نہ بتانا ہمارے پلان کا ہم ان کو سرپرائز دیں گے۔"

"اوکے میڈم۔" انشراح نے ہنستے ہوئے سر ہلایا۔

☆ ☆ ☆

وہ سی گرین ہاف سلیو شرٹ میں ڈارک گرین جینز پہنے آئینے کے سامنے کھڑی اپنی گھنی خمدار پلکوں کو مسکارے کا ٹچ دے رہی تھی بالوں کو اس نے کرل کر کے شانوں پہ کھلا چھوڑ دیا تھا آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر مسکارا لگانے کے بعد اس نے اپنا تنقیدی جائزہ لیا تھا وہ بہت پیاری لگ رہی تھی بالکل کسی باربی ڈول کی طرح۔ گرین کلر میں اس کی گوری رنگت دمک رہی تھی وہ کار کی چابیاں لے کر اور اپنا سیل اٹھا کر پورچ میں کھڑی اپنی گاڑی کی طرف بڑھی تھی ساتھ میں انشراح کو میسج بھی کر دیا تھا کہ گیٹ پہ آؤ۔

میچ شروع ہونے میں آدھا گھنٹا بچا تھا وہ تیز ڈرائیو کرتی اگلے پانچ منٹ میں انشراح کے گیٹ پر تھی اس

نے پہنچتے ساتھ ہی ہارن پہ ہاتھ رکھ دیا تھا اور جب تک انشراح آکر بیٹھ نہیں گئی اس نے ہاتھ نہیں ہٹایا تھا۔

"تم اس حلیے میں جاؤ گی؟" وہ حیران پریشان سی اسے دیکھتی ہکا بکا نظر آرہی تھی چھوٹی سی ٹائیٹ شرٹ اور جس کی آستینیں صرف نام کی حد تک تھیں ان سے جھانکتے اس کے سفید دودھ دھیا بازو۔ انشراح گنگ سی اسے دیکھے گئی۔

"کیوں اچھی نہیں لگ رہی؟" اس نے ڈرائیو کرتے ایک بار پھر شیشے میں خود کو دیکھا تھا۔

"پلیز گاڑی روکو اور چینج کر آؤ یا چادر اور اسکارف ہی لے لو۔" وہ اسے سمجھانے لگی۔

"کیا گنواروں والی باتیں کر رہی ہو اتنی اچھی تو لگ رہی ہوں میں۔"

"اور میچ شروع ہونے میں کچھ ہی ٹائم رہ گیا ہے۔" ساتھ ہی اس نے ایکسیلیٹر پر دباؤ بڑھایا۔

"بھیا جان لے لیں گے حور تمہاری اگر انہوں نے تمہیں اس حلیے میں اسٹیڈیم میں دیکھا تو اور ساتھ میں میری بھی۔" وہ سچ میں پریشان ہو گئی تھی حور کی ڈریسنگ دیکھ کر اس کی ساری خوشی غارت ہو گئی تھی وہ باری کو اچھی طرح سے جانتی تھی اور اب اس کے متوقع ردعمل کا سوچ کر ہی پریشان تھی۔

"ایسا کچھ نہیں ہو گا پریشان مت ہو اور مجھے آرام سے ڈرائیو کرنے دو۔" اس نے میوزک آن کرتے ہوئے اسے ڈپٹا۔

انتہائی ریش ڈرائیو کر کے حور اور وہ وقت پر اسٹیڈیم پہنچ گئی تھیں۔ انشراح دل ہی دل میں دعا کر رہی تھی کہ باری کی نگاہ ان پر نہ پڑے۔

میچ شروع ہو چکا تھا باری کی اب تک ان پہ نظر نہیں پڑی تھی انشراح شکر ادا کرتی میچ انجوائے کر رہی تھی تب ہی باری نے گول کیا تھا اور حور خوشی سے اچھل پڑی تھی ساتھ ہی اس نے نعرے لگانے اسٹارٹ کر دیے تھے۔ وہاں موجود لڑکے اس ٹام بوائے ٹائپ لڑکی کو جو پریوں سی حسین تھی، دلچسپی سے دیکھنے لگے تھے۔ تب ہی باری کی نگاہ ان پر پڑی تھی اور اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا جبکہ حور اس بات سے بے خبر اسے داد دے رہی تھی۔

میچ ختم ہو چکا تھا باری کی ٹیم جیت چکی تھی تب ہی انشراح نے اسے وہاں سے چلنے کا کہا تھا وہ باری کا غصیلا چہرہ دیکھ چکی تھی اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہاں کوئی تلخی ہو جبکہ حور اب باری کی ٹیم سے ملنے کا ارادہ رکھتی تھی۔

"یار بے وقوفی کی باتیں نہ کرو بھائی بہت غصہ ہوں گے۔" وہ زبردستی اس کا ہاتھ کھینچتی اسے باہر لائی تھی۔

"ایکسیوزمی میم! کیا میں آپ کے ساتھ ایک سیلفی لے سکتا ہوں۔" وہ جانے کے لیے مڑیں تھیں جب کراچی ٹیم کا ایک کھلاڑی اسے پکارتے آگے بڑھا تھا انشراح گنگ سی اسے دیکھ رہی تھی جبکہ حور یہ فاطمہ بھی۔۔۔ حیران رہ گئی تھی۔

وہ بولڈ تھی لیکن اتنی بھی نہیں کہ کسی کھلاڑی کے ساتھ تصویر بنالے۔ اور وہ لڑکا وہ اس کے حسن سے شاید کچھ زیادہ ہی مرعوب نظر آرہا تھا۔ وہ سہولت سے جیسے ہی اس لڑکے کو انکار کر کے پلٹی گنگ رہ گئی تھی باری خونخوار نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا انشراح جا کر کار میں بیٹھ گئی تھی۔

باری غصے سے آگے بڑھا تھا اور اس کے بھاری ہاتھ کا نشان اس کے نازک گال پر اپنا نشان چھوڑتا چلا گیا تھا۔

"تم بے شرم لڑکی۔۔۔ یہ ہی چاہتی تھی نہ تم کہ لوگ تمہارے حسن کو سراہیں، تمہیں خراج پیش کریں مل گیا تمہیں خراج۔۔۔ خوش ہو نا اب تم۔ اس لیے اس طرح کے چھوٹے چھوٹے کپڑے پہن کر اپنے جسم کی نمائش کرتی ہو نا۔۔۔" اسے خود سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ غصے سے کیا بول رہا ہے۔ اس کی زبان سے نکلتے شعلے حور کو خاکستر کر رہے تھے۔

"بس۔۔۔ ایک لفظ اور نہیں۔" حور کا سکتہ ٹوٹا تھا۔

"تم خود کو کیا سمجھتے ہو تم ہوتے کون ہو مجھ پہ انگلی اٹھانے والے۔۔۔ تم خود کو بہت پارسا سمجھتے ہو تم اور تمہاری بہن کے علاوہ سب گندگی کا ڈھیر ہیں نا۔۔۔"

وہ آنسوؤں سے غم دکھ اور بے یقینی سے چیختی بولتی چلی گئی۔

"نہیں بس اب نہیں اب میں تم کو اس کا موقعہ نہیں دوں گی۔۔۔ توڑتی ہوں میں تم سے اپنا آج ہر رشتہ اس انگوٹھی نے ہی تمہیں اجازت دی ہے نا میری ذات پہ کیچڑ اچھالنے کی۔ مارتی ہوں میں تمہارے منہ پہ اسے۔"

اس نے انگوٹھی اتار کر اس کے منہ پر پھینکی اور اسے گنگ چھوڑ کر روتی پلٹ گئی۔۔۔

انشراح نے گاڑی میں بیٹھتے اس کی شکل سے صورت حال کا اندازہ لگانا چاہا۔۔۔ گالوں پہ جمی انگلیوں کے نشان اور آنکھوں سے بہتا کاجل۔۔۔ سب کچھ کہہ گیا تھا حور کو ایسے دیکھ کر انشراح کو بہت تکلیف ہوئی تھی۔

☆ ☆ ☆

آج تین دن گزر چکے تھے اس نے خود کو کمرے میں قید کیا ہوا تھا۔ تین دن سے مسلسل رونے کے باوجود آنسو تھے کہ خشک ہونے میں نہ آتے تھے۔۔۔ ان تین دنوں میں باری نے لاتعداد کال اور میسجز کیے تھے لیکن حور نے کسی میسج کا نہ ریپلائے دیا تھا اور نہ ہی کوئی کال ریسیو کی تھی۔ اور وہ خود بھی تو ان تین دنوں میں اتنی بار آچکا تھا اس سے بات کرنے اسے منانے۔

گھر والوں کو پتا چل گیا تھا ان کا جھگڑا ہوا ہے لیکن وجہ کیا ہے کسی کو پتا نہ تھی۔

اپنی طرف سے تو خود ہر رشتہ ختم کرچکی تھی۔ اسے ایسے کسی شخص سے رشتہ رکھنے کی ضرورت نہ تھی جو اتنے تنگ ذہن کا ہو۔۔۔ جس کے نزدیک اس کی عزت کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ محبت بنا عزت کے کوئی اہمیت نہیں رکھتی جب کہ عزت بنا محبت کے بھی دل میں گھر کر جاتی ہے۔ غصے نے حور کے سوچنے، سمجھنے کی ہر صلاحیت ختم کرکے رکھ دی تھی۔

شام کا وقت تھا طبیعت جب حد سے زیادہ بوجھل ہوگئی تھی تو وہ کمرے سے نکل کر باہر آگئی تھی۔ موسم خوش گوار تھا اور ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی۔ وہ پیروں کو سلیپر کی قید سے آزاد کرکے گیلی گھاس پہ چلنے لگی تھی۔ ایک فرحت بخش احساس تھا جو اس کی روح تک میں اتر گیا تھا۔ ذہن کو تراوٹ ملی تھی اور بہت دن بعد وہ خود کو تروتازہ محسوس کر رہی تھی۔ آج باری سے لڑائی ہوئے دس دن ہو گئے تھے۔ باری نے بھی آخر تھک کے دو دن سے رابطہ ختم کردیا تھا۔ اور اس چیز نے حور کے غصے میں اور اضافہ کیا تھا۔

وہ چہل قدمی کرتے کرتے جب تھک گئی تو پھر وہیں بیٹھ گئی تھی۔ تب ہی فاریہ بھابھی گرما گرم پکوڑوں کے ساتھ چائے کا بھاپ اڑاتا مگ لے کر اس کے پاس آئی تھیں۔

"تھینک یو۔۔۔ مجھے اس وقت سچ میں چائے کی طلب ہورہی تھی۔" وہ مسکرا کے بولی۔

"ایک بات کہوں حوریہ فاطمہ اگر تم برا نہ مانو تو۔۔۔" وہ کچھ کہتے کہتے رکیں۔

"جی کہتے نا۔۔۔ آپ کو اجازت کی ضرورت تو نہیں ہونی چاہیے بھابھی۔" حور خلوص سے بولی۔

"میں تم سے عبدالباری کے متعلق بات کرنا چاہ رہی ہوں ویسے تو تم لوگوں کا یہ پرسنل میٹر ہے لیکن مجھے لگتا ہے کہ تم دونوں کو بیٹھ کر بات سلجھانی چاہیے یوں تعلق ختم کرنے سے رشتے کمزور پڑجاتے ہیں۔"

"پلیز بھابھی آپ کچھ نہیں جانتیں' اور ویسے بھی میں اب اس شخص سے ہر رشتہ ختم کر آئی ہوں۔" وہ سرد مہری سے بولی۔

"دل کا رشتہ بھی؟" انہوں نے گہرے انداز میں دیکھتے سوال کیا۔

"دل کا رشتہ تو شاید ہمارے درمیان کبھی بن ہی نہیں سکا تھا اگر بنتا تو وہ مجھے سمجھتے نہ کہ میرا تماشا بنا کر رکھ دیتے۔" وہ کمزور لہجے میں بولی۔

"تم سمجھنے میں غلطی کر رہی ہو میری جان' دل کے رشتے اگر بدگمانیوں میں کھو جائیں تا پھر ساری زندگی کی اداسیاں مقدر بن جاتی ہیں وہ تم سے بہت محبت کرتا

ہے اور تم بھی اس سے بہت محبت کرتی ہو اور محبت کے رشتے لفظوں سے نہیں ٹوٹتے ہیں یہ تو دل سے جڑتے ہیں اور مرتے دم تک ساتھ نبھاتے ہیں یہ اگر کھو بھی جائیں تو دل سے جدا نہیں ہوتے۔

باری تمہیں بہت بار منانے آچکا ہے مجھے نہیں معلوم اس کی کوئی غلطی بھی ہے یا نہیں لیکن وہ اپنی انا قربان کر کے تمہاری دہلیز پہ بارہا آچکا ہے اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ تمہیں اپنی انا سے زیادہ عزیز رکھتا ہے اس کی انا کو مزید مت ٹھیس پہنچاؤ' اور اب تم بھی اس کی طرف قدم بڑھاؤ' بے شک لڑو جھگڑو لیکن دوریوں کو اپنے درمیان مت آنے دو۔"

وہ اسے سمجھا کر سوچوں کے حوالے چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔

وہ ٹھیک کہہ رہی تھیں۔ دل کے رشتوں کے درمیان دوریوں کی دیوار کو جگہ نہیں دیتے۔

وہ اس سے ناراض تھی لیکن اس کو یوں تعلق نہیں توڑنا چاہیے تھا اس اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہوا تھا۔ غصہ کم ہوا تھا تو اپنے ہاتھ کی انگلی میں خالی پن کا احساس شدت سے ہوا تھا اس نے اپنا فون اٹھایا 250 کالز اور 101 **میسجز** اس کا مطلب تھا کہ وہ ایک لمحے کے لیے بھی وہ اس سے غافل نہیں تھا وہ اداس تھی تو پریشان وہ بھی تھا۔

"مجھے معاف کر دو حور یہ میں تم سے بے حد محبت کرتا ہوں اور یہ محبت کی انتہا تھی کہ مجھ سے وہ ہو گیا جو نہیں ہونا چاہیے تھا۔ تمہیں نہیں پتا لیکن تمہارے آنسو میرے دل پہ گر رہے ہیں پلیز کال ریسیو کر لو'،

"حور پلیز ایک جواب دے دو ایک بار مجھے معاف کر دو۔"

تمہارے ساتھ دیکھی وگرنہ زندگی ہم کو
نہ تب محسوس ہوتی تھی نہ اب محسوس ہوتی ہے

"کسی کے اندر زندہ رہنے کی خواہش میں اپنے اندر ہم مر جاتے ہیں۔۔۔ پلیز کوئی سزا ہی سنا دو لیکن بے رخی کی موت مت مارو حور۔" اور اس طرح کے لاتعداد **میسجز** تھے وہ پڑھتی گئی اور حیران ہوتی گئی۔

آخری **میسج** چوبیس جون رات دس بجے کا تھا۔

"آج رات 12 بجے کی فلائٹ سے میں یہ **ملک** چھوڑ کے ہمیشہ کے لیے جا رہا ہوں۔ بہت برا لگتا ہوں میں تمہیں ہر رشتہ ختم کر کے چلی گئی ہو شکل تک نہیں دیکھنا چاہتیں میری۔ اگر تم چاہتی ہو میں نہ جاؤں تو بس ایک **میسج** کر دینا یا ایک **مسڈ** کال دے دینا۔ میں سمجھ جاؤں گا۔۔۔"

یہ لاسٹ **میسج** تھا جو کہ تین دن پرانا تھا کیا یہ مذاق تھا' نہیں وہ یوں نہیں جا سکتا بنا مجھے بتائے یوں اچانک۔ وہ بے یقینی سے اٹھی تھی اور پاگلوں کی طرح پورچ میں بھاگی تھی انتہائی رش ڈرائیونگ کرتے وہ اگلے پانچ منٹ میں چاچو کے گھر تھی سامنے لان میں افسردہ سی انشراح بیٹھی ہوئی تھی۔

"انشراح باری کہاں ہے۔" وہ تیزی سے بولی۔

"کیا مطلب تمہیں نہیں پتا؟" وہ اس کی اجڑی اجڑی حالت دیکھ کر حیران ہوئی۔

"بھائی تو چلے گئے دو دن ہو چکے اور انہوں نے تو یہ ہی کہا تھا کہ یہ تمہاری خواہش ہے۔"

"کیا؟ نہیں انشراح وہ اس طرح اچانک مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتے تم جھوٹ بول رہی ہو نا۔"

وہ اسے پرے دھکیلتے باری کے روم کی طرف بڑھی تھی اور تیزی سے دروازہ کھول کر آوازیں دیتی اندر داخل ہوئی تھی۔

لیکن وہاں بھی اداس کمرے نے اس کا سواگت کیا تھا۔ کیا وہ سچ میں چلا گیا دل نے سوال کیا۔ جواب کہیں سے نہیں آیا تھا وہ اس ہی کے بیڈ پہ بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی تو کیا فاصلے درمیان میں آ گئے تھے کیا محبت بدگمانی کی دھند میں کھو چکی تھی۔

"بھائی جاتے ہوئے یہ دے گئے تھے تمہارے لیے۔" انشراح اندر آئی تھی اور اس کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھما کر دروازہ بند کر کے چلی گئی۔ اس نے آنسو صاف کر کے خاموشی سے لفافہ کھولا اندر سے ایک خط نکلا تھا اور ساتھ میں اس کی انگوٹھی نکل کے گری تھی۔

حوریہ فاطمہ۔

جب تک تمہیں یہ خط ملے گا میں تمہاری دنیا سے بہت دور چلا جاؤں گا۔ بہت دکھ دیے ہیں نا میں نے تمہیں، بہت آنسو۔ محبت سے کئی گنا زیادہ تکلیف۔ میری زندگی میں تم کسی پری کی طرح آئی اور جادوئی چھڑی گھما کر میرے ہر طرف محبت ہی محبت بھر دی تمہاری معصومیت، تمہاری ہنسی، تمہاری شرارت، تمہاری ہر اک ادا سے مجھے محبت ہوتی چلی گئی۔ شدید ترین اور پھر اللہ نے تمہیں میرے نصیب میں لکھ دیا۔

لیکن شاید میں تمہارے لائق نہیں تھا میں نے تمہیں پا کر گنوا دیا۔

آج میں تمہیں کچھ باتیں کلیئر کرنا چاہتا ہوں اس لیے تم اگر مجھے کبھی یاد کرو تو وہ اچھی یاد ہو مسکرانے پہ مجبور کرنے والی۔

تم ایک اچھی لڑکی ہو حور، معصوم لیکن اس دنیا کے لوگ بہت سفاک ہیں جو پاکیزگی، معصومیت اور حیا مجھے تمہاری آنکھوں میں نظر آتی ہے لازمی نہیں وہ ہر آنکھ میں ہو۔ مرد جو کہ عورت کو عزت تو دیتا ہے لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ عورت کو عورت سمجھے۔ آج کل کے مرد صرف اپنی ماں، بہن، بیٹی، بیوی کو ہی عورت سمجھتے ہیں باقی عورتوں کو لطف اور مزا حاصل کرنے کی چیز اور عورت کو تو اسلام نے بھی بہت عزت دی ہے۔ جانتی ہو ہیرے کو سونے کو لاکرز میں کیوں مقید رکھا جاتا ہے؟ کیونکہ وہ قیمتی ہوتے ہیں بے حد قیمتی ٹھیک اسی طرح عورت بھی بہت قیمتی اور پاکیزہ ہوتی ہے مرد کی نظریں اس کو میلا کر دیتی ہیں۔ اس لیے ہی اس کو پردے کا حکم دیا گیا ہے، پردہ جو کہ اس کی حفاظت کرتا ہے اسے میلا ہونے سے گرد لگنے سے بچاتا ہے بس اتنی سی خواہش تھی میری کہ تمہیں میلا نہ ہونے دوں۔ اس دن وہ لڑکا تمہیں جن نظروں سے دیکھ رہا تھا اس نے مجھے اندر ہی اندر بھسم کر ڈالا تھا میں کچھ سوچ نہ سکا اور میرا ہاتھ اٹھ گیا لیکن پھر جس طرح سے تم نے میری محبت کو منہ پہ دے مارا اس نے مجھے اندر ہی اندر ختم کر دیا۔ مجھے دو کوڑی کا کر کے چلی گئیں تم۔ میری زندگی میں سب سے قیمتی تم تھیں کسی متاع حیات کی طرح۔ لیکن تم نے مجھے، خود سے جدا کر کے ختم کر دیا۔۔۔

میں جا رہا ہوں اب تمہاری دنیا سے اس دعا کے ساتھ اب کوئی صبح تمہاری آنکھ میں آنسو نہ لائے۔ تمہاری راتیں چاندنی سے آباد ہوں۔ زندگی کے سفر میں محبتوں کے گلابوں سے تمہاری راتیں سجی ہوں اور تم ہر دن مسکراؤ۔۔۔ اور جب میں لوٹ کے آؤں تو تم اپنی دنیا میں ہنستی مسکراتی ملو۔

عبدالباری

خط ختم ہو گیا تھا۔ اس کے لفظوں کا خمار ٹوٹ چکا تھا۔ وہ اسے سرد گرم سے بچانا چاہتا تھا۔ اور حور نے کتنا غلط سمجھا باری کو۔۔۔ آنسو قطار در قطار اس کے گالوں پر پھسلتے چلے گئے تھے۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر اسی کے بیڈ پر رو رہی تھی۔ روتے روتے کب اس کی آنکھ لگی کب وہ نیند کی وادیوں میں گئی اسے پتا بھی نہیں چلا۔

☆ ☆ ☆

"تابش احسان۔۔۔ بس اتنی سی کہانی ہے میری۔ میری آنکھوں میں جو یہ نمی دیکھ رہے ہو یہ محبت کی نمی ہے۔ کسی کے انتظار کی نمی ہے۔ جو یہ میری شخصیت کا غرور ہے یہ بھی محبت کی عطا ہے۔ عبدالباری میری زندگی سے چلے گئے اس کے بعد انہوں نے مجھ سے کوئی رابطہ نہیں رکھا۔ بس اتنا جانتی ہوں کہ وہ جاتے جاتے مجھے بدل گئے۔ میری ذات کا غرور مجھے سونپ گئے۔ مجھے لوگوں کی نظروں سے محفوظ کر گئے۔ ایسی محبت بہت کم لوگ کرتے ہیں نا تابش! جو آپ کی خوشی کے لیے اپنی محبت سے دستبردار ہو جائیں۔

اور ایک اور بات باری جاتے جاتے مجھے لوگوں کا چہرہ دیکھ کر دل کا حال جان لینا بھی سکھا گئے ہیں۔

میں جانتی ہوں تابش آپ مجھے کیا سمجھ رہے تھے۔ یہ جو آپ کی آنکھیں ہے نا یہ سب کچھ عیاں کر دیتی ہیں۔ سب بتا دیتی ہیں یہ بات کہ آپ مجھے ہرانے کی

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

چاہ میں میری طرف بڑھے تھے۔ لیکن ایک بات بتاؤں آپ کو حوریہ فاطمہ اب بہت مضبوط ہو چکی ہے۔" وہ اس کی ذات کو آندھیوں کے حوالے کر کے جا چکی تھی جب کہ میں تابش احسان وہیں حیران پریشان بیٹھا رہ گیا تھا۔۔۔

☆ ☆ ☆

عیدالاضحیٰ آنے والی تھی وہ آنکھیں موندے اے سی کی ٹھنڈک کو اپنے وجود میں اتارتے گزرے دونوں کو یاد کر رہی تھی۔

"حور! تمہیں پاپا بلا رہے ہیں۔" وہ جو سوچوں میں کھوئی تھی، اسے پتا ہی نہیں چلا کب فاری بھابھی آئی تھیں۔ وہ ان کی آواز سن کر چونک گئی تھی۔

"او کے بھابھی! میں آتی ہوں۔" وہ بمشکل مسکراتے ہوئے بولی تھی۔ "پاپا آپ نے بلایا تھا۔" وہ ان کے سامنے کھڑی دھیمی آواز میں بولی۔

"جی بیٹا! یہاں بیٹھو۔" انہوں نے اسے اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"بیٹا! ہم تمہاری شادی کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔ آپ نے رشتہ ختم کر دیا تھا۔ آپ کی خواہش پر ہم نے اعتراض نہیں کیا۔ وہ چلا گیا اور شاید وہ واپس آئے بھی نہیں۔ مجھے لگتا ہے اب آپ کو بھی آگے بڑھ جانا چاہیے۔" وہ اس کی دل کی حالت سے بے خبر اسے آگے بڑھنے کا زندگی کی نئی شروعات کا مشورہ دے رہے تھے۔ اس کے دل کو کچھ ہوا تھا۔

"میرے ایک دوست کا بیٹا ہے ایئر فورس میں ہے۔ اچھا ہے۔ تمہارا پرفیکٹ میچ ہے۔ حسان میں ہر وہ خوبی ہے جو ایک لڑکی اپنے ہم سفر میں چاہتی ہے۔ میں مل چکا ہوں اس سے اور مجھے وہ بہت پسند آیا ہے تمہارے لیے۔"

"پاپا مجھے آپ کے فیصلوں پر نہ کل اعتراض تھا، نہ آج کوئی اعتراض ہے، میں کبھی آپ کے فیصلوں کے خلاف نہیں جا سکتی، میں جانتی ہوں آپ میرے لیے جو سوچیں گے وہ اچھا ہی ہو گا۔" بابا کا سر اس کی رضامندی پر فخر سے بلند ہوا تھا۔

"بیٹا تم حسان سے ملنا چاہو گی یا اس کی تصویر وغیرہ دیکھنا چاہو دیکھ سکتی ہو، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

"نہیں پاپا اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" وہ نفی میں سر ہلاتے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

☆ ☆ ☆

الفاظ کے جھوٹے بندھن میں
آغاز کے گہرے پردوں میں
ہر شخص محبت کرتا ہے
حالانکہ محبت کچھ بھی نہیں
سب جھوٹے رشتے ناتے ہیں
سب دل رکھنے کی باتیں ہیں
سب اصلی روپ چھپاتے ہیں
احساس سے خالی لوگ یہاں
لفظوں کے تیر چلاتے ہیں
اک بار نظر میں آ جائے
ساری عمر رلاتے ہیں
پیار و محبت، مہر وفا
سب رسمی رسمی باتیں ہیں
ہر شخص خودی کی مستی میں
بس اپنی خاطر جیتا ہے

وہ لوگ شاید بہت جلدی میں تھے، ان کا کہنا تھا کہ ہم نے حوریہ فاطمہ دیکھا ہوا ہے۔ اب بس بنا کسی رسموں کے چکر میں پڑے ڈائریکٹ نکاح کرنا چاہتے ہیں، جبکہ پاپا بھی فوراً" راضی ہو گئے تھے۔ انشرح آج کل اپنے ہاؤس جاب میں مصروف تھی۔ وہ اس سے بھی بات کر کے اپنا بوجھ ہلکا نہیں کر سکتی تھی۔ چاچو اور چچی جان بھی خوشی خوشی شادی کی تیاریوں میں حصہ لے رہے تھے۔ ایک اس کے علاوہ ہر شخص خوش تھا اور اس کو لگتا تھا جیسے اس کا دل مر گیا ہے، بھابھی پہلے اس کا چہرہ دیکھ کر دل کا حال جان لیا کرتی تھیں، اب اسے نظرانداز کیے اس کی شادی کے سارے انتظامات سنبھالے ہوئے تھیں کسی کو بھی اس کی خوشی کی پروا

نہیں تھی۔ اس کے سسرال سے نکاح کا جوڑا آگیا تھا
بلڈ ریڈ کلر کا شرارہ اور ساتھ میں میچنگ جیولری سینڈلز
... اسے لگا جیسے وہ سب چیزیں اس کی محبت اور بے بسی
کا مذاق اڑا رہی ہوں اس کا دل چاہ رہا تھا ہر چیز کو آگ لگا
دے۔ وہ سات سمندر پار اس بات سے بے خبر تھا کہ
پاکستان میں کوئی لڑکی اس کی یاد میں راتوں رات کو جاگتی
ہے دن میں بے چین و بے قرار پھرتی ہے اگر وہ سامنے
ہوتا تو یقیناً حور اس کی جان لے لیتی۔

☆ ☆ ☆

آج عیدالاضحیٰ کا تیسرا دن یعنی اس کے نکاح کا دن'
دل عجیب سا ہو رہا تھا بار بار رونا آ رہا تھا کچھ سمجھ میں
نہیں آ رہا تھا اور اداسی حد سے سوا تھی آج اس کا نکاح
تھا اک ایسے شخص سے جسے اس نے نہ کبھی دیکھا تھا
اور نہ ہی جانتی تھی۔

اور جسے دن رات دیکھا محسوس کیا' چاہا وہ کہاں تھا
آنسو تھے کہ رکتے نہیں تھے۔

"یار تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں مجھے فاریہ بھابھی
نے تمہیں ریڈی کرنے کے لیے بھیجا ہے مہمان آنا
شروع ہو گئے ہیں دلہن صاحبہ ہیں کہ چہرہ پھلائے
بیٹھی ہیں۔" انشراح آتے ہی شروع ہو گئی تھی وہ ٹی
پنک فراک میں بہت پیاری اور خوش لگ رہی تھی۔"

"تمہیں ذرا دکھ نہیں ہو رہا انشراح تمہارے بھائی
کی منگیتر تھی میں۔" وہ اسے اتنا خوش دیکھ کر جی بھر
کے بدمزا ہوئی تھی اس لیے ٹٹولتے لہجے میں اس سے
پوچھا۔

"جی بھائی کی منگیتر سے پہلے تم میری بیسٹ فرینڈ
ہو تمہاری شادی ہے یہ تو میرے لیے خوشی کی بات
ہے۔"

اس نے برائیڈل ڈریس تھما کے اسے پہننے کے
لیے دیا۔ آدھے گھنٹے میں انشراح اسے انتہائی نفاست
سے تیار کر دیا تھا حوریہ نے نگاہیں اٹھا کر خود کو آئینے
میں دیکھا تو اک پل کے لیے خود بھی مبہوت رہ گئی۔
ٹوٹ کے نکھار آیا تھا اس پر سوگوار حسن پہلی ہی نظر
میں ماشاء اللہ کہنے پہ مجبور کر رہا تھا۔ اس نے یہ دن
جس شخص کے حوالے سے سوچا تھا وہ تو نہ جانے کہاں
تھا اور وہ اب کسی اور کی دلہن بننے والی تھی وہ آخری بار
'باری کے بارے میں سوچ کے روئی تھی اب اس کے
بعد وہ اس شخص کو سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی۔

وہ سوچوں کے وسیع سمندر میں غوطہ زن تھی تب
ہی آہٹ ہوئی تھی اور کوئی اندر آیا تھا وہ صحیح سے آنے
والے کو ادھر سے دیکھ نہیں سکتی تھی سوچ سوچ کے
اس کے سر میں درد ہونے لگ گیا تھا جبکہ صبح سے اس
نے کچھ نہیں کھایا تھا اور اب تو بھوک اور تھکن سے
اس کی حالت غیر ہو رہی تھی اوپر سے اتنی گرمی میں اتنا
ہیوی ڈریس... اسے لگ رہا تھا کہ جیسے اے سی آف
ہے وہ اس کی کولنگ بڑھانے کے لیے ریموٹ اٹھانے
کے لیے کھڑی ہوئی تھی تب ہی اسے بڑے زور کا چکر
آیا تھا۔

اور وہ گرنے ہی لگی تھی کہ اسے کسی نے اپنی
مضبوط باہوں کے حصار میں لے لیا تھا اور اسے
سہارا دیتے بیڈ تک لایا تھا اور سائیڈ ٹیبل سے جگ اٹھا
کر پانی کا گلاس بھر کے اس کے حوالے کیا تھا انداز میں
فکر تھی حور نے چپ چاپ گلاس لے کر لبوں سے
لگا لیا تھا پانی پی کے اب وہ بہتر محسوس کر رہی تھی اس
نے شکریہ کہتے ہوئے جیسے ہی گلاس سامنے کھڑے
شخص کی طرف بڑھایا تھا حور کی اس سے نگاہیں ٹکرائی
تھیں۔

وہ کرنٹ کھا کے فوراً اٹھی تھی۔ اور بے یقینی سے
سامنے کھڑے شخص کو دیکھا تھا۔

"اتنا گھور گھور کے کیا دیکھ رہی ہیں میڈم...؟ کیا دو
سالوں میں بہت حسین ہو گیا ہوں...؟" انداز
شرارت سے بھرپور تھا۔ حوریہ فاطمہ کو اب بھی یقین
نہیں آ رہا تھا کہ سامنے کھڑا شخص عبدالباری تھا۔

اس نے آنکھیں بند کر کے کچھ دیر بعد کھولی تھیں
... وہ اب بھی اس کے سامنے اپنی تمام تر وجاہت کے
ساتھ کھڑا دلچسپی سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"مائے ڈیئر فیوچر وائف ... میں خواب نہیں

حقیقت ہوں چاہو تو چھو کر دیکھ لو۔“ وہ دو قدم اس کے قریب ہوا۔

حور کو اس کے وجود سے اٹھتی پرفیوم کی مہک نے فوراً ”بے یقینی کی کیفیت سے نکالا تھا۔

”آپ کیا کر رہے میرے روم میں۔“ وہ پیچھے کی طرف قدم اٹھاتے چلائی۔

”اوہ یقین آتے ہی تم تو جنگلی بلی بن گئی ہو۔“ وہ اس کے انداز سے محظوظ ہوا۔

”آپ اب کیوں آئے ہیں۔ اب جب میں کسی اور کی ہونے جا رہی ہوں۔“ اس نے ایک نظر خود پہ ڈالی تھی اور بے بسی سے بولی۔

”میرے ہوتے تم کسی کی ہو سکتی ہو۔!“ یقین کی انتہا تھی۔

”یہ کبھی نہیں ہو سکتا حور۔“ وہ سکون سے بولا۔

”یہ ہو رہا ہے اور تمہاری وجہ سے ہو رہا ہے۔ تمہاری غلطیوں نے مجھے آج اس مقام پہ کھڑا کیا ہے۔“ وہ جل کر بولی آنسو ٹوٹ کر اس کی آنکھوں سے گر رہے تھے۔

”کیا ہو گیا ہے یار۔ اب کیوں رو رہی ہو آ تو گیا ہوں۔“ وہ بے چین ہوا اس کے آنسو دیکھ کر۔

”میرا نکاح ہو رہا ہے بارہ۔ نکاح اور تم کہہ رہے ہو نہ روؤں۔“ اس کی شیروانی پکڑ کر احتجاج کیا۔

”اچھا رو لو۔ لیکن میری شیروانی تو نا خراب کرو۔ لوگ کیا کہیں گے دولہا کے کپڑے تو دیکھو۔“ وہ شوخ ہوا۔

”کیا مطلب!“ وہ ٹھٹکی۔ غور سے اسے دیکھا۔

”مطلب اب اتنی دور سے آیا ہوں کپڑے بھی دولہے والے ہیں اور تم بھی دلہن بنی غضب ڈھا رہی ہو تو۔“ وہ شرارتی مگر معنی خیز انداز میں بولتا بات ادھوری چھوڑ گیا۔

”تو کیا۔ اوہ مائی گاڈ تم سب مل کے میرے ساتھ ڈرامے کرتے رہے۔“

”ہاں میں نے سوچا کوئی لڑکی میرے عشق میں سر تا پیر بدل چکی ہے۔ ہنسنا بھول گئی ہے اور۔ آنکھوں میں نمی اور خود سے روٹھی نظر آتی ہے۔ تو کیوں نہ اسے خوشیوں بھری زندگی کی نوید سنائی جائے۔ اور پھر تم سے بچھڑ کے میں خود سے بھی بچھڑ جاتا تم سے دور جانے کے بعد خوش تو میں بھی اک پل کو نہ رہ سکا۔“ وہ مسکراتے ہوئے بولتے یکدم سنجیدہ ہوا اور آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ تھام لیے۔

”میں نے تم سے حور بہت محبت کی ہے۔ بے حد۔ بے شمار۔ تم سے دوری کی سزا اس لیے برداشت کی۔ کیوں کہ میں تمہیں خوش دیکھنا چاہتا تھا۔

تم میرے لیے بدل نہیں سکتی تھیں اور نہ ہی میں چاہتا تھا کہ تم میرے ساتھ سمجھوتے بھری زندگی گزارو۔ اس لیے میں چلا گیا تھا تمہارے جیسا بننے۔ تمہارے رنگ میں رنگنے لیکن مجھے کیا پتا تھا تم خود ہی بدل جاؤ گی۔

اچھا اب مت رو پلیز۔ مجھے تمہارے آنسو تکلیف دیتے ہیں۔“ اس نے حور کے آنسو صاف کیے۔

''آئم سوری باری۔۔۔ میں نے بہت دکھ دیئے ہیں آپ کو۔۔۔ بنا سوچے سمجھے کیا کچھ کہہ دیا آپ کو۔''

''جو ہو گیا اب بھول جانا چاہیے نئی شروعات اب خوشیوں سے کرنی ہے گزرے کل کی پرچھائی بھی اب میں نہیں چاہتا اپنی زندگی میں۔۔۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا بولا۔ اور جلدی سے نکاح کے لیے تیار ہو جاؤ باہر انتظار کر رہے ہیں۔'' یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆ ☆ ☆

آج حوریہ فاطمہ کا نکاح تھا وہ لڑکی جس کو میں نے بہت غلط سمجھا لیکن وہ تو ہیرے سے زیادہ شفاف تھی۔

پتا نہیں ہم لوگ انسان کے ظاہر سے اس کے باطن کا انداز کیوں لگاتے ہیں کسی کی اچھائی اور ایمان پہ شک کیوں کرتے ہیں۔

میں تابش احسان جو عورت سے دوستی کرنا تو پسند کرتا ہوں لیکن۔۔۔ ان کی عزت نہیں کرتا تھا۔ اس دن حوریہ فاطمہ نے مجھے تصویر کا نیا رخ دکھایا۔۔۔ مجھے وہ کچھ اس لڑکی نے سمجھا دیا جو ساری زندگی بھی سمجھ نہیں سکتا تھا اس سے ملنے کے میں نے عورت کی عزت کرنا سیکھی اور تب مجھے پتا چلا کہ حیا وہ زیور ہے جو مرد اور عورت دونوں کے لیے ضروری ہے۔

☆ ☆ ☆

دل کا موسم حسین ہو تو سب کچھ اچھا لگتا ہے۔۔۔ ہم خوش ہوں تو ہر چیز ہمارے سنگ مسکراتی محسوس ہوتی ہے۔۔۔ جیسے میں خوش تھی۔۔۔ بے حد خوش۔۔۔ کچھ دیر پہلے میں عبدالباری کے سنگ نکاح کے بندھن میں بندھ چکی تھی۔

کار کی ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھا وہ شخص جو میرا محبوب شوہر ہے جو مجھے ہجر کی کڑی دھوپ کے بعد ٹھنڈی چھاؤں بن کر ملا تھا۔۔۔ میں بے حد خوش تھی میرے لیے آج ہی عید کا دن تھا۔ خوشبوؤں سے بھرا امنگوں سے سجا عید محبت کا دن 'عید محبت کے یہ حسین پل ہم ساتھ گزارنا چاہتے تھے

جس کی اجازت ہمارے بڑوں نے ہمیں خود دی تھی۔ اور یہ ہی وجہ تھی کہ باری مجھے رونقیں دکھانے لونگ ڈرائیو پہ لے آئے تھے۔

''آئس کریم کھاؤ گی۔۔۔؟'' باری نے۔ کار آئس کریم پالر کے سامنے روکتے مجھ سے پوچھا۔

''ضرور۔۔۔'' میں نے محبت سے کہا۔

کچھ ہی دیر میں وہ آئسکریم لے کے آ گئے تھے گاڑی انہوں نے پارک کر دی تھی اور اب اسٹریٹ لائٹ پولز کی روشنی میں وہ میرا ہاتھ تھامے شہر کی پر رونق سڑک پہ چل رہے تھے۔

''جانتی ہو ان دو سالوں میں میں نے تمہیں کتنا مس کیا۔۔۔ ہر لحہ دل کرتا تھا لوٹ آؤں لیکن۔ واپسی کا سفر اتنا بھی آسان نہیں ہوتا۔'' آئسکریم کھانے کے بعد جب وہ واپس کار میں بیٹھے تو باری نے کہا۔

''تم اور تمہاری یاد دونوں ایک ہی طرح ستاتے ہیں پھر بھی عزیز ہیں۔'' وہ اسے دیکھتے مسکرایا۔

''جانتی ہوں۔'' آپ کا ساتھ میری سب سے بڑی خواہش تھی راتوں کو اٹھ اٹھ کر آپ کی آرزو کی ہے۔۔۔ آپ میرا۔ نصیب ہیں اس سے۔ بڑی خوش نصیبی اور کیا ہو سکتی ہے۔۔۔ میں زندگی کے ہر لمحے کو آپ کے ساتھ جینا چاہتی ہوں۔'' میں نے بہت محبت سے کہا۔

''تمہاری محبت میرے دل میں ہر گزرتے دن کے ساتھ گہری ہی ہوتی رہی ہے۔۔۔ تم میرے بخت کا سب سے روشن سب سے حسین ستارہ ہو۔۔۔ تم میرا نصیب ہی نہیں میری خوش نصیبی بھی ہو۔۔۔ تم سے ہی راحت اور تم سے ہی چاہت کا ہر احساس زندہ ہے۔'' وہ میرا ہاتھ محبت سے دباتے ہوئے بولے۔ ہم دونوں واپسی کے سفر پہ گامزن تھے زندگی کا ایک حسین دور ہمارا منتظر تھا۔ عید محبت ہماری منتظر تھی۔

☆ ☆

صبا آصف
سب سے بڑھ کر میں

"ماما! رئیسہ آنٹی آئی ہیں۔"

"اچھا اچھا لاؤنج میں بٹھاؤ میں آتی ہوں۔" وہ ناگواری سے بولیں۔ صفیہ کی بات ابھی پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ رئیسہ بیڈ روم میں ہی پہنچ گئی۔

"ارے بہن کیا بتاؤں!" رئیسہ نے فوراً" بہناپا جوڑا اس کے بہناپا جوڑنے پر صفیہ جز بز ہوئیں۔ "یہاں تک کا راستہ کیسے طے کیا بس ہول اٹھ رہے تھے کہ کس طرح یہ بات تمہارے گوش گزار کروں تاکہ بروقت اس کا توڑ ہو۔ سلام نہ دعا آتے ہی اپنی کارکردگی جتائی۔

"ہوا کیا!" صفیہ دہل کر بولیں وہ تو ویسے ہی پریشان تھیں منافع کی رقم کا انتظام نہ ہوسکا تھا۔ "رئیسہ بیسوں کا انتظام تو نہیں ہوسکا۔ کیا حمید بھائی گھر آرہے ہیں پیسے لینے؟"

"نہیں اس سے بھی "بڑی" بس کیا بتاؤں۔ میں آج علینہ کے گھر چلی گئی باہر خوب اچھا رنگ روغن ہوا دیکھا تو اندر چلی گئی تو وہاں تو دنیا ہی بدلی ہوئی تھی۔ ہر کمرہ نئے فرنیچر سے سجا ہوا نئے پردے نیا رنگ و روغن اور تو اور پچھواڑے گائے بھی بندھی ہوئی تھی ایسی خوب صورت سفید رنگ کی ایسی بڑی بڑی آنکھیں بندہ دو گھڑی دیکھتا رہے۔" رئیسہ نے گائے کی خوب صورتی کا نقشہ ایسے کھینچا جیسے کسی حسین لڑکی کی بات ہو رہی ہو۔ "چار بکرے بھی آئے ہیں اور وہ بھی ایسے خوب صورت اونچے اور تگڑے۔ ہر ایک واہ واہ کر رہا ہے اور ہاں دعوت بھی کریں گی سب رشتہ داروں کی کہہ رہی تھیں اس دفعہ تو دو دعوتیں ہوں گی ایک باربی کیو کی دعوت ہوگی شان دار سی ظاہر ہے پوری گائے ہے۔"

صرف گائے دیکھ کر دو دعوتیں خود سے فرض کرلیں یعنی 'پر' کا کوا بنالیا۔ صفیہ بیگم کا ضبط جواب دے گیا۔ یہ افتاد واقعی زیادہ بڑی تھی بہ نسبت اس کے سود خور پٹھان ان کے گھر آکر ذلیل کرے۔

"دو دعوتوں کا بھی انہوں نے خود ہی بتایا ہے؟" ایک موہوم سی امید پر صفیہ نے پوچھا شاید دعوت نہ ہو رہی ہو رئیسہ نے اندازے سے بتایا ہو۔

"ارے نہیں دعوت تو پکی ہے میں نے یہ تک تو معلوم کرلیا دعوت میں کیا کیا پکے گا۔ نرگسی کوفتے، ایرانی کوفتے، پلاؤ، کباب، دم کا قیمہ، کھیر، شاہی ٹکڑے اور جانے کیا کیا۔" رئیسہ نے اپنے پسندیدہ کھانوں کی فہرست بتائی۔ عید کے اگلے دن باربی کیو ہے اور تیسرے دن بڑی دعوت، مجھے کہہ رہی تھیں تم بھی آنا۔ دعوتوں کے لیے سوٹ سی رہی تھیں تین تین سوٹ بنائے ہیں بیٹی کے اور اپنے۔"

خوب اچھا سا گھر، گائے کی قربانی، شان دار دعوتیں، اس عید پر تو ہر طرف **علینہ** ہی **علینہ** ہوگی۔ صفیہ بیگم تو یہ سوچ کر ہی تڑپ گئیں انہیں **علینہ** کی تعریف کہاں برداشت۔ اسے نیچا دکھاتے دکھاتے وہ خود سود کی دلدل میں اترتی چلی گئیں۔ صفیہ بیگم پر غشی طاری ہونے لگی۔ "جلدی سے جوس لاؤ بیٹی تمہاری ماں شاید بے ہوش ہوگئی ہیں۔ اور میرے لیے بھی لانا۔"

"ماما۔ ماما" فضہ ماں کو بے قراری سے آوازیں دے رہی تھی لیکن وہ کہاں سن رہی تھیں "انہیں تو ہر طرف **علینہ** کی تعریفیں سنائی دے رہی تھیں اور دل تھا کہ اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبا جارہا تھا۔

"بیگم صاحبہ ہوش کریں۔" لمحہ بھر کو تو رئیسہ بھی گھبرا گئی۔ "میرے ہوتے ہوئے کیسی پریشانی۔ آپ کے گھر چار بکرے آئیں گے '**علینہ**' سے اچھی گائے آئے گی **علینہ** کی دعوت سے زیادہ شان دار دعوت ہوگی۔ آپ کے اور آپ کی بیٹیوں کے کپڑے **علینہ** اور اس کی بیٹی سے زیادہ اچھے ہوں گے۔"

"کیسے۔" صفیہ کی نحیف سی آواز آئی۔

"رئیسہ کے ہوتے ہوئے پریشانی۔ وہ رئیسہ ہی کیا جس کے پاس کسی مسئلہ کا حل نہ ہو اور کسی مشکل کا توڑ نہ ہو۔" رئیسہ نے کسی اشتہاری عامل بابا کے انداز میں دعوا کیا "ارے **علینہ** تو منہ دیکھتی رہ جائے گی ہر طرف صفیہ بیگم کی واہ واہ ہوگی۔

"ان شاء اللہ" رئیسہ نے اپنی وفاداری کا بھرپور یقین دلایا اس یقین دہانی پر صفیہ کا گہرائیوں میں ڈوبتا دل

اب ایک ہی تال پر رقص کر رہا تھا۔ "واہ واہ واہ" دل سے نکلی مسکراہٹ لبوں تک آئی تھوڑی دیر کے بعد وہ اٹھ کر بیٹھ گئیں۔ رئیسہ کی تسلی جوس سے کہیں بڑھ کر تھی۔ رئیسہ کو اپنی جلد بازی پر افسوس ہوا ایک جوس کا گلاس گیا۔ خیر اس سے بڑے فائدے منتظر تھے۔

"ہاں تو رئیسہ تم کیا کہہ رہی تھیں کیسے ہوگا یہ سب۔"

ارے میری بہنا۔ چھری تلے دم تو لو۔" رئیسہ تو تھوڑا اور پھیلی۔ صفیہ بیگم کے تو سر سے لگی، تلووں پہ بجھی۔ بمشکل اپنے آپ کو ٹھنڈا کیا مطلب کے لیے تو گدھے کو بھی باپ بنانا پڑتا ہے' یہاں تو معاملہ بہن تک ہی تھا وہ بھی حیوان کی نہیں انسان کی سو مسکرا کر چپ ہو رہیں۔

"بھئی پہلے کھانا کھاؤں گی پھر بتاؤں گی۔ چلو بیٹی جاؤ' ماما اب بالکل ٹھیک ہیں۔ تم جلدی سے کھانا بناؤ مجھے بہت بھوک لگی ہے۔" رئیسہ نے اپنائیت کی حد کردی۔

"جاؤ فضہ کھانا بنالو۔" ماں کا اشارہ پاکر فضہ کچن کی طرف چلی آئی۔ کھانے کی طرف سے بے فکری ہوئی سو رئیسہ نے بتایا۔

"میں نے سوچا ہے کہ حمید بھائی (خان کا نام) سے کسی اور کے نام سے ایک لاکھ روپے لے لیتے ہیں' جس میں سے آپ دو ماہ کا منافع دے کر اور اگلے دو ماہ کا رکھ کر بے فکری سے سب انتظام کرو۔" رئیسہ نے اپنی کارکردگی پر داد چاہی۔ صفیہ کی طرف سے داد نہ ملنے پر تھوڑی مایوس سی ہوئی۔

"اور اس ایک لاکھ پر منافع کتنا دینا پڑے گا۔"

"خود ہی حساب لگالو۔" رئیسہ نے شان بے نیازی سے فرمایا صفیہ کے شوہر قاسم صاحب اور دونوں بیٹے آفس گئے ہوئے تھے اور چھوٹی بیٹی حفصہ اسکول' سو دونوں بے فکری سے باتیں کررہی تھیں۔

"ارے بہن اے سی تو چلاؤ اتنی گرمی میں اے سی بند کر کے بیٹھی ہوئی ہیں۔ ذرا کمر تو سیدھی کرلوں۔"

"فضہ کھانے میں کتنی دیر ہے؟؟"

"ماما سالن بھون رہی ہوں۔ روٹی ڈال کر بھنا ہوا ہی لے آؤ اور جلدی سے کچھ میٹھا بنالو' اپنی خالہ کے لیے۔" صفیہ بیگم نے اپنائیت کے سارے ریکارڈ توڑ ڈالے۔ اس اپنائیت پر رئیسہ تو جھوم ہی گئی۔

"آج حمید بھائی کی طرف بھی جانا ہے دو بسیں بدلنی پڑتی ہیں راستہ بھی ڈھائی گھنٹے کا ہے اب دن ہی کتنے رہ گئے ہیں پھر سب انتظام بھی کرنا ہے رنگ و روغن تو خاصا ٹیم (ٹائم) لیتا ہے۔ حمید بھائی کے پاس بھی بعض دفعہ اتنے پیسے نہیں ہوتے وہ بھی انتظام کریں گے ایک دو دن پہلے کہنا پڑتا ہے۔" رئیسہ نے بھاؤ بڑھایا۔

"ہاں یہ تو ہے۔" صفیہ نے تائید کی' رئیسہ خوب اچھی سی دعوت اڑا کر دو گھنٹے کی نیند اور ٹیکسی کا کرایہ لے کر نکلی' دل ہی دل میں صفیہ بیگم کی شکر گزار کہ ان کی ایک لاکھ کی کمیٹی ٹھکانے لگی' جو انہوں نے صفیہ سے ملنے والے منافع سے ڈالی ہوئی تھی۔ باقی رقم سے ان کے بیٹے اور بیٹی کی کالج کی فیس جاتی تھی ابھی کمیٹی کے ایک لاکھ باقی تھے کسی اور کو بے وقوف بنانے کے لیے کل کے دن کا انتخاب کیا۔

یہ پتا نہیں تھا کہ اس دفعہ وہ خود بے وقوف بن جائے گی اس کے جوڑ توڑ کا کہیں اور توڑ ہورہا ہے۔ قاسم صاحب نے سب کچھ سن لیا تھا۔ جب وہ دونوں بے فکری سے محو گفتگو تھیں۔

قاسم صاحب ایک بھی لفظ کہے بغیر واپس ہوئے بڑی بیٹی فضہ کو شریک راز کیا اور کہا۔

"جب یہ رئیسہ جانے لگے تو مجھے بلا لینا اور آپ میرے سامنے ان سے کہنا کہ "آج کے بعد اگر آپ نے ماما کو کوئی روپیہ پیسا دیا تو آپ کے لیے بہت برا ہوگا بابا کس حد تک جاسکتے ہیں آپ کو اس کا اندازہ بھی نہیں ہوگا اور آپ یہ بات ماما کو نہیں بتائیں گی کہ بابا کو سب پتا چل گیا ہے۔"

انہیں شدید غصے کے ساتھ ساتھ صفیہ کی کم عقلی پر حیرت بھی تھی کہ وہ مقابلے بازی میں اس انتہا تک چلی جائیں گی کہ سود کی دلدل میں اتر جائیں گی۔ انہیں

صفیہ کا بات بات پر جھنجلانا اور طبیعت کا بہت زیادہ خراب رہنا سب یاد آرہا تھا۔ انہیں صفیہ پر غصے سے زیادہ ترس آرہا تھا اور اپنے آپ پر غصہ کہ وہ کیسے غافل ہوگئے۔ وہ گھر چلانے کے لیے چالیس ہزار دے کر فارغ ہو جاتے تھے اور صفیہ بیس ہزار کی رقم صرف سود میں دے رہی تھیں سود جو دینا بھی حرام اور لینا بھی حرام۔ نہ دینے کی صورت میں رقم سود در سود بڑھتی ہی جارہی تھی اس سب میں ان کا بھی قصور تھا کسی حد تک انہوں نے صفیہ کی مقابلہ بازی کو ہوا دی بے شک گھر کی بہتری کے لیے ہی سہی۔ اب انہیں ہی اس کا ازالہ کرنا تھا "نرمی" سے "سختی" سے۔

☆ ☆ ☆

رئیسہ کے جانے کے ایک ڈیڑھ گھنٹے بعد صفیہ کمرے سے باہر آئیں چھوٹی بیٹی حفصہ سے پوچھا۔

"آپ کے بابا نہیں آئے ابھی تک۔"

آگئے تھے کھانا کھا کر سو گئے۔ اچھا انہیں اطمینان ہوا۔

"کب سوئے تھے۔"

"دو ڈھائی گھنٹے ہوگئے۔ تم چائے بناؤ ساتھ کباب بھی تل لینا میں انہیں اٹھاتی ہوں۔" چائے پینے کے دوران انہوں نے تمہید باندھی قاسم صاحب خود منتظر تھے کہ وہ بات کریں۔

"سعید آرہی ہے گھر میں وائٹ واش کروا دیجیے اور فرنیچر۔" قاسم صاحب نے تلخی سے بات کاٹی۔

"ایک ہی دفعہ سب فرمائشیں بتا دو جو پوری کر سکا ضرور کروں گا باقی پھر کبھی سہی۔"

"ویسے تو سارے کام ہی ضروری ہیں...." وہ کہہ کر ذرا رکیں۔ قاسم صاحب سے بہر حال وہ ڈرتی تھیں کبھی کبھی ہی کسی ضد پر اڑتی تھیں۔ خود کی کوئی ضد تھی نہ خواہش' ہر کام دوسرے کی دیکھا دیکھی میں کرنے کی شوقین تھیں۔ جیسا دوسرے نے کیا ہے اس سے بڑھ کر یا اس سے بہتر۔ بہتر نہیں بلکہ بہترین۔

"یہ۔ وہ چھوڑیے۔" قاسم صاحب مسکرا کر گویا ہوئے۔

"یہ بتائیں کہ آپ کیا کیا کرنا چاہتی ہیں۔" انہوں نے اپنی مسکراہٹ سے صفیہ کو حوصلہ دیا۔

"وہ میں چاہتی ہوں کہ وائٹ واش کے علاوہ سب کو ایک دن باربی کیو پر بلالیں اور ایک دن شاندار سی دعوت علیحدہ سے کردیں۔"

"وہ بھی ہو جائے گی۔" وہ زیر لب مسکرا کر بولے۔ عید تہوار کے موقع پر اپنے قریبی رشتہ داروں کی ایک اچھی سی دعوت مدت سے ان کا بھی ارمان تھی والد والدہ کے بعد عید بقر عید پر ہونے والی دعوتیں خواب و خیال ہو گئی تھیں۔ ویسے قاسم صاحب بھائی بہنوں کا بہت خیال رکھنے والے بھائی تھے۔ عید تہوار پر بہنوں اور بھائی کے بچوں کو قیمتی تحائف سے نوازتے عیدی الگ ہوتی تھی وہ اپنے بھائی بہنوں کے لیے ایک شفیق باپ کی طرح تھے محبت اور خیال میں ان کے بھائی بہن بھی پیچھے نہیں تھے۔ وہ سب بھی قاسم صاحب کو باپ کی سی عزت دیتے تھے۔

☆ ☆ ☆

پندرہ دن کے اندر اندر گھر کی کایا پلٹ گئی۔ خوب صورت رنگوں سے سجے در و دیوار چمکتے فرش' خوب صورت فرنیچر سے آراستہ سجے کمرے گھر کی خوب صورتی نے مکینوں کے مزاجوں پر بھی اچھا اثر ڈالا۔ سب سے زیادہ خوش گوار موڈ صفیہ بیگم کا ہی تھا؟ انہیں تو اس سب پر خواب کا سا گمان ہو رہا تھا۔ قاسم صاحب نے بہت کرلیا تھا اب کچھ کر دکھانے کی باری صفیہ کی تھی' لیکن رئیسہ تھی کہ ہاتھ آکر نہ دے رہی تھی۔ فون کرنے پر فون نہ اٹھاتی' گھر جانے پر گھر پر نہ ملتی۔ بقر عید میں تین دن رہ گئے تھے ایک دن وہ صبح صبح رئیسہ کے گھر گئیں وہ بڑی رکھائی سے ملی کہنے لگی۔

"حمید بھائی یہاں سے جارہے ہیں انہیں اپنے دو لاکھ واپس چاہئیں بڑی مشکل سے میں نے آپ کے لیے ایک ماہ کی مہلت لی ہے ایک ماہ کے اندر اندر مجھے دو لاکھ مع منافع کے ساتھ ادا کردیں' نہیں تو میں حمید بھائی

کو آپ کے گھر کا پتا دے دوں گی پھر آپ جانیں اور وہ جانیں۔" رئیسہ نے بے اعتنائی کی حد کردی۔ صفیہ کے سر پر تو گویا آسمان ٹوٹ پڑا علینہ سے اچھی گائے لانے کا خواب ادھورا رہ گیا اب ان کی آخری امید قاسم صاحب تھے۔ وہ حسب معمول دو بکرے لے آئے تھے۔

"قاسم صاحب اس دفعہ میں ہم چار بکرے اور گائے کی قربانی کریں گے۔ ماشاء اللہ ہاشم اور حارث دونوں برسر روزگار دونوں پر قربانی واجب ہے۔

ہاشم تو چار سال سے کمارہا ہے میں نے دو تین بار اس طرف توجہ دلائی آپ نے دوسرے اخراجات کے رولے ڈال دیے۔ حارث تو ابھی دو تین ماہ سے ہی کمارہا ہے تو آپ کو شرع یاد آگئی۔

"آپ نے ہاشم کا فوراً" ہی فلیٹ بک کروادیا تھا ساری تنخواہ وہاں چلی جاتی تھی۔"

"خیر ساری تنخواہ تو نہیں چلی جاتی تھی قربانی ہوسکتی تھی اور فلیٹ میں نے بچوں کی آسانی کے لیے بک کروایا تھا۔ بہرحال اس سال تو دو بکروں کا ہی ارادہ ہے اگلے سال دیکھی جائے گی۔"

"نہیں اس سال بکرے بھی آئیں گے اور گائے بھی آئے گی۔" وہ ہٹ دھرمی سے بولیں۔

"کیونکہ علینہ کے یہاں گائے آئی ہے اور دو بکرے اس لیے آپ کو چار بکرے کرنے ہیں اور علینہ سے اچھی گائے لانی ہے۔"

جو چاہے سمجھ لیں' میں نے علینہ سے کسی صورت کم نہیں ہونا' بڑھ کر کرنا ہے" وہ ضدی لہجے میں بولیں۔ قاسم صاحب کو غصہ آگیا۔

"بڑھ کر کرنے کے بجائے علینہ سے پہلے کیا کریں۔ آج کان کھول کر سن لیں علینہ کے یہاں جو ہوگا وہ میں آپ کو کچھ نہیں کر کے دوں گا اور نہ آپ کو کرنے دوں گا۔ آپ علینہ سے رشتے میں بھی بڑی ہیں اور عمر میں بھی' آپ نے کبھی بڑا پن دکھایا۔ ہر وقت اس سے مقابلہ رکھا۔ ایک علینہ ہی کیا آپ کا تو ہر ایک سے مقابلہ ہے۔ اس بے جا مقابلے کی دوڑ میں آپ کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ میں تنگ آگیا ہوں۔"

قاسم صاحب کو غصہ تو بہت آیا لیکن تحمل سے بولے۔

"بیگم قربانی ہم فرض سمجھ کر اور اللہ کی رضا کے لیے کرتے ہیں صرف کوفتے کباب اور باربی کیو کے لیے نہیں کرتے تو یہ کریں ہم تو روزانہ بھی یہ چیزیں کھاسکتے ہیں ہمیں ان لوگوں کا بھی سوچنا چاہیے جو شاید سال کے سال ہی گوشت سیر ہو کر کھاتے ہیں بس آج سے یہ مقابلے ختم۔ مقابلہ ایک اچھی چیز ہے اگر اچھی چیزوں سے کیا جائے کسی کا اخلاق دیکھ کر کسی کا دوسروں کی مدد کرنے جذبہ دیکھ کر۔ اگر علینہ کا مقابلہ ہی کرنا ہے تو اس کا سمجھ بوجھ سے چلتا ہوا گھر دیکھ کر کرو۔ وسیم کی قسمت پر رشک آتا ہے خوب صورتی اور سلیقے سجا صاف ستھرا گھر' صحت مند اور ذہین بچے پورے خاندان میں وسیم اور علینہ کے بچوں کی ذہانت اور بہترین تربیت کی دھوم ہے۔ کبھی آپ نے اس پر توجہ دی۔"

"تو میں کیا کروں میں بچوں کو کیسے پڑھاؤں وہ تو ایم ایس سی ہے لیکچرار ہے میں نے تو میٹرک بھی نہیں کیا۔"

"بچوں کی اچھی تربیت کرنے کے لیے اور گھر کو صاف ستھرا رکھنے کے لیے تعلیم یافتہ ہونا ضروری نہیں ہے آپ اپنی ساری غلطیوں کو سدھارلیں نہیں تو میں اپنے طریقے سے سدھاروں گا۔ آج سے گھر کے سارے معاملات میرے ہاتھ میں ہوں گے آپ اپنے آپ کو اس قابل بنائیں کہ لوگ آپ کی تقلید کریں۔ دوسروں کی دیکھا دیکھی کام کرنا چھوڑ دیں اگر کسی سے آگے بڑھنا ہے تو اچھی چیز میں بڑھ کر دکھائیں۔ میں تین گائے لاسکتا ہوں لیکن نہیں لاؤں گا۔ مجھے اگر بڑھ کر کرنا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرنا ہے' دکھاوے کے لیے نہیں اور ہاں ایک اور بات یہ آپ کی خاص سہیلی آئندہ مجھے اس گھر میں نظر نہ آئے اور نہ آپ اس سے اب کبھی کوئی قرضہ لیں گی میں آپ دونوں کی گفتگو سن چکا ہوں اور فضہ کے توسط سے اسے وارن بھی کر چکا ہوں اب تک جو ہوا اس کے لیے میں نے

آپ کو معاف کیا لیکن آئندہ معاف نہیں کروں گا۔“
یہ سب کہہ کر قاسم صاحب باہر نکل گئے۔

☆ ☆ ☆

اگلے دن وہ بہت پریشان تھیں بس ایک ہی حل نظر آیا کہ اس سلسلے میں علینہ سے مدد لی جائے کہ وہ اپنے جیٹھ کو سمجھائے قاسم صاحب اکثر اس کی بات مان لیتے تھے وہ دونوں بچیوں کے ساتھ چار پانچ بجے علینہ کے یہاں پہنچیں۔ وہ علینہ کے گھر کافی عرصہ بعد آئی تھیں۔ کار پورچ میں کھڑی تھی نئی کرولا نے انہیں چونکایا ضرور لیکن اس وقت ان کے سر پر گائے سوار تھی۔ گھر کافی خوب صورت لگ رہا تھا لیکن بہرحال ان کے گھر سے کم، سو انہیں کافی تقویت ملی۔ علینہ سے اپنا مسئلہ بیان کیا اور کہا کہ وہ اپنے بھائی جان کو سمجھائے۔ اس بات کا انہیں پورا یقین تھا کہ علینہ ان کے حق میں ہے اعتراف کی وہ قائل نہ تھیں۔

”بھابھی آپ کو بکروں کے ساتھ اس دفعہ گائے کی قربانی کرنے کا خیال کیسے آیا۔“ علینہ نے مسکراہٹ ہونٹوں میں دبا کر بڑی تشویش سے پوچھا۔

”بس کیا بتاؤں ابھی پندرہ سولہ دن پہلے خالہ خالو (ساس سسر) میرے خواب میں آئے کہ تم کبھی ہمارے نام کی قربانی نہیں کی ہم ہر سال انتظار کرتے ہیں۔ اس دفعہ ہمارے نام کی قربانی ضرور کرو۔“ ان کے اس معصوم سے بہانے پر علینہ نے ہونٹوں پر آنے والی مسکراہٹ بمشکل روکی۔

”بھابھی سیدھی سی بات ہے دو بکرے اور لے لیں۔“

”دراصل میں چاہ رہی تھی اس دفعہ سب کچھ شرعی طریقے سے ہو۔ دو بکرے تو ہم دونوں کی طرف سے ہو گئے گائے میں ان چاروں کا کر کے دو حصے ہاشم اور حارث کی طرف سے ہو جائیں گے اور ایک رسول پاک کے نام کا ہو جائے گا۔ ہاشم اور حارث پر بھی قربانی واجب ہے۔“ وہ بڑے مدبرانہ انداز میں بولیں۔ علینہ عش عش کر اٹھی ان کی ذہانت اور لیاقت پر۔

”پہلے تو آپ نے یہ کبھی نہیں سوچا کیا یہ بھی خواب میں خالہ خالو نے بتایا ہے۔“ فضہ، حفصہ اور رانیہ (علینہ کی بیٹی) کے منہ ہنسی ضبط کرنے کی کوشش میں سرخ ہو رہے تھے خود علینہ کو ہنسی برداشت کرنا بے حد مشکل۔ ہو رہا تھا۔ علینہ کی جرح پر وہ تنگ کر بولیں۔

”ہم نے تم سے پوچھا کہ بی بی! تم نے یہ دو بکرے اور گائے اپنے گھر کے سامنے پچھلے بیس دن سے کیوں باندھ رکھے ہیں۔ تم اس کی شرعی تقسیم کس طرح کرو گی۔“

آخر کار بلی تھیلے سے باہر آہی گئی۔

”اچھا تو یہ بات ہے۔“ قل قل کرتی ہنسی علینہ کے لبوں سے آزاد ہوئی ساتھ ہی تینوں بچیوں کی ہنسی بھی کمرے کی فضا میں پھیل گئی ان کو ہنستا دیکھ کر صفیہ بیگم پہلے تو سٹپٹائیں پھر خود بھی اس ہنسی میں شامل ہو گئیں۔ سب خوب ہنسے اور دل کھول کر ہنسے۔ فضہ اور حفصہ کو ماں کا ہنسنا بہت اچھا لگا۔ وہ بہت کم ہنستی تھیں، ہر وقت کسی نہ کسی تشویش میں مبتلا نہ وہ خود ہنستی تھیں اور نہ دوسروں کو ہنسنے کا موقع دیتی تھیں۔

”پہلی بات تو یہ ہے کہ میں نے گائے اور بکرے گیٹ پر نہیں پچھواڑے باندھے ہوئے ہیں دوسرے بیس بائیس دن پہلے پبلکی کے لیے نہیں بلکہ اس لیے ہیں کہ قربانی کے جانور کی خدمت کرنے کا بھی ثواب ہے۔ دوسرے پہلے لینے سے سستے بھی مل جاتے ہیں۔“

”پبلسٹی نہیں کر رہیں تو ایسے ہی ہر ایک کی زبان پر یہ ہے کہ علینہ کے یہاں اتنی اچھی گائے آئی ہے۔ اتنے اچھے بکرے آئے ہیں اور یہ کہ اس دفعہ وسیم کے یہاں بکروں کی ہی نہیں گائے کی بھی قربانی ہو گی۔“

”کس نے کہا ہے کہ ہم گائے کی قربانی کر رہے ہیں۔“

”ہائیں تو کیا تم گائے کی قربانی نہیں کر رہیں۔“

”نہیں۔“ علینہ بولی ”بھابھی قربانی ہماری طرف سے نہیں امی ابو، بھائی بھابھی، باجی اور بہنوئی کی طرف

سے ہوگی۔"

"تو یہ گائے تم لوگوں نے نہیں لی۔" صفیہ خوشی سے لال ہوتے چہرے کے ساتھ گویا ہوئیں۔

نہیں بھی بالکل نہیں لی۔" علینہ شرارت سے بولی۔ "امی ابو اس دفعہ بھائی کے پاس ہیں لندن میں' باجی بھی آپ کو پتا ہے وہیں رہتی ہیں پہلے تو ان لوگوں کی طرف سے امی ابو کے گھر ہو جاتی تھی۔ چھ حصے ان لوگوں کے ہیں' ایک حصہ ہم نے تائی امی (ساس مرحومہ) کے نام سے ڈال لیا تو گائے لے آئے۔"

جیسے ہی علینہ نے بات ختم کی وہ اس کے شانے سے آلگیں۔

"سچ کہہ رہی ہو؟" وہ خوشی سے لرزتی ہوئی آواز میں بولیں ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ خوشی سے علینہ کا منہ چوم لیں لیکن یہ خوشی اور اطمینان تھوڑی دیر کا تھا ان کی سوئی دوبارہ اٹک گئی۔

"یہ تو تم مجھے بتا رہی ہو رشتہ داروں اور ملنے جلنے والوں کو کس طرح پتا چلے گا کہ یہ تمہاری نہیں انگلینڈ والوں کی گائے ہے۔" علینہ مسکرا کر بولی۔

"تو ایسا کرو حفصہ بیٹی فیس بک پر ڈال دو گائے کی تصویر کے ساتھ کہ ہر خاص و عام کو مطلع کیا جاتا ہے کہ یہ گائے جو پچیس دن سے ہمارے وسیم چچا کے یہاں ہے اس کی قربانی ان کی طرف سے نہیں بلکہ علینہ چچی کے والد والدہ اور بھائی بہن کی طرف سے ہوگی جو بھی دیکھے وہ کم سے کم پانچ لوگوں کو ضرور بتائے نہ بتانے کی صورت میں نقص امن کا خدشہ ہے۔"

بچیوں کی ہنسی ایک بار پھر جلترنگ بجا گئی۔

اگر آپ ابھی بھی مطمئن نہیں ہیں تو اس عبارت میں جو چاہیں تبدیلی کرلیں مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" علینہ طنزیہ لہجے میں بولی اس کا ضبط جواب دے گیا تھا۔ بھابھی اللہ کے لیے مقابلے بازی کو ختم کردیں ___ آپ کی اس عادت نے بھائی جان' بچوں اور ہم سب کو مشکل میں ڈالا ہوا ہے بلکہ سب سے زیادہ مشکل میں تو آپ خود ہیں۔ ہر وقت جوڑ توڑ میں مصروف' ہر وقت الجھی ہوئی گھر اور بچوں کو بھی پوری توجہ نہیں دے پاتیں۔ اب اس گائے کو لے کر آپ نے تین دن سے گھر کا ماحول خراب کیا ہوا ہے اور خود بھی اذیت اٹھا رہی ہیں۔ آپ کی اس عادت کو میں نے سب کی' آپ کی گھر اور بچوں کی بھلائی کے لیے استعمال کیا۔ بخدا میری نیت نیک تھی قاسم بھائی کی خواہش تھی کہ مریم آپی (نند) کی بیٹی رملہ ان کی بہو بنے' مجھے بھی وہ بچی آپ کے گھر کے لیے۔ بہت موزوں لگی اچھی اور سلجھی ہوئی ہاشم سے جوڑ بھی بنتا تھا۔" رملہ کے لیے ہاشم کی پسند ابھی بھی وہ گول کر گئی تھی۔

"میں نے آپ کے سامنے ذکر دیا کہ میرا رملہ کو اپنے بھانجے کے لیے لینے کا ارادہ ہے۔ بس جی کہنے کی دیر تھی آپ نے دنوں میں معاملہ نبٹا کر رملہ کو ہاشم کے نام کی انگوٹھی بھی پہنادی ایک ناممکن کام کتنی آسانی سے ممکن ہوا۔ آپ سب کے ساتھ ساتھ میں بھی خوش تھی۔ قاسم بھائی کی خواہش تھی کہ اوپر گھر بنوالیں آپ راضی نہیں تھیں جس کام کے لیے آپ راضی نہ ہوں وہ آسان کہاں حالانکہ اوپر کی منزل آپ کی ضرورت بھی تھی اور آپ کے پاس وسائل بھی تھے۔ قاسم بھائی نے ایک دوبار میرے اور وسیم صاحب کے سامنے آپ کی توجہ اس طرف دلائی آپ نے اس سے زیادہ ضروری کام سامنے رکھ دیے۔ سو قاسم بھائی چپ ہوگئے۔ کچھ عرصہ بعد میں نے شوشا چھوڑا کہ میں بالائی منزل بنوا رہی ہوں اگلے دن ہی آپ نے قاسم بھائی سے فرمائش کردی کہ ہمیں اوپر گھر بنوا کر دیں۔ ایک ماہ بعد ہی کام شروع کروادیا۔ قاسم بھائی خود میرے پاس شکریہ ادا کرنے آئے اور ہنس کر کہنے لگے کہ علینہ جب کسی کام کا ارادہ ہو تو پہلے مجھے بتادیا کرو تاکہ میں آپ کی بھابھی سے بالا ہی بالا تھوڑا ہوم ورک کرلوں۔ اور وسیم نے کہا ہمارا تو ارادہ نہیں ہے گھر بنوانے کا' یہ شرارت تو علینہ نے آپ کے ارادے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے کی ہے۔ یاد کریں بھابھی کتنی ہی ایسی چیزیں جو میں دیکھتی تھی کہ جو آپ کے گھر میں نہیں ہیں یا ہیں تو بہت خراب ہوچکی ہیں۔ کراکری' ٹرالی' فرنیچر' تو میں ذکر کردیتی تھی کہ یہ چیز

لاؤں گی چند دنوں کے بعد وہ چیز آپ کے گھر میں موجود ہوتی۔ کوئی ایسی چیز جو میری ضرورت بھی ہے کرنا چاہوں تو نہیں کر سکتی۔ وسیم صاحب بہت عرصہ سے کہہ رہے ہیں گاڑی چلانا سیکھ لو میں سیکھ سکتی تھی۔ لیکن میں نے نہیں سیکھی کہ پھر آپ کے لیے مشکل ہو جائے گی۔ بھابھی خیر خواہی کرتے کرتے انجانے میں آپ کے ساتھ برا کر بیٹھی ہمیں نہیں معلوم تھا کہ یہ عادت جنون کی شکل اختیار کرلے گی جو چیز چاہیے تو بس چاہیے بجائے اس کے کہ اس عادت کو چھڑوانے میں آپ کے مددگار ہوتے ہم نے انجانے میں اس عادت کو اور پروان چڑھایا۔ اس کے لیے میں قصوروار ہوں اور معافی کی خواستگار بھی، چاہے میری نیت نیک تھی۔" علینہ کی آنکھ میں نمی در آئی۔ صفیہ جو منہ کھولے ہکا بکا علینہ کو سن رہی تھیں چپ چاپ واپسی کے ارادے سے اٹھیں۔

"علینہ اب تمہیں.... بلکہ تم ہی کیا کسی کو بھی مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی تم نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ واقعی میں غلطی پر تھی اس مقابلہ بازی میں۔ میں نے سب کچھ داؤ پر لگا دیا گھر بچوں کی صحت، بچوں کی تربیت شوہر اور بچوں کی خوشی اس جنون میں اتنی آگے بڑھ گئی کہ سود کی دلدل میں اتر گئی اور اس دلدل میں مزید دھنسنے کو تیار۔ مجھے رئیسہ نے بہت پریشان کیا ہوا ہے ہر ماہ بیس ہزار منافع دینا ہوتا ہے لیٹ ہونے کی صورت میں منافع بڑھا کر دینا پڑتا ہے دو سال ہو گئے مجھے اس دلدل میں اترے، نیچے ہی نیچے جا رہی ہوں دوسروں کو نیچا دکھاتے دکھاتے خود ہی نیچی ہو گئی۔ پچاس لیا تھا پھر ایک لاکھ ہوا پھر ڈیڑھ اور اب دو لاکھ ہو گیا ہے۔

مجھ سے چکنی چپڑی کرکے قرض کے جال میں پھنسا دیا اب ہر وقت دھمکیاں دیتی رہتی ہے کہ منافع نہیں دیا تو جس سے پیسہ لے کر دیا ہے وہ گھر پہنچ جائے گا اور آپ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گی ہم اصل رقم کا تقاضا الگ۔ اب بتاؤ ہر ماہ اسے منافع دوں یا اصل رقم کے لیے جمع کروں۔ منافع کی رقم کے لیے ہی قرض چڑھتا گیا اب تو تمہارے بھائی کو بھی پتا چل گیا ہے بہت ناراض ہیں کہہ رہے ہیں گھر کا خرچ بھی بند کردیں گے اور گھر کا خرچ وہ خود چلائیں گے۔ اب میں رئیسہ کو منافع کہاں سے دوں گی اور ایک بات اور جس سے وہ قرض لے کر دیتی تھی وہ یہاں سے جا رہا ہے اس لیے اگلے ماہ اسے پوری رقم چاہیے منافع کے ساتھ۔ ایک ماہ بعد میری ایک لاکھ کی کمیٹی نکلے گی۔ ایک لاکھ کا انتظام کرنا اور دو ماہ کا منافع میں کہاں سے لاؤں۔"

"بھابھی آپ نے رئیسہ کو جتنا منافع دینا تھا دے چکیں، جتنا ڈرنا تھا ڈر چکیں اب ہم اسے بلیک کریں گے کہ یہ سود پہ پیسہ چلاتی ہے اگر بقول اس کے آپ کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گی تو وہ بھی کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گی اور کسی پٹھان وغیرہ کا پیسہ نہیں یہ اس کا اپنا پیسہ ہے اب ہم اسے کوئی منافع نہیں دیں گے۔ اب آپ سب کچھ مجھ پر چھوڑیں رئیسہ کو بھول جائیں۔ دو چار دن میں اسے دو لاکھ کی رقم دے دیں گے کچھ میرے پاس ہیں کچھ بینک سے نکلوالیں گے جب آپ کو سہولت ہو دے دیجیے گا۔" دو لاکھ صفیہ پر شادی مرگ کی کیفیت طاری ہو گئی۔

"علینہ یہ بہت ہو جائے گا میں اتنا بڑا احسان ....." صفیہ جملہ پورا نہ کر پائیں اور آبدیدہ ہو گئیں۔

"بھابھی آپ کی عزت اور ذہنی سکون سے بڑھ کر کچھ نہیں رشتہ داروں کو ایک دوسرے کی طاقت ہونا چاہیے۔ کل کو اگر میں کسی مشکل میں ہوں گی تو کیا آپ میرے کام نہیں آئیں گی۔ اور آپ نے بھی میرا خیال کیا ہے اس سے پہلے مجھے ٹائی فائیڈ ہو گیا تھا آپ نے ایک ڈیڑھ ماہ دونوں وقت میرے گھر کھانا بھیجا۔ میرے پاؤں میں فریکچر ہو گیا آپ ہمیں اپنے گھر لے آئیں اور ہر طرح سے میرا خیال رکھا۔" صفیہ بیگم علینہ کی باتیں خاموشی سے سن کر مسکرا دیں علینہ نے پھر صفیہ بیگم کو مخاطب کیا۔

"بھابھی آپ کی اجازت ہو تو باربی کیو ہم مل کر رکھ لیں آپ کے مہمان اور ہم ہمارے مہمان تقریباً" ایک

ہی ہوں گے وقت کی بھی بچت ہو جائے گی اور توانائی کی بھی۔"

"ماما دو کی نہیں چار چیزوں کی بچت ہو گی ایک ایک سوٹ اور مقابلہ آرائی کی بھی۔" رانیہ کی زبان پھسلی۔

"رانیہ!" علینہ غصہ سے بولی۔ "بڑوں سے مذاق نہیں ہوتا۔"

"ماما تائی امی ہنستی ہوئی اچھی لگ رہی ہیں میں تو ان کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھنے کے لیے مذاق کر رہی ہوں سوری تائی امی" وہ روہانسی ہو کر بولی۔

"چچی آپ نے رانیہ کو کیوں ڈانٹا وہ صحیح کہہ رہی ہے۔ ہم سب ماما کو مسکراتا ہوا اور خوش دیکھنا چاہتے ہیں عرصہ ہوا ماما تو مسکرانا ہی بھول گئی تھیں۔ آپ نے کبھی ماما کا مذاق نہیں اڑایا ہمیشہ ہماری اور ماما کی بہتری چاہی اور آج بھی آپ نے ماما سے جو کہا وہ انتہائی ضروری تھا جیسے بعض پھوڑے یا زخم کے لیے نشتر لگانا ضروری ہوتا ہے چچی میں آپ کو سیلوٹ کرتی ہوں۔" فضہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ "جس طرح آپ نے ماما کو آج سمیٹا ہے اسے میں کبھی نہیں بھول پاؤں گی۔" علینہ کی آنکھیں بھی بھیگ گئیں۔ اس نے روتی ہوئی فضہ کو ہاتھ بڑھا کر اپنے ساتھ لگا لیا۔

"میں اچھی نہیں ہوں تم سب اچھے ہو جو میرے تھوڑے سے کیے کو بہت جانتے ہو اور قدر کرتے ہو۔" فضہ سسکیوں سے رونے لگی صفیہ بیگم بھی رونے لگیں

"سچ کہہ رہی ہے فضہ تم بہت عظیم ہو میں ہر مقام پر تم سے مقابلہ کر کے اپنا قد بڑھانے کی کوشش کرتی تھی۔ یہ نہیں پتا تھا کہ ان کوششوں سے میں اور "بونی" ہو گئی ہوں اتنی بونی کہ بالکل ہی زمین سے لگ گئی۔ دوسروں کی نظر میں تو کیا عزت پاتی اپنے شوہر اور بچوں کی نظر میں بھی گر گئی۔ سچ ہے، خلوص نیت سے کیا جانے والا کام عزت دلاتا ہے۔ تمہاری نیت اچھی تھی تم نے عزت و محبت پائی میری نیت میں کھوٹ تھا میں خالی ہاتھ رہی۔" علینہ خاموشی سے سنتی رہی۔

کبھی کبھار کسی ان کے لیے ضروری تھا، چودہ پندرہ سال کی گھٹن تھی۔ دونوں اتنی محو تھیں ایک سنانے میں اور دوسری سننے میں۔ انہیں پتا بھی نہیں چلا کہ کب قاسم صاحب اور وسیم پیچھے آکر کھڑے ہو گئے۔ بچوں کو انہوں نے اشارے سے منع کر دیا۔ قاسم صاحب اور وسیم کو بچوں نے فون پر بتا دیا تھا۔ علینہ خود بھی رو رہی تھی اور صفیہ کو بار بار چپ بھی کروا رہی تھی روتے روتے صفیہ کی ہچکی بندھ گئی۔

"بھابھی مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں۔ اور اگر تھی بھی تو اب نہیں رہی آپ بھی سب بھول جائیں میں بھی بھول جاؤں گی اب ہم ایک دوسرے کی طاقت بنیں گے۔"

"علینہ آج ہمارے دل صاف ہوگئے۔"

"صفیہ بیگم ہم سے بھی دل صاف کر لیجئے۔" قاسم صاحب اچانک سامنے آگئے دونوں خواتین بری طرح چونکیں قاسم صاحب اور وسیم قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔ ان دونوں کی ہنسی میں صفیہ' علینہ اور بچوں کی ہنسی بھی شامل ہوگئی' ماحول ایک دم سے خوش گوار ہوگیا۔ علینہ کے فون کرنے پر ہاشم' حارث بھی وہیں آگئے' علینہ کے دونوں بیٹے موئس اور انس بھی اکیڈمی سے گھر آگئے تھے۔ اس دوران علینہ نے رول اور کباب تل کیے۔ کیبنٹ سے بسکٹ اور نمکو نکال کر پلیٹوں میں سیٹ کی' وسیم کی لائی ہوئی مٹھائی پلیٹوں میں نکالی فضہ نے اچھی سی چائے بنائی۔ حفصہ اور رانیہ نے مل کر ٹیبل سیٹ کی بڑے خوشگوار ماحول میں چائے پی گئی سب ہنس بول رہے تھے اور خوش تھے عید کے دن کے پروگرام بن رہے تھے' دعوتوں کی باتیں ہو رہی تھیں۔ علینہ کی تجویز پر باربی کیو ایک جگہ ہی طے پائی تھی تو صفیہ بیگم کی رائے تھی کہ بڑی دعوت بھی مل کر کی جائے ان کی رائے کو خوشی مانا گیا بلکہ خوشی کا اظہار بھی کیا گیا وسیم خوشی سے کہنے لگے۔

"بھئی ہم لوگوں کی "عید" تو دو دن پہلے ہی ہوگئی۔"

"اور قربانی بھی تو۔" قاسم صاحب مسکرائے۔

"ہیں! وہ کیسے۔" وسیم حیران ہوئے۔

"بھئی ہماری بیگم کے۔" سب سے بڑھ کر میں کے کردار کی قربانی۔"

"ہاں بھئی یہ تو ہے۔ قربانی دے کر ہی انسان کچھ پاتا ہے۔" صفیہ بیگم نے اعتراف کیا۔ "قاسم صاحب بڑائی تو صرف اللہ تعالیٰ کو ہی زیبا ہے انسان کی نجات تو انسان کی انسانیت میں' عاجزی میں' اور عفو و درگزر میں ہے۔" صفیہ بڑے جذب سے گویا ہوئیں۔

"واہ بھئی واہ! سبحان اللہ کیا اچھی بات کہی آپ نے اچھا بھئی وسیم اب چلتے ہیں۔" سب ان لوگوں کو گیٹ تک چھوڑنے آئے۔

☆ ☆ ☆

مل جل کر اچھی سی باربی کیو وسیم کے گھر ہوگئی۔ بقرعید کے چوتھے دن ایک شان دار سی دعوت قاسم صاحب کے گھر پر ہوئی یہ دعوت بھی قاسم صاحب اور وسیم کی طرف سے تھی جس میں قریبی محلے دار اور عزیز و اقارب شامل تھے۔ کھانے کے بعد میٹھے اور سادے پان پیش کیے گئے۔ بہت عرصہ کے بعد سب عزیز و اقارب مل کر بیٹھے تھے کھانے کے بعد قہوے کا دور چل رہا تھا سب آپس میں گپ شپ کر رہے تھے۔ رئیسہ بھی دعوت میں شریک تھیں۔ بن بلائی ہی سہی وہ میزبان کی طرف سے دعوت کے بلاوے کے تکلیف میں نہیں پڑتی تھیں۔ سامنے سے آتی علینہ کو دیکھ کر رئیسہ نے سرگوشی کی "دیکھنا بھابھی علینہ نے کیسے فیشن کے کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ اور آپ نے کیسے سادے سے آپ بھی ایسے کپڑے بنالیتیں۔"

"اے لو میں کیوں بنالیتی اس جیسے کپڑے' میرا اس کا کیا مقابلہ میری اور اس کی عمر میں اچھا خاصا فرق ہے میری چھوٹی بہن جیسی ہے۔" وہ اپنے خوب صورت پرنٹ کے نفیس سے سوٹ پر طائرانہ نظر ڈال کر بولیں۔ رئیسہ کا منہ تو کھلا کا کھلا رہ گیا۔ اس جواب پر۔

"میں تو آپ کی بھلائی کے لیے ہی کہہ رہی تھی۔" وہ کھسیا کر بولی۔

"رہنے دو میری بھلائیاں بہت کر چکیں میرا بھلا اب اپنی بھلائی سوچو۔" قاسم صاحب نزدیک آئے اور آہستہ سے بولے۔

"آپ کو اچھے برے کی پہچان ہوگئی ہے اور واقعی آپ نے لوگوں کو پہچان کرنے کا ہنر سیکھ لیا ہے آج میں بڑے فخر سے کہہ سکتا ہوں" آپ سے بڑھ کر کون۔" صفیہ بہت دل سے مسکرائیں قریب کھڑے وسیم اور علینہ بھی مسکرادیے۔

☆ ☆

نگہت سیما

دستِ مسیحا

مکمل ناول

"موحد پلیز میری بات سنو..."

"میں تمہاری بات سنوں گا بھی اور تم سے بات کروں گا بھی، لیکن ابھی نہیں پلیز..." اس نے ملتجی نظروں سے امل کی طرف دیکھا۔

"میں تم سے ناراض ہوں موحد بہت ناراض ہوں۔ تم نے ایسا سوچا بھی کیسے کہ تم میری محبت سے

دستبردار ہو جاؤ گے۔ کیا میں اتنی چھوٹی سوچ رکھتی ہوں کہ صرف اس بات پر کہ تم ڈاکٹر عثمان کے بیٹے نہیں ہو، میں تم سے محبت کرنا چھوڑ دوں گی۔ تم نے مجھے کتنا غلط جانا موحد۔"

"پلیز امل یہ معمولی بات نہیں تھی۔ پھر بھی میں نے کہا نا میں تمہاری ساری بات سنوں گا۔ تم نے جتنا لڑنا ہو لڑ لینا جو کہنا ہو کہہ لینا، لیکن پلیز اس وقت نہیں اور ابھی مجھے بھی تمہارا اور شامی کا شکریہ ادا کرنا ہے۔ تم دونوں نے اسپتال میں میرا بہت خیال رکھا ہے۔"

"یا تمہیں شکریہ ادا کرنا چاہیے موحد۔" امل کی سبز آنکھوں سے واضح ناراضی جھلکتی تھی اور وہ تیزی سے گھر جانے کے لیے داخلی دروازے کی طرف بڑھی

پانچویں قسط

وہاں کھڑی شفو نے جو انٹر کام کا ریسیور اٹھائے کھڑی تھی موحد کی طرف دیکھا۔

"باہر کوئی ڈاکٹر احسن آئے ہیں انگلینڈ سے اور چھوٹے ملک صاحب سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"ڈاکٹر احسن۔" امل اور موحد کے لبوں سے ایک ساتھ نکلا۔

"نہیں ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ میں بابا کو بتاتا ہوں۔" موحد وہاں سے ہی واپس بابا کے کمرے کی طرف مڑ گیا امل وہاں ہی حیران سی کھڑی رہ گئی تھی۔

ڈرائنگ روم میں مکمل خاموشی تھی۔ عثمان ملک اور موحد سر جھکائے بیٹھے تھے جبکہ ڈاکٹر احسن بہت اشتیاق سے موحد کو دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے پہلے بھی کئی بار موحد کو دیکھا تھا سو رہا تھا لیکن آج ان کے دیکھنے کا انداز مختلف تھا۔ وہ ان کا بیٹا تھا۔۔۔ ان کا خون۔۔۔ ابھی کچھ دیر پہلے جب انہوں نے اسے گلے لگایا تھا تو خود سے الگ کرنے کو جی ہی نہیں چاہ رہا تھا۔ یہ اتنا وجیہہ' اتنا شان دار' ذہین موحد عثمان ان کا تھا' ان کا اپنا۔

"سوری! ڈاکٹر احسن اس روز جب آپ نے اپنے بچے کا ذکر کیا تھا میں نے اسی وقت جان لیا تھا کہ آپ جس بچے کا ذکر کر رہے ہیں۔ میرا موحد ہے لیکن میں آپ کو بتا نہیں سکا تھا۔ مجھ میں موحد کو کھونے کا حوصلہ نہ تھا۔"

"اور کیا مجھ میں حوصلہ ہے آپ کو کھونے کا آپ نے مجھے اتنا باہمت اور حوصلہ مند کیسے جان لیا بابا۔" موحد نے سوچا اور شاکی نظروں سے ڈاکٹر عثمان کو دیکھا۔

"لیکن یقین کریں ڈاکٹر احسن میں نے ایک خط آپ کے نام لکھ کر وکیل کو دے دیا تھا کہ میرے مرنے کے بعد۔۔۔"

"ڈاکٹر عثمان۔" ڈاکٹر احسن نے ذرا ہاتھ بلند کر کے انہیں کچھ کہنے سے روکا تھا۔ "موحد آپ کا ہے اور ہمیشہ آپ کا ہی رہے گا۔ میرا اس پر کوئی حق نہیں۔ آپ اس کے لیے تھکے۔ اس کے علاج کے لیے اسپتالوں کے دھکے کھائے۔ آپ اور بھابھی ہی تھیں جنہوں نے اس کے لیے تکلیف اٹھائی۔ اسے صحت مند زندگی دینے کے لیے جدوجہد کی' اس کو بچایا اور اس قابل بنایا کہ میں آج اسے دیکھ کر فخر محسوس کر رہا ہوں۔"

"بچانے والی ذات تو اللہ کی ہے ڈاکٹر احسن۔" ڈاکٹر عثمان نے موحد کی طرف دیکھا۔

"ہمیں تو اللہ نے محض وسیلہ بنایا تھا اس کی وجہ سے ہمیں جینے کا جواز ملا تھا۔ ہماری بے رنگ زندگیوں میں رنگ بھر گئے تھے۔ آپ نہیں جانتے ڈاکٹر احسن اس کے وجود سے اندھیرے گھر میں اجالا ہو گیا تھا۔ مجھے کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں لگا تھا کہ میں اس کا باپ نہیں ہوں اور زینی نے اسے جنم نہیں دیا۔ ہمارے پاس اس کے آنے کے بعد باتیں کرنے کے لیے کوئی اور موضوع نہیں رہا تھا۔ کس ڈاکٹر کے پاس جانا ہے۔۔۔ کہاں ڈرافٹنگ ہوگی۔ سلیکون تھراپی کے لیے کون سا اسپتال کون سا ڈاکٹر مناسب رہے گا۔ فارغ وقت میں ہم یہی سرچ کرتے رہتے تھے۔ جب اس کے ہونٹ کی ڈرافٹنگ ہوئی جب سلیکون تھراپی ہو رہی تھی تو اس کی تکلیف کے خیال سے ہم تڑپتے تھے سجدے میں گر کر دعائیں مانگتے تھے جس روز اس کی سسٹس (رسولیاں) ختم کرنے کے لیے آپریشن ہونا تھا۔ زینی ساری رات نفل پڑھتی رہی تھی کہ ہمارے بچے کو زیادہ تکلیف نہ ہو۔ پھر جب ان نشانات کو ختم کرنے کے لیے اس کی کاسمیٹکس (پلاسٹک) سرجری ہوئی تب بھی ہم نے اتنی ہی تکلیف سہی۔" موحد کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے۔

"میرا روآں روآں آپ کا اور ڈاکٹر زینب کا احسان مند ہے ڈاکٹر عثمان۔ میں یہاں اسے لینے نہیں آیا بس ایک بار باپ کی نظر سے دیکھنے اور گلے لگانے آیا تھا۔ میں نے سینکڑوں راتیں جاگ کر گزاری ہیں ڈاکٹر عثمان' صرف یہ سوچتے ہوئے کہ پتا نہیں وہ زندہ ہے یا نہیں۔ کہاں ہے۔ اگر زندہ ہے تو کس حال میں۔ کئی راتیں ایسی بھی آئیں کہ میں سوتے سوتے اٹھ کر بیٹھ گیا' جس روز آپ کا فون آیا تھا وہ پہلی رات تھی جب میں سکون سے سویا۔ اتنی مطمئن نیند کہ صبح کو ہی میری آنکھ کھلی۔ میں اپنے آخری سانس تک آپ کا احسان مند رہوں گا۔ میں' محسنہ میرے بچے ہم سب آپ کے احسان مند ہیں۔" ان کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں اور انہوں نے بے اختیار اٹھ کر ڈاکٹر عثمان کے ہاتھ تھام لیے۔

"اس طوفانی رات میں اگر آپ اسے نہ اٹھاتے تو

سردی اور بارش میں وہ ننھا سا بچہ زندہ نہ رہ پاتا۔ میں مر کر بھی آپ کے احسان کا بدلہ نہیں چکا سکتا ڈاکٹر عثمان اس کی سگی ماں نے اسے رد کر دیا لیکن آپ نے اور زینب بھابھی نے اسے اپنا لیا۔"

ان کی آواز بھرا گئی تھی۔ ڈاکٹر عثمان نے ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا تھا۔ موحد خاموش بیٹا کبھی ڈاکٹر احسن کو دیکھتا کبھی ڈاکٹر عثمان کو۔ ایک اس کا حقیقی باپ تھا۔ اور ایک وہ جس نے اسے پالا تھا۔ اسے اچانک بہت سارے رشتے ملے تھے۔ وہ ان کی محبتوں سے مالا مال ہو گیا تھا پھر یکایک وہ سارے رشتے پرائے ہو گئے تھے اور پھر اب یکایک وہ کچھ اور رشتوں سے مالا مال ہوا تھا بھائی، باپ، بہن۔

"یہ اگر آپ کے ساتھ رہنا چاہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے ڈاکٹر احسن۔" ایک افسردہ سی مسکراہٹ ڈاکٹر عثمان کے لبوں پر نمودار ہوئی۔

"نہیں بابا۔" موحد نے تڑپ کر ان کی طرف دیکھا۔

"میں آپ کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ میں کسی کو نہیں جانتا میرے بابا صرف آپ ہیں۔"

"میں جانتا ہوں میری جان تم صرف میرے بیٹے ہو۔" ڈاکٹر عثمان نے اپنا بایاں بازو اس کے گرد حمائل کرتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

"لیکن انہوں نے بھی ایک طویل انتظار اور بار بار ٹوٹتی امید کے بعد تمہیں پایا ہے۔ چاہو تو کچھ دن ان کے پاس رہ آؤ بہن بھائی سے مل آؤ۔"

انہوں نے اپنے دائیں طرف بیٹھے ڈاکٹر احسن کی طرف دیکھا جو تھوڑا سا آگے کو جھکے اب بھی موحد کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں وہی اشتیاق وہی پیاس تھی۔

"نہیں ڈاکٹر عثمان میں آپ سے آپ کا بیٹا جدا نہیں کر سکتا۔ ہاں اتنی اجازت چاہتا ہوں کہ جب یہ چھٹیاں گزار کر لوٹنے آئے تو ویک اینڈ ہمارے ساتھ گزار لیا کرے اس گھر میں جہاں اس نے اب تک کی اپنی زندگی گزاری ہے۔ ابھی ہم اس گھر میں شفٹ نہیں ہوئے اور اس کا کمرہ ایسا ہی ہے جیسا اس نے چھوڑا تھا۔ اب مجھے سمجھ آیا کہ آپ کیوں اصرار کر رہے تھے کہ یہ گھر میں ہی خریدوں۔"

ان کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور ابھی عثمان ملک نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ عبدالرحمٰن ملک اپنے کمرے سے نکل کر ڈرائنگ روم میں آئے۔

"سوری عثمان! میں باتھ لے رہا تھا۔ ابھی شامی نے بتایا ہے کہ تمہارے مہمان آئے ہیں۔"

"جی یہ ڈاکٹر احسن ہیں۔" ڈاکٹر عثمان نے تعارف کروایا۔ "میرے کولیگ اور موحد کے حقیقی والد۔"

ملک عبدالرحمٰن نے ڈاکٹر احسن سے مصافحہ کرتے ہوئے اپنی حیرت کو چھپایا۔ عثمان نے ان سے موحد کے والد کا ذکر نہیں کیا تھا۔ موحد کی بے ربط گفتگو سے وہ تو یہی سمجھے تھے کہ موحد کے والدین کا علم نہیں ہے عثمان کو۔

ڈرائنگ روم میں خاموشی چھا گئی تھی جیسے کسی کے پاس کہنے کے لیے کچھ بھی نہ رہا ہو۔ ال نے کچن میں سے جھانک کر دیکھا لاؤنج خالی پڑا تھا اس نے مڑ کر ڈالی کا ایک نظر جائزہ لیا اور شفو کو لے جانے کے لیے کہا۔ ڈاکٹر احسن کو سلام کر کے وہ شفو کی مدد کے خیال سے کچن میں آ گئی تھی۔ موحد عثمان انکل عثمان کا بیٹا نہیں ہے یہ بات تو ماں جی کے سوا سب ہی جانتے تھے اب لیکن وہ ڈاکٹر احسن کا گم شدہ بیٹا ہو گا جس کا ذکر انہوں نے کیا تھا۔ یہ انکشاف اس کے لیے حیران کن تھا اور وہ اسے ہشام کے ساتھ شیئر کرنا چاہتی تھی۔

اور ہشام کہاں تھا۔ لاؤنج میں تو نہیں تھا شاید اپنے کمرے میں ہو وہ ڈاکٹر احسن کو سلام کر کے وہاں ٹھہرا نہیں تھا آج کل وہ ایسا ہی ہو رہا تھا بے مہر اور اجنبی سا۔

ڈاکٹر احسن بے شک عثمان انکل سے ملنے آئے تھے لیکن یہ گھر تو اسی کا تھا تو میزبانی کا تقاضا تھا کہ وہ وہاں کچھ دیر رکتا۔ اس چھینی ناک والی کا جادو لگتا ہے سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ لیکن میں بھی نہیں پوچھوں گی جب تک خود نہیں بتائے گا یوں تو یوں ہی سہی اور مجھے کیا

ضرورت ہے اس سے کچھ شیئر کرنے کی جب وہ مجھ سے خود کچھ شیئر نہیں کر رہا۔

اس نے ہشام کے کمرے میں جانے کا ارادہ منسوخ کیا اور دوپٹا درست کرتی ہوئی لاؤنج میں آگئی۔ ڈرائنگ روم کا دروازہ کھلا تھا اور شفو سرو کر رہی تھی۔ ایک لمحہ لاؤنج میں رکنے کے بعد وہ ڈرائنگ روم میں آئی اور عبدالرحمٰن ملک کے پاس بیٹھتے ہوئے موحد کی طرف شاکی نظروں سے دیکھا۔ وہ آج دوسری بار موحد سے ناراض ہوگئی تھی۔ اس نے محبت سے دستبردار ہونے اور شکریے کی بات کرکے اس کی نظر میں اس کے خلوص اور محبت کی توہین کی تھی۔

عبدالرحمٰن ملک کا فون اچانک بج اٹھا تو وہ ہاتھ میں پکڑی پلیٹ ٹیبل پر رکھ کر فون سننے کے لیے ڈرائنگ روم سے باہر نکل گئے تو ڈاکٹر عثمان نے ڈاکٹر احسن کی طرف دیکھا۔

"ڈاکٹر احسن کیا آپ کو موحد کی والدہ کے متعلق کچھ علم ہے وہ کہاں ہیں۔ کیا خبر موحد ان سے ملنا چاہے۔"

ثمرین کا میکا تو لاہور میں ہی تھا اپنا گھر تھا ان کا ماڈل ٹاؤن میں اب پتا نہیں وہ وہاں ہی ہیں یا....."

"ہرگز نہیں۔" موحد کے لبوں سے نکلا۔

"میں کبھی بھی ان سے ملنا یا انہیں دیکھنا نہیں چاہوں گا۔"

"ثمرین۔" ڈرائنگ روم میں قدم رکھتے ہوئے عبدالرحمٰن نے مڑ کر لاؤنج میں آتی ثمرین کی طرف دیکھا۔

"بیبن کا فون تھا۔ میں نے کہہ دیا تم سو رہی ہو۔ لو بات کرلو خود ہی۔ بہت پریشان ہو رہی تھی تمہارے لیے۔"

وہ وہاں ہی کھڑے کھڑے نمبر ملانے لگے اور پھر نمبر ملا کر ثمرین کی طرف بڑھایا جو ڈرائنگ روم کے کھلے دروازے میں ساکت کھڑی تھی۔ اس نے فون لینے کے لیے ہاتھ آگے نہیں بڑھایا تھا۔ وہ تو ڈاکٹر احسن کی طرف دیکھ رہی تھی جو بالکل سامنے بیٹھے تھوڑا سا آگے کو جھکے موحد کو دیکھ رہے تھے اور ڈاکٹر احسن نے عین اسی لمحے موحد کے چہرے سے نظریں ہٹا کر اس کی طرف دیکھا اس کا رنگ زرد ہو رہا تھا اور ہونٹ لرز رہے تھے۔

"یہ میری بھابھی ہیں عبدالرحمٰن بھائی کی وائف کچھ دنوں سے ان کی طبیعت ناساز ہے۔"

"اور بدقسمتی سے یہ ہی موحد کی والدہ ہیں میری ایکس وائف۔" (سابقہ بیوی)

"نہیں۔" ڈاکٹر عثمان کے لبوں سے نکلا تھا۔ موحد کی ماں دنیا کی کوئی عورت بھی ہوتی، لیکن ثمرین بھابھی نہ ہوتیں۔ دل نے بے اختیار خواہش کی۔

موحد اور امل کی آنکھوں میں بے یقینی تھی۔ ثمرین نے گرنے سے بچنے کے لیے سہارے کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھا اور لڑکھڑائی، لیکن عبدالرحمٰن ملک نے بے اختیار آگے بڑھ کر اسے گرنے سے پہلے سنبھال لیا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ اور ہونٹ لرز رہے تھے۔ امل یک دم اٹھ کر اس کے قریب آئی عبدالرحمٰن نے اسے صوفے پر لٹاتے ہوئے بلند آواز میں ہشام کو پکارا تو موحد ابھی تک بے یقینی سے ثمرین کی طرف دیکھ رہا تھا چونک کر اٹھا اور تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔

"موحد۔" امل اور عثمان ملک کے لبوں سے ایک ساتھ نکلا تھا، لیکن وہ رکا نہیں اور کمرے میں چلا گیا۔

امل ساری ناراضی بھول کر اس کے پیچھے آئی تھی، لیکن اس نے دروازہ اندر سے لاک کردیا تھا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا اور وہ یقین نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"وہ دنیا کی سب سے عظیم ماں ہیں۔" امل کی آواز اس کے کانوں میں آئی۔

"ماں کا اصل روپ اگر تم نے دیکھنا ہے موحد تو شامی کی ماما کو دیکھو۔" وہ طنزیہ انداز میں ہنسا۔

اپنے بچے کو مرنے کے لیے طوفانی رات میں پھینک دینے والی ماں۔ دنیا کی عظیم ماں۔ اب کے اس کی ہنسی کی آواز پہلے سے بلند تھی اور اس ہنسی کے ساتھ بہت سارے آنسو بھی رخساروں پر پھیل آئے

تھے۔

"موحد۔۔۔۔ موحد دروازہ کھولو۔" اس کی ایسی ابنارمل ہنسی سے خوف زدہ ہو کر باہر امل دستک دے رہی تھی اور پکار رہی تھی، لیکن وہ نہیں سن رہا تھا۔

"موحد۔۔۔۔ موحد۔" امل پکار رہی تھی اور اندر وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رو رہا تھا جیسے ابھی ابھی ڈاکٹر عثمان نے اسے ماما کی موت کی خبر سنائی ہو۔

اس کا دل ایسے ہی کٹ رہا تھا جیسے اس روز کٹا تھا۔ اور وہ ایسے ہی بلک بلک کر رو رہا تھا۔ جیسے اس روز رویا تھا۔

اس کے لبوں سے "ماما۔۔۔ ماما" نکل رہا تھا۔ باہر امل کے ساتھ عثمان ملک اور ڈاکٹر احسن کی آوازیں بھی شامل ہو گئی تھیں، لیکن اس کے ارد گرد جیسے آوازیں مر گئی تھیں۔ اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ بس آنسو تھے جن پر اس کا اختیار نہیں تھا اور وہ بہے چلے جا رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

"میں جانتی ہوں، میں نے غلط کیا میرا جرم بہت بڑا ہے، میں گناہ گار ہوں اپنے رب کی بھی اور تمہاری بھی۔ میں نے اپنے رب کی ناشکری کی اور تمہیں ٹھکرایا پھر بھی تم سے معافی مانگنے آئی ہوں۔ مجھے معاف کر دو۔"

وہ دونوں ہاتھ جوڑے اس کے سامنے بیٹھی تھیں اور آنسو تواتر سے ان کے رخساروں پر پھسل رہے تھے، لیکن وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ بیٹھا تھا۔ اس پر نہ ان کے آنسوؤں کا اثر ہو رہا تھا، نہ جڑے ہاتھوں کا۔ وہ جیسے نہ سن رہا تھا نہ دیکھ رہا تھا۔ یہ عورت جو اس کے سامنے بیٹھی تھی اس کی ماں تھی۔ اس نے اسے جنم دیا تھا۔ اور پھر مرنے کے لیے پھینک دیا تھا۔ اور یہ عورت وہ عورت تھی جس کا ایک بڑا اچھا امیج تھا اور وہ بن دیکھے ہی اس عورت کا احترام کرتا تھا۔ بے حد، بہت زیادہ اس عورت کی اپنے ابنارمل بچوں کے لیے محبتیں اور تھکاوٹیں وہ ان سب کی قدر کرتا تھا۔

لیکن جب ڈاکٹر احسن نے کہا۔

"یہ ہی موحد کی والدہ ہیں۔" اسے لگا اس کے دل میں موجود ثمرین آنٹی کا بت گر کر چکنا چور ہو گیا ہو۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ وہ ماں ہیں جس نے اپنے بیٹے کو اس لیے پھینک دیا کہ چند جسمانی پرابلمز کی وجہ سے وہ اسے بدصورت لگا تھا۔

یا وہ ماں ہے جس نے اپنے شاہ دولے بچوں کے لیے خود کو بھلا دیا تھا۔۔۔۔ رول دیا تھا خود کو۔۔۔۔

اس کے اندر عجیب سی ٹوٹ پھوٹ ہونے لگی تھی ابھی تو وہ پہلے دھچکوں سے بھی نہیں سنبھلا تھا کہ ایک اور دھچکا وہ وہاں بیٹھ نہیں سکا تھا اور سب کے اصرار کے باوجود دروازہ نہیں کھولا تھا۔ پہلے اس کا رونا سسکیوں میں بدلا تھا پھر سسکیاں تھمی تھیں اور پھر آنسو رکے تھے تو اس نے عثمان ملک کی آواز سنی تھی۔

"اپنے آپ کو سنبھالو میری جان۔ میں مر جاؤں گا اپنے بوڑھے بابا کو اپنے آنسوؤں سے مت رلاؤ۔۔۔۔ کچھ ایسا مت کرنا کہ یہ بوڑھا باپ بے موت مر جائے۔۔۔۔ اسے مت آزماؤ جان بابا تمہارے معاملے میں یہ چیونٹی سے بھی زیادہ کمزور ہے۔۔۔۔ کبوتر سے زیادہ بزدل ہے۔"

"پلیز بابا میں کچھ ایسا نہیں کروں گا کہ جس سے آپ کو تکلیف ہو یا دکھ پہنچے، لیکن پلیز آپ مجھے تنہا چھوڑ دیں اس وقت میں کسی کا سامنا نہیں کرنا چاہتا کسی کا بھی نہیں۔" اس نے اپنے رخسار پونچھ کر دروازے کے پیچھے سے کہا تھا اور عثمان ملک سب کو لاؤنج میں لے آئے تھے۔ اس لیے کہ صرف عثمان ملک تھے جو اسے سب سے زیادہ جانتے تھے اور سب زیادہ سمجھتے تھے۔

"وہ ابھی پہلے صدمے سے نہیں سنبھلا احسن۔" انہوں نے ڈاکٹر احسن سے کہا تھا۔

"چوبیس سال تک اس نے جنہیں اپنا ماں باپ سمجھا، وہ اس کے ماں باپ نہیں تھے۔ اس شاک نے اسے زندگی سے دور کر دیا تھا۔ پورے نو دن تک وہ اسپتال رہا۔ نروس بریک ڈاؤن ہو گیا تھا اس کا۔" اس

نے ڈاکٹر عثمان کو کہتے سنا تھا اور ایک بار پھر گھٹنوں پر سر رکھ کر رونے لگا تھا۔

☆ ☆ ☆

"میں....." ثمرین نے روتے ہوئے اپنے ہاتھ اس کے گھٹنوں پر رکھے تو وہ چونکتے ہوئے ایک دم پیچھے ہٹا۔ "میں نے تمہیں رد کیا تو اللہ نے مجھے عفان اور غنچو دیے کہ لو انہیں بھی رد کرو۔ انہیں بھی پھینک آؤ رات کے اندھیرے میں کسی دہلیز پر اور ساتھ میں شامی کو بھی دے دیا۔ صحت مند خوب صورت اور نارمل..... اور مجھے ایک مشکل امتحان میں ڈال دیا کہ لو یہ ہے نا تمہارا من چاہا صحت مند خوب صورت اب دوسرے کو پھینک آؤ کسی جگہ پر، لیکن اب کی بار میں نے سوچ لیا تھا کہ مجھے ناکام نہیں ہونا مجھے اس آزمائش پر پورا اترنا ہے۔" ثمرین نے پرنم آنکھوں سے موحد کی طرف دیکھا۔ وہ اب بھی ساکت بیٹھا تھا اور اس کے چہرے پر کوئی تاثرات نہ تھے۔ پتھر، سرد مہر۔

"ایک بار..... صرف ایک بار....." اس کے رونے میں شدت آگئی تھی۔ "مجھے معاف کردو موحد اپنی اس ماں کی محبت کے صدقے میں جس نے تمہیں پالا۔" اس کے پتھر چہرے کے تاثرات میں ذرا سی تبدیلی آئی۔

"پلیز میری مام کا نام مت لیں۔ آپ جیسی سفاک عورت کے لبوں پر میری مام کا نام..... میں نہیں سن سکتا....."

"ہاں میں سفاک تھی۔ میں نے اپنے بچے کو مرنے کے لیے طوفانی رات میں چھوڑ دیا، لیکن تم تو سفاک نہیں ہو۔ تمہیں تو رحم دل اور انسانیت سے محبت کرنے والے لوگوں نے پالا ہے۔ تم مجھے معاف کردو۔ ایک بار کہہ دو تم نے مجھے معاف کیا۔ مجھے کسی پل چین نہیں ہے۔ تمہیں اللہ کا واسطہ موحد۔"

"مجھے انسانیت سے محبت کرنے والوں نے پالا ہے، لیکن آپ یہ کیوں بھول گئی ہیں کہ میری رگوں میں آپ جیسی ظالم، سفاک اور بے حس عورت کا خون بھی دوڑ رہا ہے۔"

"تم میرے جیسے نہیں ہو موحد مجھے یقین ہے تمہاری رگوں میں احسن جیسے باپ کا خون بھی تو ہے۔ اور تم....."

"پلیز۔" موحد نے ذرا سا ہاتھ اٹھایا تھا اور پھر تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔ ثمرین نے اسے جاتے دیکھا اور شکست خوردہ سی بند دروازے کو دیکھتے ہوئے اپنے آنسو پونچھنے لگی۔ "وہ پھر چلا گیا۔ مجھے پتا ہے وہ مجھے کبھی معاف نہیں کرے گا اور میں اس قابل بھی نہیں ہوں کہ وہ مجھے معاف کردے کیا کوئی اپنے قاتل کو بھی معاف کرتا ہے۔" وہ گھٹنوں پر سر رکھ کر رونے لگی۔ پہلے گھٹی گھٹی آواز میں پھر ذرا بلند اور پھر اس کی چیخیں نکلنے لگیں۔

اور کوریڈور میں ٹہلتے ہوئے عثمان ملک نے موحد کو جاتے دیکھا۔ چند قدم اس کے پیچھے آئے، لیکن وہ ادھر ادھر دیکھے بغیر لابی سے گزرتا لفٹ کی طرف بڑھ گیا تھا۔ وہ واپس کمرے میں آگئے۔

"بھابھی..... بھابھی پلیز خود کو سنبھالیں۔ میں نے آپ سے کہا تھا ابھی وہ صدمے میں ہے۔ ابھی اسے کچھ مت کہیں اسے تھوڑا سنبھلنے دیں۔"

"لیکن وہ چلا جائے گا عثمان بھائی۔ وہ پھر نہیں آئے گا۔ میں جانتی ہوں۔ احسن نے بھی ایسا ہی کیا تھا اس نے مجھے معاف نہیں کیا تھا اور اس نے مجھے اپنی زندگی سے نکال دیا تھا۔ وہ بھی ایسا ہی کرے گا۔ وہ کبھی مجھے معاف نہیں کرے گا۔ کبھی میری طرف نہیں دیکھے گا۔"

"وہ ایسا نہیں کرے گا بھابھی مجھے یقین ہے۔" عثمان ملک کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

"وہ میرا بیٹا ہے۔ بہت نرم دل، بہت گداز دل وہ بہت سارے دن آپ سے دور نہیں رہ سکے گا۔"

"وہ مجھے ماں تسلیم کرلے گا عثمان بھائی۔" ثمرین نے امید بھری نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔

"اس کے تسلیم کرنے یا نہ کرنے سے کیا ہوتا ہے

آپ اس کی ماں ہیں اور آپ ہی اس کی ماں رہیں گی اور آپ پلیز ریلیکس ہو جائیں۔ شامی نیچے گاڑی میں پریشان ہو رہا ہوگا۔"

"اور... وہ... وہ کہاں ہے؟" ثمرین نے اچھی طرح دوپٹے سے اپنا چہرہ صاف کیا اور کھڑی ہو گئی۔

"وہ... وہ نیچے ہوگا ہال میں یا شاید کہیں باہر نکل گیا ہو۔" وہ کہہ کر مڑے' دروازہ کھولا۔ ثمرین سر جھکائے ان کے پیچھے ہی باہر نکلیں۔

اس روز موحد نے شام تک دروازہ نہیں کھولا تھا وہ سب پریشان تھے اس سے بات کرنا چاہتے تھے صرف عثمان ملک تھے جو چاہتے تھے کہ اسے ٹائم دیں تاکہ وہ اپنے آپ کو سنبھال سکے۔ انہوں نے ڈاکٹر احسن کو سمجھا کر گیسٹ روم میں آرام کے لیے بھجوا دیا تھا جو اس صورت حال سے ازحد پریشان ہو گئے تھے۔ شام میں جب لاؤنج میں کوئی نہیں تھا وہ اپنا بیگ اٹھائے باہر نکلا تھا اور عثمان ملک کے کمرے میں آیا تھا جو بے حد نڈھال سے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے نیم دراز تھے۔

"بابا۔" اس نے وہاں ہی دروازے کے پاس کھڑے کھڑے آواز دی تھی۔ عثمان ملک نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا اور پھر اس کے ہاتھ میں بیگ دیکھ کر یک دم سیدھے ہو کر بیٹھ گئے تھے۔

"تم کہیں جا رہے ہو موحد۔"

"بابا فی الحال میں یہاں نہیں رہنا چاہتا اس گھر میں۔ کسی ہوٹل میں جا رہا ہوں۔ میرے اندر بہت ٹوٹ پھوٹ ہو رہی ہے بابا۔ میں خود اپنی کیفیات سمجھ نہیں پا رہا۔ کاش ہم یہاں نہ آتے بابا۔" اس کی آنکھیں نم ہوئی تھیں۔

"تو میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں بیٹا۔" عثمان ملک بیڈ سے اتر کر اس کے قریب آئے تھے۔

"ہم کوشش کریں گے کہ وہ سب کچھ بھول جائیں جو ان چند ماہ میں ہوا۔ تم کہہ رہے تھے ناکہ ہم کہیں اور کسی اور جگہ زندگی کا آغاز کرتے ہیں تو ٹھیک ہے ہم ایسا ہی کریں گے۔ ابھی میرے ساتھ حویلی چلو وہاں سے سامان لے کر دونوں باپ بیٹا نکل چلیں گے۔"

انہوں نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا تھا۔

"تم میرے لیے دنیا کی ہر شے سے زیادہ قیمتی ہو۔ تمہاری خوشی تمہاری مرضی میرے لیے سب سے اہم ہے۔"

"بابا آپ دنیا کے سب سے اچھے باپ ہیں۔" اس نے مسکرانے کی کوشش کی تھی۔

"لیکن فی الحال آپ کو یہاں ہی رہنا ہے۔ ڈاکٹر احسن آپ کے مہمان ہیں بہت دور سے آئے ہیں۔" وہ ان کے لیے پاپا یا ڈیڈی کا لفظ استعمال نہیں کر سکا تھا۔

"وہ تم سے ملنے آئے ہیں جب تم ہی چلے جاؤ گے تو وہ یہاں رہ کر کیا کریں گے۔"

"مجھ سے مل تو لیا انہوں نے۔"

"برسوں کی تشنگی لمحوں میں ختم نہیں ہو جاتی جان بابا۔" انہوں نے اس کے ہاتھ سے بیگ لینا چاہا تو اس نے ہاتھ پیچھے کر لیا۔

"نہیں بابا میں اب چلتا ہوں۔ ہوٹل جا کر آپ کو فون کر دوں گا۔" اس کے چہرے کی ملائمت کی جگہ اس وقت سختی نے لے رکھی تھی آنکھوں کا وہ نرم نرم تاثر جو دیکھنے والے کو اٹریکٹ کرتا تھا جانے کہاں تھا۔ بالکل سپاٹ ہر جذبے سے خالی تھیں اس کی آنکھیں۔

"غلطیاں انسانوں سے ہی ہوتی ہیں موحد اور انسانوں کو ہی اللہ تعالیٰ نے معاف کر دینے کا ظرف عطا کیا ہے۔" اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے عثمان ملک لاؤنج سے گزر کر سن روم تک آئے تھے۔ اس نے باہر جانے کے لیے دروازے کی ناب پر ہاتھ رکھتے ہوئے ان کی طرف دیکھا۔

"لیکن شاید میرا ظرف اتنا بڑا نہیں ہے بابا۔" اس نے دروازہ کھول کر باہر برآمدے میں قدم رکھا۔

"میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں موحد تمہیں ہوٹل چھوڑ کر واپس آجاؤں گا۔"

"نہیں بابا پلیز۔" اس نے ملتجی نظروں سے انہیں دیکھا تھا اور پھر برآمدے کی سیڑھیاں اتر کر پورچ میں سے ہوتا ہوا گیٹ کی طرف بڑھا تھا۔ مہر علی گیٹ کے

پاس ہی کرسی پر بیٹھا تھا۔ وہ مہر علی کے کچھ پوچھنے پر نفی میں سر ہلاتا ہوا گیٹ سے باہر نکل گیا اور عثمان ملک واپس اپنے کمرے میں جانے کے بجائے وہاں ہی سن روم میں ایک صوفے پر بیٹھ گئے تھے۔ جب انہوں نے زینی کی میت پاکستان لانے کا فیصلہ کیا تھا اور جب انہوں نے پاکستان میں ہی سیٹل ہونے کا فیصلہ کیا تھا اور ڈاکٹر احسن سے گھر فروخت کرنے کی بات کی تھی تو کاش وہ ایسا نہ کرتے تو سب کچھ چھپا رہتا موحد کو کبھی خبر نہ ہوتی اور......

لیکن قدرت کے اپنے فیصلے ہوتے ہیں ایسا ہی ہو تھا اللہ نے ڈاکٹر احسن کی تڑپ بھی تو ختم کرنا تھی۔ ثمرین کو بھی احساس جرم سے نجات دینا تھی۔ اتنے سالوں سے وہ اللہ سے معافی مانگ رہی تھی تو پھر میں کون ہوتا ہوں ایسا یہ سوچنے والا کہ ایسا نہ ہوتا تو سب ٹھیک تھا۔... تو اب بھی جو ہوگا بہتر ہوگا۔ میرے بعد میرا موحد اکیلا ہو جاتا تو اللہ نے اس کے رشتے اس سے ملا دیے۔ وہ اٹھ کر اپنے بیڈ روم میں جانا ہی چاہتے تھے کہ ثمرین اپنے روم سے متوحش سی تقریباً" بھاگتی ہوئی باہر آئی تھی۔

"وہ چلا گیا۔ چلا گیا نا۔ مجھے ابھی گیٹ کھلنے کی آواز آئی تھی۔" وہ ان کے پاس کھڑی پوچھ رہی تھی۔

"بھابھی۔" عثمان ملک کھڑے ہو گئے تھے اور ثمرین کے پیچھے آتے عبدالرحمن ملک نے ثمرین کے بازو پر ہاتھ رکھا تھا۔

"آؤ ثمرین۔ اندر چلو تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے تھوڑی دیر سو جاؤ۔"

"نہیں میں سو گئی تو وہ چلا جائے گا۔ عبدالرحمن خدا کے لیے اس سے کہیں، مجھے معاف کر دے۔ میں نے بہت بڑا جرم کیا ہے۔ پھر بھی میں چاہتی ہوں وہ مجھے معاف کر دے' مانتی ہوں اپنا گناہ۔" وہ پھر عثمان ملک کی طرف دیکھنے لگی۔ "میں دنیا کی سب سے بری ماں ہوں بھائی' لیکن اگر آپ اس سے میری سفارش کریں گے تو وہ مان جائے گا۔ مجھے معاف کر دے گا۔"

"آپ پریشان نہ ہوں بھابھی عبدالرحمن بھائی صحیح کہہ رہے ہیں۔ آپ کچھ دیر آرام کرلیں سو جائیں۔ وہ کہیں نہیں جائے گا یہاں ہی ہے۔" عبدالرحمن ملک نرمی سے اس کا بازو پکڑے واپس جا رہے تھے اور وہ مڑ کر عثمان ملک سے کہہ رہی تھی۔

"آپ اسے مت جانے دینا عثمان بھائی...." لیکن وہ جا چکا تھا اور عثمان ملک اسے ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتے تھے۔ جانتے تھے موحد کے لیے سنبھلنا آسان نہیں ہوگا' لیکن بہرحال وہ سنبھل جائے گا اور ساری حقیقت قبول کرلے گا' لیکن اس میں وقت لگے گا اور ثمرین چاہتی تھی وہ اسے ابھی اسی وقت معاف کر دے ماں تسلیم کرلے' لیکن یہ ممکن نہیں تھا۔

موحد نے فون کرکے انہیں بتا دیا تھا کہ وہ کس ہوٹل میں ہے' لیکن دو دن تک انہوں نے اسے بالکل ڈسٹرب نہیں کیا تھا ہاں صبح و شام فون پر اس کی خیریت معلوم کرتے رہے تھے۔ ڈاکٹر احسن اپنے سسرال کے تو وہ بھی ہوٹل شفٹ ہو گئے تھے۔ موحد نے انہیں بتایا تھا کہ وہ کچھ دنوں کے لیے سعد کے پاس دبئی چلا جائے گا یہاں رہا تو اس کا دماغ پھٹ جائے گا۔ سعد ان دنوں دبئی میں تھا۔ اس کے والد شارجہ سے دبئی منتقل ہو گئے تھے۔

"دبئی سے تم سیدھے بولٹن چلے جاؤ گے یا واپس پاکستان آؤ گے۔" انہوں نے پوچھا تھا۔

"پتا نہیں بابا۔" اس نے بے بسی سے ان کی طرف دیکھا تھا۔ "ابھی میں کچھ سمجھ نہیں پا رہا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ بس میں سب کچھ بھلا دینا چاہتا ہوں' لیکن سعد کے پاس بھی دس بارہ دن سے زیادہ نہیں رہوں گا۔"

"تو پھر تم دبئی سے سیدھے پاکستان آؤ۔ حویلی میں تمہارا سامان اور کتابیں وغیرہ پڑی ہیں تو وہ بھی تو لینی ہوں گی نا تم نے تو پھر ہم دونوں باپ بیٹا اکٹھے واپس چلیں گے۔ میں وہاں بولٹن میں ہی کوئی اپارٹمنٹ کرائے پر لے لوں گا۔"

"لیکن آپ کا اسپتال کا کام تو ادھورا ہی رہ جائے گا۔"

"زندگی ختم ہو گئی تو تب بھی کام ادھورا ہی رہ جاتا ہے

بیٹا۔" ان کے لبوں سے نکلا تھا۔ موحد نے پریشان ہو کر انہیں دیکھا تو انہوں نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا تھا۔ "زندگی کا کیا بھروسا ابھی سانس آرہی ہے ابھی ختم ہو جائے ویسے میں نے عبدالرحمٰن بھائی کو سب سمجھا دیا ہے۔ ہم دنیا کے لیے اتنا کرتے ہیں تو کچھ آخرت کا سامان بھی تو کرنا چاہیے نا۔ میں نے یہاں کی ساری جائیداد اسپتال کے لیے وقف کر دی ہے۔ اس کی آمدنی سے اسپتال چلتا رہے گا۔"

"یہ آپ نے اچھا کیا بابا۔" لمحہ بھر کے توقف کے بعد اس نے پوچھا۔ "آپ کی جاب تو برمنگھم میں تھی بابا پھر آپ بولٹن میں کیسے رہیں گے۔"

"میں جاب چھوڑ کر آیا تھا اور بولٹن میں تمہارے ساتھ رہوں گا اور جاب کرنے یا نہ کرنے کا وہاں جا کر سوچوں گا۔" ایک لمحہ کے لیے اس کی بجھی ہوئی بے رونق آنکھوں میں چمک نظر آئی تھی، لیکن دوسرے ہی لمحے وہ پھر سنجیدہ ہو گیا تھا۔ اس سے پہلے انہوں نے کبھی اسے اتنا سنجیدہ نہیں دیکھا تھا۔

ان کی شدید خواہش تھی کہ زندگی کے ان آخری ایام میں موحد ان کے ساتھ ہو۔ کم از کم چھٹیوں کے سارے دن وہ ان کے ساتھ گزارے۔ ڈاکٹر احسن سے ان کی تفصیلی بات ہوئی تھی اور وہ جانتے تھے کہ ہر گزرتا دن انہیں موت کے قریب تر کر رہا ہے سو انہوں نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ اس کے ساتھ ہی بولٹن جائیں گے۔ یہاں کے سارے معاملات عبدالرحمٰن کے حوالے کر کے وہ کچھ مطمئن سے ہو گئے تھے اور انہوں نے عبدالرحمٰن سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اب مسلسل ان سے اور ماں جی سے رابطے میں رہیں گے اور آتے جاتے رہیں گے، لیکن رہنا انہیں موحد کے ساتھ ہی تھا۔

انہوں نے سوچا تھا وہ ہولے ہولے اسے اس لمحے کے لیے تیار کریں گے جب انہیں اس کے ساتھ نہیں ہونا تھا۔ اس سلسلے میں انہوں نے ڈاکٹر احسن سے بھی تفصیلی بات کر لی تھی۔ وہ ابھی بہت صدموں سے گزرا تھا اور ان کی اچانک موت کو برداشت نہ

کیا تا۔ اس کے پاس برٹش پاسپورٹ تھا سو بس سیٹ بک کروائی اور ٹکٹ لینا تھا۔ اس نے کبھی کوئی اکیلے کام نہیں کیا تھا وہ ہمیشہ اس کے ساتھ رہتے تھے۔ شاپنگ کرنی ہے۔ بکس خریدنی ہیں، کپڑے، جوتے ہمیشہ انہوں نے ہی مشورہ دیا تھا۔ پھر تین سال پہلے جب انہوں نے اسے بولٹن بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا تو وہ بہت گھبرایا ہوا تھا اور شروع شروع میں تو چھوٹی چھوٹی باتوں کے لیے انہیں فون کرتا تھا۔

"بابا بلو جینز کے ساتھ کون سی شرٹ پہنوں۔"

"یہ بکس لے لوں....."

"فلاں دوست کی طرف چلا جاؤں۔"

شروع شروع میں عثمان مشورہ دے دیتے پھر غیر محسوس طور پر خود ہی فیصلے کرنے کا کہنے لگے تھے۔ وہ شاپنگ بھی کرنے لگا تھا۔ اکیلا بھی رہنے لگا تھا پھر بھی کوئی بڑا فیصلہ کرتے ہوئے گھبراتا تھا جیسے ہوٹل چھوڑ کر اپارٹمنٹ لینا وغیرہ۔

"بابا یہاں کسی ٹریول ایجنسی کا نمبر وغیرہ ہے آپ کے پاس۔" اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا تھا۔

"تم آن لائن بکنگ کیوں نہیں کروا لیتے۔" انہوں نے اسے مشورہ دیا تھا۔

پھر بکنگ کروانے کے بعد وہ نیچے ہال میں آئے تو انہیں ثمرین ملی تھی اور ثمرین کو دیکھ کر وہ خود بھی حیران رہ گئے تھے اور موحد ثمرین کو دیکھ کر تیزی سے واپس اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ وہ اپنی سوچوں میں گم ثمرین کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے ہوٹل کی پارکنگ تک آئے تھے۔

"السلام علیکم چاچو۔" ہشام نے جو گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑا تھا انہیں سلام کیا تو وہ چونکے اس کی شیو ہلکی ہلکی بڑھی ہوئی تھی اور آنکھوں میں سرخی تھی۔ ان کا پورا خاندان اس صورت حال سے متاثر ہوا تھا۔ کاش وہ یہاں نہ آتے۔ ایک بار پھر انہوں نے سوچا اور ہشام کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

"تمہیں پتا تو ہے۔ وہ اس وقت بہت اپ سیٹ ہے تمہیں بھابھی کو یہاں نہیں لانا چاہیے تھا۔"

ثمرین نے انہیں بتایا تھا کہ ہشام نے ادھر سے گزرتے ہوئے موحد کو اس ہوٹل میں جاتے دیکھا تھا اور پھر ریسپشن سے اس نے معلوم کیا تھا کہ وہ کس روم میں ٹھہرا ہوا ہے۔

"ماما بھی بہت بے چین تھیں بہت اپ سیٹ تھیں آپ اس سے کہیں وہ ماما کو معاف کر دے۔" ہشام کی آواز میں لرزش تھی۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا میری جان۔ اسے تھوڑا وقت دو۔" انہوں نے اس کے کندھے تھپتھپائے۔

اس نے صرف سرہلایا تھا۔ اس انکشاف نے اسے بھی ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اس کی ماما ثمرین عبدالرحمن، جنہیں اہل دنیا کی سب سے عظیم ماں سب سے اچھی ماں کہتی تھی ان کے متعلق یہ کیسا ہولناک انکشاف ہوا تھا۔

"نہیں۔" اسے یقین نہیں آیا تھا۔ ماما ایسا نہیں کر سکتیں ضرور ڈاکٹر احسن کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے میری ماما اتنی سفاک تو نہیں ہو سکتیں۔ آنسو اس کی آنکھوں میں بھر گئے تھے۔

"یہ سچ ہے۔" عبدالرحمن ملک نے اسے بتایا تھا۔ "مجھ سے پہلے ثمرین کی شادی کسی ڈاکٹر احسن سے ہوئی تھی۔ یہ بات میں جانتا تھا کہ وہ طلاق یافتہ ہے، لیکن اسے طلاق کیوں ہوئی تھی کس لیے میں نے کبھی تجسس نہیں کیا نہ کبھی ثمرین سے اس طلاق کی وجہ پوچھی تھی۔" اور کتنی ہی دیر وہ ساکت بیٹھا رہا تھا اس کے اندر بھی کچھ ٹوٹا تھا۔ کرچیاں بکھری تھیں، لیکن وہ ماما سے نفرت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ ایک غلطی تھی جو ان سے بہت پہلے ماضی میں ہوئی تھی۔ اس ایک غلطی کی وجہ سے وہ ان کی عمر بھر کی ریاضت کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔

اور کچھ دیر بعد ہی اپنے اندر کی ٹوٹ پھوٹ کو بھلائے وہ ان کے پاس بیٹھا ان کے ہاتھ سہلا رہا تھا۔ ان کے آنسو پونچھ رہا تھا۔ اور آج موحد کو اس ہوٹل میں جاتے دیکھ کر وہ انہیں یہاں لے آیا تھا کہ اس سے ثمرین کی بے قراری اور تڑپنا دیکھا نہیں جا رہا تھا۔

"او کے بیٹا ان شاء اللہ کل ملاقات ہوتی ہے اپنے ڈیڈی کو بتا دینا۔" اس نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

"ڈیڈی تو میڈم نیلوفر کی طرف چلے گئے ہیں۔ جب آئے تو بتا دوں گا۔" اس کی بے حد خوب صورت آنکھوں سے جھلکتی اداسی جیسے مزید گہری ہوئی تھی۔ اس نے ثمرین کا ہاتھ پکڑ کر اسے فرنٹ سیٹ پر بٹھا دیا اور خود چکر کاٹ کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے عثمان ملک کو دیکھا خدا حافظ کہہ کر ثمرین کی طرف دیکھا۔

"ماما آپ ٹھیک ہیں نا۔" ثمرین نے سرہلایا۔ اس نے گاڑی پارکنگ سے باہر نکالی۔

"تم مجھ سے ناراض تو نہیں ہو نا۔" ثمرین کی سوالیہ نظریں اس کی طرف اٹھیں۔

"نہیں۔ میں آپ سے ناراض نہیں ہو سکتا۔"

"تمہارے ڈیڈی تو مجھ سے ناراض ہو گئے ہیں نفرت کرنے لگے ہیں مجھ سے۔" وہ نچلا ہونٹ دانتوں تلے داب رہی تھیں۔

"آپ ایسا مت سوچیں۔" اس نے ذرا سا رخ موڑ کر ثمرین کی طرف دیکھا۔

"وہ پھر نیلوفر کی طرف چلے گئے ہیں۔" آنسو ان کی آنکھوں میں چمکے۔

"وہ ان کی بیوی ہیں ان کا بھی حق ہے ڈیڈی پر۔" اس کا لہجہ سمجھانے والا تھا۔

"لیکن اب وہ ان کے پاس ہی رہیں گے۔ واپس نہیں آئیں گے وہ بھی موحد کی طرح مجھے ظالم اور سفاک سمجھتے ہوں گے، لیکن میں نے ان کے ساتھ کوئی ظلم نہیں کیا۔ ان کے بچوں کے لیے اپنا آپ رول دیا۔ میں ایسی نہیں تھی شامی، ظالم اور سفاک لیکن اس رات میں اسے مارنا نہیں چاہتی تھی۔ میں تو بس اسے دیکھنا نہیں چاہتی تھی چھپانا چاہتی تھی بیبن سے ممی سے۔" وہ رونے لگیں۔

"پلیز ماما مت روئیں بھول جائیں سب۔" ہشام نے تسلی دی۔

"کیسے بھولوں شامی۔ نہیں بھول سکتی۔ پہلے بھی

نہیں بھولتا تھا۔ سوتے میں اس کے رونے کی آوازیں کانوں میں آتی تھیں اور اب اسے دیکھ کر..... وہ بالکل تمہارے جیسا ہے ہشام... بس ہے نا..... امل بھی کہتی ہے وہ تمہارے جیسا ہے اور امل... ہاں اس نے تم سے کچھ کہا کہ میں ایک ظالم عورت ہوں۔ میں اچھی ماں نہیں ہوں۔" کیسی بے بسی، تڑپ اور درد تھا ثمرین کے لہجے میں۔

"نہیں۔" اس نے ایکسلیٹر پر دباؤ بڑھایا۔

امل نے کچھ نہیں کہا تھا کچھ بھی نہیں لیکن بے یقینی اس کی آنکھوں میں بھی تھی۔ وہ ماما سے نفرت نہیں کر سکتی تھی وہ کسی سے بھی نفرت نہیں کر سکتی تھی۔

عجیب لڑکی ہے یہ امل بھی۔

اس کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ نمودار ہو کر معدوم ہو گئی۔ وہ کیسے اپنی چھوٹی سے چھوٹی بات اس سے کرتی تھی اپنی ہر خوشی۔ ہر پریشانی اسے بتانے کے لیے بھاگتی تھی۔ لیکن اب وہ اس کے پاس نہیں آئی تھی۔ حالانکہ وہ کتنی اپ سیٹ تھی۔ پہلے موحد کی طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے پھر ماما کی وجہ سے اور اب موحد کے اس طرح گھر سے چلے جانے کی وجہ سے لیکن اس نے اس سے کچھ بھی شیئر نہیں کیا تھا۔ وہ یقیناً" اس سے ناراض تھی بچپن سے اب تک وہ اس کا خیال رکھتا آیا تھا۔ تو کیا وہ خود غرض تھا۔ اگر وہ موحد سے محبت کرتی ہے۔ اس سے شادی کرنا چاہتی ہے تو اس کا حق ہے۔ جس سے چاہے محبت کرے جسے چاہے اسے اپنی زندگی کا رفیق چنے۔ مجھے تو اس کی خوشی میں خوش ہونا چاہیے محبت تو بے غرض ہوتی ہے۔ خالص محبت تو دل کشادہ اور سخی کرتی ہے پھر میرا دل کشادہ کیوں نہیں ہوا۔ موحد کوئی غیر تو نہیں بھائی ہے میرا۔ وہ بھائی جس کے ساتھ زیادتی ہو گئی ماما سے۔ پہلی بار اس نے موحد کو اپنا بھائی تسلیم کیا۔

میں ماما کو گھر چھوڑ کر امل کی طرف جاؤں گا اور اسے مناؤں گا اور وہ جانتا تھا کہ وہ کیسے مانے گی۔ ہمیشہ جب وہ ناراض ہوتی تھی تو اس کے پاس کوئی نہ کوئی ایسی بات ضرور ہوتی تھی کہ وہ فوراً" مان جاتی تھی اور آج بھی اس کے پاس ترپ کا ایک ایسا ہی پتا تھا۔ اس نے ایکسلیٹر پر دباؤ مزید بڑھایا اور کچھ ہی دیر بعد وہ ملک ہاؤس کے سامنے تھا۔ شفو کو ثمرین کے متعلق ہدایت دے کر اور عجو کا پوچھ کر، وہ ثمرین کو جلدی آنے کا کہہ کر امل کے گھر جانے کے لیے گھر سے نکل آیا۔

☼ ☼ ☼

وہ موحد کو دیکھنے کمرے میں پہنچے تو موحد کمرے میں نہیں تھا وہ کمرہ لاک کر کے نیچے آئے۔ ریسپشن پر معلوم کیا اس نے کوئی پیغام نہیں چھوڑا تھا البتہ وہاں کھڑے ایک ویٹر سے انہیں پتا چلا کہ اس نے ٹیکسی والے کو سمندر پر چلنے کے لیے کہا تھا۔ ویٹر کسی کام سے باہر گیا تھا تو اس نے دیکھا تھا۔ نہیں ان کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔ نہیں... اسے سمندر سے خوف آتا تھا بچپن سے ہی۔

"نہیں۔" انہوں نے پھر زیر لب کہا تھا وہ ایسا نہیں کر سکتا وہ ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔ اس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا وہ ایسی کوئی حرکت نہیں کرے گا۔ ان کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا اور وہ کاؤنٹر کے پاس ساکت کھڑے تھے۔

یا اللہ میرے بچے کو اپنے حفظ و امان میں رکھنا انہوں نے اپنا فون نکال کر اس کا نمبر ملایا۔ لیکن وہ فون نہیں اٹھا رہا تھا۔ کئی بار نمبر ملانے کے بعد جیسے وہ تھک کر وہاں ہی ایک کرسی پر گر سے گئے تھے۔

"موحد فون اٹھا لو بیٹا میں مر جاؤں گا اگر تمہیں کچھ ہو گیا تو۔" دل ہی دل میں کہتے ہوئے وہ گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے مجھے خود جانا چاہیے لیکن وہاں کیسے تلاش کروں گا۔ پتا نہیں کہاں ہو گا۔ انہوں نے ایک بار پھر نمبر ملایا تب ہی وہ انہیں ہال میں داخل ہوتا دکھائی دیا۔

"موحد" وہ بے تابی سے اس کی طرف بڑھے۔

"کہاں چلے گئے تھے میری جان۔" اسے دیکھ کر جیسے ان کی جان میں جان آئی تھی۔

"بہت دل گھبرا رہا تھا بابا سوچا کہیں دور کسی پر سکون جگہ جاکر کچھ وقت گزار لوں۔ لیکن پھر راستے سے ہی پلٹ آیا۔" اس نے تھکے تھکے سے انداز میں کہا۔

"تو بتا کر جاتے موحد کیسے کیسے وہم ستا رہے تھے مجھے۔" ان کی آواز میں آنسوؤں کی نمی تھی۔

"سوری بابا! ہم کتنا بھی بھاگیں اپنا آپ تو ساتھ ہی ہوتا ہے نا خود سے بھاگ کر کہاں جا سکتے ہیں۔"

"اللہ اپنی مصلحتوں کو خود ہی سمجھتا ہے میری جان کیا خبر اسی میں کچھ بہتری ہو۔" انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"کیا بہتری ہوگی بابا۔" اس کے لہجے میں تلخی تھی۔

"چھوڑو یار چلو مارکیٹ تک چلتے ہیں سعد کی فیملی کے لیے کچھ گفٹ خرید لیتے ہیں اور پھر شاپنگ کے بعد دونوں باپ بیٹا کسی اچھی جگہ کھانا کھائیں گے گھومیں پھریں گے۔" انہوں نے خوش گوار لہجے میں کہا تو موحد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

☼ ☼ ☼

دادی، ہشام کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھیں۔

"اتنے دنوں بعد شکل دکھائی ہے بیٹا۔ کیا بہت مصروف ہوگئے ہو۔"

"بس دادی پڑھائی میں بزی تھا۔ امل کہاں ہے۔" اس نے پوچھا۔

"شفیق کی چھٹی ختم ہوگئی ہے اسے ایک دو روز تک واپس جانا ہے تو اس کے ساتھ شاپنگ کے لیے گئی ہے اس نے اپنے کولیگز کے لیے کچھ گفٹ لینے تھے۔" انہوں نے بتایا تھا۔

"تم چائے پیو گے یا ٹھنڈا منگواؤں۔"

"نہیں دادی کچھ بھی نہیں امل سے ملنے آیا تھا کب تک آجائیں گے وہ لوگ۔" وہ ذرا بے چین ہوا تھا۔

"پتا نہیں بیٹا۔ کچھ دیر پہلے ہی نکلے ہیں۔ کہہ رہی تھی واپسی پر موحد سے بھی ملنے جائے گی۔ بے چارہ بچہ بہت پریشان ہو گیا ہے۔ تم تو خوش ہو گے نا شامی اللہ نے بیٹھے بٹھائے بھائی دے دیا۔ دوست، غمگسار، عفان بے چارا تو..." وہ ایک ٹھنڈا سانس لے کر خاموش ہوگئیں۔ ہشام کی آنکھوں کی چمک ماند پڑ گئی اس نے سوچا تھا وہ موحد کے متعلق اسے بتائے گا اور منا لے گا۔ لیکن وہ تو پہلے سے جانتی تھی۔ تو موحد کا رابطہ تھا امل سے۔ اور امل کو پتا تھا کہ موحد کہاں ہے۔ تب ہی تو اس نے دادی کو بتایا ہے کہ اسے موحد سے ملنے بھی جانا ہے۔

وہ تھوڑی دیر دادی کے پاس بیٹھ کر واپس گھر آگیا تھا۔

جس طرح پچھلے کئی دنوں سے وہ امل سے بھاگ رہا تھا۔ اس کی طرف دیکھتا تک نہ تھا۔ اس کی بات کا مختصر جواب دیتا تھا تو پھر اگر اس نے اسے موحد کے متعلق نہیں بتایا تھا تو اسے ایسا ہی کرنا چاہیے تھا۔ اسے امید نہیں تھی کہ امل اس کی طرف آئے گی۔ پہلے جب کبھی اسے اس کے آنے کا پتا چلتا اور وہ گھر پر نہ ہوتی تو وہ فوراً" آجاتی تھی۔ رات کو وہ ثمرین کو وائیم کھلا کر کے خود لاؤنج میں عجو کے ساتھ بیٹھا تھا۔ ثمرین کی طبیعت بہت خراب تھی اس کا خیال تھا موحد سے مل کر باتیں کر کے وہ بہتر ہو جائیں گی لیکن وہ پہلے سے زیادہ بے چین اور مضطرب تھیں۔ اسے موحد پر غصہ آرہا تھا وہ کیوں آیا تھا ان کی زندگی میں پہلے کون سا ماما کے لیے زندگی آسان تھی کہ اب یہ موحد...... آج پہلی بار ہشام نے دیکھا تھا کہ ثمرین نے عجو کو ڈانٹا تھا۔ جب وہ بار بار ثمرین کا دوپٹا کھینچ رہی تھی تو اس نے اسے پرے دھکیلا تھا۔ اور یہ سب موحد کی وجہ سے تھا۔ وہ موحد کی کیفیت نہیں سمجھ رہا تھا لیکن ثمرین کی بے چینی اضطراب اور آنسو دیکھ رہا تھا۔

"عجو کو کھانا کھلا دوں جی۔" شفو نے آکر پوچھا تو اس نے کلاک کی طرف دیکھا۔ آٹھ بجنے والے تھے ثمرین عموماً" عجو اور عفان کو آٹھ بجے تک کھانا کھلا کر سلا دیتی تھی۔

"ہاں کھلا دو۔" تب ہی ڈور بیل ہوئی۔ شفو نے سی۔ سی۔ ٹی کیمرے میں دیکھ کر بتایا۔

"امل بی بی ہیں۔" اور وہ بے حد حیران ہوا کیونکہ وہ اس کے آنے کی توقع نہیں کر رہا تھا۔ باہر گیٹ کھلنے کی آواز آئی تو شفو نے اندرونی دروازہ کھول دیا اور عجو کو لے کر چلی گئی۔

"تم صبح گھر آئے تھے دادی نے ابھی بتایا ہے۔" امل نے لاؤنج میں آتے ہی پوچھا اور دائیں طرف والے صوفے پر بیٹھ گئی۔ ہشام نے دیکھا وہ اداس تھی۔ اس کی خوب صورت سبز آنکھوں کی چمک ماند پڑی ہوئی تھی۔

"خیریت تھی۔ مامی تو ٹھیک ہیں نا۔ میں دراصل پاپا کے ساتھ مارکیٹ چلی گئی تھی پاپا نے دوستوں کے لیے کچھ گفٹ لینے تھے اور پھر وہاں سے ہم موحد سے ملنے چلے گئے تھے۔"

وہی اس کی پرانی عادت بنا پوچھے سب کچھ بتا دینے کی لیکن اس کا لہجہ وہ نہیں تھا اس میں وہ شوخی نہیں تھی۔

"میں تمہیں موحد کے متعلق ہی بتانے گیا تھا۔ لیکن تمہیں تو پہلے سے ہی پتا تھا کہ موحد کہاں ہے۔ ماما اتنی اپ سیٹ تھیں تم بتا دیتیں۔" وہ گلہ نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن کر گیا تھا۔

"مجھے پہلے نہیں پتا تھا۔" اس نے اس کے گلے کو نوٹس نہیں کیا تھا۔ "میں نے اسے اتنی کالز کیں کتنے میسج کیے لیکن نہ اس نے کوئی کال اٹینڈ کی اور نہ ہی کسی میسج کا جواب دیا۔ مارکیٹ جانے سے ذرا دیر پہلے اس نے مجھے میسج کر کے اپنا ایڈریس بھیجا تھا۔ میں نہیں جانتی تھی کہ وہ کسی اور سے ملنا چاہے گا بھی یا نہیں۔ اگر وہ چاہتا تو انکل عثمان بتا دیتے نا کہ وہ کہاں ہیں۔ تم نہیں جانتے وہ کتنا اپ سیٹ اور پریشان ہے۔ وہ پہلے والا موحد تو لگتا ہی نہیں۔ پہلے بھی وہ زیادہ باتیں نہیں کرتا تھا لیکن اب تو جیسے وہ بولنا ہی بھول گیا ہے۔ میں نے اس سے اتنی باتیں کیں، لیکن اس نے خود سے کوئی بات نہیں کی مجھ سے بس سنتا رہا۔ پاپا کو انکل عثمان نے بتایا کہ ابھی وہ ٹھیک طرح سے سنبھلا نہیں تھا کہ ثمرین آنٹی کے آنے کے بعد وہ اور زیادہ بکھر گیا ہے ابھی انہیں اسے وقت دینا چاہیے تھا۔ اتنی جلدی وہ کیسے اس تلخ حقیقت کو قبول کرتے۔ خیر تم بتاؤ کہ تم گھر کیوں آئے تھے۔" اس نے حسب معمول تفصیل سے بات کی۔

"کیوں کیا میں بلاوجہ تمہارے گھر نہیں آسکتا۔ کیا پہلے نہیں آتا تھا۔" وہ جھنجلایا۔

"ہاں پہلے آتے تھے لیکن اب نہیں آتے۔" اس کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی تھی۔ ایک لمحہ کے لیے وہ بالکل چپ ہو گیا۔

"میں نے تمہیں بتایا ہے نا کہ میں موحد کے متعلق ہی تمہیں بتانے آیا تھا لیکن تم نے اپنی رو میں سنا ہی نہیں۔ میں نے اسے ہوٹل سے نکلتے دیکھا تھا تو ماما کو لے کر گیا۔"

"تھینک یو ہشام کہ تم موحد کے متعلق بتانے آئے۔" وہ ایک بار پھر ساکت ہوا تھا کہ ان کے درمیان اتنی اجنبیت در آئی ہے کہ وہ اتنی سی بات کے لیے اس کا شکریہ ادا کر رہی ہے۔ اس کے اور امل کے درمیان ہمیشہ اجنبیت رہے گی اگر اس نے امل کے متعلق کسی اور انداز سے سوچا تھا تو یہ صرف اسے ہی علم تھا امل تو نہیں جانتی تھی۔

"ٹھیک ہے پھر میں چلتی ہوں۔ آنٹی کی طبیعت اب کیسی ہے۔" اس نے کھڑے ہوتے ہوئے پوچھا۔

"ماما بہت اپ سیٹ تھیں کچھ دیر پہلے والیم دی ہے انہیں، سو رہی ہیں۔" وہ بھی کھڑا ہو گیا۔

"چلو میں تمہیں چھوڑ آؤں۔"

"تھینک یو شامی۔ یہ سامنے ہی تو سڑک کراس کر کے جانا ہے۔ اور ابھی اتنی رات نہیں ہوئی چلی جاؤں گی۔ تمہارا گارڈ دیکھتا رہے گا کہہ دوں گی اسے۔"

"امل تم ایسا کیوں کر رہی ہو۔" وہ دکھ سے بولا۔

"کیا کر رہی ہوں میں۔" امل کا انداز وہی تھا سپاٹ اور سنجیدہ۔

"امل میں تمہیں قتل کر دوں گا یا خود کو۔" وہ پھٹ پڑا۔ "اس طرح اجنبیوں کی طرح کیوں بات کر رہی ہو مجھ سے۔"

"تمہیں تکلیف ہوئی ہے مجھے بھی ہوئی تھی۔" اس نے بے نیازی سے کہا اور جانے کے لیے قدم اٹھایا۔

"امل رکو۔" ہشام نے اس کا بازو پکڑ کر روکا۔

"میں پریشان تھا۔" غیر ارادی طور پر اس کے لبوں سے نکلا۔

"تو....." امل نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"صرف نو ماہ دس دن بعد میں بولٹن سے آئی اور تمہارے لیے اتنی اجنبی ہو گئی کہ تم اپنی پریشانی مجھ سے چھپانے لگے۔" وہ ہر بات اس سے شیئر کرنے والا یہ بات اس سے شیئر نہیں کر سکتا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اسے کیا بتائے کہ وہ کیوں پریشان تھا۔

"میں تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا امل۔"

"تو تم نے اگر نہیں بتایا تو کیا میں پریشان نہیں ہوئی۔ ہوئی بلکہ ہرٹ بھی ہوئی۔" اس نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا۔

"وہ دراصل....." وہ کوئی معقول بہانہ سوچنے لگا تھا کہ کیا کہے اس سے کہ وہ کیوں پریشان تھا وہ اسے سچ نہیں بتا سکتا تھا کبھی بھی نہیں وہ اس سے یہ کیسے کہہ سکتا تھا۔

"تم نہ بھی بتاؤ تو بھی میں جانتی ہوں۔" پہلی بار اس کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ ورنہ جب سے آئی تھی بے حد سنجیدہ تھی۔

"کیا... کیا جانتی ہو تم۔" وہ گھبرایا۔

"یہی کہ تمہیں محبت ہو گئی ہے۔" اسے اپنے اندازے پر پورا یقین تھا۔

"تمہیں کیسے پتا؟" اس نے ہونقوں کی طرح امل کی طرف دیکھا اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

"دیکھ لو!" اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"مجھے تو یہ بھی پتا ہے تمہیں کس سے محبت ہوئی ہے۔"

"کس سے؟" اس نے دل پر ہاتھ رکھا۔

"میڈم نیلوفر کی اس چھپنی ناک والی کزن سے جو اس روز تمہارے لاؤنج میں بیٹھی آنکھیں مٹکا مٹکا کر باتیں کر رہی تھی اور تم اس پر نظریں جمائے بیٹھے تھے۔"

"لاحول ولا۔" ہشام نے دل میں لاحول پڑھی اور مبہم سا مسکرایا۔ "ویسے وہ لڑکی تمہاری محبت کے ہرگز لائق نہیں ہے۔" اس نے فوراً ہی اپنی رائے بھی دے دی۔

"کیوں قابل نہیں ہے۔" ہشام نے استفہامی نظروں سے اسے دیکھا وہ اسے اس غلط فہمی میں ہی رہنے دینا چاہتا تھا۔

"اچھی خاصی اٹریکٹو ہے۔"

"نمبر ون وہ میڈم نیلوفر کی کزن ہے۔" امل نے ایک انگلی اٹھائی۔

"نمبر دو۔ وہ بڑی چھچھوری سی ہے۔ نمبر تین۔ اس کا باتیں کرنے کا انداز انتہائی فضول ہے۔ بالکل میڈم نیلوفر کی طرح۔" وہ سوچ سوچ کر بتا رہی تھی۔

"اور اس کا قد دیکھا ہے یہ ذرا سا چھ انچ لمبی ہیل پہنتی ہے پھر بھی بونی نظر آتی ہے۔"

"بس اتنی خوبیاں کافی ہیں۔" ہشام نے ہاتھ ذرا سا بلند کیا۔ وہ تھوڑا ریلیکس ہو گیا تھا۔

"محبت یہ سب نہیں دیکھتی وہ تو بس ہو جاتی ہے۔"

"نہیں۔" امل نے آنکھیں پھاڑیں۔ "شامی نو ماہ دس دن میں تم اتنے بڑے ہو گئے ہو کہ محبت کا فلسفہ بیان کرنے لگے۔ نہیں شامی محبت کو ماننے اور سمجھنے کے لیے بیس سال کی عمر کم ہے۔"

"اچھا۔" ہشام کا اچھا خاصا معنی خیز تھا۔

"تمہاری عمر کتنی ہے امل.....!"

"میں لڑکوں کی بات کر رہی ہوں لڑکیاں بیس سال کی عمر میں خاصی میچور ہوتی ہیں جبکہ لڑکے تو....." اس نے ہشام کی طرف دیکھا۔

"بیس سال کی عمر تک کافی "شوشے" ہوتے ہیں۔" ہشام کو ہنسی آ گئی۔

"اور لڑکیاں کیا وہ شوشی نہیں ہوتیں۔" وہ بہت دنوں بعد آج امل سے اتنی باتیں کر رہا تھا اور کرنا چاہتا تھا۔ شاید اس طرح دل پر دھرا بوجھ کم ہو جائے۔

"نہیں۔ خیر چھوڑو یہ بتاؤ تمہیں کب ہوئی اس سے محبت۔"

"بچپن سے جب سے ہوش سنبھالا۔" وہ ترنگ میں بول گیا۔

"کیا...." امل نے آنکھیں پھاڑیں۔

"تم اس کے بچپن میں کہاں تھے۔ وہ تو ابھی تازہ تازہ وارد ہوئی ہے تمہاری زندگی میں۔" وہ یکدم چونکا۔

"محبت میں آدمی کو ایسا ہی لگتا ہے امل جیسے ہم صدیوں سے ایک دوسرے کو جانتے ہوں۔"

"میں سچ کہہ رہی ہوں شامی وہ لڑکی تمہارے لیے ٹھیک نہیں ہے۔" وہ سنجیدہ ہوئی۔

"اچھا میرے لیے کیسی لڑکی ٹھیک ہوگی۔" ہشام نے یوں ہی بات کرنے کے لیے پوچھا۔

"بہت اچھی سی جس کا کوئی فیملی بیک گراؤنڈ ہو اور جو...."

"کیا تمہارے جیسی۔" ہشام نے اس کی بات کاٹی۔

"ہاں میرے جیسی۔" وہ مسکرائی۔

"تو تمہارے جیسی کیوں تم کیوں نہیں۔" بے اختیار ہشام کے لبوں سے نکلا۔

"بکو مت۔" امل نے غور کیے بغیر اس کے بازو پر مکا مارا۔ "اگر تم نے اس پھینی ناک والی لڑکی.... کیا نام ہے اس کا...."

"غزل۔" ہشام کے لبوں سے اب بھی بے اختیار نکلا تھا۔

"اب چاہے غزل ہے یا مثنوی" اس کا خیال ترک کردو تو میں تمہارے لیے بہت اچھی سی لڑکی ڈھونڈوں گی سچ.... پھر ابھی تو تم نے گریجویشن بھی نہیں کیا ہے کیا خبر ماسٹر کرتے کرتے خود ہی کوئی اچھی سی لڑکی ٹکرا جائے۔"

"مے بی (شاید) چلو تمہیں گھر چھوڑ آؤں ساڑھے نو بج رہے ہیں۔ دادی اور انکل پریشان ہو رہے ہوں گے۔" وہ جیسے یہ کسوٹی کھیلتے کھیلتے تھک گیا تھا۔

"ہاں چلو۔" وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے گھر سے باہر نکل آئے۔ اب امل موحد کے متعلق باتیں کررہی تھی۔ اس کے لیے پریشان ہو رہی تھی۔

"تمہیں پتا ہے موحد دبئی جارہا ہے سعد کے پاس۔"

"نہیں۔" اس نے نفی میں سرہلایا۔

"آج اس نے زیادہ بات نہیں کی کل میں اسے پھر ملنے جاؤں گی تم چلو گے ساتھ۔"

"نہیں...." ہشام حیران ہوا۔

"شاید وہ مجھ سے نہ ملے۔"

"کیوں۔" امل چلتے چلتے رک کر اسے دیکھنے لگی۔

"ماما کی وجہ سے.... وہ ماما سے نفرت کرتا ہے۔"

ہشام ثمرین کی حالت کا سوچ کر اداس ہوگیا تھا۔

"نہیں.... وہ کسی سے نفرت نہیں کرسکتا شامی! کبھی بھی نہیں۔ وہ وقتی طور پر ہرٹ ہوا ہے۔ اس لیے اس طرح ری ایکٹ کررہا ہے۔ تم خود ہی سوچو اگر اس کی جگہ تم ہوتے اور تمہیں اچانک پتا چلتا کہ تمہاری ماما نے تمہیں بچپن میں...."

"پلیز امل کسی اور موضوع پر بات کرو۔" وہ اپنی ماما کے متعلق کچھ بھی سننا نہیں چاہتا تھا۔ امل نے ایک نظر اس پر ڈالی۔ ہشام کے لیے بھی تو یقیناً "یہ شاک ہوگا کہ اس کی ماما.... اس کی اتنی اچھی ماما ایسا کرسکتی ہیں وہ بھی تو یقیناً "ٹوٹ پھوٹ کے اس عمل سے گزر رہا ہوگا۔

"سوری۔" امل نے معذرت کی اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی۔ ہشام اس کی باتیں سنتا ہوا خاموشی سے اس کے ساتھ چل رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

سعد نے موحد کی طرف دیکھا جو بیڈ پر بیٹھا ہوا جھک کر جوتوں کے تسمے کھول رہا تھا۔ وہ ابھی ابھی برج خلیفہ سے آئے تھے۔ سعد نے محسوس کیا تھا کہ موحد کسی بھی چیز میں کوئی دلچسپی نہیں لے رہا تھا وہ بے حد خاموش اور الجھا ہوا تھا بلکہ بے حد اداس بھی تھا اسے آئے ہوئے دس دن ہوگئے تھے۔ ان دس دنوں میں وہ

دبئی میں اسے، ہر قابل ذکر جگہ پر لے کر گیا تھا لیکن موحد نے کہیں بھی کسی دلچسپی کا اظہار نہیں کیا تھا۔ نہ ڈانسنگ فاؤنٹین نے اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھیری تھی نہ سفاری ڈیزرٹ جا کر وہ محظوظ ہوا تھا۔ ہر جگہ جیسے وہ خود میں گم رہتا تھا۔ کہیں بھی وہ انجوائے کرتا اسے محسوس نہیں ہوا تھا۔ یہ وہ موحد تو نہیں تھا جو بولٹن میں تھا۔ سعد کے والدین بھی اس کا بے حد خیال رکھ رہے تھے خصوصاً "سعد کی امی۔ وہ سب اس کی اداسی اور خاموشی کی وجہ اس کی ماما کی موت سمجھ رہے تھے۔ سعد کی امی نے بہت پیار سے اسے سمجھایا تھا۔

"ماں کا کوئی نعم البدل نہیں ہو سکتا لیکن انسان قدرت کے فیصلوں کے سامنے بے بس ہوتا ہے بیٹا اپنی ماما کے لیے دعا کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔"

لیکن سعد جانتا تھا کچھ اور بھی ہے جو اسے اپ سیٹ کیے ہوئے ہیں۔ وہ تین سال سے موحد کے ساتھ رہ رہا تھا۔ وہ اسے اچھی طرح جانتا تھا۔ ماما کو دفنا کر جب وہ واپس بولٹن آیا تھا تب بھی اس کی حالت ایسی نہ تھی۔ وہ جانتا تھا وہ خود سے کچھ نہیں بتائے گا پھر بھی دس دن اس نے انتظار کیا تھا کہ شاید وہ خود کچھ بتا دے لیکن دس دن کے انتظار کے بعد آج وہ خود ہی اس سے پوچھ رہا تھا۔

"تمہارے ساتھ کیا ہوا ہے موحد۔"

"کچھ نہیں۔" موحد نے تسمے کھول کر جوتے اتارے اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"ادھر میری طرف دیکھ کر بات کرو موحد۔" سعد آج جاننا چاہتا تھا۔

"تمہاری طرف ہی دیکھ رہا ہوں۔" ایک پھیکی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر نمودار ہوئی۔

"کیا امل کے ساتھ ناراضی ہو گئی ہے۔" اس نے اندازہ لگایا۔

"نہیں یار...... وہ۔ بھلا اس سے کیا ناراضی ہو سکتی ہے۔"

"مجھے لگتا ہے کوئی بات ہے موحد کوئی بہت بڑی بات جو اندر ہی اندر تمہیں کاٹ رہی ہے۔ اگر تم بتانا نہیں چاہتے تو یہ الگ بات ہے۔" موحد اب کے خاموش رہا تھا۔ اسے کیا بتاتا کہ اس کی فلمی اسٹوری میں گڑبڑ ہو گئی ہے۔ سب کچھ الٹ پلٹ گیا ہے۔ آج کچھ دیر پہلے جب وہ سعد کے ساتھ برج خلیفہ میں گھوم رہا تھا تو اسے امل کا میسج ملا تھا۔

"ثمرین آنٹی بہت بیمار ہیں موحد پلیز تم انہیں معاف کر دو۔" اس نے میسج فوراً "ڈیلیٹ کر دیا تھا اور ساتھ ہی فون کا پاور بھی آف کر دیا تھا۔ لیکن اس کا دل پریشان ہو گیا تھا۔ اسے بار بار امل کی وہ بات یاد آرہی تھی، جو ایک بار امل نے بولٹن میں کی تھی جب عفان گم ہوا تھا اور ہشام نے اسے بتایا تھا کہ ماما کی طبیعت بہت خراب ہے۔ اور امل بھی پریشان ہو گئی تھی۔

"اگر آنٹی کو کچھ ہو گیا تو عجو کا کیا ہو گا۔ اس کا اتنا خیال کون رکھے گا۔ اتنی محبت کون کر سکے گا جتنی آنٹی کرتی ہیں۔ کوئی بھی نہیں نا۔ میڈم نیلوفر تو اسے فوراً" ہی کسی ادارے میں چھوڑ آئیں گی۔" اس کی آنکھوں کے سامنے معصوم سی عجو آگئی۔ تالیاں بجاتی ثمرین کا پلو پکڑے اس کے ساتھ ساتھ اس کے پیچھے چھپی چھپی چلتی ہوئی۔ اور اگر شامی کی ماما کو کچھ ہو گیا تو عجو...... اس کا دل عجو کے لیے گداز ہوا۔

"یا اللہ عجو اور شامی کی ماما کو کچھ نہ ہو۔" اس نے بے اختیار دعا کی اور پھر خود ہی چونک گیا' یہ میں کس کے لیے دعا کر رہا ہوں' وہ جس نے مجھے اپنانے سے انکار کر دیا تھا۔ ایک لمحہ کے لیے اس کے دل میں خیال آیا تھا لیکن دوسرے ہی لمحے وہ سوچ رہا تھا۔ اس نے عجو کے لیے دعا کی ہے۔ اس معصوم لڑکی کی ماما کے لیے۔ لیکن انہیں کیا ہوا ہے یہ تو امل نے لکھا ہی نہیں تھا۔ اس نے سوچا وہ امل کو فون کرے لیکن پھر اس نے ارادہ بدل دیا۔

"آج نہیں کل کر لوں گا لیکن پہلے بابا کو فون کروں گا جب سے آیا تھا صرف ایک بار بابا سے بات کی تھی

لیکن امل سے ایک بار بھی نہیں۔ حالانکہ امل نے بار بار کہا تھا کہ وہ دبئی جاکر اسے فون کرتا رہے گا لیکن وہ کرنا نہیں چاہتا تھا۔۔۔۔ کیوں۔۔۔۔ ابھی کچھ بھی اس کے ذہن میں واضح نہیں تھا۔۔۔۔ وہ امل سے بھی دور جانا چاہتا تھا۔۔۔۔ امل سے قربت کا مطلب تھا ان رشتوں سے بھی قربت جن کو وہ دوبارہ دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔۔۔۔ حالانکہ امل، جب انکل شفیق کے ساتھ آئی تھی تو اس نے اس سے کہا تھا۔

"امل میں تم سے ضرور بات کروں گا۔ دل کی ہر بات تمہیں ہی بتاؤں گا۔ ہر زخم پر تم نے ہی مرہم رکھنا ہے لیکن پلیز ابھی مجھے خود کو جوڑنے دو ابھی میں بہت ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا ہوں۔" لیکن وہ دوسرے دن پھر آگئی تھی۔

"میں جانے سے پہلے تم سے پھر ملنا چاہتی تھی موحد۔ میں کوئی ایسی بات نہیں کروں گی جو تمہارے لیے تکلیف دہ ہو۔ میں کچھ وقت تمہارے ساتھ گزارنا چاہتی ہوں۔ ہم صرف اپنی باتیں کریں گے۔ پتا ہے دادی نے تمہارے متعلق پاپا سے بات کی ہے تمہیں پتا ہے نا دادی ہمیشہ میرے دل میں اتر کر دیکھ لیتی ہیں۔۔۔۔ مجھے پتا ہے تم کھو گئے بھلا اتنی جلدی کیا تھی لیکن جلدی تھی نا موحد وہ جو زویا پھپھو بلال کے لیے کہہ رہی تھیں اور پاپا کو کوئی اعتراض بھی نہیں تھا تو اس لیے دادی نے پاپا کے کان میں بات ڈال دی اور وہ سفیر کی ممی نے بھی دادی سے بات کی تھی نا تو۔۔۔۔"

وہ کسی سے ملنا نہیں چاہتا تھا نہ امل سے نہ شامی سے۔ نہ کسی اور سے لیکن یہ امل تھی جس کے سامنے وہ ہمیشہ ہی مجبور ہو جاتا تھا اور اب بھی بے بس سا اس کے سامنے بیٹھا اسے سن رہا تھا۔

"تم بھی کچھ کہو نا موحد۔" وہ کیا کہتا اس کے سارے نرم و گرم جذبوں پر جیسے برف آگری تھی۔ اسے امل کو اپنا ایڈریس نہیں بتانا چاہیے تھا لیکن اگر وہ نہ بتاتا تو ہشام اسے بتا دیتا۔۔۔۔ ہشام جو پہلے صرف امل کا کزن تھا پھر پتا چلا اس کا بھی کزن ہے اور اب یہ انکشاف کہ وہ اس کا بھائی ہے۔ ان کو جنم دینے والی ماں ایک ہے۔ کیا شامی نے اس رشتے کو ایکسیپٹ (قبول) کر لیا ہو گا یا وہ بھی میری طرح اپ سیٹ ہے۔ ایک لمحہ کے لیے اس نے سوچا تھا۔

"اور پاپا ڈاکٹر احسن کو بہت اچھی طرح سے جانتے ہیں۔" امل کہہ رہی تھی۔ اس نے اس سے پہلے کیا کہا تھا اس نے سنا نہیں تھا۔ اب وہ ڈاکٹر احسن کے متعلق سوچنے لگا تھا۔ جو اتنی دور سے آئے تھے اور صرف ایک تشنہ سی ملاقات کے بعد واپس چلے جائیں گے۔ انہوں نے بتایا تھا وہ صرف دو ہفتے کے لیے آئے ہیں۔

ڈاکٹر عثمان نے اسے بتایا تھا کہ وہ اپنے سسرالی عزیزوں سے ملنے گئے ہیں اور واپس آکر وہ چند دن تمہارے ساتھ گزارنا چاہتے ہیں۔ واپس آکر مجھے نہ پاکر وہ مایوس ہوں گے لیکن بابا انہیں سمجھا لیں گے وہ سمجھا سکتے ہیں اور وہ سمجھ بھی جائیں گے خود انہوں نے کتنے سال اذیت میں گزارے صرف اس عورت کی وجہ سے ان کا رویہ اپنی فیملی کے ساتھ بھی ابنارمل ہو گیا تھا۔ اس کے اسے ثمرین سے بے انتہا نفرت محسوس ہوئی۔ ثمرین جسے امل بہترین ماں کہتی تھی جس سے امل کو بے حد عقیدت اور محبت تھی وہ امل سے متعلق ہر رشتے کا احترام کر سکتا تھا لیکن ثمرین کا نہیں۔

"امل۔" اس نے اپنی سوچوں کو جھٹک کر اس کی طرف دیکھا تھا جو آنکھوں میں ہزاروں جگنوؤں کی چمک لیے اسے دیکھ رہی تھی "میں تم سے بہت ناراض ہوں موحد لیکن آج میں تم سے لڑائی نہیں کروں گی لیکن گلہ تو کر سکتی ہوں۔ تم بغیر بتائے یہاں چلے آئے۔ میرے گھر بھی تو آسکتے تھے نا۔ میں کتنی ہرٹ ہوئی جب تم نے مجھ پر بھی ٹرسٹ نہیں کیا۔

"بات ٹرسٹ کی نہیں تھی امل میں تنہا رہنا چاہتا تھا مجھ سے یہ سب برداشت نہیں ہو رہا تھا۔" اس نے آہستگی سے کہا۔

"تو تمہیں تو زیادہ ضرورت تھی نا کسی دوست کی لیکن تم نے مجھے دوست نہیں سمجھا۔ تم نے مجھے صرف شامی کی کزن سمجھا اگر دوست سمجھتے تو میرے پاس آتے نا میں تم سے بہت زیادہ ناراض ہوں اور

میں تم سے بہت زیادہ لڑوں گی لیکن ابھی نہیں۔" اس نے اپنی بات دہرائی تھی۔

"تبھی لڑلو امل کیا خبر پھر میں تمہیں میسر نہ آسکوں اور تمہارے دل میں مجھ سے لڑنے کی حسرت ہی رہ جائے ایک بے بس سی مسکراہٹ نے لمحہ بھر کے لیے اس کے لبوں کو چھوا تھا۔

"کیا مطلب تم میسر نہیں آؤ گے۔" اس کی سبز آنکھیں پانیوں سے بھر گئی تھیں۔ کیا تم واپس نہیں آؤ گے۔ تمہارے دماغ میں کیا چل رہا ہے موحد۔ اگر تم نے ایسا کیا نا تو...." اور وہ اتنا روئی تھی کہ موحد گھبرا گیا تھا۔ اس کے دماغ میں کیا چل رہا تھا وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔

سعد جو کافی دیر سے اس کے چہرے کی بدلتی کیفیات دیکھ رہا تھا کھڑا ہو گیا۔

"ٹھیک ہے موحد تم آرام کرلو کچھ، پھر رات کو ذرا باہر نکلیں گے بلکہ کھانا بھی باہر ہی کھائیں گے اور کل صبح ہم ابوظہبی جائیں گے۔ تمہیں مسجد دکھانی ہے۔" اس نے چونک کر سر ہلایا۔

وہ بہت مضطرب اور بے چین تھا اس کا خیال تھا کہ یہاں سعد کے ساتھ گھومتے پھرتے سب کچھ بھول جائے گا لیکن وہ کچھ بھی نہیں بھول پا رہا تھا نہ ہی وہ تکلیف کم ہوئی تھی کہ وہ عثمان ملک کا اپنے بابا کا بیٹا نہیں ہے۔

دل میں اسی طرح درد تھا۔

آنسو اسی طرح گرتے تھے۔

اور وجود یوں ہی ریزہ ریزہ ہوتا تھا۔

کتنی جلدی سب کچھ بدل گیا تھا۔ عثمان ملک کا نام اس کی ولدیت کے خانے سے خارج کردیا گیا تھا اور اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ کوئی ایسا نہیں تھا جو وقت کی گردش کو پیچھے موڑ دیتا۔ کوئی ایسا طلسم، کوئی ایسا منتر جو سب کچھ پہلے جیسا کردے۔ موحد عثمان پھر سے موحد عثمان ہو جائے.... اس کے نام سے اچانک آکر لگ جانے والے سارے سابقے لاحقے مٹ جائیں اور وہ صرف موحد عثمان رہ جائے۔

ڈاکٹر عثمان اور ڈاکٹر زینب کا بیٹا۔ ان کا وحدی۔

"کہیں کوئی دست مسیحا نہیں۔"

اس نے اپنی جلتی ہوئی آنکھوں کو ہاتھوں سے دبایا۔

عجب زخم ہے جس کے بھرنے کی امید میں
طے کیے میں نے لاکھوں زمانے مگر
پھر بھی اب تک کہیں کوئی دست مسیحا نہیں
اور اس زخم کے بھرنے کی کہیں کوئی امید نہیں ہے

امل نے پتا نہیں اس کو یہ نظم اسے کیوں سنائی تھی لیکن اس کے ذہن میں رہ گئی تھی۔ ایک بار ڈاکٹر عثمان ملک اور ڈاکٹر زینب ملک اس کے لیے مسیحا بنے تھے تو کیا اب اس کے لیے کہیں کوئی دست مسیحا نہیں ہے۔ جو اس کے اندر پھیلے درد کو کم کردے۔

بابا.... ہاں بابا ہی ہیں جو اس کے لیے ایک بار پھر مسیحا بن سکتے ہیں۔ وہ ان کے ساتھ دور کہیں دنیا کے کسی دور دراز کونے میں جا کر رہنے لگے گا، لیکن امل.... اسے امل کا خیال آگیا۔ اگر وہ اور بابا کہیں دور چلے جاتے ہیں سب سے چھپ کر الگ زندگی گزارنے کے لیے تو امل کا کیا ہوگا۔ وہ تو مر جائے گی۔ بہت محبت کرتی ہے مجھ سے۔ اس کے ان دیکھے آنسو اسے اپنے دل پہ گرتے محسوس ہوئے، لیکن ایک وقت آئے گا جب اس کے آنسو خشک ہو جائیں گے اور وہ مجھے بھول جائے گی اور شاید میں بھی۔ امل کا خیال جھٹک کر وہ ایک بار پھر بابا کے متعلق سوچنے لگا تھا۔

بابا نے کہا تھا وہ اس کے ساتھ ہیں وہ جو بھی فیصلہ کرے گا انہیں منظور ہوگا اگر وہ کہے گا تو وہ ابھی اٹھ کر اس کے ساتھ چل پڑیں گے برسوں بعد ملنے والے بھائی، بھاوج، ماں سب کو چھوڑ دیں گے کیونکہ وہ انہیں دنیا کے ہر رشتے سے پیارا ہے، لیکن اگر وہ بابا کے ساتھ کینیڈا، امریکا، آسٹریلیا کہیں بھی چلا جاتا ہے تو کیا دور چلے جانے سے، سب کی نظروں سے اوجھل ہو جانے سے حقیقت بدل جائے گی۔ کیا وہ جھٹلا سکے گا اس حقیقت کو وہ عثمان ملک کا نہیں ڈاکٹر احسن کا بیٹا ہے۔ کیا دل کو یقین دلا سکے گا کہ وہ موحد عثمان ہی ہے۔ شاید نہیں اور امل کیا وہ....

"موحد..... موحد....." سعد گھبرایا ہوا سا اندر آیا تھا وہ ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"کیا ہوا سعد۔"

"وہ....." سعد نے خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کی اور اس کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھ گیا۔

"تم نے اپنا فون آف کر رکھا ہے کیا.....؟ ابھی امل کا فون آیا تھا۔ وہ دراصل انکل عثمان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" سعد نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا، لیکن امل نے تو شام کو جو میسج کیا تھا وہ شامی کی ماما کے متعلق تھا اس نے سوچا اور سعد کی طرف دیکھا۔

"تمہیں شاید غلط فہمی ہوئی ہے سعد، بابا کی نہیں شامی کی ماما کی طبیعت خراب تھی۔"

"میری امل سے تفصیل سے بات ہوئی ہے۔ انکل حویلی میں تھے اور چار دن سے ان کی طبیعت خراب ہے۔ کراچی میں تو کسی کو پتا نہیں تھا ان کی بیماری کا، وہ تو آج ان کی حالت زیادہ خراب ہوئی تو شامی کے بابا انہیں کراچی لے کر آئے ہیں اور وہ اسپتال میں ایڈمٹ ہیں اور امل بتا رہی تھی کہ بڑے ماموں نے اس سے کہا ہے کہ تمہیں کہے کہ فوراً" آجاؤ۔"

"نہیں....." اس نے بے یقینی سے سعد کی طرف دیکھا۔

"نہیں..... میرے بابا کو کچھ نہیں ہو سکتا سعد میرا ان کے سوا کوئی نہیں ہے۔"

"ان شاء اللہ۔" سعد نے اسے تسلی دی۔

"انکل جلد ٹھیک ہو جائیں گے۔ اور....." تب ہی اس کے فون کی بیل ہوئی۔

"امل کا ہے اس نے تھوڑی دیر بعد پھر کرنے کو کہا تھا۔" اس نے فون موحد کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ خود بات کر لو۔"

"امل..... امل بابا کو کیا ہوا۔"

"موحد وہ ٹھیک نہیں ہیں۔" وہ رونے لگی تھی۔

"امل پلیز۔ روؤ مت۔ مجھے بتاؤ بابا کو اچانک کیا ہو گیا۔ میں جب آیا تھا تو وہ بالکل ٹھیک تھے۔"

"تم فوراً" آجاؤ موحد۔" امل کے آنسو رک نہیں رہے تھے۔

"وہ شاید بہت دنوں سے بیمار تھے۔ بہت پہلے سے، لیکن انہوں نے اپنی بیماری چھپائی ہوئی تھی۔ مجھے لگتا ہے انکل عبدالرحمن کو پتا تھا۔"

"تم کہاں ہو امل مجھے بابا سے بات کرنی ہے۔" وہ بے چین ہوا تھا۔

"میں یہاں ہی ہوں اسپتال میں۔ ہم سب یہاں ہیں اور انکل عثمان تو آئی سی یو میں ہیں تم سے بات نہیں ہو سکتی۔ پلیز کچھ مت سوچو موحد پہلی دستیاب فلائٹ سے آجاؤ۔ میں پرامس کرتی ہوں تم جنہیں دیکھنا نہیں چاہتے وہ تمہارے سامنے نہیں آئیں گے، لیکن تمہارے بابا کی آنکھوں میں تمہارا انتظار ہے موحد پلیز.....!" وہ ساکت بیٹھا تھا۔ سعد نے فون اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

"اوکے امل میں پتا کرتا ہوں کسی فلائٹ کا اور سیٹ کنفرم ہوتے ہی تمہیں فون کر دوں گا۔"

"سعد" اس نے زخمی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"وہ بیمار تھے تو انہوں نے مجھ سے کیوں چھپایا۔ میں یہاں نہ آتا۔ وہ مجھے روک لیتے سعد۔"

"یہ ماں باپ ایسے ہی ہوتے ہیں موحد اپنے دکھ اپنی پریشانیاں اپنے اندر چھپا لیتے ہیں کہ ان کے بچے پریشان نہ ہوں۔ تمہارے بابا نے بھی تمہاری ہی خاطر تم سے اپنی بیماری چھپائی ہوگی۔" سعد خود بھی افسردہ ہو رہا تھا۔ "پہلے آن لائن چیک کرتا ہوں۔" وہ اس کا بازو تھپک کر باہر نکل گیا۔ موحد یوں ہی بیٹھا تھا اس کی آنکھیں جل رہی تھیں۔

"یا اللہ میرے بابا کو کچھ نہ ہو، میں ان کے بغیر سروائیو نہیں کر سکتا۔ یا اللہ مجھے ہر قدم پر ان کی راہنمائی اور شفقت کی ضرورت ہے۔"

اس نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا مانگنے لگا اس کے آنسو اس کی ہتھیلیوں پر گر رہے تھے اور وہ تڑپ تڑپ کر اللہ سے دعا مانگ رہا تھا۔

"موحد۔" ڈاکٹر عثمان نے آنکھیں کھول کر چاروں طرف دیکھا۔

"بابا میں یہاں ہوں۔" موحد واش روم سے نکلا اس کے ہاتھ میں گلاس تھا۔

"میں یہ گلاس دھونے گیا تھا آپ ٹھیک ہیں نا؟" کل رات ہی انہیں آئی سی یو سے کمرے میں منتقل کیا گیا تھا، لیکن ابھی گھر جانے کی اجازت نہیں ملی تھی۔

"سوری بیٹا میری وجہ سے تمہیں اپنا ٹور کینسل کرنا پڑا۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہیں بابا آپ۔" گلاس ٹیبل پر رکھ کر وہ ان کے بیڈ کے سامنے پڑے اسٹول پر بیٹھ گیا۔

دو دن پہلے وہ دبئی سے سیدھا اسپتال آیا تھا۔ عبدالرحمٰن ملک اور ہشام اسے اسپتال کی لابی میں ہی مل گئے تھے۔ عبدالرحمٰن ملک نے ہاتھ بڑھائے تو وہ جھجکا تھا۔ اب اس کا ان کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں رہا تھا بلکہ رشتے کی نوعیت بدل گئی تھی۔

"بابا کیسے ہیں؟" مشینی انداز میں ان کے گلے لگتے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔

"ابھی تک آئی سی یو میں ہی ہے۔ تمہارے جانے کے چند دن بعد ہی اس کی طبیعت خراب رہنے لگی تھی۔ میں نے کئی بار کہا کہ تمہیں اطلاع دے دوں، لیکن اس نے منع کر دیا وہ تمہیں مزید پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔" ہشام پاس کھڑا غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"بابا کو کیا ہے؟"

"معلوم نہیں..... کچھ سانس کا پرابلم ہے۔" عبدالرحمٰن نے اس سے نظریں چرائی تھیں۔

"امل کہہ رہی تھی کہ شاید انہیں کافی پہلے سے یہ تکلیف ہے، لیکن وہ چھپا رہے تھے۔"

"ہاں شاید۔" عبدالرحمٰن نے اسے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا تھا۔ اس نے ہشام سے بھی ہاتھ ملایا تھا، لیکن وہی مشینی انداز۔

"میں نے عبدالرحمٰن بھائی کو منع کیا تھا کہ تمہیں نہ بتائیں، لیکن خیر اچھا ہی ہو گیا کہ تم آ گئے ہو کیا خبر یہ آخری ملاقات ہو۔" اسے خاموش دیکھ کر ڈاکٹر عثمان نے کہا تو اس نے تڑپ کر ان کے بازو پر ہاتھ رکھا۔

"آپ اس طرح کی باتیں کیوں کر رہے ہیں۔" وہ روہانسا ہو رہا تھا۔

"آپ نے مجھے پرامس کیا تھا آپ میرے ساتھ چلیں گے میں جہاں بھی گیا۔"

"ہمارے ارادے رب کی مرضی کے سامنے کیا حقیقت رکھتے ہیں میری جان۔" انہوں نے تکیے پر کہنیاں ٹکا کر اٹھنے کی کوشش کی تو موحد نے سہارا دے کر اٹھایا اور وہ بیڈ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔

"مجھے تم سے کچھ کہنا بھی تھا بیٹا پھر پتا نہیں وقت ملے یا نہ ملے۔"

"بابا پلیز۔" اس نے احتجاج کیا۔

"آپ کو کیا ہوا تھا کوئی مجھے کچھ نہیں بتا رہا اور آپ اس طرح کی مایوسی کی باتیں کیوں کر رہے ہیں....." اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

"ابھی تو مجھے سانس کی تکلیف ہوئی تھی۔ بہت دقت ہوتی تھی سانس لینے میں بار بار جیسے سانس سینے میں اٹک جاتا تھا۔ شاید بارش میں بھیگنے سے کچھ مسئلہ ہو گیا تھا، لیکن....." ایک افسردہ سی مسکراہٹ ان کے لبوں پر نمودار ہوئی۔

"حوصلے اور صبر کے ساتھ میری بات سننا موحد۔ انسان نہ اپنی مرضی سے اس دنیا میں آتا ہے نہ اپنی مرضی سے جاتا ہے۔ میں کم از کم اس وقت تک ضرور زندہ رہنا چاہتا تھا جب تک تم اپنی تعلیم ختم کر کے اپنی زندگی میں سیٹ نہ ہو جاتے۔ تمہاری شادی ہو چکی ہوں اور پھر اس کے بعد بے شک مہلت ختم ہو جائے اور میں نے ان تین سالوں میں بہت بار دعا کی اپنے رب سے اتنی زندگی مانگی کہ تم....." انہوں نے موحد کی طرف دیکھا جو نچلا ہونٹ سختی سے دانتوں تلے دابے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"تقریباً ساڑھے تین سال پہلے مجھے پتا چلا تھا کہ....." انہوں نے ایک لمبی سانس لی۔

"میں جب زینی کے پاس جاتا گھنٹوں اس کے پاس

بیٹھا التجائیں کرتا۔ زینی میرا موحد اکیلا رہ جائے گا تم ہی اٹھ جاؤ آنکھیں کھول دو۔ ہوش کی دنیا میں پلٹ آؤ کہ مجھے بلڈ کینسر ہے' میں کیسے موحد کو یہ تلخ حقیقت بتاؤں کہ تمہارے بابا بھی...."

"نہیں۔" موحد کے لبوں سے چیخ کی صورت نکلا تھا۔

"اس لیے میں نے تمہیں بولٹن بھیجا تھا حالانکہ تم یہاں ہی پڑھنا چاہتے تھے۔ برمنگھم میں ہی رہنا چاہتے تھے' لیکن تم میرے پاس رہتے تو جان جاتے کہ تمہارے بابا بھی اب رخصت ہونے والے ہیں۔ تمہاری پڑھائی متاثر ہوتی اور تم پہلے ہی اپنی ماما کی وجہ سے ڈسٹرب رہتے تھے۔"

"بابا آپ نے مجھے بتایا کیوں نہیں کیوں چھپایا میں آپ کو چھوڑ کر کبھی بولٹن نہ جاتا' میں ہر لمحہ آپ کے ساتھ رہتا میں...." اور بہت سارے آنسوؤں نے اس کا حلق سی لیا۔ آنسو بہت تیزی سے اس کے رخساروں پر بہہ رہے تھے۔

"جان بابا۔" عثمان ملک نے ہاتھ پھیلائے تو وہ اٹھ کر ان سے لپٹ گیا۔

"بابا آپ ایسا نہیں کر سکتے آپ مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔"

"میں کب تمہیں چھوڑ کر جا رہا ہوں جب تک زندگی ہے تمہارے ساتھ ہوں۔" وہ ہولے ہولے اسے تھپک رہے تھے۔ کچھ دیر بعد اس نے سر اٹھایا۔

"بابا آپ اپنا علاج نہیں کروا رہے کیا۔ چلیں واپس چلتے ہیں وہاں بہترین ڈاکٹروں سے آپ کا علاج کرواؤں گا۔"

"میرا علاج چل رہا ہے بیٹا یہاں آنے سے پہلے مکمل ٹریٹمنٹ لے کر آیا ہوں پھر چھ ماہ بعد جانا ہے' لیکن بیماری تو ایک بہانہ ہوتی ہے جب وقت پورا ہو جائے جانا ہی ہوتا ہے۔ مجھے بھی لگتا ہے جیسے بس اب وقت پورا ہونے ہی والا ہے۔"

"بابا پلیز۔ ایسا مت کہیں۔" انہوں نے اس کے چہرے پر بہتے آنسوؤں کو اپنے ہاتھوں سے پونچھا۔

"میں تمہارے لیے بہت پریشان تھا موحد ہر لمحہ تمہارے لیے اللہ سے اپنی زندگی کی دعا کرتا تھا' لیکن اب میں مطمئن ہوں' میں تمہیں اکیلا چھوڑ کر نہیں جا رہا۔ تمہارے پاس سب رشتے ہیں۔ باپ' ماں' بھائی' بہن اب تم اکیلے نہیں رہو گے موحد۔"

"نہیں میں آپ کے بغیر اکیلا ہوں بابا۔ میں کسی رشتے کو نہیں جانتا میرے سب رشتے آپ سے ہی ہیں بابا۔" وہ جیسے مچلا تھا۔ وہ لمحہ بھر اس کی طرف دیکھتے رہے پھر دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ لے کر اس کی پیشانی چومی۔

"میری ایک بات مانو گے بیٹا۔ درخواست سمجھ لو۔"

"بابا آپ حکم کریں۔ اس طرح بات نہ کریں۔ میرا دل پھٹ جائے گا۔" اس نے ان کا ہاتھ پکڑا۔

"نہیں بیٹا درخواست ہے ماننا نہ ماننا تمہارے اختیار میں ہے۔ اپنی ماں کو معاف کر دو بیٹا۔ اس کے دل کو قرار دو اور ان سب رشتوں کو جو اللہ نے تمہیں دیے ہیں قبول کر لو۔ انسان بہت کمزور ہے۔ تمہاری ماں بھی ایک کمزور انسان ہے۔ وقتی احساس سے مغلوب ہو گئی تھی۔ بہت سزا کاٹ لی اس نے بہت دکھ جھیل لیا۔" اس کا چہرہ یک دم سپاٹ نظر آنے لگا اور عثمان ملک کا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

"اپنے بابا کی آخری خواہش سمجھ کر۔" ان کی ملتجی نظریں اس کی طرف اٹھیں۔

"بابا۔" اس نے تڑپ کر پھر ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر ہونٹوں سے لگایا۔

"آپ کی بات میرے لیے حکم کا درجہ رکھتی ہے۔ میں نے انہیں معاف کیا' لیکن بابا میں اپنے دل میں ان کے لیے محبت محسوس نہیں کرتا۔ میرے لیے وہ صرف شامی اور عجو کی ماما ہیں۔"

"ٹھیک ہے بیٹا۔" وہ مسکرائے۔ اس نے ثمرین کو معاف کر دیا تھا تو ایک دن وہ دل سے اس رشتے کو بھی تسلیم کر لے گا۔ انہیں یقین تھا۔ اور وہ ان سے محبت بھی کرنے لگے گا۔ وہ جانتے تھے ان کے بیٹے کا دل

سونے سے ترشا ہوا ہے۔

"عبدالرحمن بھائی سے تمہارا دہرا رشتہ ہے ایک میرے حوالے سے، سگے نہ سہی، لیکن وہ تمہارے تایا ہیں۔ دوسرے وہ ہشام اور عجو کے باپ بھی ہیں۔ بھلے تم تسلیم نہ کرو، لیکن وہ تمہارے سوتیلے والدین۔ ہمیشہ ان کا احترام اور عزت کرنا۔ میری نسبت سے وہ تمہیں بہت چاہنے لگے ہیں۔"

"جی بابا۔" وہ سر جھکائے بیٹھا، لیکن اس کا دل کٹ رہا تھا۔ بے تحاشا دکھ تھا جو اندر ہی اندر پھیلتا جا رہا تھا۔ اس کے بابا۔ اس کے جان سے عزیز بابا کسی روز اچانک.... نہیں میرے اللہ نہیں۔ انہیں صحت و زندگی دے۔ وہ دل ہی دل میں دعا مانگ رہا تھا جب ڈاکٹر احسن ہلکی سی دستک دے کر اندر داخل ہوئے اسے دیکھتے ہی یک دم ان کی آنکھیں جگمگا اٹھی تھیں اور وہ دونوں ہاتھ پھیلائے بے اختیار آگے بڑھے وہ میکانکی انداز میں اٹھا اور ان کے پھیلے ہوئے بازوؤں میں سما گیا۔ وہ بہت دیر تک یوں ہی اسے بھینچے کھڑے رہے۔

یہ اتنا خوب صورت شہزادوں کی سی آن بان والا ان کا بیٹا تھا اس کے لیے وہ ساری زندگی سجدہ شکر ادا کرتے رہتے تو کم تھا۔ اللہ نے اسے زندگی دی تھی اس کے جسم کی حدت نے انہیں ایک انوکھی سی توانائی بخشی تھی وہ ذرا سا کسمسایا تو انہوں نے اپنی گرفت ڈھیلی کی۔

"کیسے ہو۔" ان کی نظروں نے اس کے چہرے کی بلائیں لیں۔

"ٹھیک ہوں۔" وہ واپس بابا کے بیڈ پر بیٹھ گیا تھا۔ ڈاکٹر احسن ڈاکٹر عثمان سے مصافحہ کرکے بیڈ کے بالکل سامنے دیوار سے لگے دو سیٹر صوفے پر بیٹھ گئے۔

"میں ملتان سے آیا تو تم دبئی جا چکے تھے۔ مجھے تمہارے واپس آنے کا علم نہیں تھا۔ میں ایک دوست سے ملنے لاہور چلا گیا تھا۔ رات ہی آیا ہوں۔ آج شام کو ہی میری فلائٹ ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے عبدالرحمن بھائی کو فون کیا کیونکہ ڈاکٹر عثمان کا فون مسلسل بند جا رہا تھا تو انہوں نے تمہارے بابا کی بیماری کا بتایا۔"

ان کی نظریں موحد کا طواف کرنے سے جیسے تھکتی نہ تھیں۔ ڈاکٹر عثمان انہیں دیکھ رہے تھے اور ان کے لبوں پر مدھم مسکراہٹ تھی۔ ڈاکٹر احسن کے چہرے پر پھیلی طمانیت اور آنکھوں سے پھوٹتی خوشی نے انہیں احساس دلایا کہ انہوں نے ڈاکٹر احسن کو موحد کی خوشی دے کر غلط نہیں کیا تھا۔

"ڈاکٹر احسن آپ کا بیٹا...."

"بابا!" موحد نے تڑپ کر شکوہ بھری نظروں سے انہیں دیکھا تو وہ جو بے خودی میں ڈاکٹر احسن کی خوشی کے احساس میں ڈوبے بول گئے تھے۔ انہوں نے معذرت طلب نظروں سے موحد کی طرف دیکھا۔

"میرا بیٹا بہت حساس ہے ڈاکٹر احسن اس کا آبگینہ دل بہت نازک ہے اس کا بہت خیال رکھنا۔ میں نے اسے اپنے متعلق بتا دیا ہے۔"

"ڈاکٹر عثمان۔" ڈاکٹر احسن کی آنکھوں میں لحہ بھر کے لیے حیرت نمودار ہو کر معدوم ہوگئی۔

"ڈاکٹر عثمان پلیز آپ فوراً وہاں آنے کی کوشش کریں میں آپ کی موجودہ رپورٹس ساتھ لے کر جا رہا ہوں لیکن آپ کا وہاں آنا بہت ضروری ہے۔ ٹھیک ہے یہاں بھی بہت اچھے ڈاکٹر ہوں گے، لیکن وہاں آپ کے اپنے معالج ہیں جو شروع سے آپ کا علاج کر رہے ہیں۔ میں آپ کی آخری رپورٹس سے بہت مطمئن تھا بون میرو کے علاوہ بلڈ سیلز کا ٹیسٹ بھی بہت تسلی بخش تھا۔ کیمو تھراپی اور امیونو تھراپی کے کامبینیشن سے آپ کا علاج کافی کامیاب رہا تھا۔ آپ کا اپنا گھر ہے وہاں۔ میں نے آپ کو بتایا تھا نا کہ ہم ابھی وہاں شفٹ نہیں ہوئے ہیں۔" ڈاکٹر عثمان نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"ڈاکٹر احسن کیا آپ کسی معجزے کے منتظر ہیں۔ معجزے ہم عام انسانوں کے ساتھ نہیں ہوتے۔ بلڈ کینسر یقینی موت کا نام ہے۔" موحد نے اپنے نچلے ہونٹ کو سختی کے ساتھ دانتوں تلے دبایا۔

"لیکن اللہ فرماتا ہے۔ لاتقنطو۔ ناامید مت ہو تو وہ چاہے تو کیا نہیں ہو سکتا۔ اس کے لیے تو کچھ بھی

ناممکن نہیں ہے۔ موحد۔" ڈاکٹر احسن نے عثمان ملک سے بات کرتے کرتے اس کی طرف دیکھا۔

"اپنے بابا کو جتنی جلدی ممکن ہو سکے وہاں لے کر آؤ۔" موحد کی آنکھوں میں پانی چمک رہا تھا وہ تڑپ اٹھے۔ "میرے اختیار میں ہوتا تو میں اپنے موحد کے بابا کو اپنی زندگی دے کر بچا لیتا، لیکن ہم انسان بہت بے اختیار ہوتے ہیں۔ میں ناامید نہیں ہوں کوشش کرنا ہمارا فرض ہے سو کریں گے۔"

اور پہلی بار موحد کا دل ڈاکٹر احسن کے لیے گداز ہوا اور پہلی بار اس نے نظر بھر کر ڈاکٹر احسن کو دیکھا۔ یہ اس قدر وجیہہ، شان دار شخص اس کی رگوں میں دوڑنے والا لہو اس کا تھا۔

"جی جیسے ہی ڈاکٹر اجازت دیتے ہیں ہم آجاتے ہیں۔" اس کے لہجے میں کتنی نرمی تھی کتنی ملاحت تھی۔ نگاہیں جھکائے نرمی اور ملائمت سے بولتا موحد عثمان ان کا تھا۔ بے اختیار ہی وہ ڈاکٹر عثمان سے مخاطب ہوئے۔

"میرا ہر موئے بدن آپ کا احسان مند ہے۔ ڈاکٹر عثمان۔ میرے پاس نہ لفظ ہیں نہ کسی لفظ میں اتنی طاقت ہے کہ وہ میرے احسان مندی کے جذبے کو بالکل ایسے ہی بیان کرے جس طرح یہ جذبہ میرے اندر ہمکتا ہے۔"

"ڈاکٹر احسن پلیز بار بار اس طرح شکر مندی کا اظہار کر کے مجھے شرمندہ نہ کریں یہ اللہ کی حکمتیں ہیں۔ سب کچھ اس کی مرضی اور حکم سے ہوتا ہے۔ اللہ نے ہمارے اندھیروں کو موحد کے وجود کی روشنی سے اجالنا تھا اور آپ کو اس طرح موحد کی جدائی بخش کر آزمانا تھا۔ اس نے موحد ہمیں دے کر ہمیں شکر گزار بنایا اور آپ کو صبر عطا کیا۔ آپ کی دعائیں رائگاں نہیں گئیں اور آپ کی آہ و زاریاں اور شب بے داریاں اس نے قبول کیں اور آپ کو موحد لوٹا دیا، لیکن ڈاکٹر احسن کوئی اور بھی ہے۔ جو اسی طرح تڑپتا تھا آپ بھی اپنا دل بڑا کر لیں اور موحد کی ماں کو معاف کر دیں۔ میں نے اس کی اذیت اس کا رونا اور تڑپنا دیکھا ہے اس کے آنسو رکتے نہیں ہیں وہ بن پانی کی مچھلی کی طرح تڑپتی ہے۔"

"اور میرا رونا تڑپنا آپ نے نہیں دیکھا ڈاکٹر عثمان میں تو ایسے تڑپتا تھا جیسے کسی کو جلتے انگاروں پر ڈال دیا جائے۔" انہوں نے بے اختیار کہتے ہوئے ڈاکٹر عثمان کی طرف دیکھا اور پھر نگاہیں جھکاتے ہوئے دھیمے لہجے میں بولے۔

"میرے معاف کر دینے سے کیا فرق پڑتا ہے ڈاکٹر عثمان وہ اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ اور میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ زندگی گزار رہا ہوں۔ ہم دو الگ راہوں کے مسافر ہیں۔"

"فرق پڑتا ہے ڈاکٹر احسن اسے سکون مل جائے گا۔ میں یہ اس لیے نہیں کہہ رہا کہ وہ میرے بھائی کی بیوی ہے وہ اگر کوئی غیر عورت بھی ہوتی تو تب بھی میں آپ سے یہ ہی درخواست کرتا۔"

"آپ مجھ سے میری زندگی مانگیں ڈاکٹر عثمان تو میں اپنی گردن اپنے ہاتھوں سے کاٹ کر آپ کے سامنے پیش کر دوں۔ میں ثمرین کو معاف کر....."

"کسی احسان مندی کے جذبے سے مغلوب ہو کر نہیں ڈاکٹر احسن اپنے دل کی پوری رضا مندی سے انہیں معاف کریں۔" عثمان ملک نے ان کی بات کاٹی۔

"میں اگر معاف بھی کر دوں تو کیا موحد بھی اسے معاف کر دے گا۔"

"موحد نے انہیں معاف کر دیا ہے۔" انہوں نے مسکرا کر موحد کی طرف دیکھا۔

"اور اگر جو میں کہتا ہوں میرے بابا دنیا کے سب سے اچھے بابا ہیں تو کیا غلط کہتا ہوں...." اس نے ڈاکٹر عثمان پر فخر محسوس کیا۔

"اگر موحد نے اپنی ماں کو معاف کر دیا ہے تو میں نے بھی معاف کیا۔" وہ کھڑے ہو گئے۔

"مجھے ابھی ہوٹل سے چیک آؤٹ کرنا ہے۔ ایک دو کام ہیں اور پھر تین گھنٹے پہلے ایئرپورٹ بھی پہنچنا ہے اگرچہ دل چاہ رہا ہے کہ کچھ دیر اور بیٹھوں۔" "اب کے

موحد خود ہی ان کے گلے لگا۔
"تمہیں چھوڑ کر جانے کو جی نہیں چاہتا موحد۔ پیاس ایک گھونٹ پینے سے کم نہیں ہوتی بڑھ جاتی ہے میری پیاس بھی بڑھ گئی ہے' لیکن جان من تمہارے بابا کو تمہاری زیادہ ضرورت ہے۔ ان کا زیادہ حق ہے تم پر بلکہ ان ہی کا حق ہے۔" وہ غیر ارادی طور پر ڈاکٹر احسن کو باہر چھوڑنے آیا تھا۔ وہ ایک بار پھر اسے گلے لگا کر اور اس کا ماتھا چوم کر چلے گئے۔ وہ وہاں ہی کھڑا انہیں جاتے دیکھتا رہا یہاں تک کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے اور وہ واپس کمرے میں آگیا۔ ڈاکٹر عثمان بیڈ پر بیٹھے تھے اور ان کے چہرے پر بہت سکون تھا۔
"ڈاکٹر احسن چلے گئے کیا؟" موحد اثبات میں سر ہلا کر بیٹھ گیا۔ تب ہی دستک دے کر امل اندر آئی اور سلام کیا۔
"اکیلی آئی ہو بیٹا۔" سلام کا جواب دے کر ڈاکٹر عثمان نے پوچھا۔
"نہیں شامی اور انکل ساتھ آئے ہیں۔ باہر آپ کے ڈاکٹر مل گئے تھے انکل ان سے بات کر رہے ہیں۔ آپ کیسے ہیں۔" امل ان کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔
"بہتر ہوں۔ سوچ رہا ہوں اگر ڈاکٹر اجازت دیں تو آج گھر چلا جاؤں۔"
"میرے بابا ٹھیک نہیں ہیں امل!" موحد نے زخمی نظروں سے امل کی طرف دیکھا۔ ڈاکٹر عثمان نے ایک تنبیہہ نظر اس پر ڈالی اور امل کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔
"میں ٹھیک ہوں گڑیا۔ تم بتاؤ شفیق بھائی کا فون آیا۔ خیریت سے پہنچ گئے ہیں۔"
"جی آپ کا سن کر پریشان ہو گئے تھے۔" تب ہی عبدالرحمٰن اور ہشام اندر آئے۔
"کہاں رہ گئے تھے بھائی صاحب آپ۔ کل رات سے انتظار کر رہا ہوں۔ بھابھی کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔"
"پتا نہیں۔۔۔ میں تو نیلوفر کی طرف چلا گیا تھا اور بس پھنس گیا۔ تنگ کر رکھا ہے طلاق مانگ رہی ہے۔" عبدالرحمٰن موحد کے پاس ہی بیٹھ گئے۔
"کیوں؟"
"کوئی اور موٹا مرغا پھانس لیا ہوگا۔" ہشام کے لبوں سے بے ساختہ نکلا تھا۔ موحد نے اس کی طرف دیکھا اس کی آنکھوں میں چمک تھی اور لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ۔ عبدالرحمٰن نے بھی اس کی طرف دیکھا۔
"سوری ڈیڈی۔" ہشام نے فوراً" معذرت کر لی اور سنجیدہ ہو گیا۔
"موحد بیٹا تم تین دن سے یہاں ہو۔ گھر جا کر باتھ لو۔ تھوڑا ریسٹ کرو اور پھر فریش ہو کر آجانا۔ یہاں بھائی صاحب شامی اور امل ہیں نا میرے پاس۔"
"ہاں موحد تم ہم پر ٹرسٹ (اعتماد) کر سکتے ہو۔" امل نے اس کی طرف دیکھا۔
"بلکہ تم ہمارے گھر ہی چلے جانا۔" امل جانتی تھی کہ وہ ملک ہاؤس نہیں جائے گا وہ بنا کچھ کہے کھڑا ہو گیا۔
ہشام نے بہت غور سے موحد کی طرف دیکھا اور اسے عفان کا خیال آیا۔ عفان بھی اس کا بھائی تھا۔ وہ عفان سے دل کی بات نہیں کر سکتا تھا۔ اور ہر بات امل سے کرتا تھا اور اب یہ موحد تھا اس کا بھائی اس سے بڑا اگر وہ ساتھ ملے بڑھے ہوتے تو یہ خوب صورت آنکھوں والا نرم گو موحد اس کا دوست ہوتا اس کا ہم راز' لیکن اب۔۔۔
اس کے دل میں مایوسی کا غبار سا پھیل گیا۔ ہم شاید کبھی بھی اس طرح بے تکلف نہ ہو سکیں گے جیسے دو بھائی ہوتے ہیں۔ پھر اس کی نظریں امل کی طرف اٹھیں جو آنکھوں میں اشتیاق کا جہان بسائے موحد کی طرف دیکھ رہی تھی جو ڈاکٹر عثمان سے مل رہا تھا اس نے ڈاکٹر عثمان کی پیشانی پر بوسہ دیا اور پھر تیزی سے باہر نکل گیا۔
وہ جب کمرے سے باہر نکلا تو اس کی آنکھیں شفاف تھیں' لیکن اندر سمندر ابل رہے تھے۔ بابا کو بلڈ کینسر ہے اور ایک دن وہ اسے اس ظالم دنیا میں اکیلا

چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ یہ اتنی تکلیف دہ بات تھی کہ اس کا دل دھاڑیں مار مار کر رونے کو چاہ رہا تھا۔ کوئی ایسی جگہ ہو جہاں وہ جی بھر کر رو سکے۔ اپنے دھیان میں گم خود سے ہم کلام وہ روڈ پر موجود ٹیکسی کی طرف بڑھا اور اس نے اسپتال کی بیرونی دیوار سے لگی کھڑی اس عورت کو نہیں دیکھا تھا جس کی نظریں اس کی بلائیں لے رہی تھیں۔

یہ ثمرین تھی جو ہشام اور امل کے جانے کے بعد اسے ایک نظر دیکھنے کے لیے گھر سے نکل پڑی تھی اور اسے اسپتال سے باہر آتا دیکھ کر وہاں ہی دیوار سے لگ کر کھڑی ہو گئی تھی اور اب اسے ٹیکسی کی طرف جاتے دیکھ رہی تھی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ بھاگ کر جائے اور اس کو بانہوں میں بھر کر چوم لے اس کی کشادہ روشن پیشانی کو اس کی ان سنہری اداس آنکھوں کو اس پیارے چہرے کو، لیکن وہ کھڑی رہی تھی یہاں تک کہ وہ ٹیکسی میں بیٹھ کر چلا گیا اور ٹیکسی فراٹے بھرتی نظر سے اوجھل ہو گئی۔

اور وہ مجھے کبھی معاف نہیں کرے گا اور کبھی ماں تسلیم نہیں کرے گا اور وہ کہتا تھا کہ میں ظاہر سے محبت کرنے والی ماں ہوں چونکہ اب میں ایک دلکش وجود رکھتا ہوں اور اگر میں ایسا ہی ہوتا جیسا تھا تو آپ میری طرف دیکھتی بھی نہ۔ اور میں اسے بتا بھی نہ سکی کہ میں تب بھی تمہیں سینے سے لگا لیتی۔ اس ایک لمحے کی غلطی نے چوبیس سال مجھے اذیت کی چکی میں پیسا۔ تم کیا جانو موحد عثمان میں تو اسے گندے مندے ملنگ کو بھی تم سمجھ کر اس کی طرف لپکی تھی۔

وہ کچھ دیر یوں ہی کھڑی خالی سڑک کو دیکھتی رہی اور آنسو اس کی پلکوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر رخساروں پر پھسلتے رہے۔ وہ اسپتال کے باہر کھڑی رو رہی تھی۔ شاید اس کا کوئی بہت اپنا بیمار ہے یا... چند ایک نے ہمدردی سے اسے دیکھا ایک دو نے قریب آکر پوچھا بھی، لیکن وہ خالی خالی نظروں سے انہیں دیکھتی سر جھکائے ایک طرف چل پڑی... کہاں وہ خود نہیں جانتی تھی۔

باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

☆ ☆

شازیہ ستار نایاب

لغزش اس کی تھی
تو شامل وہ بھی تھا
ایک ہی جرم ان دونوں کا تھا
لیکن.....
دنیا کا انصاف تو دیکھو
کمزور دیوار میں چن دی گئی
طاقت ور کو نور جہاں مل گئی

سفید یونیفارم میں ماہ نور کی دودھیا رنگت دمک رہی تھی۔ سیاہ بھنورا سی آنکھوں میں پریشانی ہلکورے لے رہی تھی۔ گلابی لب بھینچے ہوئے تھے۔ وہ سر جھکائے اپنے باپ رمضان کے پیچھے چلتے چلتے کوٹھی تک آن پہنچی۔ رمضان یہیں ڈرائیور کی نوکری کرتا تھا۔ گارڈ نے انہیں دیکھ کر گیٹ کھولا۔ وہ اندر داخل ہوئے' ایک طرف ڈرائیو وے اور دوسری جانب وسیع و عریض قیمتی و خوشنما پودوں سے بھرا ایل شیپ (L-Shape) لان سامنے تھا۔ ماہ نور کے قدم چند لمحوں کے لیے سست پڑ گئے۔ یہ عالی شان بنگلہ' یہ قیمتی گاڑیاں..... اس کا اعتماد ہوا ہو رہا تھا۔ رمضان نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور بولا۔ "رک کیوں گئیں۔ جلدی آ بیگم صاحبہ انتظار کر رہی ہوں گی۔" ماہ نور نے کپڑوں کا بیگ دوسرے ہاتھ میں منتقل کیا اور ایک بار پھر پوچھا۔

"ابا جی کیا میں دن رات یہاں رہوں گی۔"

"کتنی بار بتاؤں ہاں! اس وقت تک جب تک بڑی بیگم صاحبہ کی چوٹ ٹھیک نہیں ہو جاتی۔" رمضان جھلا گیا۔

"ابا جی میں اس طرح کبھی کسی کے گھر نہیں رہی۔" ماہ نور ہچکچائی۔

"ساری عمر نہیں رہنا تجھے یہاں۔ بیگم صاحبہ کا زخم ٹھیک ہو جائے پھر تیری چھٹی....." رمضان چڑ گیا۔ ماہ نور خاموش' لیکن مضطرب تھی۔

"چھلیے! نرس تو' تو بن گئی۔ تھوڑا عرصہ نوکری بھی کرلی' پر اب کتنے عرصے سے تجھے کوئی نوکری نہیں مل رہی تھی۔ میں نے بیگم صاحبہ سے کہا کہ کہیں تیری نوکری لگوا دیں۔ وہ بولیں جب تک نوکری نہیں ملتی یہاں کام کرے۔ پھر کسی اسپتال میں لگوا دیں گی۔ میں انہیں انکار نہ کر سکا۔ بس تھوڑے دنوں کی بات ہے۔ تو دل لگا کر کام کرنا۔ یہ لوگ بہت اچھے ہیں' غریبوں کا بہت خیال رکھتے ہیں اور بڑی بیگم صاحبہ تو بہت ہی اچھی ہیں۔" رمضان نے بیٹی کا مضطرب چہرہ دیکھ کر پھر سے سمجھایا۔

"ہوں....." ماہ نور نے گہرا سانس لیا اور قدم آگے بڑھا دیے۔ داخلی دروازے کے پاس جا کر رمضان نے انٹر کام کا بٹن دبایا۔ کچن میں سے ماسی شمشاد نے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟"

"بیگم صاحبہ کو بتاؤ کہ میں اپنی بیٹی کو لے کر آیا ہوں۔" رمضان نے کہا۔

"ٹھیک ہے اسے کچن کے پچھلے دروازے سے اندر بھیج دو۔" ماسی شمشاد نے کہا۔ "اس طرف سے اندر چلی جا۔" رمضان نے اشارہ کیا۔ ماہ نور نے ایک نظر اپنے باپ کو دیکھا اور پھر دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی کچن کے دروازے سے اندر چلی گئی۔

☆☆☆

ماسی شمشاد اور خانساماں کچن میں کام کر رہے تھے۔

"ماسی!" ماہ نور کی مترنم آواز پر نہ صرف شمشاد بلکہ خانساماں نے بھی مڑ کر دیکھا۔

"تو ماہ نور ہے رمضان کی بیٹی۔" ماسی شمشاد لپک کر آئی۔ ماہ نور نے اثبات میں سر ہلایا۔ "کتنی سوہنی ہے تو....." شمشاد نے اس کے سرخ و سفید گال کو چھو کر سراہا۔ ماہ نور ہلکا سا مسکرائی۔

"بیٹیوں کو ایسے نہیں کہتے، نظر لگ جاتی ہے۔" بوڑھے خانساماں نے کہا۔

"ٹھیک ہے چاچا۔ ماشاء اللہ کہہ دیتی ہوں۔ تو بتا ناشتا کرے گی۔" شمشاد نے پہلے خانساماں سے اور پھر ماہ نور سے کہا۔

"نہیں، میں ناشتا کر کے آئی ہوں۔" ماہ نور نے جواب دیا۔

"اچھا چاچا میں ماہ نور کو ذرا بیگم صاحبہ کے پاس لے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

کر جا رہی ہوں۔" شمشاد نے کہا۔ ماہ نور نے اپنا کپڑوں کا بیگ وہیں رکھا اور اس کے ساتھ چل دی۔

بیگم صاحبہ لاؤنج میں بیٹھی تھیں۔ ان کے پاس ہی رشنا بیٹھی تھی۔

"بیگم صاحبہ یہ رمضان کی بیٹی ہے۔ نرس ہے' آپ نے بلوایا تھا۔" شمشاد نے کہا۔

"واؤ سو بیوٹی فل!" رشنا نے بے اختیار سراہا۔

احسن کمال نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا اور چند ثانیے کے لیے نظر ہٹانا بھول گئے۔ رشنا کی آواز سن کر اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے عاشر نے ایک نظر لاؤنج پر ڈالی۔ خوب صورتی اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ جلوہ افروز تھی۔ عاشر بے اختیار لاؤنج میں چلا آیا۔

"ماما یہ کون ہے؟" عاشر نے پوچھا۔ عنیزہ بیگم نے ایک نظر اپنے جوان' خوبرو وجیہہ بیٹے پر ڈالی اور ایک ماہ نور پر۔ خوب صورتی وجاہت کے مدمقابل تھی۔

"نرس۔" عنیزہ نے یک لفظی جواب دیا۔ ماہ نور کی نظریں کچھ اور جھک گئیں۔ عنیزہ کے یک لفظی جواب نے اس کی کم مائیگی کے احساس میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ عنیزہ آپ اسے ماں جی کے پاس لے جائیں۔" احسن کمال نے کہا۔ عاشر چونکا' جیسے کسی ٹرانس سے نکلا ہو اور اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ مہرالنسا بیگم جہازی سائز بیڈ پہ لیٹی تھیں۔ عنیزہ نے دروازہ ناک کیا اور اجازت پاتے ہی ماہ نور کی معیت میں اندر قدم رکھا۔

"ماں جی یہ ماہ نور ہے آپ کی نرس۔۔۔" عنیزہ نے تعارف کروایا۔ مہرالنسا کی آنکھیں بھی ماہ نور کی خوب صورتی سے خیرہ ہوئیں۔

"رمضان کی بیٹی ہے۔ جس کا تم نے ذکر کیا تھا۔" مہرالنسا بولیں۔

"جی!" عنیزہ نے جواب دیا۔

"تمہاری ماں بھی خوب صورت ہے' لیکن تم۔۔۔ خیر جوانی کا اپنا حسن ہوتا ہے۔"

"کسی اسپتال میں کام کیا ہے؟" مہرالنسا نے پوچھا۔

"جی۔۔۔ ایک پرائیویٹ اسپتال میں کام کرتی تھی' مگر وہاں ایک مریض۔۔۔" ماہ نور نے فقرہ ادھورا چھوڑا اور لب کاٹنے لگی۔

"غریب کے لیے اس کی خوب صورتی بھی مصیبت بن جاتی ہے۔ ایک تو تمہارا حسن' اس پہ تمہارا پروفیشن۔۔۔" مہرالنسا نے بھی فقرہ ادھورا چھوڑا۔

"رمضان اس کی نوکری کے لیے کب سے کہہ رہا تھا۔ احسن نے کہا۔" جب تک نوکری نہیں ملتی تب تک آپ کی دیکھ بھال کے لیے یہاں آجائے۔ کیونکہ رشنا کی شادی سر پر آن پہنچی ہے' اس مصروفیت میں ہم آپ کو صحیح ٹائم نہیں دے پا رہے۔" عنیزہ نے وضاحت کی۔

"اس چوٹ نے تو مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا۔" مہرالنسا بولیں۔

"بس چند دنوں کی بات ہے' پھر ان شاء اللہ آپ بالکل ٹھیک ہو جائیں گی اور رشنا کی شادی میں بھرپور شرکت کریں گی۔" عنیزہ نے تسلی دی۔

"ماہ نور تمہیں دن رات ماں جی کے ساتھ رہنا ہوگا۔ ان کی شوگر' بلڈ پریشر باقاعدگی سے چیک کرنا۔ دوائیں وقت پہ دینا۔ فائل میز پہ رکھی ہے اور ڈاکٹر کے پاس بھی تم لے کر جاؤ گی۔" عنیزہ نے سمجھایا۔

"میم کی ٹانگ پہ زخم کیسا ہے؟" ماہ نور نے سوال کیا۔

"ماں جی۔۔۔ باتھ روم میں گر گئی تھیں۔ شکر ہے ہڈی بچ گئی۔ زخم کچھ گہرا لگ گیا۔ تین چار روز ہو گئے اس چوٹ کو۔ اب تم سنبھال لینا۔" عنیزہ نے کہا۔

"جی میم۔۔۔" ماہ نور نے جواب دیا۔

"لیکن ماہ نور یہ نرسوں والا یونیفارم تبدیل کر کے آؤ' مجھے سخت الجھن ہو رہی ہے۔ یہ ساتھ والا کمرہ خالی ہے۔ یہاں تم اپنا سامان رکھ سکتی ہو۔" مہرالنسا نے کہا۔

"جی میں کپڑے لائی ہوں' میں تبدیل کر کے آتی ہوں۔" ماہ نور نے کہا اور چلی گئی۔

''ماں جی اس کو نرسز یونیفارم میں ہی رہنے دیتیں' اس طرح اسے اپنی اوقات اور حیثیت یاد رہتی۔ مجھے معلوم ہوتا کہ یہ اتنی خوب صورت ہوگی' تو میں کبھی اسے نہ بلواتی۔'' عنیزہ کے لہجے میں پچھتاوا تھا۔

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے' اس کا باپ ستائیس' اٹھائیس سال سے ہمارا ڈرائیور ہے۔ اس کی ماں بھی ہمارے گھر کام کرتی رہی ہے وہ یہ کیسے بھول سکتی ہے۔'' مہرالنسا نے کہا۔

''شاید دوسرے بھول جائیں۔'' عنیزہ بڑبڑائیں۔

''تمہارا اشارہ عاشر کی طرف تو نہیں۔'' مہرالنسا نے پوچھا۔ عنیزہ خاموش رہیں۔

''عاشر نے باہر سے تعلیم حاصل کی۔ ملکوں ملکوں گھوم چکا ہے۔ ہمیشہ اکیلا واپس آیا۔ اپنی مرضی' اپنی پسند سے تمہاری بہن کی بیٹی سے منگنی کی۔ بقول اس کے فروا اس کی بچپن کی محبت ہے اور فروا حسن اور تعلیم میں یکتا' دولت اس کے گھر کی باندی فیشن اور اسٹائل اس پہ ختم ہے' پھر ایک معمولی نرس سے کیوں خوف زدہ ہو۔'' مہرالنسا نے سوال کیا۔

''وہ معمولی ہے' لیکن اس کا حسن غیر معمولی ہے۔ پھر وہ معصوم بھی نظر آتی ہے اور اپنے حسن سے بے پروا بھی اور آپ جانتی نہیں کہ معصوم بے پروا حسن کتنا خطرناک ہوتا ہے۔'' عنیزہ نے کہا۔

''ہوں ٹھیک کہتی ہو۔ لڑکی واقعی بہت خوب صورت ہے' کسی شاعر کی غزل لگتی ہے۔'' مہرالنسا نے کہا۔

''ماں جی آپ بھی نا... اردو لٹریچر پڑھ پڑھ کر بندہ ایسی باتیں ہی کر سکتا ہے۔'' عنیزہ نے کہا۔

''میں تو لفظوں میں سراہوں گی' تم تو پورٹریٹ بنادو گی۔ این سی اے کی فارغ التحصیل ہو۔'' مہرالنسا نے کہا۔

''ماں جی آپ سمجھ نہیں رہیں۔'' عنیزہ نے کہا۔

''میرا خیال ہے کہ تم بلاوجہ ان سیکور ہو رہی ہو۔ بہرحال تم چاہو تو کسی اور نرس کا انتظام کرلو....'' مہرالنسا نے کہا۔

''اب اسے خود کہہ کر بلوایا ہے' کیسے انکار کروں۔'' عنیزہ شش و پنج میں تھیں۔ اتنے میں احسن کمال اندر داخل ہوئے تو اپنی اسٹائلش بیوی پر نظر پڑی' وہ شاہانہ انداز سے بیٹھیں کسی سوچ میں گم تھیں۔

''خیریت ماں جی؟ کیا ہوا عنیزہ....'' انہوں نے پہلے والدہ اور پھر شریک حیات سے پوچھا۔ جب انہیں ماں جی نے عنیزہ کے خدشے کے متعلق بتایا تو انہوں نے اسے توجہ کے لائق نہ سمجھا اور بولے۔

''غربت تمام خوبیوں اور حسن کو گہنا دیتی ہے۔ پھر عاشر اچھی طرح جانتا ہے' بزنس ورلڈ کو مدبر' مضبوط اور غیر جذباتی بزنس مین ہی رول کر سکتا ہے۔ نرس کو اپنا کام کرنے دو۔ ماں جی ٹھیک ہو جائیں تو اسے کسی اسپتال میں لگوادوں گا۔''

☆ ☆ ☆

مغل اعظم شہنشاہ ہند جلال الدین اکبر کے محل کا منظر۔ محفل طرب کا آغاز ہوا چاہتا ہے۔ دل آرام بوجوہ ناسازی طبع محفل میں شریک ہونے سے قاصر ہے۔ اس کی عدم موجودگی میں نادرا کو اس کی ماں بنا سنوار کر محفل طرب میں لے گئی۔ نادرہ خوب صورت ایسی کہ چاند کو شرمادے' سونے پہ سہاگہ اس کا ہار سنگھار پھر کوئل جیسی خوب صورت آواز' مورنی سا رقص....

شہنشاہ ہند تو معترف ہوا ہی شہزادہ سلیم بھی اس حسن اور اداؤں سے مسحور ہوگیا۔ نہ دل اس کے اختیار میں رہا اور نہ نظریں' جو دیوانہ وار اس مرقع حسن کا طواف کر رہی تھیں۔ دوسری جانب نادرہ کی نگاہ جب جب صاحب عالم شہزادہ سلیم کی جانب اٹھی دل اپنے ہاتھوں سے نکلتا محسوس ہوا۔ شہنشاہ ہند نے خوش ہو کر نادرہ کو موتیوں کا ہار انعام میں بخشا اور انار کلی کا لقب دیا۔ پل بھر میں سارا محل انار کلی کے نام سے گونج اٹھا۔

☆ ☆ ☆

ماہ نور نے اپنی خدمت اور اہلیت سے جلد ہی دادی

کو اپنا اسیر کرلیا۔ وہ نہ صرف بطور نرس دادی کی خدمت سرانجام دینے لگی، بلکہ دادی کے لیے اچھی سامع بھی ثابت ہوئی۔ دادی اردو ادب کی دلدادہ تھیں شاعری کی رسیا۔ وہ کتابیں پڑھتیں۔ غالب سے فیض تک ہزاروں شعر انہیں ازبر تھے' وہ ماہ نور کو سناتیں۔ آج کل کے انگلش میڈیم بچوں کے برعکس ماہ نور کی اردو بہت اچھی تھی اور اسے اردو ادب سے شغف بھی تھا۔

اس رات مہرالنسا نے پروین شاکر کی کتابیں نکالیں اور پڑھنے لگیں۔

"میم آپ اجازت دیں تو میں ایک کتاب پڑھنے کے لیے لے لوں۔" ماہ نور نے اجازت چاہی۔

"ہاں کیوں نہیں۔" مہرالنسا نے کہا۔ ماہ نور نے ایک کتاب لی اور کاؤچ پہ بیٹھ کر پڑھنے لگی۔

مہرالنسا نے تھوڑی دیر بعد اس پہ نظر ڈالی تو اسے محویت سے کتاب پڑھتے پایا۔ یہ سائنس پڑھنے والی بچی پیشے کے لحاظ سے نرس اسے شاعری سمجھ آئے گی مہرالنسا نے اپنے دل میں سوچا اور پھر بولیں۔ "ماہ نور کیا پڑھ رہی ہو مجھے بھی سناؤ۔" "جی یہ پروین شاکر کی غزل ہے میں سنا دیتی ہوں۔"

کچھ تو ہوا بھی سرد تھی، کچھ تھا تیرا خیال بھی
دل کو خوشی کے ساتھ ساتھ ہوتا رہا ملال بھی

بات وہ آدھی رات کی، رات وہ پورے چاند کی
چاند بھی عین چیت کا اس پر تیرا جمال بھی

عاشر، مہرالنسا سے ملنے آیا تو دروازے پر ہی ٹھٹک کر رک گیا۔ ماہ نور جذب کے عالم میں غزل پڑھ رہی تھی تو دادی جذب کے عالم میں غزل سن رہی تھیں۔ عاشر خاموشی سے آکر بیٹھ گیا او غزل سننے لگا۔ ماہ نور کی صورت کی طرح اس کی آواز بھی بے حد خوب صورت تھی۔

سب سے نظر بچا کے وہ مجھ کو کچھ ایسے دیکھتا
ایک دفعہ تو رک گئی گردش ماہ و سال بھی

اس کو نہ پا سکے تھے جب دل کا عجیب حال تھا
اب جو پلٹ کے دیکھیے بات تھی کچھ محال بھی

میری طلب تھا ایک شخص وہ جو نہیں ملا تو پھر
ہاتھ دعا سے یوں گرا بھول گیا سوال بھی

"واہ واہ... بہت خوب...." دادی نے جی بھر کر داد دی۔ "تمہاری طرح تمہاری آواز بھی خوب صورت ہے۔" مہرالنسا تو معترف ہوئی ہی عاشر بھی اس کے حسن و انداز سے مسحور ہوگیا۔ کیوپڈ کا تیر چل گیا تھا۔ سو بڑی مشکل سے خود کو اور دل کو سنبھالا جو ہاتھوں سے نکلا جارہا تھا۔

☼ ☼ ☼

شہنشاہ اکبر کے محل کے وسیع و عریض باغیچوں میں بہار اپنے پورے جوبن پر ہے۔ شہزادہ سلیم محل کے جھروکے میں کھڑا ہے۔ یہاں سے لان کا تمام منظر صاف دکھائی دے رہا ہے۔ خواجہ سرا اور غلام اپنے کاموں میں مصروف ہیں۔ بیگمات اور شہزادیاں شاید ابھی استراحت فرما رہی ہیں۔ انار کلی اس کی والدہ اور چند دوسری کنیزیں پھولوں کے گجرے بنا رہی ہیں۔ انار کلی ان پھولوں کے ساتھ ایک پھول ہی لگ رہی ہے۔ سب کنیزیں ہنس بول رہی ہیں۔ انار کلی کچھ خاموش سی ہے۔ یہ خاموشی یہ لاتعلقی اس کے حسن کو چار چاند لگا رہی ہے۔ شہزادہ سلیم اسے اس وقت تک کھڑا دیکھتا رہا۔ جب تک وہ وہاں سے چلی نہیں گئی۔ پھر یہ روز اس کا معمول بن گیا۔ شہزادہ روز جھروکے میں آجاتا اور انار کلی کو دیکھتا رہتا۔

☼ ☼ ☼

بہار اپنے جوبن پر تھی۔ احسن ولا کے لان میں قیمتی اور خوب صورت پودے اپنی بہار دکھلا رہے تھے۔ ماہ نور نے ایک لمبی گہری سانس لی' ان کی وہیل چیئر کو لان میں پڑی کرسیوں کے پاس کھڑا کیا اور خود ایک طرف مؤدب کھڑی ہوگئی۔

"یہ روز کارنر میں نے ڈیزائن کیا ہے۔ دیکھو ہر رنگ کے گلاب ہیں۔" مہرالنسا نے ایک جانب اشارہ

کیا۔ ماہ نور مسکرائی اور ان کی وہیل چیئر کو دھکیل کر "روز کارنر" میں لے آئی۔ پھر ایک گلاب توڑ کر مہرالنسا کے بالوں میں لگا دیا۔

"اوہ سویٹ گرل..." مہرالنسا نے خوش ہو کر اس کا ہاتھ تھپتھپایا۔ گلابی اور سفید کپڑوں میں ملبوس ماہ نور کنج گلاب میں کھڑی گلاب ہی لگ رہی تھی۔ عاشر جاگنگ سے واپس آیا تو اس منظر نے اسے مبہوت کر دیا۔ وہ ہولے ہولے قدم اٹھاتا مہرالنسا کے پاس آیا اور بولا۔

"گڈ مارننگ دادی لکنگ فریش..." (تر و تازہ دکھائی دے رہی ہیں) عاشر نے بے اختیار سراہا۔ نہ جانے دادی کو یا ماہ نور کو...

"ناٹ اونلی لکنگ فریش بٹ آلسو فیلنگ فریش..." (نہ صرف تر و تازہ دکھائی دے رہی ہوں بلکہ محسوس بھی کر رہی ہوں) مہرالنسا نے کہا۔ "کمرے میں پڑے پڑے تنگ آگئی تھی تو ماہ نور سے کہا لان میں لے چلو اور یہاں آکر بہت اچھا لگ رہا ہے۔" مہرالنسا نے کہا۔

"ماہ نور کا آنا آپ کے لیے اچھا ثابت ہوا۔" عاشر نے ماہ نور کو تکتے ہوئے کہا۔

"ماہ نور اچھی نرس ہے۔" مہرالنسا نے گویا عاشر کو ماہ نور کی حیثیت یاد دلائی۔

"واؤ... آج دادی بھی لان میں ہیں..." رشنا نے آتے ہی مہرالنسا کے گال کو بوسہ دیا اور خوشی سے بولی' پھر ماہ نور کی جانب متوجہ ہوئی۔

"لکنگ ویری نائس پریٹی گرل..."

"شکریہ میم..." ماہ نور نے ہولے سے کہا۔ عاشر کی نظریں ماہ نور کے چہرے کا ہی طواف کر رہی تھیں اور اب رشنا بھی اسے توصیفی نظروں سے دیکھنے لگی۔

"ماہ نور جاؤ اور بچوں کے لیے جوس یہیں بھجوا دو۔" مہرالنسا نے اسے منظر سے ہٹایا اور پھر ان کو متوجہ کیا۔

"شادی کی شاپنگ ختم ہو گئی' تیاری مکمل ہے نا۔"

"جی دادی..." رشنا نے کہا۔

"نوکروں کے کپڑے بنوا دیے ہیں۔" مہرالنسا نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ ایک دو دن میں سب ملازمین کو کپڑے دے دیے جائیں گے۔ ماہ نور کا سائز تو میرے کپڑوں جیسا ہی ہے۔ اس لیے اس کے لیے کپڑے بھی بنوا دیے ہیں۔" رشنا نے جواب دیا۔

"چلو اچھا کیا... غریب لوگ ہیں' ان کا خیال رکھنا چاہیے۔" مہرالنسا نے کہا۔

"ماہ نور ہے تو غریب' لیکن کتنی خوب صورت ہے۔ اللہ میاں نے اس کو حسن دینے میں بڑی فیاضی سے کام لیا ہے۔" رشنا ایک بار پھر ماہ نور کی خوب صورتی کو سراہنے لگی۔ عاشر بے اختیار ماہ نور کو سوچنے لگا۔

دادی کا زخم ٹھیک ہو رہا تھا۔ اب روز اس وقت ماہ نور ان کو لان میں لے آتی' پھر رشنا اور عاشر بھی آجاتے اور سب وہاں کچھ دیر بیٹھتے۔ ماہ نور جوس بھجوانے کے بہانے اندر آجاتی' لیکن عاشر کی بولتی نگاہیں یہاں بھی اس کا پیچھا کرتیں۔

✲ ✲ ✲

شہزادہ سلیم شکار سے واپس آیا' تو بے حد مضمحل اور پریشان تھا۔ اس کا پیارا ہرن اس کا اپنا تیر لگنے سے مر گیا تھا۔ ہرن کی جدائی میں شہزادہ بیمار پڑ گیا۔ شاہی طبیب اس کے علاج کے لیے حاضر ہو گئے۔ شہزادہ غم زدہ آنکھیں بند کیے لیٹا تھا۔ جب ملکہ اس کے پاس آئیں۔ انار کلی اور دو اور کنیزیں ان کے ہمراہ تھیں۔

"جان مادر آنکھیں کھولو۔" ملکہ نے کہا۔

"نہیں میرا دل ڈوبا جا رہا ہے۔ میرا پیارا ہرن میرے ہی تیر کا نشانہ بن گیا۔" شہزادہ سلیم نے آنکھیں کھولے بغیر کہا۔

"اٹھو... یہ مفرح قلب مشروب پی لو افاقہ ہو گا۔" ملکہ کے اشارے پر ایک کنیز مشروب لے کر آگے بڑھی۔ ملکہ نے اپنے ہاتھ سے شہزادے کو مشروب پلایا۔ تھوڑا سا مشروب پی کر شہزادے نے پیالہ پیچھے

سرکا دیا۔

"تم ولی عہد ہو اس سلطنت کے اور اس سلطنت کو ایک بہادر مدبر شیر دل حکمران چاہیے۔ سوہرن کے غم سے باہر نکلو اور امور سلطنت میں جہاں پناہ کا ہاتھ بٹاؤ۔" ملکہ نے شاہانہ اور تحکمانہ انداز سے کہا۔

"بجا فرماتی ہیں آپ' لیکن آج میں آرام کروں گا۔" شہزادہ سلیم نے کہا۔

"ٹھیک ہے' تم آرام کرو۔ انار کلی کو بلوایا ہے۔ کوئی راگ چھیڑے تو آپ کے دل کو قرار آئے۔" ملکہ نے کہا اور ہولے ہولے قدم اٹھاتے چلی گئیں۔ غلام مور پنکھ جھل رہے تھے۔ کنیزیں مؤدب کھڑی تھیں۔ شہزادہ سلیم آنکھیں بند کیے لیٹا تھا۔ انار کلی آگے بڑھ کر کورنش بجالائی۔

"صاحب عالم کیا سننا پسند کریں گے۔" انار کلی نے کہا۔

"کچھ نہیں' بس سر دبا دو۔" شہزادے نے کہا۔ انار کلی نے اپنے نرم و نازک ہاتھوں سے سر دبانا شروع کیا۔ شہزادے کی بے قراری کو قرار آنے لگا اور انار کلی کے بے چین دل کو بھی سکون آنے لگا۔

☼ ☼ ☼

عاشر تین دن کے لیے بزنس ٹور پر امریکہ گیا ہوا تھا۔ واپس آیا تو فلو اور بخار میں مبتلا ہو گیا۔ صبح آفس جاتے ہوئے تو طبیعت اتنی خراب نہ تھی' لیکن آفس جا کر بخار تیز ہو گیا۔ وہ ڈاکٹر سے دوا لے کر گھر چلا آیا۔ رشنا اور عنیزہ گھر پر نہیں تھیں۔ شمشاد لاؤنج کی ڈسٹنگ کر رہی تھی۔

"ماسی میرے کمرے میں چائے بھجواؤ' میری طبیعت خراب ہے' میں کچھ دیر آرام کروں گا۔" عاشر نے کہا۔

"جی اچھا صاحب جی...!ماسی شمشاد نے عاشر کے چہرے پر نظر ڈالی جو بخار کی حدت سے سرخ ہو رہا تھا۔ خانساماں کو چائے کا کہہ کر وہ مہرالنسا کے پاس چلی آئی۔

"بی بی جی! چھوٹے صاحب آئے ہیں' ان کی طبیعت بہت خراب ہے۔ چہرہ بالکل لال انار ہوا ہے۔" شمشاد نے مہرالنسا کو بتایا۔

"تم جاؤ ماہ نور' شمشاد کے ساتھ دیکھو عاشر کو کیا ہوا ہے۔" مہرالنسا نے کہا۔

"جی میں دیکھتی ہوں۔" ماہ نور نے اپنا میڈیکل بکس اٹھایا اور ماسی شمشاد کے ساتھ آ گئی۔ عاشر کے کمرے کے دروازہ پر دستک دی اجازت پا کر اندر آئی۔ عاشر بیڈ پر نیم دراز تھا۔ "کیا ہوا آپ کو؟" ماہ نور کی مترنم آواز سنائی دی۔

"ارے آپ یہاں پورا میڈیکل باکس ہی لے کر چلی آئیں۔" عاشر سیدھا ہو بیٹھا۔

"جی میم نے کہا کہ آپ کو چیک کر لوں۔" ماہ نور نے کہا اور تھرما میٹر عاشر کو دیا۔ "ڈاکٹر سے چیک کروا کر میڈیسن لے آیا ہوں' اب محسوس ہو رہا ہے کہ بخار زیادہ تیز ہو رہا ہے۔" عاشر نے کہا۔

"آپ تھرما میٹر تو لگائیں۔" ماہ نور نے ہدایت دی۔ عاشر نے خاموشی سے تھرما میٹر منہ میں رکھ لیا۔ ماہ نور نے اس کی نبض پہ ہاتھ رکھ دیا۔

"اوہ... آپ کو تو تیز بخار ہے۔ پانی کی پٹیاں کرتی ہوں۔" ماہ نور نے کہا اور ماسی شمشاد کو پانی لانے کے لیے کہا۔

"آپ آرام سے لیٹ جائیں۔" ماہ نور نے پٹیاں کرنا شروع کیں۔ بخار کی شدت میں عاشر کو ماہ نور کا وجود کسی مہربان سایہ سے کم نہ لگ رہا تھا۔ اس کے نرم و نازک ہاتھ جب پیشانی کو چھوتے تو یوں لگتا۔

روح تک اتر آئی ہو تاثیر مسیحائی کی

اس وقت عاشر کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ یوں ہی بخار میں پڑا رہے اور ماہ نور اس کی تیمارداری کرتی رہے۔ ماہ نور کا دل بھی عاشر کے سحر میں جکڑا جا رہا تھا۔ بخار کم ہوا تو ماہ نور اسنیکس کے ساتھ دوا دے کر اپنے دل کو سنبھالتی چلی آئی۔

☼ ☼ ☼

دوپہر کا وقت ہے شہنشاہ ہند کے محل میں خاموشی کا

راج تھا۔ بیگمات قیلولہ فرما رہی تھیں۔ سب غلام فراغت سے بیٹھے تھے۔ عمر رسیدہ کنیزیں کمر سیدھی کرنے کے بہانے لیٹ گئیں۔ نوجوان کنیزیں خوش گپیوں میں مصروف ہو گئیں۔ نازک اندام حسین انار کلی ایک جانب بیٹھی تھی۔ وہ اپنی ہم عمر کنیزوں سے گفتگو نہیں کر رہی' بلکہ شہزادہ سلیم کے خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی۔

"کیا ہوا تمہیں؟ ایسے کیوں بیٹھی ہو؟" انار کلی کی والدہ نے پوچھا۔ "کچھ نہیں!" انار کلی دھیرے سے بولی۔

"رات کی تھکان ہو گی' محفل بھی تو دیر تک رہی' پھر انار کلی رقص بھی تو خوب کرتی ہے۔" ایک ادھیڑ عمر کنیز نے کہا۔

"شہنشاہ کے ساتھ اب تو صاحب عالم بھی دیوانے ہو گئے ہیں۔" ایک شوخ کنیز نے چھیڑا' شہزادہ سلیم کا نام آتے ہی انار کلی کی رنگت سرخ پڑ گئی۔ دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔

"میں کچھ دیر سوؤں گی۔" انار کلی نے وہاں سے اٹھنے میں ہی عافیت جانی' مبادا کوئی اس کے دل کا حال نہ جان لے۔

☼ ☼ ☼

مہرالنسا دوپہر کا کھانا کھا کر لیٹیں تو ان کی آنکھ لگ گئی۔ ماہ نور انہیں سوتا پا کر باہر پچھلے صحن میں جا کر بیٹھ گئی۔ اس پر عجیب بے کلی سی طاری تھی۔ دل کے نہاں خانوں میں عاشر بسنے لگا تھا۔ جتنا یہ خیال جھٹکنے کی کوشش کرتی' اتنا ہی اس کی شدت میں اضافہ ہوتا' وہ خود کو اپنی حیثیت یاد دلا دلا کر تھکنے لگی تھی۔ اسی اثنا میں اس کی والدہ اور چھوٹی بہن اس سے ملنے چلی آئیں' کیونکہ وہ جب سے یہاں آئی تھی اپنے گھر نہیں جا سکی تھی۔

"کیا ہوا دھیے... تو ٹھیک تو ہے نا؟" ماہ نور کی والدہ نے اسے خاموش اور الجھا ہوا دیکھ کر پوچھا۔

"ہاں اماں ٹھیک ہوں۔" ماہ نور نے جواب دیا۔

"بیگم صاحبہ کہہ رہی تھیں کہ رشنا بی بی کی شادی تک ماہ نور رک جائے۔ پھر تجھے گھر بھیج دیں گی۔" ماہ نور کی والدہ نے کہا۔

"جی... اب میم بہتر ہیں' ان کا زخم بھر گیا ہے۔ چند دن میں چلنے پھرنے لگیں گی۔" ماہ نور نے کہا۔

"بس... پھر ٹھیک ہے' تو کیوں پریشان ہو رہی ہے۔" اماں نے کہا۔

"باجی! یہ جو چھوٹے صاحب ہیں' کتنے سوہنے ہیں' اتنے آرام سے ہم سے بات کر رہے تھے اور مجھے پیسے بھی دیے ہیں۔" ماہ نور کی چھوٹی بہن نے کہا۔

"چپ کر... فضول بولتی رہتی ہے۔" ماہ نور نے ڈپٹا اور اپنے دھڑ دھڑ کرتے دل کو سنبھالا۔ "میں دیکھوں میم اٹھ نہ گئی ہوں۔" وہاں سے ماہ نور نے جانے کا بہانہ ڈھونڈا' کہیں اس کی ماں اس کے چہرے پر عاشر کا نام نہ پڑھ لے۔

"ہاں دھیے تو جا... ہم بھی جاتے ہیں۔" اماں نے کہا اور ماہ نور کو گلے لگا کر رخصت ہو گئی۔

☼ ☼ ☼

شہزادہ سلیم کی آنکھ اس صبح بہت جلد کھل گئی۔ باہر ابھی ملگجا سا اندھیرا تھا۔ شہزادہ سلیم خواب گاہ سے نکل کر جھروکے میں آن ٹھہرا۔ وہاں سے پائیں باغ کا منظر صاف دکھائی پڑتا تھا۔ کنج گلاب میں ایک حسینہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ انار کلی ہے۔ شہزادے نے شب خوابی کا لباس تبدیل کیا اور تقریباً" بھاگتا ہوا انار کلی کے پاس پہنچا۔

"انار کلی..." شہزادے نے ہلکی سی آواز سے اسے متوجہ کیا۔

"صبح بخیر صاحب عالم..." انار کلی آداب بجا لائی۔

"صبح بخیر... تم اس وقت تنہا یہاں کیا کر رہی ہو۔" شہزادے نے پوچھا۔

"تنہا تو نہیں' پھولوں کے ساتھ ہوں۔ پھولوں سے ہی باتیں کر رہی ہوں۔" انار کلی اک ادا سے مسکرائی۔

"لیکن صاحب عالم آپ اس وقت یہاں کیسے؟" حسن

سراپا سوال ہوا۔

"میں انار کلی کی پھولوں سے گفتگو سننے آیا ہوں۔" عشق نے جواب دیا۔

"کنیز حکم کی منتظر ہے۔" حسین انار کلی گویا ہوئی۔

"یوں ہی سامنے بیٹھی رہو۔" شہزادے نے حکم دیا۔

"صاحب عالم... آپ..." انار کلی سٹپٹائی۔

"میں دل کے ہاتھوں مجبور ہوں۔ تمہاری محبت نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا۔" شہزادہ بولا۔

"آپ مستقبل کے شہنشاہ ہند ہیں۔ میں ایک ادنیٰ کنیز صاحب عالم ہوش میں آئیں۔" انار کلی نے کہا۔

"تم نے بے خود کر دیا ہے مجھے، ہوش کھو دیے ہیں میں نے... نہیں چاہیے مجھے تخت و تاج... صرف تم اور صرف تم چاہیے ہو۔" شہزادہ سلیم نے انار کلی کے ہاتھ تھام کر اسے خود سے قریب کر لیا۔

"صاحب عالم..." انار کلی نے کچھ کہنا چاہا۔

"کچھ مت کہو انار کلی... کہو تو صرف اتنا کہ تمہیں بھی مجھ سے محبت ہے... کہہ دو... تمہیں مجھ سے محبت ہے۔" انار کلی کے لب کپکپائے۔ اس نے اپنا سر جھکا لیا۔

شہزادہ سلیم بے خود ہو گیا اور وہیں دو زانو بیٹھ گیا۔ دونوں خود فراموشی کی حالت میں وہیں بیٹھے تھے۔ سورج کی کرنیں ان پر پڑیں تو انہیں ہوش آیا۔

"صاحب عالم! میں چلتی ہوں، آپ بھی جائیے اپنی خواب گاہ میں... کسی کو پتا چل گیا تو... کسی نے دیکھ لیا تو..." انار کلی متوحش تھی۔ شہزادے نے اسے جاتے دور تک دیکھا اور پھر بھاری قدموں سے اپنی خواب گاہ میں لوٹ آیا اور انار کلی... انار کلی بڑبڑاتا مسہری پر اوندھا لیٹ گیا۔

☼ ☼ ☼

عاشر جاگنگ کے لیے نکل رہا تھا کہ لان پر نظر پڑی۔ تو ایک کونے میں سنگی بنچ پر ماہ نور بیٹھی نظر آئی۔ وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا اس کے پاس آیا اور ہولے سے آواز دی۔

"ماہ نور..." ماہ نور نے چونک کر اسے دیکھا۔ "تم اس وقت یہاں... دادی کہاں ہیں۔"

"ان کی طبیعت رات کو کچھ خراب ہو گئی تھی، دوا لی تھی۔ اب سو رہی ہیں، میں نے جگانا مناسب نہیں سمجھا۔" ماہ نور نے تفصیل بیان کی۔

"تو اکیلی یہاں کیا کر رہی ہو؟" عشق نے سوال کیا۔

"پھولوں سے باتیں۔" حسن کا جواب بر محل تھا۔

عاشر دو قدم آگے بڑھ کر اس کے قریب ہوا۔

"کیا باتیں ہو رہی تھیں، ذرا میں بھی تو سنوں۔" عاشر شرارت پہ آمادہ ہوا۔

"سر آپ... آپ جائیں یہاں سے..." ماہ نور سٹپٹائی۔

"نہیں جا سکتا... تم نے باندھ لیا ہے مجھے۔" عاشر لاچاری سے بولا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا..." ماہ نور نا سمجھی سے بولی۔

"مطلب تم جانتی ہو۔ دیوانہ کر رکھا ہے مجھے، دل چرا لیا ہے میرا۔" عاشر نے کہا۔

"آپ بزنس ایمپائر کے مالک میں ایک معمولی ملازمہ..." ماہ نور سراسیمہ تھی۔

"مجھے کچھ نہیں چاہیے تمہارے سوا۔" وہ بے خود ہو رہا تھا۔

"سر... ہوش میں آئیں۔" ماہ نور بولی۔

"مجھے کسی کی پروا نہیں... بس تم میرا ساتھ دو... میری ہو جاؤ، میں ساری دنیا سے ٹکرا جاؤں گا۔" عاشر نے کہا۔

"سر آپ کے والدین..." ماہ نور نے کہا۔

"میں انہیں بھی منا لوں گا۔ عاشر نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"آپ... آپ..." ماہ نور نے پھر کچھ کہنا چاہا۔

"کچھ مت کہو، کہنا ہے تو صرف یہ کہو کہ تمہیں بھی مجھ سے محبت ہے۔" عاشر نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور اس کے پاس دو زانو ہو بیٹھا۔

دو دل ایک لے پر دھڑک رہے تھے۔ عاشر، ماہ نور کی پلکوں پہ خواب سجانے لگا۔ سورج کی کرنیں ان پر پڑیں تو ماہ نور سٹپٹا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آپ جائیں یہاں سے... کوئی آگیا تو... میں جاتی ہوں میم جاگ گئی ہوں گی۔" ماہ نور پریشان ہو کر بھاگی۔ عاشر بھی بوجھل قدموں سے اپنے کمرے میں چلا آیا او بیڈ پر لیٹ کر ماہ نور کو سوچنے لگا۔

☆ ☆ ☆
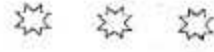
اگرچہ محبت کی دیوی ان پہ مہربان تھی۔ حسن کے دل میں وسوسے تھے۔ کھو دینے کے خدشات تھے۔ طبقاتی فرق انہیں ہراساں کر بیٹھا ہے' وہ ایفا کیسے ہو گا۔ شاہی محل میں شہزادہ سلیم اور انار کلی کے متعلق چہ میگوئیاں ہو رہی تھی۔ غلام گردشوں میں ان کی محبت کی باس پھیل رہی تھی' لیکن ابھی تک شہنشاہ ہند بے خبر تھا۔

☆ ☆ ☆

دوسری جانب عنیزہ اور مہرالنسا بھی کچھ کھٹک گئی تھیں۔ ماہ نور کی بے کلی' عاشر کی پرشوق نگاہوں کا طواف سب انہیں الجھا رہا تھا۔ شادی میں شرکت کے لیے فروا بھی اپنی فیملی کے ساتھ آگئی تھی' لیکن عاشر کا اس کے ساتھ رویہ بھی ناقابل فہم سا تھا۔ اس کا لیا دیا انداز عنیزہ بیگم کو کسی شک میں مبتلا کرنے کے لیے کافی تھا' لیکن فروا نے آنے کے بعد اسے اپنے ساتھ مصروف کر لیا تھا۔ شاپنگ اور ڈنرز کے علاوہ جاگنگ کے لیے بھی وہ عاشر کے ساتھ ہی جاتی۔

☆ ☆ ☆

قلعہ لاہور کے شیش محل میں جشن نوروز منایا جا رہا تھا۔ یوں تو پورا شہر اور قلعہ شہنشاہ ہند کے جاہ و جلال اور شان و شوکت کا آئینہ دار تھا' مگر حرم شاہی کی رونق اور شان کا کوئی مقابلہ نہ تھا۔ اس رات رقص و سرور کی محفل کا آغاز ہونے والا تھا۔ اکبر اپنے تخت پر براجمان تھا۔ بیگمات اور شہزادیاں بھی موجود تھیں۔

کنیزیں دست بستہ کھڑی تھیں۔ غلام مورپنکھ جھل رہے تھے۔ ایک خواجہ سرا تحائف کے تخت کے پاس کھڑا تھا۔ سلیم اپنے لیے مخصوص تخت پر جا بیٹھتا ہے۔

انار کلی بناؤ سنگھار کیے شعلہ جوالہ بنی ہوئی ہے۔ وہ شہزادہ سلیم پر ایک نظر ڈالتی ہے اور نگاہیں جھکا لیتی ہے۔ پہلے وہ غزل سرا ہوئی' پھر اس نے رقص شروع کیا۔ موسیقی کی لے پر انار کلی کے تھرکتے قدموں نے سب کو مسحور کر دیا۔ رقص ختم ہوتے ہی شہنشاہ ایک مالا لیے اس کی جانب بڑھا۔ انار کلی کورنش بجالائی اور اکبر نے اس کے گلے میں بیش قیمت مالا ڈال دی۔

شہزادہ سلیم نے شہنشاہ سے انار کلی کو داد دینے کی اجازت چاہی اور اجازت ملتے ہی اپنے گلے سے ایک قیمتی ہار اتار کر اسے دیا۔ انار کلی نے ہار لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو شہزادے نے شہنشاہ کی نظر بچا کر اس کا ہاتھ تھام لیا اور ہلکا سا دبا کر چھوڑ دیا۔ شیش محل کی شیشوں میں یہ حرکت شہنشاہ کی نگاہ سے اوجھل نہ رہ سکی۔ انہوں نے پہلو بدلا اور پھر انار کلی کو دوبارہ گیت اور رقص کا حکم دے دیا۔ انار کلی' شہزادہ سلیم کا لمس اور اس کی توجہ کا جام پی کر بے خود ہو چکی تھی۔ اب جو رقص کا آغاز کیا تو شہزادہ سلیم پہ نگاہیں مرکوز تھیں۔ وہ بے باک ہوئی جا رہی تھی۔ اب وہ پیار کیا تو ڈرنا کیا کی عملی تفسیر بنی ہوئی تھی تو سلیم نے بھی ہوش کھو دیے۔ محفل دونوں کی بے خودی پہ انگشت بدنداں رہ گئی۔ اکبر' انار کلی کی جرات پہ حیران تھا تو شہزادہ سلیم کی حماقت پہ غضب ناک... وہ غصے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے کھڑے ہوتے ہی ساری محفل کھڑی ہو گئی۔ انار کلی کے رقص کرتے قدم تھم گئے۔ سازندوں کے بجتے ساز خاموش ہو گئے۔ شہزادہ سلیم سراسیمہ ہو گیا۔ شہنشاہ اکبر نے تالی بجائی۔

"جی عالی جاہ..." ایک نگراں آگے بڑھا۔

"اس بے باک عورت کو لے جاؤ اور زندان میں ڈال دو۔" شہنشاہ نے انار کلی کی جانب اشارہ کر کے حکم دیا۔

"ظل الٰہی خدا کا واسطہ..." انار کلی کی ماں نے دہائی دی۔ "خاموش...!" شہنشاہ غصے سے دھاڑا۔ شہنشاہ کی جانب شہزادہ سلیم نے بڑھنے کی کوشش کی تو شہنشاہ نے اس پر ایک قہر آلود نظر ڈالی اور ایک طرف دھکیل کر چلا گیا۔

☼ ☼ ☼ ☼

آج رشنا کی مایوں کی تقریب تھی۔ جس کا انتظام احسن ولا کے لان میں کیا گیا تھا۔ اگرچہ سیارا بنگلہ ہی بقعہ نور بنا ہوا تھا' لیکن لان کی شان نرالی تھی۔ ماہ نور نے عنیزہ کا دیا ہوا سوٹ زیب تن کیا' ہلکا سا میک اپ کیا اور مہرالنسا کے ساتھ تقریب میں چلی آئی۔ مہرالنسا کا زخم بھر چکا تھا۔ اب وہ وہیل چیئر کے بغیر چل پھر سکتی تھیں۔ ماہ نور کو فارغ اس لیے نہیں کیا تھا کہ کہیں رشنا کی شادی کے ہنگاموں میں دادی اگنور نہ ہو جائیں۔ مہرالنسا کو ایک آرام دہ صوفے پر بٹھا کر وہ بھی ایک طرف بیٹھ گئی۔ رشنا اسٹیج پر بیٹھی تھی۔ اس نے اشارے سے ماہ نور کو بلایا۔

"لاؤنج میں گجروں اور پھولوں کی باسکٹ پڑی ہے وہ تو اٹھا لاؤ۔" رشنا نے کہا۔

"جی ابھی لائی۔" ماہ نور نے جواب دیا۔ گجروں کی باسکٹ اٹھا کر واپس مڑی تو عاشر کو دروازے میں ایستادہ پایا۔

"راستہ دیں پلیز۔" ماہ نور نے ہولے سے کہا۔

"اونہوں... پہلے تمہیں جی بھر کے دیکھ تو لوں' اتنے دن ہو گئے تمہیں صحیح طرح سے دیکھا نہیں۔" عاشر نے پیاسی نظروں سے دیکھا۔

"ہٹیں' مجھے جانے دیں' کوئی آ گیا تو..." ماہ نور نے کہا۔

"کوئی نہیں آتا' سب باہر مصروف ہیں۔" وہ دو قدم آگے بڑھا۔

"انہوں نے مجھے گجرے لانے کے لیے بھیجا تھا۔" ماہ نور نے سائیڈ سے ہو کر نکلنا چاہا۔

"اچھا ٹھہرو' یہ گجرا تو پہن لو..." عاشر نے باسکٹ سے ایک گجرا اٹھا کر اس کی کلائی میں پہنا دیا۔ ماہ نور مسکرا دی۔ اس کا ہاتھ عاشر کے ہاتھ میں تھا۔ اس کی پلکیں لرزنے لگیں۔ وہ دھیرے سے بولی۔

"اب جاؤں..."

"اب ہاتھ چھوڑنے کا دل نہیں چاہ رہا۔" عاشر نے بے چارگی سے کہا۔ اسی وقت عنیزہ اور احسن کمال کسی کام سے اندر آ رہے تھے۔ یہ منظر دیکھا تو ٹھٹک کر رک گئے۔ ماہ نور سر جھکائے کھڑی تھی۔ اس کے لب کپکپا رہے تھے۔ اس کا ہاتھ عاشر کے ہاتھ میں تھا اور عاشر پر شوق نگاہوں سے اسے تک رہا تھا۔ دونوں اردگرد کے ماحول سے بے گانہ تھے۔ یہ منظر دیکھ کر عنیزہ بیگم کا خون کھول اٹھا' وہ تلملا کر آگے بڑھیں' لیکن احسن کمال نے انہیں روک دیا اور لے کر دوسری طرف چلے گئے۔

"دیکھی آپ نے اپنے صاحب زادے کی حرکتیں... اس کی حماقت..." عنیزہ غضب ناک تھیں۔ "آپ مجھے ادھر کیوں لے آئے' میں اس حرافہ کو..."

"ریلیکس عنیزہ... یہ وقت ہوش کھونے کا نہیں۔ دیکھو ابھی وہ ہم سے اپنی یہ حماقت چھپا رہا ہے' تو ہمیں بھی انجان بن جانا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ بغاوت پہ اتر آئے۔" احسن نے کہا۔

"لیکن اگر فروا اور اس کی فیملی کو اس بات کی بھنک بھی پڑ گئی تو..." عنیزہ نے کہا۔

"ایسا کچھ نہیں ہونے والا۔ اس سے پہلے ہی ماہ نور کو منظر سے ہٹا دیں گے' آج رات ہی یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔" احسن کمال کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

شہزادہ سلیم اور انار کلی کے عشق کا راز طشت از بام ہو چکا۔ انار کلی زندان میں ہے۔ شہزادہ سلیم کو نا محسوس طریقے سے نگرانی میں لے لیا گیا ہے۔ انار کلی کی والدہ انار کلی کی رہائی کے لیے جہاں پناہ کی منتیں کر رہی ہے۔ سفارشیں اور التجائیں کر رہی ہے' مگر سب بے سود... شہنشاہ کے حرم کی کنیز کا شہزادہ سلیم کی محبت میں گرفتار ہونا اور اس راز کو شہزادے پر عیاں کرنا ناقابل معافی جرم تھی۔ شہنشاہ نے اسے عبرت ناک سزا دینے کا حتمی

فیصلہ کرلیا اور انار کلی کو زندہ دیوار میں چنوا دینے کا حکم دے دیا۔ محبت ناکام ہو جائے تو سزا صرف عورت کو ملتی ہے اور اگر عورت انار کلی ہو تو دیوار میں چن دی جاتی ہے۔

☆ ☆ ☆
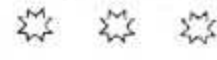
تقریب ختم ہوتے ہی احسن کمال نے رمضان اور اس کی بیوی کو بلوایا اور حکم دیا کہ "ابھی اور اسی وقت ماہ نور کو لے کر یہاں سے دور چلے جائیں۔ صبح تک انہیں کوارٹر خالی چاہیے۔"

"صاحب جی رحم کریں.... میرے بچوں کو سر سے چھت اور میری روزی نہ چھینیں۔" رمضان نے التجا کی۔

"دو دن میں ماہ نور کی شادی کردو پھر چلے آنا۔" احسن کمال نے گویا رحم دلی سے کام لیا۔

"صاحب جی اتنی جلدی کیسے شادی کریں۔ کیا' کیا ہے ماہ نور نے....؟" رمضان کی بیوی نے کہا۔

"تمہاری بیٹی محلوں کے خواب دیکھ رہی ہے' ایسا نہ ہو کہ تمہارے منہ پر کالک مل دے۔" عنیزہ بیگم نے حقارت سے کہا۔ دونوں دم بخود رہ گئے۔ مرے مرے قدموں سے ماہ نور کو ساتھ لیے چلے آئے۔ ماہ نور بالکل خاموش تھی۔ حیثیت سے بڑھ کر خواب دیکھے جائیں تو سزا بھگتنی پڑتی ہے۔

☆ ☆ ☆

اگلے دن ماہ نور کا نکاح اس کے چچازاد شفیع مستری کے ساتھ کردیا گیا جو رنڈوا اور دو بچوں کا باپ تھا۔

"بات سن او نوری.... یہ یکایک چاچا میرے ساتھ تیری شادی پہ کیسے مان گیا۔ بول کیا گل کھلائے ہیں تونے شہر میں....؟" شفیع نے کہا۔ ماہ نور نے اسے نظر اٹھا کر دیکھا اور چپ رہی۔ اس نے کچھ نہ کہا۔

"بول ایسا کیا کام کیا تونے.... اتنی خوب صورت ہے تو تجھے تو کوئی بھی کنوارہ لڑکا مل سکتا تھا' پھر یکایک میں ہی کیوں؟" شفیع کے لہجے میں شک کے ناگ پھنکار رہے تھے۔

"ایک سال سے تو میرا رشتہ ابا سے مانگ رہا تھا' اب شادی ہو گئی ہے' پھر بھی تجھے اعتراض ہے۔" ماہ نور نے کہا۔

"سالی بڑی زبان چلتی ہے تیری۔" شفیع نے اس کے بال پکڑ کر کھینچے' تکلیف سے ماہ نور کراہی۔ شفیع اسے بالوں سے پکڑے پکڑے چولہے کے پاس لے گیا اور چولہے کی راکھ اٹھا کر اس کے چہرے پر مل دی۔

"آج کے بعد اسی حلیے میں رہنا۔" شفیع نے اسے ایک طرف دھکیلا۔ ٹوٹے خوابوں کی کرچیاں ماہ نور کے دل میں پیوست ہو گئیں اور آنکھوں سے لہو بہنے لگا۔ شفیع نے کھڑکیوں کے پٹوں پر کیل ٹھونک دیے۔ باہر جاتا تو دروازے پر تالا ڈال جاتا۔ ماہ نور کو کسی سے بھی میل جول رکھنے پر پابندی لگادی تھی۔ گویا ماہ نور پر ہر روزن بند کردیا تھا۔

☆ ☆ ☆

وقت کا پہیہ آگے سرکا۔ شہزادہ سلیم نے شہنشاہ اکبر کا تخت و تاج سنبھال لیا اور جہانگیر کا لقب اختیار کیا۔ شہنشاہ ہند جہانگیر کا دربار سجا تھا۔ شہنشاہ پورے کروفر کے ساتھ اپنے تخت پر براجمان تھا اور اس کی پیاری ملکہ نور جہاں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

دن گزرتے جارہے تھے۔ ماہ نور کملا کر رہ گئی تھی۔ چہرے پر راکھ تھوپے میلے کچیلے کپڑوں کے ساتھ وہ چپ چاپ پڑی رہتی۔ کئی کئی دن بال الجھے رہتے۔ جس دن بال سنوارتی اس دن شفیع سے مار کھاتی۔ اس روز شفیع کا بڑا بیٹا پکوڑے لایا۔ پکوڑے کھا کر اس نے اخبار کا ٹکڑا پھینک دیا۔ اگلے روز جھاڑو پھیرتے ہوئے ماہ نور کی نظر اخبار کے اس ٹکڑے پر پڑی۔ اس نے چونک کر اخبار اٹھائی۔ خبر لگی تھی۔ ملک کے مشہور معروف بزنس مین عاشر کمال اپنی شادی کے موقع پر اپنی دلہن فروا کے ساتھ۔ عاشر مسکرا رہا تھا۔ فروا نے پورے استحقاق کے ساتھ عاشر کے کندھے پر ہاتھ رکھا ہوا تھا۔ ماہ نور کی آنکھوں سے دو آنسو نکلے اور اس نے اخبار مروڑ کر ڈسٹ بن میں ڈال دیا۔

کمزور دیوار میں چن دی گئی
طاقت ور کو نور جہاں مل گئی

☆ ☆

ریحانہ آفتاب

آہستہ آرزوئیں

وریشہ کو بچپن سے سجنے سنورنے کا شوق تھا۔ چوری چھپے امی کی لپ اسٹک لگا کر، گھنٹوں مختلف زاویے سے چہرے کو آئینے میں دیکھتی رہتی۔ شومیٔ قسمت ثروت کی نظر پڑ جاتی تو وہ اس کے وہ لتے لیتیں کہ وریشہ آنسو بہاتے اپنی خواہش کو ٹشو سے رگڑ رگڑ کر مٹا دیتی۔

ثروت ہٹلر کی جانشین تھیں۔ گھر میں ایک پتا بھی ان کی مرضی کے خلاف نہیں ہلتا تھا۔ اکرم صاحب کا شروع سے ہی دبو مزاج تھا۔ باپ کے آگے ان کی گھگھی بندھ جاتی تھی۔ والدہ بے شک نرم طبع اور جابر شوہر کے آگے گونگی بن گئی تھیں۔ ایسے میں ثروت کی آمد ان کے گھر ہوئی۔ اکرم صاحب کے والد سفر آخرت کو سدھارے تو ثروت کا حاکمانہ مزاج عود کر لوٹ آیا۔ جو سسر کے آگے کہیں دب گیا تھا۔ ساس بے چاری کبھی میاں کے آگے نہ بولی تھیں، اب بہو کے آگے خاک بولتیں۔ چپ چاپ زندگی بسر کر رہی تھیں۔

ثروت جہاندیدہ بھی تھیں۔ ان کے کیے فیصلے سے ہمیشہ فائدہ ہی ہوتا تھا۔ سو اکرم صاحب نے کبھی چوں تک نہ کی۔ ہر فیصلہ وہ کرتی تھیں۔ وریشہ ان کی اکلوتی اولاد تھی۔ ثروت کی ہی خواہش تھی کہ وہ بس ایک بچی کی اچھی تعلیم و تربیت کریں۔ اکلوتی ہونے کی وجہ سے ثروت کی کڑی نگاہ وریشہ پہ رہتی تھی۔ وریشہ کا اسکول، ٹیوشن، کپڑے، بالوں کا اسٹائل سب کچھ ثروت کی مرضی سے ہوتا تھا۔

وریشہ جب چھوٹی تھی اسے سلیولیس پھولے پھولے انڈین اسٹائل فراک اور گھاگھرا چولی بہت پسند تھے۔ مگر ثروت نے کبھی ان کپڑوں کی طرف دیکھنے بھی نہیں دیا۔ ذرا اور بڑی ہوئی تو لمبے گھنے بال کٹوانے کی خواہش جاگی۔ ثروت نے اپنی لاش پر سے گزرنے کا اعلان کر دیا ایسا کروانے پہ۔

"جتنی حسرتیں، خواہشیں ہیں سب میاں کے ہاں جا کے پوری کر لینا۔ سلیولیس پہنو یا گھاگھرا چولی۔ میری بلا سے۔ لڑکی کی تربیت کوئی آسان تھوڑی ہے۔ دس لوگ باتیں بنانے کو تیار ہو جاتے ہیں ذرا سی اونچ نیچ ہو جائے تو۔ اور لڑکیوں کو سجنے سنورنے میک اپ کرنے کی بھلا ضرورت ہی کیا ہے، بلاوجہ گلی محلے کے لڑکوں کی نگاہ ہمارے دروازے پر ٹنگ جائے گی۔"

وریشہ کی معصوم صورت دیکھ کر دادی نے ایک دن حمایت کی تو ثروت نے اپنے نادر خیالات کا اظہار کرتے انہیں چپ کرا دیا۔ اور وریشہ نائنتھ میں آئی تو ثروت کو اس کے لیے لڑکا دیکھنے کی فکر ستانے لگی۔ ہر آئے گئے سے کہلوایا۔ وہ میٹرک میں آگئی۔ ثروت کی راتوں کی نیندیں اڑنے لگیں۔ اتفاق سے ثروت کی دور کی رشتے دار ملنے آئیں تو ثروت نے ان سے بھی اچھا لڑکا نظر میں رکھنے کا کہہ دیا۔ ان کی باچھیں چیر

گئیں۔ لگے ہاتھوں انھوں نے اپنے بیٹے کی تصویر (جو پرس میں ہی پڑی رہتی تھی) دکھادی ثروت تو جیسے کھل گئیں۔ انھوں نے ساس اور اکرم صاحب کو بھی تصویر دکھائی۔

"لڑکے کی عمر زیادہ لگ رہی ہے۔" ساس کو اس عمر میں کم نظر آتا تھا مگر پوتی کے لیے لڑکے کی تصویر سے ہی لڑکے کی عمر کا تعین کرلیا۔

"جی پورے چودہ سال بڑا ہے' وریشہ سے۔" ثروت نے آرام سے اطلاع دی۔

"عمروں میں چودہ سال کا فرق بہت بڑا فرق ہے۔ مزاج ..." ثروت نے اکرم صاحب کی بات مکمل ہونے سے پہلے لڑکے کی تصویر پلنگ پہ پھینک کے سخت تیوروں سے دیکھا۔

"تو پھر ٹھیک ہے۔ آپ کی بیٹی سولہ سال کی ہونے لگی ہے۔ کوئی سترہ اٹھارہ سال کا لڑکا ڈھونڈ لیجیے۔ جو خیر سے اپنا کاروبار بھی کرتا ہو..... جس کے نام گھر بار بینک بیلنس بھی ہو۔" ثروت نے لفظ چبا چبا کے کہا۔

"سترہ اٹھارہ سالہ لڑکا اسٹیبلش کب تک ہوتا ہے۔" اکرم صاحب نے کمزور آواز سے کہا۔

"یہی تو میں سمجھانا چاہ رہی ہوں۔ اسفندیار ہر لحاظ

سے قابل ہے۔ اس کی صرف عمر زیادہ ہے اور عمروں میں کیا رکھا ہے۔ شادی کے بعد... لڑکی بچوں کے بعد یوں بھی شوہر سے بڑی لگنے لگتی ہے۔" ثروت کی دلیل پہ ماں بیٹا چپ رہ گئے۔ یوں وریشہ کے میٹرک کرنے کے بعد شادی کی تاریخ طے ہوگئی۔

کیا ہو رہا ہے۔ کیوں ہو رہا ہے۔ وریشہ کو ان باتوں سے کوئی لینا دینا نہیں تھا۔ اسے تو بس انتظار تھا کہ جلد سے جلد شادی ہو جائے۔ اسے اپنی وہ تمام آرزوئیں خواہشیں یاد آنے لگیں، جو ثروت نے اسے "شادی کے بعد" کرنے کا کہہ رکھا تھا۔ دن رات وہ ان چیزوں کو انگلیوں پر گنتی رہتی۔ وہ دن بھی آگیا۔ اسفند یار اپنے نام کی طرح بارعب تھا۔ اونچا لمبا سلجھا ہوا۔ ہر کسی نے ثروت کی پسند کو سراہا تھا۔ وریشہ کی قسمت پہ رشک کر رہا تھا۔ صبح اٹھ کے جسم کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔ بخار نے بھی آلیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"یہ ہوتی ہے۔ شادی۔" اس نے حیرت سے آئینے میں اپنے چہرے کو دیکھتے اس بیگ کو حسرت سے دیکھا جو وہ وقت زوجیت ساتھ لائی تھی۔ اس میں وہ تمام چیزیں تھیں جو وہ نجانے کب سے جمع کر رہی تھی۔ رنگ برنگے کلپ، لپ اسٹک۔ ٹی شرٹ اور تنگ جینز، وہ چیز جو ثروت شادی کے بعد کا کہتیں۔ اور وہ اس بیگ میں منتقل ہو جاتی۔

ولیمہ کے بعد دعوتوں کا سلسلہ شروع ہوا تو اسے اپنی تشنہ آرزوئیں پوری کرنے کا موقع ملا۔ بہت دل لگا کر تیار ہوئی۔ ریڈ لپ اسٹک لبوں پر پھیرتے وہ نہایت سرشار تھی۔ اسفند نے اس کی تیاری کو حیرانی سے دیکھا۔

"تمہیں میک اپ سینس بالکل نہیں ہے۔ ہم لنچ پہ انوائیٹڈ ہیں اور اتنی گرمی میں، تم نے یہ ریشمی جوڑا پہنا ہے اور ریڈ لپ اسٹک لگا کر سمجھو آگ لگادی۔" لہجہ اتنا طنزیہ تھا کہ وریشہ کا سارا جوش جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

"آج سے تم میری منتخب کی ہوئی چیزیں استعمال کرو گی۔ جا کر منہ دھو اور یہ لائٹ پنک سوٹ پہنو۔" اسفند نے الماری سے سوٹ نکال کر بیڈ پر پھینکا۔ وریشہ شکستہ قدموں سے واش روم کی طرف بڑھ گئی۔ معصوم خواہش کو پانی میں بہتا دیکھ کر اس کا دل کرلانے لگا تھا۔ ابھی شادی کو مہینہ ہوا تھا کہ اللہ نے اس کی گود ہری کردی۔ اس کا ہر چیز سے جی الٹنے لگا۔ کم عمری، ناتجربہ کاری اور ایسی ویسی دوست کے "مفید مشورے" کچھ نہ تھے۔ اٹھتے بیٹھتے چلنے پھرنے میں جتنی تنگ ہوتی بیٹھ کر رونے لگتی۔ خدا خدا کرکے تکلیف دہ عمل کے بعد اک پیاری سی بیٹی اس کے پہلو میں آئی، تو اس کے لب مسکرادیے۔ ابھی وہ بیٹی کے ڈائپر بدلنے کے قابل بھی نہ ہوئی تھی کہ فقط دو ماہ کے وقفے سے پھر اس کا جی الٹنے لگا۔ اک سن میں دو بیٹیوں کی پیدائش نے اسے حواس باختہ کردیا۔ بیٹیاں ذرا بڑی ہوئیں تو اسے اپنی تشنہ آرزوئیں پھر سے ستانے لگیں۔

☼ ☼ ☼

بڑی بیٹی کی پانچویں سالگرہ تھی۔ وہ بہت دل سے تیار ہوئی تھی۔

"تمہیں آج تک یہ بات سمجھ نہیں آئی کہ مجھے چیختا چلاتا میک اپ پسند نہیں، دو بیٹیوں کی ماں بن گئی ہو اب تو اسکول گرل کی حرکتیں چھوڑ دو۔" اسفند یار نے ناگواری سے کہا تھا۔

ثروت کے آگے دم نہ مارنے والی اسفند یار کے آگے بھی خاموش رہ گئی۔ اپنی ساری چیزیں ڈسٹ بن میں ڈالتے اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

کچھ آرزوئیں تشنہ ہی رہتی ہیں۔ لیکن اس نے عہد کیا تھا وہ اپنی بیٹیوں کی کسی آرزو کو تشنہ نہیں رہنے دے گی۔ خواہ اس کے لیے اسے اسفند یار سے ٹکرانا ہی کیوں نہ پڑتا۔ کیونکہ وہ پھر کسی لڑکی کی آرزوؤں کو تشنہ نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔

☼ ☼

طلعت نفیس
آبلہ پا

پوری رات کی ذہنی اذیت نے اس کے آدھے سر کو دکھا دیا تھا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ اس کی آزمائش ہے یا اس کے جیون ساتھی کی۔۔۔ ابتدائی پانچ سال گزرے وقتوں کی ہولناکی کے ساتھ سامنے کھڑے تھا۔

"واؤ ممّا آپی کی شادی۔۔۔" پندرہ سالہ نوال گول گول گھومنے لگی۔ ابو بھی اس کو دیکھ کر زیر لب مسکرا دیے تھے۔

طاہرہ کی شادی کو تقریباً" تیس سال کا عرصہ ہو رہا تھا اللہ نے ان کو صرف چار بیٹیاں عطا کی تھیں۔ بیٹا کوئی نہ تھا مگر اللہ بھلا کرے میاں جی کا کہ انہوں نے اس بات کو لے کر کبھی منہ نہ بنایا۔ ان کی جان ان چاروں میں تھی۔ منال، مثال، نوال اور سب سے بڑی فریال۔۔۔

اللہ بخشے جب تک رابعہ بیگم یعنی فریال کی دادی زندہ رہیں۔۔۔ وہ چاروں کو دیکھ کر آہیں بھرتیں اور کہتیں کہ۔۔۔ "یا ربا اگر ایک بیٹا دے دیتا تو تیرے خزانے میں کون سی کمی آجاتی۔۔۔"

"اماں ایسے نہ بولا کریں یہ تو میری چار پریاں ہیں۔۔۔" وہ نوال کے ماتھے پر ہونٹ رکھ کر بولتے۔۔۔ شکر ہے وہ سکھ کا سانس لیتی کہ بچیوں کو وہ بہت پیار کرتے تھے جب ہی ان کے تمام عیبوں پر اس نے پردہ ڈالا ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

میرج ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ عقیل صاحب کی دونوں بیٹیوں کی بارات تھی۔۔۔ 80 کا دور تھا۔ اس زمانے میں بینکوئٹ یا لان کا تو کوئی سلسلہ نہ تھا۔ میرج ہال میں بھی خال خال لوگوں کے ہاں شادیاں ہوتی تھیں۔

طاہرہ اور سائرہ سجی سنوری اسٹیج پر بیٹھی تھیں کس کے آنکھیں بند کیے۔

پھر رخصتی کا شور ہوا اور دونوں بہنیں اپنی اپنی منزل کی جانب روانہ ہو گئیں۔

طاہرہ کے شوہر امجد شکل و صورت کے خاصے اچھے اور اسمارٹ تھے۔ جبکہ طاہرہ خوب صورتی میں بے مثال اور سائرہ عام شکل و صورت کی تھی۔ جبکہ فیصل نہایت ہی گہرے کلر کا مالک تھا۔

امجد ویسے تو طاہرہ کا بہت خیال رکھتا۔ مگر سائرہ کی شوخ و چنچل طبیعت کی وجہ اس کی نظریں سائرہ کے گرد گھومتی رہتیں۔ وہ موقع کی تلاش میں رہتا کہ کسی طرح وہ اس کا ہاتھ پکڑے اور اس کو اپنے چکر میں پھانس لے۔ جبکہ سائرہ اس کو سالی بہنوئی کا مذاق اور پیار سمجھتی۔

"طاہرہ، طاہرہ کہاں ہو؟" جب موبائل نہیں ہوتے تھے فون بھی بہت کم گھروں میں پایا جاتا۔

سائرہ اچانک دروازہ کو دھکیل کر اندر داخل ہوئی۔

"ارے سائرہ۔۔۔" امجد کی تو مانو دلی مراد بر آئی۔

"جی امجد بھائی، سائرہ کہاں ہے؟"

"وہ تو کل سے امی کی طرف گئی ہوئی ہے۔"

"آپ آفس نہیں گئے۔۔۔" سائرہ اس کی نظروں سے گھبرا رہی تھی۔۔۔ "اور آنٹی؟"

"وہ ایک ہفتہ کے لیے بڑی بھائی کی طرف گئی ہوئی ہیں۔۔۔ کوئی بات نہیں ڈیئر سالی۔۔۔ ہم تو ہیں۔" وہ خاصے لوفرانہ انداز میں بولا۔۔۔ وہ اس کی نظروں سے گھبرا رہی تھی۔۔۔

"وہ امجد بھائی پانی۔۔۔" وہ اس کے برابر میں بیٹھنے ہی والا تھا۔ شکر ہے کہ مین دروازہ کھلا تھا۔ جیسے امجد کچن کی طرف مڑا سائرہ نے باہر دوڑ لگا دی۔

☆ ☆ ☆

فریال کی شادی شروع ہو چکی تھی۔ سب دل کھول کر انجوائے کر رہے تھے۔ مگر خالہ، وہ تو ویسے ہی برا لیے دیے رہتیں۔ رہنے اور رکنے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

"امی۔۔۔ یہ ہماری سگی خالہ ہی ہیں نا۔۔۔ وہ ہم سے کیوں اتنا جلتی ہیں۔۔۔؟"

"نوال۔۔۔" فریال نے ٹہوکا دیا۔

"سب کی خالائیں کتنی اچھی ہوتی ہیں ایک ہماری خالہ ہیں۔۔۔" مثال نے بھی کہا۔

"تمہاری خالہ بھی بہت اچھی ہیں۔۔۔" نہ جانے کیوں امی کی آنکھیں جھلملا اٹھیں۔ "خالو نہیں چھوڑتے۔" انہوں نے شکوہ بھری نظروں سے شوہر کو دیکھا۔

"آپ خواہ مخواہ خالو کو الزام نہ دیں وہ تو بہت اچھے ہیں۔" نوال بولی۔

"تمہیں کام کرنا ہے تو کرو ورنہ یہاں سے جاؤ دماغ خراب مت کرو۔" امی نے غصے سے کہا۔

اور فریال کی شادی کے ہنگامے سرد پڑتے ہی پورا گھر نانوں کی نظر ہو گیا۔

☆ ☆ ☆

"فریال یار میں کتنا خوش نصیب ہوں جو مجھے تم اور اتنا پیار کرنے والے تمہارے گھر والے ملے۔" اس نے مردانہ پرفیوم کے اسپرے کا رخ فریال پر کیا۔

"خرم پلیز باز آجائیں مجھے پرفیوم سے الرجی ہے۔ جلدی کریں امی اور بھابی بالکل ریڈی ہیں۔" فریال بولی۔

"چلیں۔" اس نے خرم کی ناک کھینچی اور زرتار کپڑے سنبھالتی باہر بھاگ گئی۔

☆ ☆ ☆

ابو ناشتا کر کے کھڑے ہی ہوئے تھے کہ ڈور بیل بج اٹھی۔ ابو نے بڑھ کر دروازہ کھولا۔۔۔ فریال کو دیکھ کر امی ابو کے دل کی کلی کھل گئی۔۔۔ فریال ابو کے گلے لگ گئی۔

"اچھا بیٹا تم بہنوں کو اٹھالو میں چلتا ہوں۔۔۔" وہ بیگم کی طرف دیکھ کر بولے۔ اور آفس کے لیے نکل گئے۔

امی ان کے لیے ناشتا بنانے لگیں جب کہ وہ ان تینوں کو اٹھانے کے لیے ان کے کمروں کی طرف چلے گئے۔

"آپ نوال کو اٹھا دیں۔۔۔ اس کو ویسے بھی بڑے بھائی کا ارمان بہت تھا۔"

وہ کمرے میں داخل ہوا تو نوال سیدھی لیٹی ہوئی تھی اور اس کا ہاتھ آنکھوں پر دھرا تھا۔ ٹاپ کی آدھی مختصر سی آستینیں کندھے پر چڑھی ہوئی اس کی بغل کا زیریں حصہ بھی جھانک رہا تھا۔ جب کہ ٹراؤزر گھٹنے سے اوپر تھا۔ خرم نے اس کو دیکھا پھر دھیرے دھیرے اس کے بازو پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ وہ تھوڑا سا کسمسائی اس نے سائڈ ٹیبل پر رکھا پانی کا بھرا گلاس اس پر انڈیل دیا۔ وہ غصے سے اٹھی مگر خرم کو دیکھ کر بولی۔

"خرم بھائی۔۔۔ یہ کیا۔" وہ چند سیکنڈز قبل ہونے والی حرکت کو فراموش کر چکی تھی۔

"باجی آپ اپنے میاں کو دیکھ لیں۔۔۔" مما ان کی آوازیں سن کر وہیں آگئیں۔ انہوں نے نوال کو گھور کر دیکھا اور باتھ روم جانے کا اشارہ کیا۔

"چلو فریال یہ لوگ چینج وغیرہ کر کے آئیں گی تم لوگ ٹیبل پر چلو۔ ناشتا تیار ہے۔" فریال سمجھ گئی تھی کہ ماں کو یہ سب ناگوار گزرا ہے۔ اچانک ناشتا کرتے ہوئے خرم کا موبائل بج اٹھا

"اوہو۔۔۔ یہ کہاں سے ٹپک پڑا۔" خرم بولا۔

"کون ہے۔۔۔؟" فریال نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"آفس سے فون ہے۔۔۔" وہ بےزاری سے بولا۔

"یار میں نہیں آسکتا میں ویڈنگ لیو پر ہوں۔" خرم زچ ہو کر بولا۔

"اچھا چلو ایک گھنٹے کے لیے آتا ہوں۔" خرم تنگ آ کر بولا۔

"چلو یار ہو کر آتا ہوں۔" خرم نے چلتے چلتے نوال کو چپت لگائی۔

"باجی سنبھالیں انہیں۔۔۔" نوال اس کے پیچھے بھاگی وہ دروازہ بند کر کے باہر نکل گیا۔

"یہ کیا جھجھو رپن مچایا ہوا ہے تم لوگوں نے۔"
امی غصے سے بولیں۔ "اور تم سے کہا بھی تھا کہ ٹیبل پر انسانوں والے حلیے میں آنا مگر تم دوپٹا لیے بغیر اتنی چھوٹی آستینوں کے ساتھ خرم کے سامنے آگئیں۔"
امی غصے سے بولیں۔
"وہ بہن سمجھتے ہیں اس کو۔" فریال نے خرم کی سائیڈ لی۔
"کوئی بہن نہیں ہوتی' بہن وہ ہوتی ہے جسے اللہ تعالٰی نے بنایا ہو۔"
"آپ تو ہر ایک کو شک کی نگاہ سے دیکھتی ہیں۔"
مثال تنک کر بولی۔
"میں خرم کو اچھی طرح جان گئی ہوں کہ وہ ان سب کو اپنے بہنوں کی طرح مانتے ہیں۔" فریال دعوے سے بولی۔
"بیٹا یہ دعوا تو میں بتیس سالہ زندگی گزار کر بھی نہیں کر سکتی۔ ابھی تو تمہیں بتیس دن بھی نہیں ہوئے۔" امی نے آزردگی سے کہا۔
"اچھا لیں آپ بھی کیا یاد رکھیں گی آج لنچ ماہدولت بنائیں گے۔" مثال اور نوال نے موضوع بدلنے کی غرض سے کہا۔

☆ ☆ ☆

"یار تمہارے گھر جا کر بے حد مزا آتا ہے۔" خرم بیڈ پر دراز ہوتا ہوا بولا... "یہ تمہاری بہنیں نا بہت مزے دار ہیں۔" وہ تقریباً چٹخارہ لیتے ہوئے بولا۔
"اوہ ہو بس آ بھی جاؤ کیا ہر وقت رگڑائی کرتی رہتی ہو.... تم تو ویسے ہی ہماری جان ہو۔" خرم نے مخمور نگاہوں سے اس کو دیکھا۔
"بیڑہ غرق ہو گیا اسکن کا..." وہ بڑبڑائی۔ "پوری زندگی میں اتنا میک اپ نہیں کیا جتنا ان بائیس دنوں میں کیا ہے۔"
"خرم... خرم۔" باہر سے امی کی آواز آئی وہ جلدی سے مودب کھڑا ہو گیا امی دروازہ بجا کر اندر آ گئی تھیں۔

"وہ کل ہفتہ ہے نا... تو میں نے کھیر پکائی کی رسم رکھی ہے کل سب آئیں گے.... تمہاری ساس کو بھی کال کر دوں ٹھیک ہے؟" انہوں نے سوالیہ نظروں سے دونوں کو دیکھا۔
"اچھا امی جیسا آپ بہتر سمجھیں۔" فریال نے جواب دیا۔

☆ ☆ ☆

"چلو بھئی تینوں جلدی باہر آؤ۔" تیار کھڑے ابو نے آواز لگائی۔ "میری بچی انتظار میں ہوگی۔" ابو بے قراری سے بولے۔
"ابو کیسی لگ رہی ہوں میں۔" نوال نے گھیر دار فراک چٹکیوں سے پکڑ گھومتے ہوئے کہا۔
"بہت پیاری بالکل گڑیا جیسی...."
"ارے یہ کیا۔" امی ٹھٹک گئیں۔
"نوال میں اس فراک میں سلیوز لگانا ہی بھول گئی تھی.... تم نے یہ ایسے ہی پہن لی۔" امی غصے سے بولیں۔
"ایک تو یہ ریڈی میڈ سوٹ والے؟" جبکہ مثال اور منال خاصی سوبر لگ رہی تھیں۔
"چینج کرو فوراً۔" امی نے غصے سے کہا۔
"پلیز امی... اب کوئی نیا سوٹ نہیں ہے۔ آج پہننے دیں اس کے بعد لگا دیجیے گا آستینیں' وہاں کون سے غیر لوگ ہوں گے۔" نوال ٹھنکی "پلیز ابو...."
"اچھا چلو آج چھوڑ دو۔" ابو نے نوال کی حمایت لی۔
"اس سے کہہ دیں دوپٹے کا خیال رکھے اس کو ہوش کہاں رہتا ہے.... پتا نہیں اپنوں کی فہرست میں کون لوگ ہوتے ہیں...." وہ بڑبڑائیں۔ اچانک ابو کا موبائل بج اٹھا۔
"چلو بھئی فریال کا فون ہے.... وہ پریشان ہو رہی ہو گی۔ منال' مثال تم لوگ گفٹ اٹھا کر لے آؤ۔" امی نے اس کو مخاطب نہیں کیا۔ نوال سمجھ گئی کہ امی اس سے ناراض ہیں۔ وہاں جا کر کسے دوپٹے کا ہوش' کبھی

خرم کے ساتھ ٹھٹھے لگاتی... کبھی اس کی بہنوں سے اور بھاوج سے ہنسی مذاق۔ خرم کے گھر والے بہت سلجھے ہوئے لوگ تھے۔ گھریلو تقریب تھی بس یہ ہی دونوں فیملیاں تھیں۔

"فریال بیٹا ڈیوائڈر سے پلیٹیں نہیں نکالیں؟" خرم کی امی نے پوچھا۔

"ابھی لاتی ہوں..." فریال اٹھنے لگی۔ مثال اور منال کچن میں لگی ہوئی تھیں خرم کی بہنوں کے ساتھ۔

"جاؤ نوال تم نکال کے لے آؤ..." ابو نے سجی سنوری فریال کو اٹھتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

"جی ابو میں لے آتی ہوں..." نوال گنگناتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔ خرم اچانک اس کے سامنے آگیا۔

"میں برتن نکالنے آئی ہوں بھائی..." وہ جب زیادہ لاڈ میں ہوتی تو خرم کو صرف بھائی کہتی۔ وہ ہاتھ اوپر اٹھا کر پلیٹیں نکالنے لگی تو دوپٹا پھسل کر اس کے گلے میں چلا گیا۔ اس کے دودھیا بازو چمکنے لگے۔ خرم اس کے بے حد قریب آگیا اور اس کے دودھیا بازو پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔

"تم سلیولیس ہی پہنا کرو۔" اس کی آنکھوں کی چمکتی ہوس نے نوال کی تمام حسیات کو بے دار کردیا۔ اس نے امی کہہ کر زور سے آواز لگائی خرم تیزی سے باہر نکل گیا۔

"کیا ہوا جانو۔" فریال تیزی سے اندر آئی۔

"وہ بیڈ سے پاؤں ٹکرا گیا۔" وہ آنسو نگلتے ہوئے بولی۔

☼ ☼ ☼

نوال کے موبائل کی بپ بج اٹھی۔ اس نے دیکھا خرم کا ایس ایم ایس تھا۔

"سوئیٹ پنکی میرے ساتھ ڈنر پر چلو میں تمہیں سلیولیس ڈریس دلواؤں گا۔" خرم کے میسجز اس کا دماغ خراب کررہے تھے۔ وہ طاہرہ کے ساتھ چپکی ہوئی تھی۔ "کسی کو کچھ نہیں بتانا تمہاری بہن میرے ساتھ رہتی ہے۔" اس نے گویا دھمکی دی۔

فریال کے سسرال والوں نے بہت سا کھانا دیا تھا۔ امی وہ نکالنے کچن میں گئیں تو نوال بھی ان کے پیچھے آ گئی ابو... اور وہ دونوں کمرے میں تھیں۔

"امی..." نوال کا چہرہ دیکھ کر طاہرہ بیگم پریشان ہو گئیں۔

"کیا ہوا؟" انہوں نے نوال کو لپٹا لیا...

"یہ دیکھیں امی..." اس نے تمام ایس ایم ایس امی کو دکھائے... طاہرہ۔ اتنے لوفرانہ میسجز دیکھ کر دنگ رہ گئیں۔ زندگی میں دوسری مرتبہ کسی معزز اور پڑھے لکھے شخص کا چہرہ ان کے سامنے بے نقاب ہوا تھا۔

"اس ہی لیے منع کرتی تھی..." طاہرہ بیگم کی آواز پاتال سے آرہی تھی۔ "کوئی بھائی وائی نہیں ہوتا اور تم چھوڑو میں خرم سے خود بات کرلوں گی۔ بس آئندہ محتاط رہنا۔"

"امی..." اس نے سوالیہ انداز میں دیکھا۔

"سب ٹھیک ہوجائے گا..." انہوں نے اس سے زیادہ خود کو تسلی دی... "جاؤ گڑیا تم جاکر سوجاؤ انہوں نے اس کے بال سمیٹے۔" چائے کے لیے کہنے آنے والے امجد صاحب ساری باتیں سن اور سمجھ چکے تھے تیس سال پہلے گزری سچائی اپنی پوری بے رحمی کے ساتھ ان کے سامنے کھڑی تھی وہ سر جھکائے واپس پلٹ گئے۔

☼ ☼

شعاع عزیر

اللہ کے مہمان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "حج اور عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں، اگر اس سے دعا کریں، ان کی دعا قبول ہوتی ہے اور اگر اس سے بخشش طلب کریں تو ان کو بخش دیتا ہے۔"

(مشکوۃ شریف)

قربانی کی فضیلت

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "کسی انسان نے قربانی کے دن کوئی ایسا عمل نہیں کیا جو اللہ تعالیٰ کی طرف خون بہانے سے زیادہ محبوب ہو۔ قیامت کے دن قربانی کا جانور سینگوں، بالوں، کھروں کے ساتھ لایا جائے گا اور خون کے زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے یہاں قبولیت کی سند لے لیتا ہے، اس لیے تم قربانی خوش دلی سے کرو۔"

(مشکوۃ شریف)

بے نمازی بزرگان دین کی نظر میں

☆ بے نمازی واجب قتل ہے۔ (امام شافعی)

☆ ترک نماز کفر ہے۔ (امام احمد بن حنبل)

☆ بے نماز کو اس وقت تک قید میں ڈالا جائے۔ جب تک توبہ نہ کرے۔ (امام ابو حنیفہ)

☆ اسلامی مملکت میں حکمران بے نمازی کو قتل کا حکم دے۔ (امام مالک)

☆ بے نمازی سے خنزیر بھی پناہ مانگتا ہے۔ (سلطان باہو)

☆ جو شخص جان بوجھ کر نماز ترک کرتا ہے موت کے وقت اس کا ایمان چھن جاتا ہے۔ (فرید گنج شکر)

☆ بے نمازی مرجائے تو اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے اور نہ ہی اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے۔ (شیخ عبدالقادر جیلانی)

عائشہ۔۔۔ گوجرہ

ریٹ

ریٹ تیرے سن کر میں تو حیران ہو گیا
قصائی کی فیس پوچھی تو پریشان ہو گیا
تیری قربانی تو ہو گی بکرے میاں
میں تو مگر عید سے پہلے ہی قربان ہو گیا

اصلی راز

کسی بادشاہ نے رسول اکرم کی خدمت میں ایک طبیب بھیجا کہ ضرورت کے وقت آپ کی جماعت کا علاج معالجہ کیا کرے۔ طبیب مدتوں مدینے میں حاضر رہا مگر کسی شخص نے اس سے علاج کے لیے رجوع نہ کیا۔ حکیم نے مسلسل بے کاری دیکھ کر آخر ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی۔

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ جانتے ہیں کہ خاکسار اتنی مدت سے صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثاروں کی خدمت کے لیے حاضر ہے مگر اس عرصے میں میری طرف کسی نے توجہ نہیں کی" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"ان لوگوں کا قاعدہ یہ ہے کہ جب تک بھوک غالب نہ ہو، کھانے کو ہاتھ نہیں لگاتے اور ابھی پیٹ

بھرتا نہیں کہ ہاتھ اٹھا لیتے ہیں۔ اس لیے آپ کی خدمت سے فائدہ اٹھانے کا موقع کم ملتا ہے۔" حکیم نے کہا۔

"بے شک! تندرستی کا یہی اصل راز ہے۔ جس کے ہوتے ہوئے میری حاضری بے کار ہے۔" اس کے بعد حکیم نے آداب بجا کر وطن کی راہ لی۔

(حکایات سعدی)

عاصیہ حسن۔ سکھر

بات ہے سمجھ کی

☆ جب ہم اپنی پسند کی اشیاء سے محروم ہوں تو موجود اشیاء ہی کو پسند کر لینا چاہیے۔ (رسپو رٹن)

☆ نصیحت سچی خیر خواہی ہے جسے ہم نہیں سنتے لیکن خوشامد بدترین دھوکا ہے جس پر ہم پوری توجہ دیتے ہیں۔ (شیکسپیر)

☆ خوب صورت عورت دیکھنے سے آنکھ لیکن نیک دل عورت دیکھنے سے دل خوش ہوتا ہے۔ (سموئیل)

☆ زندگی کی سب سے بڑی فتح نفس پر فتح پانا ہے۔ اگر نفس نے دل پر فتح پائی تو سمجھو کہ وہ دل مردہ ہے۔ (ارسطو)

☆ ایک ہزار قابل انسانوں کے مرجانے سے اتنا نقصان نہیں ہوتا جتنا ایک بے وقوف کے صاحب اختیار ہوجانے سے ہوجاتا ہے۔ (شیکسپیر)

☆ دنیا میں سب سے مشکل کام اپنی اصلاح ہے اور سب سے سہل دوسروں پر نکتہ چینی کرنا۔ (ہربرٹ سپنسر)

نگہت صغیر۔۔۔۔۔ جہلم

شادی

لڑکے والے اصرار کر رہے تھے کہ شادی کی تاریخ جلد طے کر دی جائے، لیکن لڑکی والے ابھی راضی نہ تھے۔ جب لڑکے کے باپ نے تاریخ لینے کی ضد شروع کر دی تو آکر لڑکی کے والد نے کہا۔

"دیکھیں بھائی صاحب! ہماری بیٹی ابھی پڑھ رہی ہے۔ جو نہی اس کی پڑھائی ختم ہوگی۔ ہم آپ کو تاریخ دے دیں گے۔"

"پڑھائی بعد میں ہوتی رہے گی ہمارا بیٹا کوئی بندر نہیں ہے، جو آپ کی بیٹی کی کتابیں پھاڑ دے گا۔" لڑکے کے والد نے جواب دیا۔

اگلے وقتوں کے اچھے لوگ

بادشاہ تیمور لنگ کی یہ عادت تھی کہ جب کسی شہر کو فتح کرتا تھا تو وہاں کے علماء کو اپنے دربار میں بلا کر ان سے کچھ ایسے سوالات کرتا کہ جوابوں کا بہانہ بنا کر انہیں قتل کرا دیتا۔ چنانچہ جب حلب کو فتح کیا تو وہاں کے علماء کو بلایا اور کہا۔

"ہمارے اور آپ کے، دونوں کے آدمی جنگ میں قتل ہوئے۔ ہماری فوج کے آدمی شہید ہوئے یا آپ کی فوج کے؟" یہ سوال سن کر علماء گھبرا گئے مگر علامہ ابن شحنہ جواب دینے کے لیے کھڑے ہو گئے اور کہا۔

"مجھے اس وقت ایک حدیث یاد آگئی ہے کہ ایک اعرابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ یارسول اللہ ایک شخص مال غنیمت کے لالچ میں جنگ کرتا ہے۔ ایک اللہ تعالیٰ کی راہ میں اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کے نام کو بلند کرنے کے لیے لڑتا ہے تو ان میں سے کون شہید ہے؟" تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جس نے اللہ تعالیٰ کے نام کو بلند کرنے کے لیے جنگ کی وہ شہید ہے۔"

"لہٰذا اے بادشاہ! میرے فوجی ہوں یا آپ کے فوجی جس نے اللہ تعالیٰ کے نام کو بلند کرنے کے لیے جنگ کی ہوگی وہی شہید ہوں گے۔" جواب سن کر تیمور کی زبان سے بے اختیار نکلا "خوب خوب"

ناہید نیازی۔ راولپنڈی

موسم کی خبریں

☆ ٹریفک کے شور دھوئیں اور غصے سے آج لوگوں

کے دماغ کا درجہ حرارت کافی بڑھ گیا جسے انہوں نے آپس میں لڑ کر اتارا۔

☆ بیوی کو شاپنگ نہ کرانے سے گھر کا موسم ابر آلود ہے اور کسی بھی وقت گرج چمک کے ساتھ آنسوؤں کی بارش کا امکان ہے (خبردار برتنوں کی ژالہ باری بھی ہو سکتی ہے)

☆ شہر کے تفریحی پارکوں سے تیز رومانی ہوائیں چلنے کی اطلاعات ملی ہیں جو کسی بھی وقت بھائیوں کی آمد کے بعد طوفان کی شکل اختیار کر سکتی ہیں۔

حکمت

ایک مرتبہ خلیفہ منصور عباسی کے منہ پر ایک مکھی آ کر بیٹھ گئی۔ منصور نے اس کو بھگا دیا۔ وہ مکھی بار بار آ کر بیٹھتی اور تنگ کرتی رہی آخر منصور نے امام جعفر سے پوچھا کہ امام صاحب مکھی کس لیے پیدا کی گئی ہے۔ امام نے جواب دیا۔

"جابروں کو ذلیل کرنے کے لیے" یہ سن کر منصور ان کا منہ دیکھتا رہ گیا۔

وضو کی برکات

ایک چینی ڈاکٹر ایک دن مسجد میں گیا اس نے دیکھا کہ ایک مسلمان منہ ہاتھ دھو رہا ہے۔ وہ مسلمان کے پاس گیا اور پوچھا کہ جس طریقہ سے آپ منہ ہاتھ دھو رہے تھے یہ طریقہ آپ کو کس نے سکھایا ہے۔

مسلمان نے جواب دیا ہم اس طرح منہ ہاتھ دھونے کو وضو کہتے ہیں اور یہ طریقہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا ہے۔ ہم دن میں پانچ بار وضو کرتے ہیں۔ اس نے کہا کہ میں آپ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنا چاہتا ہوں وہ کہاں رہتے ہیں۔

وہ شخص بولا ان کا تو چودہ سو سال پہلے انتقال ہو گیا تھا۔

وہ بولا میں چینی طریقہ علاج کا ماہر ڈاکٹر ہوں۔ ہم جانتے ہیں قدرت نے انسان کے جسم میں کھال کے نیچے چھیاسٹھ مقامات پر ایک خاص قسم کے سوئچ نصب کیے ہیں۔ چینی طریقہ علاج میں ان چھیاسٹھ مقامات پر ایک خاص طریقے سے مساج کیا جاتا ہے جس سے پچاس سے زیادہ بیماریوں کا موثر علاج ہوتا ہے۔ میں نے دیکھا کہ آپ جس طریقے سے وضو کر رہے تھے اس میں آپ نے وضو کے دوران جسم کی ایسی باسٹھ جگہوں پر ہاتھوں سے مساج کیا جہاں قدرت نے سوئچ نصب کر رکھے ہیں اور دن میں پانچ دفعہ وضو کرنے کی وجہ سے آپ کی بہت سی بیماریاں خود بخود غیر محسوس طور پر آپ کے جسم سے رفع ہوتی رہتی ہیں جس کا آپ کو احساس بھی نہیں ہوتا۔ میرا خیال تھا کہ جس شخص نے آپ کو وضو کا یہ طریقہ سکھایا وہ یقیناً" انسانیت کا درد دل میں رکھنے والا ایک عظیم محقق اور علم طب کا ماہر ہو گا۔

جنت

ایک اللہ والے فرمایا کرتے تھے کہ جنت دو قدم پر ہے۔

کسی نے کہا "حضرت اس کا کیا مطلب ہے؟

فرمایا "اے دوست تو اپنا پہلا قدم اپنے نفس پر رکھ لے تیرا دوسرا قدم جنت میں پہنچ جائے گا۔"

طاہرہ ملک..... جلال پور پیروالا

کشف

ہونٹ بات بے بات ہنسے
زلف بے وجہ کھلی
خواب دکھلا کے مجھے
نیند کس سمت چلی
خوشبو لہرائی ' مرے کان میں سرگوشی کی
اپنی شرمیلی ہنسی میں نے سنی
اور پھر جان گئی
میری آنکھوں میں ترے نام کا تارہ چمکا
(پروین شاکر)

سونیا عامر..... کراچی

صدف سمیع، کی ڈائری میں تحریر

عبیداللہ علیم کی نظم

وجود اپنا مجھے دے دو،

تمہارے ہیں کہو اک دن
کہو اک دن
کہ جو کچھ بھی ہمارے پاس ہے سب کچھ تمہارا ہے
کہو اک دن
جسے تم چاند سا کہتے ہو وہ چہرہ تمہارا ہے
ستارہ سی جنہیں کہتے ہو وہ آنکھیں تمہاری ہیں
جنہیں تم شاخ سی کہتے ہو وہ بانہیں تمہاری ہیں
کبوتر تولتے ہیں پر تو پروازیں تمہاری ہیں
جنہیں تم پھول سی کہتے ہو وہ باتیں تمہاری ہیں
قیامت سی جنہیں کہتے ہو رفتاریں تمہاری ہیں
کہو اک دن
کہو اک دن
کہ جو کچھ بھی ہمارے پاس ہے سب کچھ تمہارا ہے
اگر سب کچھ یہ میرا ہے تو سب کچھ بخش دو اک دن
وجود اپنا مجھے دے دو محبت بخش دو اک دن

سدرہ، کی ڈائری میں تحریر

خلیل احمد کی غزل

خامشی میں خود بنا میں نے سُنا کچھ بھی نہیں
اس نے سب کچھ دیا لیکن کہا کچھ بھی نہیں

تجھ کو کیا معلوم اے جانِ جہاں تیرے بغیر
میرا جیون کٹ گیا اور میں جیا کچھ بھی نہیں

غم یہ ہم کو ملا اس کے سوا کچھ مل گئے
اُٹھ گئے دستِ دُعا، لب پر دعا کچھ بھی نہیں

تیری خاطر عمر بھر کا رت جگا ہم کو قبول
چاہتوں میں ایک شب کا جاگنا کچھ بھی نہیں

پیار سے دیکھا مجھے لب بھی ہلے اس کے خلیل
دل دھڑک اُٹھا میرا لیکن ہوا کچھ بھی نہیں

گڑیا شاہ، کی ڈائری میں تحریر

عدیم ہاشمی کی غزل

کہا ساتھی کوئی دُکھ درد کا تیار کرنا ہے
جواب آیا کہ یہ دریا اکیلے پار کرنا ہے

کہا ہر رستہ بنتا ہے ناہموار کیوں مجھ کو
جواب آیا تجھے ہر راستہ ہموار کرنا ہے

کہا کیا تیغ اُٹھائی ہے غنیموں نے غنیموں پر
جواب آیا کہ یاروں نے بھی تیکھا وار کرنا ہے

کہا کیوں سامنے چمکا دیا اتنا بڑا سورج
جواب آیا ہمیں سایہ پسِ دیوار کرنا ہے

کہا لفظوں سے پھولوں کی مہک آنے لگی کیسے
جواب آیا محبت کا تجھے اظہار کرنا ہے

کہا مجھ کو بنایا ہے تو پھر یہ دوسرے کیوں ہیں
جواب آیا کہ تجھ کو دوسروں سے پیار کرنا ہے

کہا میں لاڈلا تیرا ہوں مٹی میں کیوں اُتروں
جواب آیا کہ سب کو یہ سمندر پار کرنا ہے

سیدہ نسبت زہرا، کی ڈائری میں تحریر

خمار بارہ بنکوی کی غزل

حُسن جب مہرباں ہو تو کیا کیجیے
عشق کی مغفرت کی دُعا کیجیے

اس سلیقے سے اُن سے گلہ کیجیے
جب گلہ کیجیے، ہنس دیا کیجیے!

دوسروں پر اگر تبصرہ کیجیے
سامنے آئینہ رکھ لیا کیجیے

آپ سکھ سے ہیں ترکِ تعلق کے بعد
اتنی جلدی نہ یہ فیصلہ کیجیے

زندگی کٹ رہی ہے بڑے چین سے
اور غم ہوں تو وہ بھی عطا کیجیے

کوئی دھوکا نہ کھا جائے میری طرح
ایسے کُھل کے نہ سب سے ملا کیجیے

عقل و دل اپنی اپنی کہیں جب خمار
عقل کی سُنیے، دل کا کہا کیجیے

فرحت عثمان، کی ڈائری میں تحریر

پروین شاکر کی غزل

عکس خوشبو ہوں، بکھرنے سے نہ روکے کوئی
اور بکھر جاؤں تو مجھ کو نہ سمیٹے کوئی

کانپ اُٹھتی ہوں یہ سوچ کر تنہائی میں
میرے چہرے پہ تیرا نام نہ پڑھ لے کوئی

جس طرح خواب مرے ہو گئے ریزہ ریزہ
اس طرح سے نہ کبھی ٹوٹ کے بکھرے کوئی

میں تو اس دن سے ہراساں ہوں جب حکم ملے
خشک پھولوں کو کتابوں میں نہ رکھے کوئی

اب تو اس راہ سے وہ شخص گزرتا بھی نہیں
اب کس امید پہ دروازے سے جھانکے کوئی

کوئی آہٹ، کوئی آواز، کوئی چاپ نہیں
دل کی گلیاں بڑی سنسان ہیں، آئے کوئی

صوفیہ علی، کی ڈائری میں تحریر

ادا جعفری کی غزل

یہ فخر تو حاصل ہے بُرے ہیں کہ بھلے ہیں
دو چار قدم ہم بھی ترے ساتھ چلے ہیں

جلنا تو چراغوں کا مقدر ہے ازل سے
یہ دل کے کنول ہیں کہ بجھے ہیں نہ جلے ہیں

نازک تھے کہیں رنگ و بوئے سمن سے
جذبات کے آداب کے سانچے میں ڈھلے ہیں

تھے کتنے ستارے کہ سرِ شام ہی ڈوبے
ہنگامِ سحر کتنے ہی خورشید ڈھلے ہیں

جو جھیل گئے ہنس کے کڑی دھوپ کے تیور
تاروں کی خنک چھاؤں میں وہ لوگ جلے ہیں

جب تیرے تصور نے جلائی نہیں شمعیں
لمحات وہی اپنے دل و جاں پہ کھلے ہیں

خوشبو سے تو اندازۂ شبنم نہیں ہوتا
وہ کون سے نغمے تھے کہ پھولوں میں ڈھلے ہیں

ایک شمع بجھائی تو کئی اور جلا لیں
ہم گردشِ دوراں سے بڑی چال چلے ہیں

شگفتہ سلیمان

سیدہ نسبت زہرا ——— کہروڑ پکا

جدائیوں کے زخم دردِ زندگی نے بھر دیے
تجھے بھی نیند آ گئی، مجھے بھی صبر آ گیا

عذرا ناصر ——— کراچی

لوگ تو دامن سی لیتے ہیں، جیسے ہو جی لیتے ہیں
عابد ہم دیوانے ہیں جو بال بکھیرے پھرتے ہیں

اقصیٰ ناصر ——— کراچی

کچھ یہ بھی ہے کہ موسم عشق اب نہیں رہا
کچھ ہم بھی تھک گئے ترے در پر کھڑے کھڑے

صدف عمران ——— نے ڈی اے سوسائٹی

مجھے کہتے ہیں نکالیں گے ہم ہی کچھ تدبیر
صاف کہہ دو کہ دل آیا ہے تمہارا کس پر

وہی قاتل وہی مخبر وہی منصف بھی
اقربا میرے کریں خون کا دعوا کس پر

حورین زینب ——— کہروڑ پکا

عشق ہماری بربادی کو دل سے دعائیں دیتا ہے
ہم سے پہلے اتنا روشن نام نہ تھا رسوائی کا

ندا، فضہ، ایمان فہید ——— کراچی

ترے خیال سے دامن بچا کے دیکھا ہے
دل و نظر کو بہت آزما کے دیکھا ہے
نشاطِ جاں کی قسم، تو نہیں تو کچھ بھی نہیں
بہت دنوں تجھے ہم نے بھلا کے دیکھا ہے

سیدہ لوبا سجاد ——— کہروڑ پکا

تو خدا ہے نہ مرا عشق فرشتوں جیسا
دونوں انساں ہیں تو کیوں اتنے حجابوں میں ملیں

عاصمہ ندیم ——— صدر کراچی

کتنا آساں تھا ترے ہجر میں مرنا جاناں
پھر بھی اک عمر لگی جان سے جاتے جاتے

عائشہ، تحریم ——— گوجرہ

جب دیکھنے والا کوئی نہیں
بجھ جاؤں تو کیا گھٹ جاؤں تو کیا
ہے یوں بھی زیاں اور یوں بھی زیاں
جی جاؤں تو کیا مر جاؤں تو کیا

فرمین ظفر ——— کراچی

جانے کیوں تجھ سے جی نہیں بھرتا
جس قدر چاہوں، جس قدر دیکھوں
تو ہی کافی ہے عمر بھر کے لیے
اور تجھ سا نہ عمر بھر دیکھوں

ایمان سرفراز ——— پتوکی

دعائے بد نہیں دیتا فقط اتنا ہی کہتا ہوں
کہ جن سے دل لگے تیرا وہ تجھ سا بے وفا نکلے

نوشابہ اسد ——— بھریا روڈ

تصور تیرا جو مجھے چھو جائے
میری ہر سانس سے تیری خوشبو آئے
یہ کس موڑ پہ لے آئی ہے جستجو
پانی میں عکس میرا ہو اور نظر تو آئے

بریرہ اکرام ——— کراچی

تبسم سے کہو ہونٹوں تک نہ آنے پلٹے
ہم نے تو اس سے کب کی عداوت کرلی

ثمرہ عبید ——— کراچی

بات کھلنے پہ وہ لے بیٹھا پرانی رنجش
ایسے لگتا ہے کہ وہ مجھ سے خفا پہلے سے تھا

کرن راجپوت ——— کراچی

ایک ہنر ہے جو کر گیا ہوں میں
سب کے دل سے اتر گیا ہوں میں

صائمہ — کوئٹہ

ہم جو روئے تو انہیں کہنا پڑا
اس طرح کرتی ہے برسات سفر

ندا — اسلام آباد

تھی میری تباہی میں کچھ درختوں کی بھی سازش
ورنہ یہ اجڑنے کا موسم تو نہیں تھا

رقیہ — کوئٹہ

محبت تو ازل سے ہے محبت تا ابد ہوگی
اسے میں عصر حاضر کا عقیدہ کہہ نہیں سکتا
کتاب زندگی میں ہے رقم باب محبت بھی
مگر کتنی ہیں سطریں خط کشیدہ کہہ نہیں سکتا

کرن ناز — نامعلوم شہر

کچھ میں ہی جانتا ہوں جو مجھ پہ گزر گئی
دنیا تو لطف لے گی میرے واقعات میں
میرا تو جرم تذکرۂ عام ہے مگر
کچھ دھجیاں ہیں میری زلیخا کے ہاتھ میں

سلمیٰ بانو — کراچی

ہر اک بار یہ سوچ کے دل بھر آیا ہے
اتنی عمر میں کیا کھویا کیا پایا ہے

صبا — کراچی

اب تو ٹوٹی کشتی بھی آگ سے بچاتے ہیں
ہاں کبھی تھا نام اپنا بخت آزماؤں میں
صرف اس تکبّر میں اس نے مجھ کو جیتا ہے
ذکر ہو نہ اس کا بھی کل کو نارساؤں میں

روبی کنول — میاں چنوں

عمر بھر سنگ زنی کرتے رہے اہل وطن
یہ الگ بات کہ دفنائیں گے اعزاز کے ساتھ

عاصمہ ندیم — صدر کراچی

اپنی اپنی انا کے قیدی تھے
ہمارے بیچ کوئی دوسرا نہ تھا

نینا — ٹنڈو الہ یار

وہ تعلق توڑ کر مہربانی کر گیا
ربط جو فانی تھا اس کو غیر فانی کر گیا
میں سمجھا تھا کہ مل کر داستاں پوری ہوئی
وہ تو بچھڑ کر پھر بڑی لمبی کہانی کر گیا

سلمیٰ عنبرین — پڑی درویزہ

تیرے گرد ہے میری دعاؤں کا دائرہ
میں تیری عافیت کی مبارک لکیر ہوں

فرح شفیع — کراچی

چکانے ہیں وہ قرضے سطح پر ہیں کہیں زیر زمیں ہیں
ابھی اس خاکداں میں تم بھی زندہ ہو مرے ہم بھی نہیں ہیں
ابھی میداں میں ہم اپنے پیروں پر کھڑے ہیں ہار کیسی
ابھی تو کھیل کا آغاز ہے تم بھی یہیں ہم بھی یہیں ہیں

ندا طارق — کراچی

ایک مہینے بعد ملا تو نام بھی میرا بھول گیا
جس نے چلتے وقت کہا تھا یاد بہت تم آؤ گی

طاہرہ — حیدر آباد

مل گئی جو محبت یاراں غنیمت جانیے
پھر نہیں آتے پلٹ کر جب چلے جاتے ہیں دن
وقت اس کے ساتھ کچھ محسوس ہوتا ہی نہیں
جانے کس پل میں نہ جانے کب گزر جاتے ہیں دن

ثمرہ علی — کراچی

شہر طلب کرے اگر تم سے علاج تیرگی
صاحب اختیار ہو آگ لگا دیا کرو

آمنہ — میرپور

زندگی گزر جائے گی بہر صورت
تو کوئی شرط زندگی تو نہیں

قمر النساء — راولپنڈی

ہم اپنے آپ میں یوں گم ہوئے ہیں عرصے سے
ہمیں تو جیسے کسی کا بھی انتظار نہیں
کسی کو لوٹ کے چاہیں کہ چاہ کر لوٹیں
ہمارے پاس تو اتنا بھی اختیار نہیں

ثانیہ — لاہور

یہ پھیلی ہوئی رات ڈھلے یا نہ ڈھلے
یہ یورش حالات ٹلے یا نہ ٹلے
روشن کر چراغ دیر و کعبہ
پھر شمع خرابات جلے یا نہ جلے

عذرا ناصر — کراچی

میں نے جھیلا ہے گلے مل کے بچھڑنے کا عذاب
میرے معبود کسی کو یہ سزا مت دینا

کچھ موتی چنے ہیں

ادارہ

اور دنیا کی ساری معصومیت انہی کے نام سے قائم ہیں۔

کچھ بھی ہو اس نے سوچا میں بچہ ہی بنوں گا اور ساحل کی ریت سے گھر کی طرف چل پڑا۔

(کرشن چندر۔۔۔باون پتے)

فوزیہ ثمرٹ، گجرات

بھائی جان

ہمارے ایک دوست ہوا کرتے تھے جن کو ایک بیماری لاحق ہو گئی تھی "بھائی جان لائے تھے۔" میرا دوست بڑا پریشان ہو کر میرے گھر آیا۔

میں نے اس سے پوچھا "تمہیں کیا ہوا؟"

اس نے بڑے افسوس سے کہا "مجھے بھائی جان لائے تھے ہو گیا ہے۔"

میں حیران ہوا میں نے پھر پوچھا "کیا ہو گیا ہے؟"

اس نے پھر کہا "مجھے بھائی جان لائے تھے ہو گیا ہے۔"

میں نے اسے پانی پلایا اور اس سے کہا "ٹھنڈے دل کے ساتھ پورا قصہ سناؤ۔"

اس نے پھر شروع کیا "دراصل میری بیوی کے دو بھائی یعنی میرے سالے باہر کے ملک میں رہتے ہیں وہ جب بھی وہاں سے آتے ہیں میری بیوی کے لیے کچھ نہ کچھ لاتے ہیں۔ میری بیوی یہاں پر سب سے یہی کہتی ہے کہ بھائی جان لائے تھے۔"

میں نے اپنے دوست سے کہا "تو پھر کیا ہوا اگر تمہارے سالے صاحب نے اپنی بہن کو اگر کچھ دیا تو اس سے تمہیں کیا فرق پڑتا ہے۔"

وہ بولا "اصل مسئلہ یہ نہیں ہے، یہ ہے کہ سالے صاحب جو بھی چیز لاتے ہیں ان کے پیسے میں ادا کرتا ہوں لیکن گھر میں آنے والے مہمانوں کو نہیں پتا چلتا کہ یہ میں نے پیسوں کی خریدی ہیں۔ ایک دفعہ

پاکستان

"اگست کا مہینہ آتا ہے تو سینے کے زخم ہرے ہو جاتے ہیں۔" اس نے لمبی آہ بھری اور کہا "مجھے ہر اگست میں سانپ ڈستا ہے۔ یہ سانپ میرے وجود کے اندر ہے، میرے ذہن میں رہتا ہے، میرے دل کے اندر کنڈلی مارے بیٹھا ہے۔ تمہیں تو علم ہی نہیں پاکستان نے ہم سے کتنی بڑی قربانی مانگی تھی۔ جو ہم نے دیکھا اور جھیلا ہے وہ اللہ دشمن کو بھی نہ دکھائے۔ ہم نے دودھ پیتے بچوں کی لاشیں گلی میں پڑی دیکھی ہیں۔۔۔ تم نے اتنی چیونٹیاں نہیں دیکھی ہوں گی جتنی ہم نے لاشیں دیکھی ہیں۔ پاکستان کے جھنڈے میں میری عصمت کا خون شامل ہے۔ اس جھنڈے سے کھیلنے والوں سے کہو کہ بے غیرتو! تم اپنی ہزاروں بیٹیوں کی عصمتوں سے کھیل رہے ہو، مت بھولو کہ عصمت کا خون شہید کے خون جتنا پاک ہوتا ہے۔۔۔"

(عنایت اللہ۔ پاکستان ایک پیاز دو روٹیاں)

سیدہ لوبا سجاد۔۔۔ کہروڑ پکا

غور و فکر

زندگی بار بار نہیں آتی۔ صرف ایک بار آتی ہے اور وقت سمندر کے کنارے پھیلی ہوئی ریت کی طرح ہے۔ تم اس میں سے کتنی مٹھیاں بھر سکتے ہو ایک یا پھر دو وقت تو بس پچاس یا سو برس کا ہے۔ مگر اس سے زیادہ نہیں۔ پھر سوچو تم ریت کو کہاں رکھ سکتے، زیادہ سے زیادہ تم اس ریت کو دوسروں کی آنکھوں میں جھونک سکتے ہو اور بہت سے لوگ اپنی زندگی میں ایسا کرتے ہیں۔ وہ لوگ ظالم ہوتے ہیں۔ پھر کچھ لوگ جو اس ریت کو دوسروں کی آنکھوں میں ڈالنے کی بجائے اپنے آنکھوں میں ڈال لیتے ہیں، وہ لوگ بزدل اور اذیت پسند ہوتے ہیں۔ کچھ لوگ اس ریت سے محل بناتے ہیں، وہ لوگ احمق ہوتے ہیں۔ کچھ لوگ نہایت احتیاط سے ریت کے ایک ایک ذرے کو گننے لگتے ہیں، وہ اس دنیا کے کنجوس ہیں۔ کچھ لوگ اس ریت کو اپنے سر پر ڈال لیتے ہیں اور ہنسنے لگتے ہیں، وہ لوگ اس دنیا کے بچے ہیں

ہمارے گھر میرے دوست آئے۔ گھر میں ٹی وی کی مبارک باد میری بیوی کو دی تو میری بیوی نے فوراً کہا بھائی جان لائے تھے۔ دوستوں نے کہا بڑی شرم کی بات ہے کیونکہ میں نے ان ہی دوستوں سے ٹی وی کے لیے پیسے ادھار لیے تھے۔ ایک دفعہ میری آنٹی آئیں گھر میں، تو میری بچی کو دیکھ کر کہا بڑی پیاری فراک پہنی ہے بیوی بولی بھائی جان لائے تھے یعنی ہر وہ چیز جو مہمانوں کو پسند آئے وہ بھائی جان لائے تھے 'یار بیگم کو سمجھاؤ۔'' مجھے اپنے دوست پر ترس آیا 'میں اس کی بیگم کو سمجھانے گیا اور کہا۔

''بھابھی! میرا دوست بہت اچھا ہے۔'' جیسے ہی میں نے اپنے دوست کی تعریف کی بھابھی نے کہا۔

''بھائی جان لائے تھے۔''

(مستنصر حسین تارڑ.... چک چک)

(سیدہ نسبت زہرا.... کہروڑپکا)

عورت

''عورت بیل کی طرح ہوتی ہے اور مرد دیوار کی طرح۔ بیل ساری عمر دیوار کو ڈھونڈتی رہتی ہے۔ جس کے سہارے وہ اوپر جاسکے۔ نظروں میں آسکے۔ جہاں تک دیوار جاتی ہے وہ بھی بس وہاں تک جاتی ہے۔ بیل کو لگتا ہے دیوار نہ ہوتی تو وہ زمین پر رلتی رہتی۔ لوگوں کے پیروں تلے آتی۔ مگر ان کی نظروں میں نہ آتی۔ وہ ساری عمر دیوار کی مشکور رہتی ہے۔ اسے سایہ دیتی ہے۔ اپنے پھولوں سے سجاتی ہے مہکاتی ہے 'جب سوکھنے لگتی ہے تو بھی ساتھ ہی چپکی رہتی ہے کسی چھپکلی کی طرح 'ختم ہونے تک بھی اسے دیوار کے علاوہ کسی دوسرے کا سہارا نہیں چاہیے اور دیوار .... ''ممی دیکھیں'' دیوار کو کتنا فائدہ ہوتا ہے۔

اس کا وجود بیل ڈھک دیتی ہے۔ اس کے سامنے آڑ بنا دیتی ہے ہر چیز سے اسے محفوظ کر دیتی ہے۔ اسے رونق دیتی ہے۔ پھولوں سے سجاتی ہے اور خود ختم ہونے تک اس کی احسان مند رہتی ہے۔ اور دیوار وہ تو بس سہارا دینے کا فائدہ اٹھاتی ہے۔ بس سہارا دینے

کا۔''

(شہزادت۔ عمیرہ احمد)

عابدہ سعید چکوال

حرام و حلال

حرام کیا ہے؟ وہ جس سے منع کیا گیا۔ اچھے اور برے کا سوال نہیں ہے صرف جو چیز منع فرمائی ہے اللہ نے وہ حرام ہے 'اسی لیے حرام و حلال کا جھگڑا سب سے پہلے جنت میں پیدا ہوا 'جب حضرت آدم نے شجر ممنوعہ سے توڑ کر کھایا۔ اچھے برے کا سوال نہیں تھا۔ بس وہ جو منع تھا اپنے پر حلال کیا۔ اس گندم کے دانے کا رزق حرام جس وقت ان کے جسم میں داخل ہوا 'ایک خطرناک تغیر آیا 'اس تغیر سے اللہ نے انہیں ڈرایا تھا۔ اس سے پہلے حضرت آدم اور اماں حوا کے تمام خلیے صالح تھے 'اب اس میں چھپے ہوئے جینز میں تبدیلی آئی اور پھر لولے لنگڑے 'اندھے اور نا امید وار آنے والی نسلوں میں مشتعل ہو گئے 'اسی لیے دیوانے پن کے پہلے آثار قابیل اور ہابیل کے جھگڑے میں واضح ہوئے 'پہلا قتل ہوا! دیوانگی خود کشی کی شکل میں منتج ہو کر قتل کی شکل میں۔ اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ دیوانگی کی شدید شکل انسان کشی ہے۔ جھگڑا ہابیل 'قابیل میں نہ ہوا تھا یہ ان کی جینز کی وجہ تھی جو حضرت آدم کے وجود میں شجر ممنوعہ کے کھانے کی وجہ سے ٹوٹے پھوٹے تھے۔ پھر چل سو چل ہوا۔ ایک جنریشن سے دوسری پود تک ہم یہی ورثہ دیتے آئے ہیں۔ خود رزق حرام کھاتے ہیں اور آنے والی نسلوں کو پاگل پن کی وراثت چیزیں پیک کر کے عطا کرتے ہیں۔ بیٹا نہ سہی پوتا سہی پوتا نہ سہی چند نسلیں آگے کوئی شریف النفس بچی سہی 'اس تقدیر سے کوئی بچ نہیں سکتا جو جینز میں لکھی جاتی ہے۔

(بانو قدسیہ.... راجا گدھ)

فریحہ شبیر شاہ نکدر

غم کا پیمانہ

کیا کبھی اس راز سے پردہ اٹھ سکا ہے کہ غم کا پیمانہ کیا ہے؟ کیا انسان کبھی یہ ماننے کو تیار ہو گا کہ کسی

دوسرے کا دکھ اس کے دکھ سے بڑا ہے؟ نہیں... کبھی نہیں...! اس نے خود کو بتایا "غم میں گھرے انسان کو اپنا دکھ ہی سب سے بڑا نظر آرہا ہوتا ہے' وہ سمجھتا ہے اس سے زیادہ دکھی تو کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔"

(عنیزہ سید... جو رکے تو کوہ گراں تھے ہم)

(صدف سمیع... کراچی)

جغرافیہ

جغرافیہ میں سب سے پہلے یہ بتایا جاتا تھا کہ دنیا گول ہے۔ ایک زمانے میں بے شک چپٹی ہوتی تھی۔ پھر گول قرار پائی۔ گول ہونے کا فائدہ یہ ہوا کہ اب لوگ مشرق کی طرف سے جاتے ہیں اور مغرب کی طرف نکل جاتے ہیں' کوئی ان کو پکڑ نہیں سکتا۔ سمگلروں' سیاستدانوں کے لیے بڑی آسانی ہو گئی ہے۔ ہٹلر نے کسی زمانے میں اس کو چپٹا کرنے کی کوشش کی تھی مگر کامیاب نہیں ہوا۔ پرانے زمانے میں زمین ساکن ہوتی تھی' آسمان اور سورج اور دوسرے ستارے اس کے گرد گھومتے تھے۔ شاعر کہتا تھا رات دن گردش میں ہیں ساتوں آسمان۔ مگر پھر گلیلیو نامی شخص آیا اس نے زمین کو سورج کے گرد گھومانا شروع کر دیا۔ پادری بہت ناراض ہوئے۔ یہ تم نے ہم کو کس چکر میں ڈال دیا سو اس کو قرار واقعی سزا دے کر آئندہ اس قسم کی حرکات سے روک دیا۔ زمین کو البتہ نہیں روک سکے وہ برابر حرکات کیے جا رہی ہے۔

(ابن انشا... اردو کی آخری کتاب)

(شاہدہ عامر... حیدر آباد)

خصلت

خصلت پانی میں تیرتا ہوا کارک ہے۔ جو زیر پانی رہ ہی نہیں سکتا... اسے اوپر آنا ہی ہے...

(سمیرا حمید)

شمع مسکان... جام پور

زندگی

زندگی کی پہلی شرط زندہ رہنا ہے' کسی کے ہونے نہ ہونے سے زندگی رک نہیں جاتی' چلتی رہتی ہے۔ اکثر وہ لوگ جن کو ہم اپنی زندگی کے لیے ناگزیر جانتے ہیں۔

اچانک بغیر کسی بڑی وجہ کے ہم سے دور چلے جائیں یا ہو جائیں زندگی پھر بھی نہیں رکتی' تھوڑی دشوار لگتی ہے مگر تمام تو نہیں ہوتی۔

(رخسانہ نگار عدنان... دھند کے بعد)

افشاں سمیع... کراچی

معاشرے کا دباؤ

اس دور کا سب سے نمایاں رجحان یہ ہے کہ جو تم ہو وہ نظر نہ آؤ۔ یہ معاشرے کا دباؤ ہے۔ جو ہمیں اس بے معنی اداکاری پر مجبور کرتا ہے۔ ہم باہر سے بہت ثابت و سالم بشاش نظر آتے ہیں لیکن اندر سے ریزہ ریزہ اور اذیت زدہ ہوتے ہیں معلوم نہیں کے ہم نے معاشرے کے ظالمانہ دباؤ کو کیوں قبول کر رکھا ہے۔

(جون ایلیا... نظر آنا)

رمشا ناز... کراچی

مٹی کا رشتہ

آدم کی تخلیق میں تراب' یعنی مٹی کا عنصر پانی' ہوا اور کچھ دیگر لوازمات سے زیادہ رہا ہے۔ اس کو اتارا بھی اس مٹی پہ' اس کی بیشتر معیشت' کاروبار حیات' ذرائع و وسائل' جینا مرنا اسی مٹی اور زمین کی مرہون منت ٹھہرائے گئے۔ اس کی گل اس مٹی سے تیار ہوئی۔ اس کی فطرت و فہامت اس مٹی کی تاثیر اور مزاج کے مطابق ڈھالی گئی۔ مگر جب اس مٹی سے بے گانگی روا رکھ کر یہ مٹی کا پتلا مٹی اسٹوری فلیٹوں میں جا بسا تو نتیجہ یہ نکلا کہ ایسی ایسی نہ سمجھ میں آنے والی بیماریاں دماغی عارضے' نفسیاتی الجھنیں اور روحانی رکاوٹیں پیدا ہو گئیں کہ جن کا شافی علاج لمحہ موجود تک میڈیکل سائنس کے پاس بھی موجود نہیں ہے۔ سارا شاخسانہ زمین مٹی سے ناتا توڑنے کا ہے۔ مٹی کے قریب رہنا' محسوس کرنا... اس پر چلنا' پھرنا' دیکھنا' سونگھنا... اس پر ٹہلنا' لیٹنا' سونا' سینچائی وغیرہ بذات خود ہزار بیماریوں کا علاج ہیں۔

(محمد یحییٰ خان... کاجل کوٹھا)

سمیرا تعبیر... سرگودھا

مرمت

ایک صاحب کو ورکشاپ کے مالک نے فون کیا۔
"جناب! میں کار ورکشاپ سے بول رہا ہوں۔ آپ کی بیگم صاحبہ ابھی ابھی اپنی کار مرمت کے لیے لائی ہیں۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ۔۔۔"
ان صاحب نے اکتائے ہوئے لہجے میں بات کاٹ کر کہا۔
"اچھا بھئی، جتنے پیسے خرچ ہوں گے، میں ادا کر دوں گا۔"
ورکشاپ کا مالک بولا۔ "جناب میں کار کی مرمت کے بارے میں بات نہیں کر رہا ہوں۔ میں تو یہ پوچھ رہا ہوں کہ ورکشاپ کی مرمت کون کرائے گا۔"

نسرین مظفر۔ کراچی

چاندنی

ایک شخص جب دیہات سے ایک معمولی سی لڑکی بیاہ کر شہر لایا تو لوگوں نے حیرت سے اسے دیکھا کسی نے پوچھا۔
"یہ تم کس سے شادی کر بیٹھے؟ کیا شہر میں اچھی لڑکی نہیں مل رہی تھی؟"
نوجوان نے کہا "یہ سارا کرشمہ چاندنی کا ہے۔"
"ارے بھائی" نوجوان نے وضاحت کی "میں جب اس لڑکی سے ملا تھا تو دیہات میں چاندنی پھیلی ہوئی تھی اور یہ میرے بازوؤں میں تھی پھر میں نے چاندنی میں ایک کلہاڑی کا پھل دیکھا جو چمک رہا تھا جو اس لڑکے کے بھائی کے ہاتھ تھی۔"

شمیم فاروق۔۔۔ شکار پور

چشم دید

بینک میں ڈکیتی کے دوران ایک ڈاکو نے ایک کسٹمر سے پوچھا کہ وہ واردات دیکھ رہا تھا۔ اس نے اثبات میں جواب دیا۔ ڈاکو نے اس کے پیشانی میں گولی اتار دی پھر وہ دوسرے کے پاس گیا تو اس نے جلدی سے کہا۔
"میں نے کچھ نہیں دیکھا۔ باہر میری بیوی بیٹھی ہوئی ہے۔ اس نے پوری ڈکیتی دیکھی ہوگی۔"

کوثر پروین۔ میلسی

یقین دہانی

ایک سیاسی لیڈر نے ایک رسالے کے ایڈیٹر سے فون پر کہا۔
"مجھے کسی نے بتایا ہے کہ آپ نے اپنے رسالے میں مجھے احمق اور جاہل لکھا ہے؟"
"نہیں جناب!" ایڈیٹر متانت سے بولا۔ "کسی اور رسالے میں یہ لکھا ہوگا۔ میں اپنے رسالے میں ایسی باتیں شائع نہیں کرتا جو قارئین پہلے سے جانتے ہیں۔"

حنا کرن۔ بھائی پھیرو

آرٹ

بارش سے بچنے کے لیے دو بچے ایک ہال میں گھس گئے۔ وہاں ماڈرن آرٹ کی نمائش ہو رہی تھی۔ جیسے ہی ایک بچے کی نظر ایک تصویر پر پڑی وہ دوسرے سے بولا۔
"چلو یہاں سے چلیں۔ کہیں لوگ یہ نہ کہیں کہ یہ تصویر ہم نے خراب کی ہے۔"

مشعل حرا۔ لاہور

جلد بازی

ویکیوم فروخت کرنے والے ایک جوشیلے نوجوان نے ایک گھر کے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ ایک

خاتون نے کھولا۔ اس سے پہلے کہ خاتون کچھ کہتی نوجوان دوڑ کر اندر گیا اور اس نے مٹھی بھر کر مٹی زمین پر بچھے قالین پر بکھیر دی اور پھر خاتون سے کہنے لگا۔

"محترمہ میرا ویکیوم کلینر اب معجزہ دکھائے گا اور قالین پہلے سے زیادہ چمک اٹھے گا۔ اگر ایسا نہ ہوا تو میں ریزہ ریزہ کھا جاؤں گا۔" عورت نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا اور بولی۔

"جلد کھانا شروع کردو۔"

فرض کرو

ٹرین کے ڈبے ایک مشہور سیاسی لیڈر کی سیکریٹری اس پر اپنی اداؤں اور باتوں کا جادو چلانے کی کوشش کر رہی تھی جبکہ سیاسی لیڈر کو سخت نیند آ رہی تھی۔ سیاسی لیڈر نے نیند سے بوجھل ہوتی اپنی آنکھوں کو بمشکل کھولتے ہوئے سیکریٹری کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

"سنو اگر ہم تھوڑی دیر کے لیے یہ فرض کرلیں کہ ہم دونوں میاں بیوی ہیں تو کیسا رہے گا۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" سیکریٹری خوش ہوتے ہوئے بولی۔

"تو پھر اپنی بکواس بند کرو اور مجھے سونے دو۔"

فرزانہ عقیل۔۔۔ کراچی

شرمندگی

"میں نے سنا ہے کہ عالیہ جس دن اپنی منگیتر کے ساتھ پہلی مرتبہ ایک اچھے ہوٹل میں گئی اس دن اس سے سخت ناراض ہے۔"

"ہاں۔۔۔ تم نے ٹھیک سنا ہے۔ بے چاری کو بہت شرمندگی اٹھانا پڑی۔"

"لیکن آخر ایسی کیا بات ہوئی۔"

"دراصل جب عالیہ کے منگیتر نے سوپ پینا شروع کیا تو بعض نوجوان سمجھے کہ شاید موسیقی کی کوئی دھن شروع ہوئی ہے۔ انہوں نے اٹھ کر ڈانس کرنا شروع کردیا۔"

صائمہ اختر۔۔۔ پشاور

اطلاع

باس "تم تین دن سے کام پر نہیں آئیں اور بتایا بھی نہیں؟"

نوکرانی "باجی میں نے فیس بک پر اسٹیٹس اپڈیٹ کر دیا تھا کہ "آئی ایم گوئنگ ٹو گاؤں فار تھری ڈیز" صاحب جی نے تو کمنٹ بھی کیا تھا "مسنگ یو رضیہ۔"

دانیہ عامر۔۔۔ کراچی

خواب کی تعبیر

ایک چور گھر میں داخل ہوا ایک بوڑھی عورت سو رہی تھی۔ چور نے گھبرا کر اس کی طرف دیکھا تو وہ لیٹے لیٹے بولی۔

"یقیناً" حالات سے مجبور ہو کر اس راستے پر لگ گئے ہو۔ الماری کے تیسرے خانے میں ایک تجوری ہے اس میں سارا مال ہے تم خاموشی سے وہ لے جانا۔ مگر پہلے میں نے ابھی ابھی ایک خواب دیکھا ہے وہ سن کر ذرا مجھے اس کی تعبیر تو بتادو۔"

چور اس بڑی عورت کی رحم دلی سے بڑا متاثر ہوا اور خاموشی سے اس کے پاس بیٹھ گیا۔ بڑھیا نے اپنا خواب سنانا شروع کیا۔

"بیٹا میں نے دیکھا کہ ایک چیل میرے پاس آئی اور اس نے تین دفعہ زور زور سے بولا۔ ماجد' ماجد' ماجد! بس پھر خواب ختم ہو گیا اور میری آنکھ کھل گئی۔ ذرا بتاؤ اس کی تعبیر کیا ہوئی۔"

چور سوچ میں پڑ گیا۔ اتنے میں برابر والے کمرے سے بڑھیا کا نوجوان بیٹا ماجد اپنا نام زور زور سے سن کر اٹھ گیا اور اندر آ کر چور کی خوب ٹھکائی لگائی۔ بڑھیا بولی۔

"بس کرو اب یہ اپنے کیے کی سزا بھگت چکا۔"

چور بولا "نہیں نہیں مجھے اور مارو تاکہ مجھے آئندہ یاد رہے کہ میں چور ہوں خوابوں کی تعبیر بتانے والا نہیں۔"

حنا فرحان۔ ماجن پورہ

محمود بابر فیصل نے یہ شگفتہ سلسلہ سنہ 1978ء میں شروع کیا تھا۔ ان کی یاد میں یہ سوال و جواب شائع کیے جا رہے ہیں۔

افشین ناز ...... ماتلی

س: "ذوالقرنین بھائی! سچ کڑوا ہے تو جھوٹ؟"

ج: "صاف امرت۔"

راشدہ پروین ...... گجرات

س: "ہر کوئی اپنا بدلہ دوسروں سے کیوں لینا چاہتا ہے۔ نسل در نسل یہ روایت چلی آ رہی ہے کہ ایک فرد اپنے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کا بدلہ دوسرے فرد سے لینا چاہتا ہے۔ کیوں! آخر ایسا کیوں ہوتا ہے؟"

ج: "یقین جانیے۔ ہمارا اس میں کوئی قصور نہیں۔"

افشاں بیگ ...... کراچی

س: "بیوی کے سر پر بھوت کب سوار ہوتا ہے؟"

ج: "یہ سوال کسی بیوی والے سے پوچھیں۔"

ناہید عباس ...... کراچی

س: "آج آپ کی ذہانت کا امتحان ہو جائے۔ جلدی سے بتائیے کہ وہ کون سا جانور ہے جسے پیدا ہونے سے پہلے کھایا بھی جاتا ہے؟"

ج: "آپ سے کس نے کہا میں ذہین ہوں، پہلی بات، دوسری بات کیا یہ کالم پہیلیوں کے لیے ہے۔"

صبا عمران ...... کراچی

س: "آج کل جھوٹ عورت زیادہ بولتی ہے یا مرد؟"

ج: "یہ تو ضرورت کا معاملہ ہے، جہاں ضرورت پڑ جائے جسے۔"

شاکرہ ...... لاہور

س: "ذوقی بھیا! یادیں دل کے اندر زخم کیوں بنا دیتی ہیں؟"

ج: "مرہم بھی تو رکھ دیتا ہے وقت۔"

عمرانہ اعجاز ...... نارووال

س: "ذوقی بھائی! کہیں آپ ابراہیم ذوق کے خاندان سے تو نہیں؟"

ج: "تمہیں میرے شجرہ نسب سے اتنی دلچسپی کیوں ہو گئی۔"

فریدہ خان ...... کراچی

س: "ذوالقرنین بھیا! لوگ عید بقر عید پر ہی کیوں گلے ملتے ہیں؟ باقی دن کس شمار میں جاتے ہیں؟"

ج: "شکر کریں اس پر بھی مل لیتے ہیں۔"

مدیرہ کرن

ثناء شہزاد.... کراچی

اگست کا شمارہ 12 تاریخ کو ملا۔ سرورق بہت پیارا لگا اور جو سب سے اچھی لگی وہ کرن کتاب تھی۔ شکریہ سب سے پہلے اداریہ پڑھ کر حمد و نعت سے فیض یاب ہوئے۔ "ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم" عبدالستار صاحب کا پہلے انٹرویو پڑھا اور ان کے لیے خود بخود مغفرت کی دعا نکلی دل سے کیونکہ ان جیسے مخلص اور ہمدرد لوگ قوم کا سرمایہ ہوتے ہیں۔ سونیا مثال اور زینب جمیل سے ملنا اچھا لگا۔ غنوی اکرم ثمینہ آنٹی کی بیٹی اور معیز بھائی کی بہن ہیں یہ جان کر خوشی ہوئی۔ "راپنزل" میں تنزیلہ جی آپ نے سلیم کو کیوں ہٹا دیا۔ زری کو اچھا سبق ملنا چاہیے اور اب اس راز سے بھی پردہ اٹھا دیجیے کہ نین کی اپنے باپ سے کیوں نہیں بنتی اور یہ راپنزل کون ہے مجھے تو نینا لگتی ہے۔ "دست مسیحا" نگہت سیما بہت اچھا لکھ رہی ہیں اس قسط میں ثمرین کو معلوم ہو گیا کہ موحد اس کا بیٹا ہے اور موحد کو یہ انکشاف ہو گیا کہ وہ ڈاکٹر احسن کا بیٹا ہے۔ دیکھتے ہیں کہانی کیا موڑ اختیار کرتی ہے۔ آئی ہوپ یہ کہانی سپرہٹ جائے گی۔ "دریدہ محبت" کائنات غزل کی کہانی اچھی لگی۔ روحان کو پہلے ہی اپنی محبت کا اظہار کر دینا چاہیے تھا۔ امایہ بے چاری امان کے ظلم و ستم سے تو بچ جاتی۔ "تم دینا ساتھ میرا"

دیا شیرازی نے اچھا لکھا۔ "منزل عشق" بہت دل سے پڑھ رہی تھی، روشن کا قمر کی محبت میں گرفتار ہونا اچھا لگ رہا تھا، مگر یہ کیا قمر کو مار کر اچھا نہیں کیا، بہت رونا آیا۔ "قصہ ایک لاڈلے کا" بس ٹھیک لگا۔ نفیسہ سعید نے چودہ اگست کے حوالے سے بہت خوب صورت لکھا۔ انہوں نے جو پیغام دیا وہ دل کو لگا سچ میں ایسا ہی تو ہوتا ہے۔ کاش اس کہانی سے سب سبق حاصل کریں۔ "فیس بک کی پرنس" حقیقت پر مبنی افسانہ تھا۔ فیس بک کی دنیا میں یہ ہی سب تو ہو رہا ہے۔ "اہل وفا" اقرا اعجاز نے بھی اچھا لکھا۔ صبا ممتاز کا "تہی دست" پسند نہیں آیا۔ "من مورکھ" کی کمی بہت زیادہ محسوس ہوئی۔ کرن کے دستر خوان میں ڈھوکلے اور کھٹا دال چہ ٹرائی کروں گی۔ "یادوں کے دریچے" میں سب کا انتخاب لاجواب تھا اور "نامے میرے نام" میں تمام بہنوں کا تبصرہ اچھا لگتا ہے۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔ اگلے ماہ ملاقات ہوگی۔ حج کا مہینہ مبارک ہو سب کو۔

ج: ثناء جی! "کرن" کی پسندیدگی کا شکریہ۔ ہمیشہ کی طرح آپ کا تبصرہ ہر کہانی پر بہت بھرپور ہے۔

ارم بشیر....

ٹائٹل پہ نظر پڑتے ہی بے حد ساختہ منہ سے نکلا۔ ہائے اتنی گرمی میں لال رنگ، لیکن خیر ٹائٹل برا نہیں، اچھا تھا۔ دماغ میں یہ ہی تھا کہ سب سے پہلے "من مورکھ" پڑھنا ہے اور اتفاق دیکھیے کہ صفحہ نمبر 287 کھل گیا۔ دیکھا تو اعتذار میں لکھا نوٹ پڑھ کر جی بھر کر بد مزا ہوئی، قسم سے، لیکن پھر آسیہ مرزا کے لیے دل سے دعا کی، خدا پاک انہیں جلد صحت یاب کرے۔ (آمین) پھر سوچا اب تو کچھ بھی پہلے پڑھ لیتی ہوں۔ "قصہ لاڈلے کا" بہت زیادہ اچھا تو نہیں تھی، لیکن اچھی تھی۔ ٹیپو کا کردار بہت اچھا لگا۔ مجھے خود ایسے خوش مزاج اور نٹ کھٹ لوگ پسند ہیں۔ "منزل عشق" بہت اچھی تحریر تھی۔ "گر جو ہم سمجھ جائیں" بہت اچھا میسج تھا۔ "فیس بک کی پرنس" سچ میں ایسے بہت سارے واقعات ٹی وی پر بھی سنے ہیں۔ مجھے تو فیس بک بالکل پسند نہیں، نہ ہی میری آئی ڈی ہے۔ "تم دینا ساتھ میرا" اسٹارٹ میں تو کچھ سین عجیب سے

لگے۔ مثلاً "ڈائننگ ٹیبل پر تین لوگ اتنے دور تو نہیں بیٹھے ہوتے کہ آپ نظر بچا کر کولڈ ڈرنک میں سرکہ ڈال دیں اور پھر گلاس بھی بدل دیں۔ باقی کہانی اچھی تھی۔ باقی تمام سلسلے بھی بہت اچھے تھے۔

ج ۔ ارم! کرن پڑھنے کا بہت شکریہ۔ آپ آئندہ بھی خط لکھتی رہیے گا۔ اور اپنی بھرپور رائے سے آگاہ کیجیے گا۔

ثمینہ اکرم... لیاری

اس دفعہ ارادہ تھا کہ "نامے میرے نام" میں تفصیل سے خط لکھوں گی۔ بھرپور تبصرہ کروں گی، مگر انسان کا سوچا کب پورا ہوا۔ بارہ اگست کو میرے خالہ زاد بھائی اخلاق حسین کی روڈ ایکسیڈنٹ میں ڈیتھ کے بعد، میں صدمے سے بیمار پڑ گئی اور ابھی تک میری حالت سنبھل نہیں رہی ہے۔ وہ میری بھابھی کا چھوٹا بھائی بھی تھا۔ اس لیے یہ مختصر سا خط تحریر کر رہی ہوں، کیونکہ میری طرف بہت سارے "شکریہ" واجب الادا ہیں۔ سب سے پہلے "مقابل ہے آئینہ" میں غنویٰ اکرم کو شامل کرنے کا بہت شکریہ۔ کرن کے ایک نئے قاری کا اضافہ... وہ تو اتنا خوش ہوئی کہ گویا ہواؤں میں اڑ رہی ہو۔ بولی کہ امی آپ میری طرف سے "کرن" کا تھینکس کہہ دیں۔ مجھے ڈھیر ساری خوشی اور اہمیت "کرن" کی بدولت ہی ملی۔

جولائی کے کرن ڈائجسٹ میں "نامے میرے نام" میں ثمینہ اکرم کا خط سرفہرست صف اول پر لگایا۔ اس کے لیے بھی آپ کا بہت بہت شکریہ۔ آپ نے میری دیرینہ خواہش پوری کر دی۔ فوزیہ ثمربٹ کرن کے توسط سے آپ کا بھی شکریہ ادا کروں گی۔ معیز اکرم کو ایصال ثواب کرنے کے لیے۔ میں بھی تمہارے تبصرے بہت دلچسپی اور شوق سے پڑھتی ہوں۔ مگر مجھے یہ بات آج معلوم ہوئی کہ آپ کا پیارا سا بیٹا بھی ہے۔ اللہ پاک عبدالہدیٰ حسین کو نیک اور صالح اولاد بنائے۔ (آمین)

عبدالستار ایدھی بہت نایاب تھے۔ ایسے لوگ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ مجھے بھی ان سے ملنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ وہ انسانیت کا عظیم عہد تھے، جواب نہیں رہا۔ نگہت سیما کا ناول "دست مسیحا" دلچسپ اور سنسنی خیز موڑ پر آگیا ہے۔ موحد کی ماں ہی اصل میں ہشام کی ماں ہے۔ ایک ہی ماں کے یہ دو روپ ہیں۔ پہلے ثمرین ایک ظالم ماں تھی، اب سراپا محبت... اب ہشام، امل کی موحد میں دلچسپی لینے سے ڈسٹرب ہے۔ اداس بھی۔ اب دیکھو امل کس کا نصیب بنتی ہے۔ "منزل عشق" حنا بشریٰ ناولٹ پڑھ کر لگا جیسے کہ یہ تحریر آزادی سے متعلق ہے۔ مولوی عبدالہادی نے اسلام قبول کیا، مگر عشق کی منزل نہ ملی، بلکہ اللہ مل گیا۔

ج ۔ ثمینہ جی! آپ کے خالہ زاد بھائی کے انتقال کا پڑھ کر بہت افسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلا مقام عطا فرمائے اور آپ سب کو صبر جمیل عطا کرے۔ (آمین) ثمینہ جی! عبدالہدیٰ حسین، فوزیہ ثمربٹ کے بھتیجے ہیں خیر بھتیجا بھی بیٹا ہی ہوتا ہے۔

رملی مشتاق... حاصل پور

اگست کا شمارہ ہاتھوں میں ہے۔ خوب صورت ماڈل سے سجا ٹائٹل ورق بہت ہی پیارا لگا۔

سب سے پہلے حمد و نعت سے قلب و ذہن کو منور کیا۔ اداریہ میں آپ نے ہمیں آزادی کی مبارک باد دی تو ہماری طرف سے خیر مبارک آپ کو بھی۔ محمود خاور کے بارے میں جب بھی پڑھتی ہوں ہمیشہ افسردہ ہو جاتی ہوں، اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلا مقام عطا فرمائے۔ (آمین)

"راپنزل" اچھی جا رہی تھی، لیکن یہ کیا، سلیم کی موت کیا واقعی؟ "دمن مورکھ کی بات" نہ دیکھ کر افسوس ہوا اور اس سے بھی زیادہ افسوس آسیہ جی کی علالت کا "اللہ تعالیٰ انہیں کامل اکمل صحت عطا فرمائے۔ (آمین)

"دست مسیحا" اور "سنگ پارس" ابھی سنبھال کے رکھی ہوئی ہیں۔ ان شاء اللہ اگلے ماہ مکمل تبصرہ کروں گی۔ "تم دینا ساتھ میرا" بہت ہی زبردست دیا شیرازی نے لکھا۔ "در پردہ محبت" کائنات غزل کے الفاظ، اتار چڑھاؤ بہت نائس اسٹوری لگی۔ ناولٹ میں حنا بشریٰ کا "منزل عشق" بہت بہت اچھا تھا جس کو عشق حقیقی مل جائے اسے اور کیا چاہیے۔ ام ایمان قاضی کا "قصہ لاڈلے کا" بیسٹ رہا۔ افسانے تمام ہی اچھے تھے۔ ایک سوال ہے کہ مہوش افتخار، فائزہ افتخار، شفق افتخار کیا یہ تین بہنیں ہیں؟ کبھی

عمیرہ احمد کا بھی انٹرویو کریں نا؟ پورے کا پورا رسالہ ہی بیسٹ ہوتا ہے۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ آپ کے ادارہ کو خوب ترقی عطا فرمائے۔ (آمین)

ج۔ پیاری رملہ کرن کی پسندیدگی کا بے حد شکریہ۔ یہ آپ کی محبت ہے کہ آپ بہت مشکلوں سے خط پوسٹ کرواتی ہیں۔ آپ بے فکر رہیں جب جب بھی آپ کا خط آئے گا، ضرور شائع کیا جائے گا۔ آپ کی فرمائش بھی ان شاء اللہ ضرور پوری کی جائے گی۔ مہوش افتخار، فائزہ افتخار اور شفق افتخار بہنیں نہیں ہیں۔

دعا فاطمہ شاہد... بورے والا

کرن گزشتہ چند ماہ سے پڑھ رہی ہوں۔ پہلی دفعہ آپ کے کیسی میگزین میں شرکت کر رہی ہوں۔ آپ نئے ٹیلنٹ کی بھی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ اس کا ثبوت نئی نئی رائٹرز کے افسانے ہیں۔ کسی بھی ڈائجسٹ کی کامیابی میں نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کا کلیدی کردار ہوتا ہے۔

اگست کا شمارہ سرخ جوڑے میں ملبوس ماڈل کی ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ملا۔ سونیا مشال اور زینب جمیل سے شاہین رشید کی گفتگو دلچسپ رہی۔ شاہین آپی کا یہ سلسلہ یقیناً "اس لحاظ سے منفرد ہے کہ وہ چہرے جو ہم ٹیلی ویژن پر دیکھتے ہیں۔ ان کی زندگیوں کے بارے میں بہت کچھ جاننا چاہتے ہیں کہ یہ تشنگی یوں پوری ہو جاتی ہے۔ عبدالستار ایدھی جیسے لوگوں کے بارے میں آپ نے صحیح لکھا کہ .... "ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم" ایدھی صاحب جیسے لوگ ہی انسانیت کے سچے مسیحا تھے کہ جنہوں نے زندگی بھر انسانیت کی خدمت کی اور جاتے جاتے بھی اپنی آنکھیں دو افراد کو دے گئے کہ انہیں روشنی جیسی عظیم نعمت دے گئے۔ اللہ سے دعا ہے کہ ایسے عظیم انسان کو جنت میں اعلا مقام عطا فرمائے۔ (آمین)

نادیہ خان نے "فیس بک کی پرنسس" میں ہلکے پھلکے انداز میں انٹرنیٹ کے مکرو فریب کا ذکر کیا۔ کہا جا سکتا ہے کہ انٹرنیٹ پر لوگوں کی اکثریت جھوٹ بولتی ہے اور دراصل وہ وقت گزاری کے لیے سب کچھ کر رہے ہوتے ہیں تو سنجیدگی کا کیا تعلق؟ عشق مجازی سے عشق حقیقی کی طرف سفر کرتا حنا بشریٰ کا ناولٹ "منزل عشق" سوچ کے بہت سے دریچے کھولتا رہا۔ ایمان سے بڑی دولت کیا ہو سکتی ہے۔ نفیسہ سعید نے "گر جو ہم سمجھ پائیں" میں ایک اہم مسئلے کی نشاندہی کی۔ محبت کا تقاضا صرف یہ نہیں ہے کہ ہم یوم آزادی دھوم دھام سے منائیں اور بعد میں جھنڈیوں اور جھنڈے سے ایسی بے نیازی برتیں کہ جھنڈیاں جا بجا زمین پر بکھری پڑی ہوں اور جھنڈے پر گرد جمنے لگے۔ اقرا اعجاز کا مختصر افسانہ "اہل وفا" مرد کی نفسیات دکھاتا ایک اچھا افسانہ تھا۔ تاہم افسانے میں ایک دو غلطیاں محسوس ہوئیں جو آپ سے شیئر کرنا چاہوں گی۔ عائشہ نے اپنے شوہر عادل کو یقین دلایا کہ میں وعدہ کرتی ہوں۔ "آئندہ آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہ ہوگی۔ تھوڑی دیر بعد آپ فریش ہوں، میں ناشتا لگاتی ہوں۔" عائشہ نے انہیں یقین دلانا۔ میرے خیال میں دوبارہ یقین دلایا۔ غیر ضروری تھا۔ دوسری اہم غلطی، عائشہ کہتی ہیں کہ اب عادل کو منانا ہے کہ اس نے جو افسانہ مکمل کیا ہے، اسے پوسٹ کر آئیں۔ یاد دلا دے وہ اتوار کا دن تھا اور اتوار کو پوسٹ آفس بند ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے رائٹر کے نزدیک ایسا نہ ہو مگر میں نے جو محسوس کیا لکھ دیا۔

سانحہ ارتحال

ہماری ساتھی امت الصبور کی بہن اسماء شعیب طویل علالت کے بعد دار فانی سے رخصت ہو گئیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

ادارہ کرن امت ل کے اس غم میں برابر کا شریک ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحومہ کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ (آمین)

قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

ج۔ دعا فاطمہ آپ پہلی دفعہ شرکت کر رہی ہیں۔ ہم آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ آپ کا خط پڑھ کر اچھا لگا آئندہ بھی لکھتی رہیے گا۔ آپ نے اقرا اعجاز کے افسانے میں اس غلطی کی نشان دہی کروائی ہے کہ اتوار والے دن پوسٹ آفس بند ہوتے ہیں' بالکل صحیح۔ مگر آپ نے غور سے نہیں پڑھا' رائٹر کا کہنا تھا کہ "اب عادل کو منانا تھا کہ وہ افسانہ پوسٹ کر آئیں۔" یہ نہیں کہا کہ آج یعنی اتوار کو ہی پوسٹ کر آئیں۔

فوزیہ ثمروٹ تحریم فاطمہ ہانیہ عمران.... گجرات

اگست کا کرن چودہ تاریخ کو ملا۔ سارا پاکستان جشن آزادی کی خوشی منا رہا تھا۔ سرورق ماڈل اچھی لگی۔ پرانی فلموں کی ہیروئن کے جیسا ہیر اسٹائل بالوں میں پھول ایسے ہی خوش رنگ سے ٹائٹل دیا کریں۔ اداریہ کی باتیں متاثر کن تھیں۔ کاش ہر پاکستانی کی سوچ اپنے ذاتی مفاد سے زیادہ اپنے وطن کے مفاد کے لیے مثبت ہو تو پاکستان کافی حد تک سنور جائے۔ حمد باری تعالیٰ نعت رسول مقبول ہمیشہ کی طرح ہر صفحہ سر آنکھوں پر لیا۔ سونیا مشال اس لڑکی کے بارے میں ہی کہوں گی وہ آئیں اور چھا گئیں۔ عبدالستار ایدھی صاحب اللہ پاک مغفرت فرمائے۔ بے مثل انسان تھے۔ اللہ پاک ان کے بعد بھی ان کے کام جاری وساری رکھے۔ (آمین) سب سے پہلے "راپنزل" کو پڑھا۔ بھئی ہم سے تو چھلانگ نہیں لگائی جاتی۔ بقول دوسری قارئین بہنوں کے چھلانگ لگا کے آگے صفحے پر.... نا جی نا.... ایسا کام نہیں کرتی' جس سے بڑی پسلی ڈیمج ہونے کا خطرہ ہو۔ خیر میں نے تو بڑے آرام سے "میری بھی سنیے" کے بعد ایک دو صفحے موڑے اور "راپنزل" پڑھنا شروع کر دیا۔ تیرہویں قسط نے تو زری کے ساتھ ساتھ ہمارے بھی چودہ پندرہ طبق روشن کر دیے۔ کافی انکشاف ہوئے اس قسط میں۔ ایک تو یہ معلوم ہوا نینا صوفیہ اور کاشف کی بیٹی ہے اور ان تیرہ مہینوں میں مجھے تو کہیں شک نہیں ہوا کہ سلیم اور نینا رضائی بہن بھائی ہیں۔ چلیں اچھا ہوا کرداروں کے آپس کے تعلقات منظر عام پر آئے' مگر یہ برا ہوا سلیم بے چارے کی موت' کوئی اور حل سوچتیں نا رائٹر' کیا کردار کو مارنا لازم تھا۔ اب نینا بے چاری کیا کرے گی۔ قصہ تو یہ تھا صوفیہ کاشف کے ساتھ پاس دبئی جا رہی تھی۔ پر کہاں کہاں.... تو کیا یہ جو زری کا باپ ہے' وہ کاشف ہے یا کوئی اور... یہ سمجھ نہیں آئی مجھے۔ "من مورکھ" کی قسط اس بار غائب تھی۔ خیر' خیریت ہے نا رائٹر کی طرف۔ "تم دینا ساتھ میرا" مزے کی اسٹوری لگی یہ پٹھان لوگ اپنی روایات کے بڑے پکے ہوتے ہیں۔ ذرا ہیر پھیر برداشت نہیں کرتے۔ شاہ میر کی ماں کا فعل پسند نہیں آیا۔ دو ہنستے بستے دلوں کو اجاڑنے لگی تھی۔ نٹ کھٹ سی لالہ اچھی لگی۔ ہیپی اینڈ زندہ باد۔ "در پردہ محبت" ایک سیدھی سادہ اسٹوری امایہ کی دکھوں بھری زندگی میں روحان خوشیوں کی بہار بن کے آیا۔ رات کیسی ہی کیوں نہ ہو سحر ضرور ہوتی ہے۔ یہ تو اسٹوری پر حقیقی زندگی میں ایسے معجزے شاذو نادر ہی ہوتے ہیں۔ ناولٹ "سنگ پارس" طوبیٰ کیوں اتنی بد ظن ہے نوفل سے۔ شاید اس وجہ سے جب طوبیٰ نے اظہار محبت کیا تھا تو نوفل نے انکار کر دیا تھا۔ کیا یہی وجہ ہے۔ جہاں جس گھر میں بھائی بہنوں کے سروں سے ہاتھ اٹھا لے پھر وہاں پر ویرانیوں کا ہی راج ہو سکتا ہے۔ خوشیاں بھی نہیں آتیں۔ اس بار کی قسط پڑھ کر دل کے کتنے ٹانکے ادھڑ گئے۔ سچی کہہ رہی ہوں' جس تن لاگے وہی جانے والا معاملہ ہے۔ "منزل عشق" عشق کی انتہا ہی لگا۔ روشن کو ہدایت کی روشنی مل گئی۔ وہ عبدالہادی بن گیا۔ "قصہ انوکھے لاڈلے کا" لاڈلے کے کارنامے پڑھ پڑھ کر ہنسی آتی رہی اور اماں جی کی باتیں کامیڈی نیچ لیے ہوئے۔

افسانے سب ہی اچھے لگے خاص کر "فیس بک کی پرنس" لگتا ہے رائٹر کو جانور سے زیادہ ہی پیار سے مجال ہے جو اپنی ہیروئن کی کسی بھی حرکت' بات کو کسی انسان سے تشبیہ دی ہو۔ پورے افسانہ میں مجھے تو عاشی بے چاری کسی مرغی و مینڈک کی کزن ہی لگی۔ فیس بک کی یہ رام لیلا اینڈنگ کافی امیزنگ تھا۔ ہائے فون پر کیسے کیسے شہزادے چارلس لگتے ہیں اور فیس ٹو فیس صدر اوباما نکل آتے ہیں۔ میں نے تو دوبار پڑھ کر اس اسٹوری کو اور عاشی کی چھترول کو خوب انجوائے کیا۔ "گر جو ہم سمجھ جائیں" حقیقت میں یہ بات سمجھنے کی ہے' پورے پاکستانیوں کے لیے۔ ہم آزادی کا دن منا کر ایسا ہی کرتے ہیں۔ پرچم کو ہمیشہ

بلند رہنا چاہیے' نہ کہ پیروں میں روندتے پھرتے ہیں ہم۔ "اہل وفا" یہ مردوں کا رونا خود کو انگور ہونا تو برداشت نہیں ہوتا ان سے۔ خربوزہ چھری پر گرے یا چھری خربوزے پر کٹنا تو خربوزے کو ہی ہونا ہوتا ہے۔ عورت بے چاری کتنی بھی پاور فل ہو۔ اپنے گھر کے لیے ہر سمجھوتے پر راضی ہو جاتی ہے۔

مستقل سلسلے اچھے لگے۔ "یادوں کے دریچے" فرحت عباس شاہ کی نظم پسند آئی۔ شاعری میں صدف عمران سبقت لے گئیں۔ "کچھ موتی چنے ہیں" یہ بہت اچھا لگتا ہے مجھے۔ کرن کا دستر خوان پہلی ریسیپی اف توبہ جی' میں نے تو کب کے دو نوافل پڑھے۔ "مسکراتی کرنیں" پہلا لطیفہ ہی مزے کا تھا۔ اس بار کرن میں آپ نے فوزیہ ثمر کو پیاری نہیں لکھا بھئی یہ اپنی محبتیں تو نہ چھینیں مجھ سے۔ میں تو "نامے میرے نام" میں شرکت کرتی ہوں گی جناب میتھوں ہور کام کی ہونا دا اے۔ نہ میرا میاں' نہ میرے بچے۔ بس گھر دے کامے اور کرن کا ساتھ۔ ہاہاہا.... آپ نے میرے بچوں کے نام غلط لکھ دیے' تحریم فاطمہ اور عبدالہدیٰ حسین صاحب تو باقاعدہ ناراض ہو گئے کہ پھوپھو جانی آپ نے میرا نام حسن لکھ دیا' کیسی محبت ہے آپ کی مجھ سے۔ اس خوب صورت حقیقت کے ساتھ اجازت کچھ لوگ اس لیے بھی زیادہ دکھ اٹھاتے ہیں کہ انہوں نے اچھے لوگوں کی پہچان نہیں ہوتی۔ زندہ مثال میں خود ہوں جناب۔ والسلام خوش رہیں' میرے حق میں دعا....

ج۔ پیاری فوزیہ! ایسا ممکن نہیں ہے کہ ہمیں آپ سے محبت نہ رہے۔ آپ تو ہماری مستقل قاری ہیں اور سب سے بڑی بات آپ کا تبصرہ بہت مزے دار ہوتا ہے' ہمیں شدت سے آپ کے خط کا انتظار رہتا ہے۔ نام کی غلطی پر معذرت خواہ ہیں۔

تحریم بخاری.... مظفر گڑھ

اس ماہ کرن ہمیشہ کی طرح دیر سے ملا۔ اس لیے تبصرہ کرنے سے قاصر ہوں اور جو تھوڑا بہت پڑھا ہے وہ نہایت عمدہ ہے۔ آپ مجھے کنفرم بتائیں کہ کرن مہینے کی کس تاریخ تک مارکیٹ میں آتا ہے؟ کیونکہ جب ہمارے ہاتھ آتا ہے تو بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے' جس کی وجہ سے ہم خط نہیں لکھ پاتے۔ لیکن آج پرانی یادیں پھر سے انگڑائیاں لینے لگیں' جب کرن میں ہمارا پہلا خط شامل ہوا تھا۔ کیا ہوا جو آج ہم تبصرہ سے بھرپور خط نہیں لکھ سکتے۔ لیکن ہم کرن میں شمولیت تو کر سکتے ہیں۔ اب ایسا محسوس ہوتا ہے۔ جیسے وقت نے ہمیں وہیں لا کر کھڑا کیا ہے' جہاں سے ہم نے کرن سے ناطہ جوڑا تھا۔ اب جب کرن آنکھوں کے سامنے آیا تو خود کو قلم اٹھانے سے روک نہیں پائے۔ وقت کے گرداب میں ایسے پھنسے کہ کچھ سوچنے سمجھنے کی فرصت نہیں ملی۔ خواہشوں کا کارواں پھر سے لوٹ آیا ہے۔ اس نفسا نفسی کے عالم میں آج جب تھوڑی سی فرصت ملی تو ایک بار پھر سے کرن سے تعلق بنانے کی کوشش ہے۔ درمیان کا جو وقت گزرا مصروف گزرا' جس کی وجہ میں شامل نہ ہو سکی کرن میں۔ لیکن اب وہ کہتے ہیں نا کہ (کرن) تیرے بن اب دوری سہی نہیں جاتی۔ ان شاء اللہ اب تعلق بنائے رکھیں گے۔ دعا کیجیے گا۔ آپ سے ایک بات پوچھنی ہے کہ اگر کرن میں اپنی تحریر بھیجنی ہو تو کون سی تاریخ تک بھیجوں؟ کیونکہ میں نے ایک تحریر جو بہت محنت سے تیار کی ہے اور بالکل حقیقت پر ہے۔ آپ بتا دیں وہ کس تاریخ میں بھیجوں گی۔

ج۔ تحریم جی! کرن بارہ سے سولہ تک مارکیٹ میں آجاتا ہے۔ آپ چوبیس تاریخ تک خط لکھ سکتی ہیں۔ یعنی کہ تیس تک ہم تک پہنچ جائے۔ ویسے بھی خط شائع نہیں بھی ہو سکے' لیکن آپ کی رائے تو پہنچ جائے گی ہم تک۔ وہ زیادہ اہم ہے ہمارے لیے۔ کہانی ضرور بھیجیے' کسی بھی تاریخ تک بھیج سکتی ہیں' اگر اشاعت کے قابل ہوئی تو ضرور شائع ہو گی۔

فضا نور.... لیاری

کرن کا شمارہ ہاتھ میں آتے ہی پہلے ماڈل صاحبہ کا مطالعہ کیا۔ جی ہاں! اس بار ماڈل کو چودہ اگست کے لحاظ سے کپڑے پہننے چاہیے تھے۔ چلیے ایسے بھی پیاری لگ رہی ہے۔ ماڈل کا ہیئر اسٹائل پسند آیا۔ پھر "نامے میرے نام" کی طرف بڑھی' پر یہ کیا میرا خط غائب اتنی مشکل سے خط پوسٹ کروایا اور شائع ہی نہیں ہوا بہت دکھ ہوا اس بار مایوس مت کیجیے گا۔ "حمد و نعت" ہمیشہ کی طرح

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

زبردست۔ سونیا مشال اور زینب جمیل دونوں ہی مجھے کچھ خاص پسند نہیں، جیسے تیسے ان کا انٹرویو پڑھ کر آگے بڑھی۔ "ملنے کے نہیں نایاب ہیں" ہم عبدالستار ایدھی بڑھنے کو ان کا نام ہی کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔ (آمین) ان کے بارے میں پڑھ کر اچھا لگا۔ "مقابل ہے آئینہ" میں غنوی ارم کا پڑھ کر اچھا لگا۔ "راپنزل" ہمیشہ کی طرح لاجواب ہم تو شہرین کے لیے دعا کر رہے تھے پر یہ کیا تنزیلہ جی نے تو بے چارے سلیم کو ہی مار دیا۔ ہم نینا اور سلیم کی گفتگو سے جو لطف لیتے تھے اب وہ مزا کیسے آئے گا۔ زری کا انجام یقیناً "برا ہوگا۔ ویسے کہانی بہت دلچسپ ہوتی جا رہی ہے۔ دیکھتے ہیں آگے کیا ہوتا ہے۔ "دست مسیحا" نگہت سیما نے اس بار قسط بہت اچھی رہی۔ آخر کار پتا چل ہی گیا کہ موحد، ثمرین کا بیٹا ہے۔ امل اور موحد کے بارے میں جان کر بے چارہ شامی تو چپ ہی ہو گیا ہے۔ آئندہ ماہ آخری قسط ہوگی۔ ویسے "دست مسیحا" زبردست جا رہا ہے۔ نگہت جی آپ شامی کے لیے بھی کوئی ہیروئن رکھیے نا۔ مکمل ناول "در پردہ محبت" کائنات غزل کیا خوب کہانی لکھی۔ ویسے یہ موضوع پرانا تھا۔ آپ نے اسے نئے طریقے سے پیش کیا ویری گڈ..... دیا شیرازی "تم دینا ساتھ" شاہ میر کا گل کے ساتھ نوک جھونک کا انداز اچھا لگا۔ بے بے نے انتقام میں اندھی ہو کر اپنے بیٹے کو ہی کھو دیا۔ جنت بی بی کا کردار سپورٹنگ لگا۔ "قصہ اک انوکھے لاڈلے کا" نام کچھ سوٹ نہیں ہوا، کہانی پر تبصرہ، ٹھوکر کھانے سے پہلے ہی سنبھل گئی۔ اسے اندازہ ہو گیا کہ ماں، باپ جو فیصلہ کرتے ہیں وہی ہمارے لیے بہتر ہے۔ افسانے میں اس بار "فیس بک کی پرنسس" نادیہ خان نے تو دل کی بات کہہ ڈالی۔ فیس بک کا استعمال ٹھیک ہے، پر کچھ لوگ اس کا غلط فائدہ اٹھاتے ہیں وہ تو شکر عاشی کو حمزہ کے بارے میں پتا چل گیا۔ ورنہ اس کی زندگی برباد ہو جاتی۔ ناولٹ "منزل عشق" روشن سے عبدالہادی تک کا سفر دلچسپ لگا۔ بے شک ہمیں عشق صرف اور صرف اپنے خالق حقیقی سے کرنا چاہیے۔ ویل ڈن حنا بشریٰ، باقی افسانے بھی اچھے تھے۔ "کرن کرن خوشبو" ہمیشہ کی طرح زبردست سلسلہ۔ پسند آئے باقی سلسلے بھی اچھے تھے۔ "نامے میرے نام" میں ثنا شہزاد کا خط اچھا لگا۔ مجھے یہ پوچھنا تھا کہ اگر میں شعر بھیجوں تو شائع ہوگا اور ایک ہی لفافے میں بھیج سکتی ہوں۔

ج۔ فضہ جی! سب سے پہلے ہمیں تو آپ سب کے خطوط کا شدت سے انتظار رہتا ہے کہ ہماری کاوش ہماری قارئین کو پسند آئی یا نہ آئی۔ آپ کا خط ہمیں ملا ہی نہیں، ورنہ ضرور شائع کرتے اور دوسری بات یہ کہ کرن کے تمام سلسلوں میں آپ بخوشی شرکت کر سکتی ہیں۔

اقرا ممتاز..... بھاگٹانوالہ سرگودھا

آپ کا بہت شکریہ کہ "نامے میرے نام" میں تھوڑی سی جگہ دے دی۔ پہلی دفعہ لکھا تھا شکر ہے مایوس نہیں کیا۔ عبدالستار ایدھی کو پڑھ کر بہت خوشی ہوئی ان کو پڑھتے ہوئے ہر آنکھ اشکبار ہوئی ایسے ہی لوگ ہمارے ملک کا قیمتی اثاثہ ہوتے ہیں۔ "مقابل ہے آئینہ" میں غنوی اکرم کو جان کر خوشی ہوئی۔ خدا ان کے بھائی کو جنت الفردوس میں جگہ نصیب فرمائے۔ (آمین) پھر چھلانگ لگائی۔ "دست مسیحا" پر ویل ڈن نگہت جی نے کیا امیزنگ لکھا ہے۔ حیرانگی ہوئی موحد اور ہشام بھائی نکلے۔ اگلی قسط کا شدت سے انتظار رہے گا۔ ناولٹ میں "سنگ پارس" No.1 رہا۔ مہوش افتخار کی جتنی حوصلہ افزائی کی جائے کم ہے۔ میری دعا ہے کہ خدا ان کو بہت ترقی نصیب فرمائیں۔ (آمین) مکمل ناول "تم دینا ساتھ میرا" دیا شیرازی کی تحریر بھی زبردست رہی۔ نٹ کھٹ سی گل لالہ اچھی لگی۔ ناولٹ "قصہ لاڈلے کا" ام ایمان نے کمال کر دیا۔ اتنی اچھی تحریر۔ ام ایمان نے صحیح لکھا ہے کہ مشکل کے وقت اپنے ہی اپنوں کے کام آتے ہیں۔ باقی افسانے بھی زبردست لگے۔

ج۔ پیاری اقرا! شکریہ کس بات کا "کرن" آپ لوگوں کا ہی پرچا ہے اور آپ ہر مہینے خط لکھ سکتی ہیں۔ آپ فون کر کے ناول منگوانے کا طریقہ پوچھ سکتی ہیں۔ ہماری دعا ہے آپ اچھے نمبروں سے کامیاب ہو۔ (آمین)